منہاج نہج البلاغہ

تالیف

الفاضل الشہیر السیّد سبط الحسن الہنسوی اعلی اللہ مقامہ

- عضو منتدی النشر (نجف اشرف)
- کارمند انجمن تبلیغات اسلامی (تہران)
- ممبر اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی
- ناظم دار النشر للمعارف الاسلامیہ (لکھنؤ)

مرکز احیاء آثار برصغیر

منہاج نہج البلاغہ

مؤلف: الفاضل الشہیر السیّد سبط الحسن الہنسوی اعلی اللہ مقامہ

اشاعتِ اول: جمادی الثانی ۱۴۴۴ / دسمبر ۲۰۲۲

ناشر: مرکزِ احیاءِ آثارِ برصغیر

ویب سائٹ: www.maablib.org

تہدیہ

انتہائی خلوص کے ساتھ اپنی اس کوشش کے اجر و ثواب کو

حضرت سید رضی رضوان اللہ علیہ

کی روح پُر فتوح کو ہدیہ کرتا ہوں جس نے نہج البلاغہ کو ہمارے سامنے پیش کیا۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا !

سبط الحسن

مولف کتاب

الفاضل الشہیر السیّد سبط الحسن الہنسوی اعلی اللہ مقامہ

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	مقدمہ	۱۱
۱	پیش گفت	۲۳
۲	تالیف کتاب کا اصل سبب	۲۳
۳	سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا	۲۳
۴	تالیف کتاب کے بعد اشاعت کی فکر	۲۴
۵	مردے از غیب بروں آید و کارے بکند	۲۵
۶	مؤلف کا مسلک اور عصر حاضر کا تقاضا	۲۷
۷	قریش افصح العرب ہیں	۲۹
۸	قبیلۂ قریش کے ممتاز فصحاء و بلغاء	۳۰
۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افصح الخلق تھے	۳۲
۱۰	بعد رسولؐ علی ابن ابی طالب علیہما السلام افصح الناس ہیں	۳۵
۱۱	حضرت علی علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان رابطۂ باہمی	۴۰
۱۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو معجزے	۵۴
۱۳	ایک سنی عالم کی علی علیہ السلام کے متعلق گواہی	۵۵
۱۴	علی علیہ السلام کے متعلق ایک مستشرق کی گواہی	۵۶
۱۵	علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک علمی کو آگے بڑھایا	۵۷
۱۶	عربی زبان کو علی علیہ السلام نے زندگی بخشی اور اس کو علمی مرتبہ دیا	۵۸
۱۷	علی علیہ السلام کی تحریک علمی اور اس کے موانع	۵۹
۱۸	علی علیہ السلام پست کو بلند کرنا چاہتے تھے اور ہر چھوٹا بڑا آپؑ کی نگاہوں میں یکساں تھا	۶۲

۱۹	علی علیہ السلام دنیا سے جہل کو مٹانا چاہتے تھے	۶۶
۲۰	علی علیہ السلام اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے ایک جدید شہر چاہتے تھے	۶۷
۲۱	علی علیہ السلام نے کوفہ کو دارالعلم بنایا	۷۱
۲۲	علی علیہ السلام ہر وقت اور ہر حالت میں تعلیم و ہدایت کے لیے متوجہ رہتے تھے	۷۲
۲۳	علی علیہ السلام کے خطبوں کی تعداد اور مشاہیر خطباء و ادباء کا ان سے مستفید ہونے کا اقرار	۷۹
۲۴	علی علیہ السلام کا بعض کلام دوسرے ادباء کی طرف منسوب ہوا	۸۲
۲۵	صدر اول ہی میں علی علیہ السلام کا کلام مدون تھا	۸۴
۲۶	عہد سابق میں تدوین علوم کی جو مخالفت تھی وہ اب علی علیہ السلام کے عہد میں نہ تھی	۸۴
۲۷	علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب میں مصنفین و مؤلفین کو پیدا کر دیا تھا اسی عہد میں آپؑ کے خطب مدون ہوئے	۸۵
۲۸	مختلف اصحاب ائمہ و قدماء مولفین جنہوں نے آپؑ کے خطب و آثار کو جمع کیا	۸۸
۲۹	سید رضیؒ سے قبل کے وہ علماء اسلام جنہوں نے آپؑ کے خطب و کلام کو اپنے مصنفات میں جگہ دی	۹۱
۳۰	نہج البلاغہ کی تالیف کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کے دوسرے مجموعے و مؤلفات	۹۳
۳۱	علی علیہ السلام کے آثار علم و ادب کا اعتراف ایک مستشرق کی زبانی	۹۶
۳۲	اہلسنت کا اعتراف	۹۸
۳۳	وہ شارحین نہج البلاغہ جو سنی المذہب ہیں	۹۸
۳۴	بعض اجلہ علمائے اہلسنت کی عبارات اعتراف	۹۸
۳۵	کتاب نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین علیہ السلام سمجھ کر علمائے اہلسنت اس سے تمسک کرتے ہیں اور اپنے اسناد سے اس کو روایت کرتے ہیں	۱۱۷
۳۶	مسیحی علماء و ادباء کا اعتراف	۱۱۹
۳۷	منکرین و معترضین نہج البلاغہ	۱۲۳
۳۸	پروفیسر خلوصی کے اعتراضات	۱۲۶
۳۹	علی علیہ السلام کے کلام کی غلط توجیہ اور خلوصی کی چالاکی	۱۲۶
۴۰	عورت کی کمزوری اور علی علیہ السلام کے کلام کا صحیح مورد	۱۲۷
۴۱	علی علیہ السلام کے کلام کو غلط طریقہ سے پیش کرنے کا خلوصی کو کیا حق ہے	۱۲۹
۴۲	اسلام و پیغمبر اسلامؐ کا شرور نساء سے مقابلہ	۱۳۰
۴۳	احادیث صحاح ستہ و دوسرے کتب احادیث اہلسنت میں عورتوں کی مذمت	۱۳۶

۴۴	یورپ کی عورتیں اپنے عیوب سننے کی عادی ہیں، عورت کے متعلق عقلاء یورپ کے اقوال	۱۴۲
۴۵	نہج البلاغہ کے متعلق خلوصی کے شکوک وایراد	۱۴۵
۴۶	پہلے شبہ کا جواب	۱۴۷
۴۷	مصادر وماخذ نہج البلاغہ جن کا ذکر سید رضی نے کیا ہے	۱۵۲
۴۸	کتب مصادر نہج البلاغہ کہاں جمع تھے	۱۵۳
۴۹	شیعی واسلامی خزائن کتب کی تباہی	۱۵۳
۵۰	ہمارے خزائن کتب کا احیاء کرکے اس میں نہج البلاغہ کو تلاش کرو	۱۵۶
۵۱	خلوصی صاحب نے ابوالفرج اموی کی کتاب میں چند خطبے دیکھے	۱۵۶
۵۲	ابوالفرج اموی امامیہ اثناعشریہ نہیں ہے	۱۵۷
۵۳	کتب قدماء جن میں مندرجات نہج البلاغہ کا وجود آج بھی ہے	۱۵۸
۵۴	دوسرے شبہ کا جواب	۱۶۱
۵۵	اصحاب رسولؐ جمع وتدوین کے مخالف تھے	۱۶۴
۵۶	احادیث وآثار رسولؐ کو مدون کرنے کی اجازت نہ تھی	۱۶۴
۵۷	خلیفہ دوم نے روایت حدیث کے جرم میں صحابہ کبار کو مقید کیا	۱۶۵
۵۸	خلفاء کے خطبے کیوں نہیں مدون کئے گئے جبکہ علی علیہ السلام کے خطب واقوال کی جمع وتدوین ہوئی	۱۶۹
۵۹	خلیفہ عمر میں تقریر کرنے کی فطری صلاحیت نہ تھی صحیح تلفظ پر بھی قادر نہ تھے	۱۷۱
۶۰	خلیفہ اول کو بھی ملکہ تقریر حاصل نہ تھا	۱۷۱
۶۱	ابوحیان توحیدی نے شیخین کے لیے کلام فصیح وضع کیا	۱۷۵
۶۲	نہج البلاغہ معجزات کلام اور ادب عربی کا بہترین سرمایہ ہے	۱۷۸
۶۳	علی علیہ السلام نے اولین معلم اسلام کی حیثیت سے اشاعت علوم کے لیے سعی فرمائی	۱۷۹
۶۴	علی علیہ السلام نے خطب نہج البلاغہ کے ذریعہ صحیح تعلیمات اسلام کو پیش فرمایا	۱۸۰
۶۵	تیسرے شبہ کا جواب	۱۸۴
۶۶	علی علیہ السلام سے جبراً بیعت لینے کے سلسلے میں جو ظلم کیے گئے	۱۹۰
۶۷	خطبہ شقشقیہ کو محققین اہلسنت قبول کرتے ہیں	۱۹۳
۶۸	تمام شارحین اہلسنت قبول کرتے ہیں کسی نے انکار نہیں کیا	۱۹۷
۶۹	چوتھا شبہ	۱۹۹

۷۰	اسلام کے سب سے پہلے مفکر علی علیہ السلام نے استدلال عقلی سے کام لیا	۲۰۰
۷۱	علی علیہ السلام بالطبع منطقی تھے ارسطو کی منطق کے محتاج نہ تھے	۲۰۲
۷۲	سب سے پہلے علی علیہ السلام ہی نے مسائل توحید کو علمی انداز میں بیان فرمایا	۲۰۴
۷۳	خلفاء نے مطالب قرآن پر غور وفکر سے روکا	۲۰۵
۷۴	جو قرآن کے مطالب کو سمجھنا چاہتا تھا اس کو سزا دی جاتی	۲۰۵
۷۵	علی علیہ السلام نے فہم قرآن کی طرف بلایا	۲۰۷
۷۶	سرزمین عراق "علی علیہ السلام" کے مقاصد کے لیے بہترین جگہ تھی	۲۰۹
۷۷	علی علیہ السلام کو خدا کی طرف سے حکمت وفصل خطاب عطا کیا گیا	۲۰۹
۷۸	علی علیہ السلام کے کلام میں پیغمبرانہ شان پائی جاتی ہے	۲۱۰
۷۹	عالم اسلام میں سب سے پہلے علی علیہ السلام ہیں جو معلم حکمت وفلسفہ ہیں	۲۱۱
۸۰	جس وقت عالم اسلام میں علوم کا فقدان تھا علی علیہ السلام اس کی اشاعت کرتے تھے	۲۱۳
۸۱	خدا کے متعلق اسلامی نظریہ کی سب سے اعلیٰ مثال علی علیہ السلام کا خطبہ ہے	۲۱۶
۸۲	مسلمانان عہد رسالت کے دلوں میں شکوک تھے جن کو علی علیہ السلام نے اپنی تقریروں وخطبوں سے دور کیا	۲۱۷
۸۳	علی علیہ السلام نے طاؤس کو کہاں دیکھا؟	۲۲۰
۸۴	طویل خطبے بھی ہوا کرتے تھے	۲۲۱
۸۵	عہد نامۂ مالک اشتر بھی مقتضائے حال کی بنا پر طویل ہے	۲۲۳
۸۶	عہد نامہ کے مضامین علی علیہ السلام کے زمانہ سے ارفع وبلند ہیں؟ اس اعتراض کا شیخ عبداللہ علائلی کی طرف سے جواب	۲۲۴
۸۷	عہد نامہ کی سبک تحریر علی علیہ السلام ہی کے اسلوب وطرز پر ہے	۲۲۷
۸۸	مسیحی علماء وادباء بھی عہد نامہ کا اعتراف کرتے ہیں	۲۲۹
۸۹	وہ علماء اہل سنت جنہوں نے عہد نامہ کی مستقل شرح کی	۲۳۰
۹۰	تدبیر مملکت وسیاست کے متعلق حضرتؑ کی دوسری تحریریں	۲۳۰
۹۱	رسالۂ المقتطف کا فریب کہ ۸۵۸ھ کے بعد عہد نامہ مالک اشتر کا اضافہ ہوا	۲۳۲
۹۲	سلطان بایزید ثانی سے تقریباً ساڑھے چار سو برس پہلے نہج البلاغہ کی تدوین ہوئی جس کے تمام نسخوں میں عہد نامہ موجود ہے	۲۳۳
۹۳	سلطان بایزید دوم کا نسخہ عہد نامہ مالک اشتر اصل عہد نامہ کا خلاصہ ہے جس کو کسی صوفی نے کیا ہے	۲۳۶
۹۴	مکتوب امیر المومنین علی بن ابی طالب بنام مالک اشتر مشتمل المضامین تصوف ونصائح	۲۳۶

نمبر	عنوان	صفحہ
۹۵	خلوصی صاحب کوایک مشورہ	۲۳۷
۹۶	خلوصی صاحب کاایک ضمنی شبہ کہ علی علیہ السلام کے عہد میں کاغذ کا وجود نہ تھا	۲۳۸
۹۷	پانچواں شبہ	۲۳۷
۹۸	مصادر تصوف خالص اسلامی ہے	۲۵۱
۹۹	علی علیہ السلام کی ذات سے عناوین تصوف کی تطبیق	۲۵۲
۱۰۰	اعمال قلب یا اعمال باطن کاتعلق علی علیہ السلام کی ذات سے	۲۵۲
۱۰۱	نہج البلاغہ اور اخبار غیبیہ	۲۵۳
۱۰۲	علمائے اہلسنت کااقرار کہ علی علیہ السلام نے غیب کی خبر دی	۲۵۸
۱۰۳	ابن خلدون مغربی کااقرار کہ اہلبیتؑ صاحب کشف وکرامت ہیں	۲۵۹
۱۰۴	امت محمدیہ میں صاحب کشف والہام کا ہونا	۲۶۰
۱۰۵	چھٹا شبہ	۲۶۳
۱۰۶	دور جاہلیت وصدر اول کے کلام میں محاسن کلام وسجع کا وجود	۲۶۳
۱۰۷	ساتواں شبہ	۲۷۷
۱۰۸	اصطلاحات کے واضع خود امیر المومنین علیہ السلام ہیں	۲۷۷
۱۰۹	لغت الفاظ کی جمع وتالیف حضرتؑ کی محتاج ہے	۲۸۱
۱۱۰	عدم علم کی وجہ سے کوئی لفظ ٹکسال باہر نہیں کیا جاسکتا	۲۸۲
۱۱۱	لغویین نے لفظ ازل کوکتب لغت میں ضبط کیا ہے	۲۸۳
۱۱۲	کیفیہ وکمیہ بھی کتب لغات میں موجود ہے	۲۸۶
۱۱۳	استاذ محمد عبدہ مصری الفاظ نہج البلاغہ کوکتب لغت کے مقابلہ میں حجت قرار دیتے ہیں	۲۸۷
۱۱۴	نہج البلاغہ میں لفظ معلول کا استعمال لغوی اعتبار سے صحیح ہوا ہے	۲۸۹
۱۱۵	فرضی اغلاط	۲۹۱
۱۱۶	جس جس طریقہ سے قواعد نحویہ کے ماتحت "کاد" کا استعمال صحیح ہے حضرتؑ نے استعمال فرمایا	۲۹۴
۱۱۷	کلام رسولؐ وکتب احادیث اہل سنت میں استعمال	۲۹۵
۱۱۸	کتب ادب وتاریخ میں "کاد" کے ساتھ "اَنْ" کا استعمال	۳۰۰
۱۱۹	خلوصی کے نزدیک دوسری غلطی یہ ہے	۳۰۴
۱۲۰	خلوصی صاحب اپنے تمام مزعومات وہفوات کا نتیجہ یہ نکالتے ہیں	۳۳۲

۱۲۱	سیدرضی کی ذات اس سے بلند ہے کہ ان کی طرف وضع کی نسبت دی جائے	۳۳۶
۱۲۲	سیدرضی اگرنہج البلاغہ کو غلط منسوب کرتے تو حکومت کی طرف سے مستوجب عقاب ٹھہرتے	۳۳۷
۱۲۳	ابواسحق الصابی ونہج البلاغہ	۳۳۸
۱۲۴	استاد العلامہ محمد محی الدین عبدالحمید ازہری اور استاد فواد افرام بیروتی مشککین کے شبہات کو رد کرتے ہیں	۳۴۲
۱۲۵	مسیحی ادیب فواد افرام بستانی	۳۴۸
۱۲۶	اختتام کتاب	۳۵۲
۱۲۷	فہرست کتب جن کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے	۳۵۳

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ۔

اللہ سبحانہ نے انسان کو عقل کی نعمت سے نوازا اور علم و حکمت کو اس کے لیے سرمایہ قرار دیا۔ ذی شعور و دانا افراد و قومیں اس قیمتی سرمایہ کی تلاش میں رہتے، اُس کی حفاظت کرتے اور آئندہ نسلوں تک بطور میراث منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی قیمتی ترین میراث اللہ کی وہ کتاب ہے جس کے لیے پروردگار نے فرمایا:

﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ [1]

اور اپنے پیغمبرؐ کی بعثت کا مقصد اسی کتاب کی تعلیم کو قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ﴾ [2]

علم و حکمت کے ان خزانوں کے باب و در اور محافظ و مفسر علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور آپؑ کے حکمت بھرے کلام کے سرچشمہ کا نام "نہج البلاغہ" ہے۔ نہج البلاغہ کے ایک ایک فقرہ میں قرآن و حدیث کی روح اور اسلام کی صحیح تعلیمات کی تصویر سموئی ہوئی ہے۔ اس معلّم اسلام کا حکمت آگیں کلام اسلام کے خد و خال کو پہچاننے اور اس کے بلند پایہ اسرار و رموز تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں اپنے اس مقام کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:

وَ عِنْدَنَا اَهْلَ الْبَیْتِ اَبْوَابُ الْحِکَمِ وَ ضِیَآءُ الْاَمْرِ۔

اور ہم اہل بیتؑ (نبوت) کے پاس علم و معرفت کے دروازے اور شریعت کی روشن راہیں ہیں۔ [3]

دوسرے مقام پر خود کو در و باب کے طور پر یوں پیش فرماتے ہیں:

---

[1] سورۂ بقرہ، آیہ ۲۔

[2] سورۂ جمعہ، آیہ ۱۲۹۔

[3] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۱۸، ص ۳۶۲۔

نَحْنُ الشِّعَارُ وَ الْاَصْحَابُ، وَ الْخَزَنَةُ وَ الْاَبْوَابُ، وَ لَا تُؤْتَى الْبُيُوْتُ اِلَّا مِنْ اَبْوَابِهَا، فَمَنْ اَتَاهَا مِنْ غَيْرِ اَبْوَابِهَا سُمِّيَ سَارِقًا۔

ہم قریبی تعلق رکھنے والے اور خاص ساتھی اور خزانہ دار اور دروازے ہیں اور گھروں میں دروازوں ہی سے آیا جاتا ہے اور جو دروازوں کو چھوڑ کر کسی اور طرف سے آئے اس کا نام چور ہوتا ہے۔[1]

نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید معتزلی ان جملوں کی شرح میں فضائلِ علی علیہ السلام کی چوبیس روایات نقل کی ہیں۔ وَالْخَزَنَةُ وَالْاَبْوَابُ کی شرح میں لکھتے ہیں:

يُمْكِنُ اَنْ يَعْنِيَ بِهٖ خَزَنَةَ الْعِلْمِ وَ اَبْوَابَ الْعِلْمِ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا" فَمَنْ اَرَادَ الْحِكْمَةَ فَلْيَاْتِ الْبَابَ وَ قَوْلُهٗ فِيْهِ: "خَازِنُ عِلْمِيْ" وَ قَالَ تَارَةً اُخْرٰى "عَيْبَةُ عِلْمِيْ" وَ يُمْكِنُ اَنْ يُّرِيْدَ خَزَنَةَ الْجَنَّةِ وَ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ۔۔۔

ممکن ہے کہ آپؑ نے اس سے علم کا خزانہ اور علم کا دروازہ مراد لیا ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "میں شہر علم ہوں اور علی علیہ السلام اُس کا دروازہ ہیں، پس جو حکمت کا طلب گار ہے وہ دروازے پر آئے" اور آپؑ کے بارے میں آپ کا فرمان ہے "میرے علم کا خزانہ"۔ ایک اور مقام پر فرمایا "میرے علم کا صندوق" اور ممکن ہے جنت کا خزانہ اور جنت کا دروازہ مراد لیا ہو۔

ابن ابی الحدید آخر میں چور کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ قَالَ: مَنْ اَتَاهَا مِنْ غَيْرِ اَبْوَابِهَا سُمِّيَ سَارِقًا، وَ هٰذَا حَقٌّ ظَاهِرًا وَ بَاطِنًا. اَمَّا الظَّاهِرُ فَلِاَنَّ مَنْ يَّتَسَوَّرُ الْبُيُوْتَ مِنْ غَيْرِ اَبْوَابِهَا هُوَ السَّارِقُ، وَ اَمَّا الْبَاطِنُ فَلِاَنَّ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ مِنْ غَيْرِ اُسْتَاذٍ مُحَقِّقٍ فَلَمْ يَاْتِهٖ مِنْ بَابِهٖ فَهُوَ اَشْبَهُ بِشَيْءٍ السَّارِقِ۔

پھر فرمایا: جو دروازوں کو چھوڑ کر کسی اور طرف سے آئے اس کا نام چور ہوتا ہے اور یہ ظاہر و باطن کے اعتبار سے سچ و حقیقت ہے۔ ظاہر کے اعتبار سے اس لیے کہ جو دروازوں کو چھوڑ کر گھروں

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ اذکار، خطبہ ۱۵۲، ص ۴۳۱۔

میں کودتا اور پھاندتا ہے وہ چور ہے اور باطن کے لحاظ سے اس لیے کہ جس نے حقیقت آشنا استاد سے ہٹ کر کسی اور سے علم طلب کیا اور چاہا وہ دروازے سے نہیں آیا، وہ چور کے ساتھ بہت مشابہ و ملتا جلتا ہے۔[1]

اسی دروازے سے اور بس اسی ہی سے آج تک یہ صدا آ رہی ہے۔

اَيُّهَا النَّاسُ! سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ. فَلَاَنَا بِطُرُقِ السَّمَآءِ اَعْلَمُ مِنِّیْ بِطُرُقِ الْاَرْضِ۔

اے لوگو! مجھے کھو دینے سے پہلے مجھ سے پوچھ لو اور میں زمین کی راہوں سے زیادہ آسمان کے راستوں سے واقف ہوں۔[2]

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَاسْئَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ. فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ! لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ السَّاعَةِ. وَ لَا عَنْ فِئَةٍ تَهْدِیْ مِائَةً وَ تُضِلُّ مِائَةً اِلَّآ اَنْبَاْتُكُمْ۔

اب (موقعہ ہے جو چاہو) مجھ سے پوچھ لو، پیشتر اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم اس وقت سے لے کر قیامت تک کے درمیانی عرصے کی جو بات مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا اور کسی ایسے گروہ کے متعلق دریافت کرو گے کہ جس نے سو کو ہدایت کی ہو اور سو کو گمراہ کیا ہو۔[3]

علم کی تقسیم کے لیے فقط باب العلم ہی یہ صدا دے سکتے ہیں اور آج بھی تقسیم علم نہج البلاغہ کی صورت میں جاری ہے۔ مورخین نے لکھا ہے:

مَاكَانَ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يَقُوْلُ: سَلُوْنِیْ غَيْرُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍؑ۔

"لوگوں میں سے علی بن ابی طالب کے علاوہ کسی نے سلونی کا دعویٰ نہیں کیا"۔[4]

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۹، ص۱۶۵ـ۱۶۶۔

[2] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۷، ص۵۳۱۔

[3] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۹۲، ص۳۰۹۔

[4] استیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔

مگر افسوس! زمانے نے علی علیہ السلام سے کیا پوچھا؟ اگر کچھ پوچھا بھی تو آزمانے کے لیے یا اپنی شرمساری کو مٹانے کے لیے۔

کاش! علی علیہ السلام سے خدا کا پتا پوچھ لیتے، مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے طریقے سیکھ لیتے اور قرآن مجید کی تفسیر جان لیتے اور زندگی گزارنے کا سلیقہ یاد کر لیتے۔

ہاں! اگر آج بھی کوئی اپنی اس گمشدہ میراث کو حاصل کرنا چاہے تو علی علیہ السلام کے کلام "نہج البلاغہ" سے اخذ کر سکتا ہے۔ نہج البلاغہ کے مشہور اہل سنت عالم ابن ابی الحدید معتزلی رقمطراز ہیں۔

وَ اعْلَمْ اَنَّ التَّوْحِيْدَ وَ الْعَدْلَ وَ الْمَبَاحِثَ الشَّرِيْفَةَ الْاِلٰهِيَّةَ مَا عُرِفَتْ اِلَّا مِنْ كَلَامِ هٰذَا الرَّجُلِ، وَ اَنَّ كَلَامَ غَيْرِهٖ مِنْ اَكَابِرِ الصَّحَابَةِ لَمْ يَتَضَمَّنْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ اَصْلًا وَ لَا كَانُوْا يَتَصَوَّرُوْنَهٗ، وَ لَوْ تَصَوَّرُوْهُ لَذَكَرُوْهُ، وَ هٰذِهِ الْفَضِيْلَةُ عِنْدِيْ اَعْظَمُ فَضَائِلِهٖ علیہ السلام.

جان لیجئے! توحید و عدل اور دوسری عظیم الٰہی ابحاث کی معرفت اس ہستی کے علاوہ کسی سے حاصل نہیں ہوئی۔ کسی اور بزرگ صحابی کا کلام ان مطالب کو حاوی نہیں، بلکہ یہ مطالب ان کی فکر میں بھی نہیں تھے۔ اگر وہ ان موضوعات کا تصور رکھتے ہوتے تو اسے بیان کرتے اور علی علیہ السلام کی یہ فضیلت میرے نزدیک سب سے بڑی فضیلت ہے۔[1]

ابن ابی الحدید خطبہ ۱۰۷ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:

اللہ اس کہنے والے (امامؑ) کو اسلام کی طرف سے وہ بہترین جزا دے جو وہ اپنے ولیوں کو دیتا ہے۔ اس نے اسلام کی کیسے کیسے مدد کی۔ کبھی ہاتھ اور تلوار سے، کبھی زبان اور کلام سے، کبھی دل اور فکر سے۔ اگر جنگ و جہاد کی بات کریں تو وہ جنگجوؤں اور مجاہدین کا سردار ہے۔ اگر وعظ و نصیحت کی بات کی جائے تو وہ سب سے بلیغ واعظ اور یاد دلانے والا ہے۔ اگر فقہ و تفسیر کی بات کی جائے تو وہ فقہاء و مفسرین کا رئیس ہے۔ اگر عدل و توحید کی بات کی جائے تو وہ اہل عدل اور موحدین کا امام ہے۔ اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ اپنے تمام عالم کو ایک فرد میں جمع کر دے۔[2]

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، خطبہ ۸۳، ج ۶، ص ۳۴۶۔
[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، خطبہ ۱۰۷، ج ۷، ص ۲۰۷۔

مصر کے مشہور مصنف ودانشور عباس محمود العقاد نے ۱۹۴۷ء میں "اللہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں اللہ سبحانہ کے بارے میں مختلف اقوام ومذاہب کے نظریات کو جمع کیا، جب اسلام کا نظریہ توحید پیش کرتے ہیں تو لکھتے ہیں:

وَ مِنَ الْاَمْثِلَةِ الْعَالِیَةِ لِلْفِكْرَةِ الْاِلٰهِیَّةِ فِی الْاِسْلَامِ خُطْبَةٌ وَرَدَتْ فِیْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ۔۔۔

اسلام میں الٰہی افکار کی بلند اور عالی مثالوں میں سے وہ خطبہ ہے جو نہج البلاغہ میں مذکور ہے۔ پھر نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَبْلُغُ سے عَارِفاً بِقَرَآئِنِهَا وَ اَحْنَآئِهَا. تک نقل کیا۔[۱]

برصغیر کے مشہور مصنف ومترجم اہل سنت عالم دین رئیس احمد جعفری ندوی نے ۱۹۵۴ء میں نہج البلاغہ کے خطبات کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ کے مقدمہ میں "شذرات" کے عنوان سے لکھے گئے مضمون میں توحید و رسالت و قرآن کے جاننے کا بہترین ذریعہ نہج البلاغہ کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خطبات وخطوط اور کلمات (نہج البلاغہ) کا ترجمہ!___ نہج البلاغہ، عربی ادب اور لٹریچر کا بہت ہی گراں سرمایہ ہے، فصاحت و بلاغت، زور بیان اور شانِ کلام، معنی آفرینی اور نکتہ سنجی، حق کا اثبات اور باطل کی تردید، راستی کی پکار اور کذب و دروغ کی نہی، سچ کا اظہار اور جھوٹ سے بیکار___ یہ ہے ان خطبات وکلمات کا موضوع! مختصراً اگر اس کتاب کے خصوصیات بیان کرنا ہوں تو ہم کہہ سکتے ہیں:

(۱) خطبات کا یہ مجموعہ فصاحت و بلاغت اور روانیٔ کلام کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتا۔

(۲) ان خطبات میں فلسفہ بھی ہے اور منطق بھی، تاریخ بھی ہے اور حقائق و معارف بھی___ وہ حقائق جو صرف دل کی آنکھوں سے دیکھے جاسکتے ہیں، وہ معارف جو صرف دل کے کانوں سے سنے جاسکتے ہیں۔

(۳) خدا کی یکتائی پر جو محکم دلیلیں اس اس کتاب میں ملیں گے وہ کہیں اور نہیں مل سکتیں، جس طرح قرآن حکیم میں خدا کی معرفت کے لیے چھوٹی چھوٹی اور بڑی بڑی چیزوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، اسی طرح اس کتاب کے خطیب نے ان چھوٹی چھوٹی اور بڑی بڑی چیزوں کی سبق آموزی کو اتنا واضح کر دیا ہے کہ بات دل میں اتر جاتی ہے، پھر کسی قسم کا وسوسہ اور اندیشہ باقی

---

[۱] اللہ، عباس محمود العقاد، ص ۱۶۹۔۱۷۰۔

نہیں رہ جاتا، خدا کی یکتائی پر اعتقاد جم جاتا ہے اور وہ یقین محکم حاصل ہو جاتا ہے جسے دنیا کا کوئی وسوسہ متزلزل نہیں کر سکتا۔

(۴) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپؐ کی سیرت مقدس، آپؐ کا کردار، آپؐ کی شخصیت، آپؐ کے صفات، آپؐ کے اخلاق، آپؐ کے عادات و خصائل، آپؐ کی گفتار و کردار کی جتنی واضح تصویر کشی ان خطبات میں ملے گی کہیں اور نہیں مل سکتی، اس لیے کہ یہ بیان اُس شخص کا ہے جس نے ہوش کی آنکھیں آغوشِ رسولؐ میں کھولیں اور جس کے دست و سینہ پر سرورِ کائناتؐ نے زندگی کی آخری سانس لی۔ جو فخر موجودات کا رفیق خلوت و جلوت تھا، جو صرف ایک معتقد اور مومن ہی نہیں تھا، بھائی بھی تھا، خویش بھی تھا۔ جس نے اپنی زندگی کا مقصد صرف یہ قرار دیا تھا کہ اسے سرورِ کائناتؐ پر نثار کر دے، جس نے جنگ کے میدان میں، گھر میں، مسجد میں، ہجرت سے پہلے، ہجرت کے زمانہ میں اور ہجرت کے بعد، دعوت اسلام شروع ہونے کے زمانہ میں اور اسلام کے پھیل جانے کے بعد، جس نے مکہ کی بے سروسامان زندگی میں، مدینہ کی مطمئن اور یکسو زندگی میں پھر فتح مکہ کے بعد حاکمیت کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا، ان کے ساتھ رہا تھا، اس رفاقت کو ہر حالت میں نبھایا تھا، کڑیاں جھیل کر، دُکھ اٹھا کر، مصیبتیں سہ کر، خطرات کا مقابلہ کر کے، تلوار کے سایہ میں ــــ کیا ایسے شخص سے بڑھ کر بھی کوئی حق رکھتا ہے کہ وہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرف آخر کہہ سکے؟

(۵) قرآن کریم کی عظمت و شان، جبروت و جلالت کا، صداقت اور معنویت کا جیسا پُر شکوہ بیان، ان خطبات میں ملے گا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ خطبات بتاتے ہیں کہ جو شخص قرآن کی تلاوت نہ کرے، قرآن پر فکر و تدبّر نہ کرے، اس کو اپنا راہ نما نہ بنائے، وہ خود ہی نجات نہیں حاصل کر سکتا۔ کہیں ضمناً، کہیں اصل موضوع بنا کر بار بار جناب مرتضیٰؑ نے قرآن پڑھنے، اس پر غور کرنے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔ ان خطبات کے پڑھنے سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن ہی اصل اسلام ہے، پس سچا اور کھرا مسلمان وہی ہے جو قرآن کے سر رشتہ کو کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ چھوڑے، جو ہر معاملہ میں قرآن کی ہدایت و رہنمائی کا طالب ہو، جو ہر مشکل کا حل قرآن ہی سے ڈھونڈے، جو ہر مصیبت میں صرف قرآن ہی کے

وسیلہ سے مداوا تلاش کرے۔

برصغیر کی علمی وادبی شخصیت اور مولانا ابوالکلام آزاد کے قریبی ساتھی و دست راست "عبدالرزاق خاں ملیح آبادی" جنہوں نے مولانا غلام رسول مہر کی ہمت افزائی سے ۱۹۵۰ء میں دہلی میں نہج البلاغہ کے مکتوبات کا اردو ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ رئیس احمد جعفری ندوی صاحب کے خطبات کے ترجمہ اور مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل کے کلمات قصار کے ترجمہ کے ساتھ شیخ غلام علی اینڈ سنز کی طرف سے لاہور سے شائع ہوا ہے۔ وہ ترجمہ کی ابتداء میں "پہلا بول" کے عنوان سے ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

> علمائے عرب وعجم کا فیصلہ ہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا کلام، افصح الکلام و ابلغ المقال ہے۔ حضرت امیرؑ کی لسان امیر اللسان اور حضرت امیرؑ کا کلام، امیر الکلام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ سے کوئی مقدس نورانی ہستی بول رہی ہے۔ لفظ تو بے شک انسانی لفظ ہیں، آواز بھی بے شک انسانی آواز ہے، مگر کلام کا انجام ونظام انسانی نہیں، بلکہ ملکوتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا فقرہ بھی اپنی جگہ ممتاز ہے، ایسا ممتاز کہ انسانی کلام میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اللہ کی رحمتیں ہوں سیّد رضی پر کہ امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں، تحریروں اور جملوں کا ایک مجموعہ چھوڑ گئے۔ "نہج البلاغہ" اسی مجموعہ کا نام ہے، یہ مجموعہ بلاشبہ عربی ادب کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے اور اسی سرمایہ پر عربی زبان جتنا فخر کرے کم ہے۔ "نہج البلاغہ" کا ایک ایک لفظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس کے جس حصے میں تحریریں جمع کی گئی ہیں، انمول خزانہ ہے۔[1]

مختصر یہ ہے کہ بقول مفتی اعظم مصر شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ:

لَيْسَ فِيْ اَهْلِ هٰذِهِ اللُّغَةِ اِلَّا قَآئِلٌ بِاَنَّ كَلَامَ الْاِمَامِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ هُوَ اَشْرَفُ الْكَلَامِ وَ اَبْلَغُهٗ بَعْدَ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ كَلَامِ نَبِيِّهٖ وَ اَغْزَرُهٗ مَادَّةً وَ اَرْفَعُهٗ اُسْلُوْبًا وَ اَجْمَعُهٗ لِجَلَآئِلِ الْمَعَانِيْ۔

عربی زبان والوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کا قائل نہ ہو کہ اللہ کے کلام اور اُس کے نبیؐ کے فرمان کے بعد بلاشبہ۔ امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کا کلام سب کلاموں سے زیادہ عظیم وبلیغ

---

[1] نہج البلاغہ، ترجمہ رئیس احمد جعفری، عبدالرزاق ملیح آبادی، مرتضیٰ حسین فاضل، ص ۵۸۸۔

ہے اور کثرت و وسعتِ مطالب کے لحاظ سے سب سے زیادہ، اسلوب بیان کی عظمت و بزرگی کے پہلو سے سب سے ارفع اور معانی و مفاہیم کے اعتبار سے بلند و بالا ہے۔[1]

شیخ محمد عبدہ نے اپنے دور میں مصر اور عرب زبان لوگوں میں جتنی نہج البلاغہ کی تبلیغ و ترویج کی اتنی کسی دور میں نہیں ہوئی۔ انہوں نے نہج البلاغہ کی ایک شرح بھی لکھی جس کا مفصل مقدمہ لکھا جو عربی ادب اور نہج البلاغہ کی عظمت کے بیان کے اعتبار سے شاہکار ہے۔ مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں:

وَ اَرْجُوْا اَنْ يَكُوْنَ فِيْ مَا وَضَعْتُ مِنْ وَجِيْزِ الْبَيَانِ لِلشَّبَانِ مِنْ اَهْلِ هٰذَا الزَّمَانِ۔

مجھے امید ہے کہ میں نے اختصار کے ساتھ جو بیان کیا ہے اُس سے اِس زمانے کے جوان مستفید ہوں گے۔[2]

ہماری اِس دور کے علماء و دانشوروں سے بھی یہی گزارش ہے کہ شیخ محمد عبدہ کی طرح اس میراثِ علمی و روحانی کو موردِ اختلاف و نزاع بنا کر جوانوں کو اس سے محروم نہ کریں بلکہ اُن پر رحم کرتے ہوئے اِس کلام سے استفادے کی راہیں اُن کے لیے روشن و آسان کریں۔

نہج البلاغہ کی تاریخ یہ ہے کہ بغداد کے شیعہ عالم سید رضیؒ نے ۴۰۰ھ میں امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کے ایک منتخب حصے کو جمع کیا۔ اُسے خطبات، مکتوبات اور مختصر کلمات پر مشتمل تین حصوں میں تقسیم کیا اور اُس کا نام "نہج البلاغہ" رکھا۔ علماء اہل سنت نے اُس کی شرحیں لکھیں جیسے ابوالحسن علی بن ابی القاسم بیہقی متوفی ۵۶۵ھ امام فخر الدین متوفی ۶۰۶ھ۔ بغداد اُس زمانے کا علمی مرکز تھا کسی شیعہ یا سنی عالم نے اس پر کوئی اشکال نہیں کیا بلکہ بغداد ہی کے اہل سنت عالم عبدالحمید بن ہبۃ اللہ مشہور بہ ابن ابی الحدید معتزلی متوفی ۶۵۶ھ نے ایک مفصل شرح لکھی جو اس وقت ۲۰ جلدوں میں مختلف ممالک میں شائع ہو رہی ہے۔

نہج البلاغہ کی اس شہرت سے حسد کرتے ہوئے اس پر اعتراضات کا پہلا تیر "ابن خلکان" کے ترکش سے نکلا۔ نہج البلاغہ لکھے جانے کے اڑھائی سو سال بعد شمس الدین احمد بن محمد الشافعی معروف بہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ نے وفیات الاعیان کے نام سے کتاب لکھی جس میں حروف تہجی کی ترتیب سے ساڑھے آٹھ سو علماء و امراء اور وزراء کے نام لکھے۔ حرف عین میں جامع نہج البلاغہ سید رضیؒ کے بڑے بھائی سید علی ابن الحسین علم الہدیٰ مشہور بہ سید مرتضیٰ کا تذکرہ

---

[1] مقدمہ شرح، الشیخ محمد عبدہ، ص ۹۔
[2] مقدمہ شرح، شیخ محمد عبدہ۔

کیا اور اُس میں نہج البلاغہ کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور لکھا:

لوگوں میں کتاب نہج البلاغہ کے بارے میں جو امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کلام کا مجموعہ ہے اختلاف ہے کہ وہ انہی (سید مرتضیٰ) کا جمع کردہ ہے یا اُن کے بھائی سید رضی کا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ علی علیہ السلام کا کلام ہی نہیں ہے بلکہ جسے جامع سمجھا جاتا ہے اسی کی یہ تصنیف ہے۔ واللہ اعلم۔ [۱]

اس اعتراض کی حقیقت کیا ہے اسے علامہ سید علی نقی صاحب نے محققانہ انداز سے بیان فرمایا ہے، لکھتے ہیں: خود قِيْلَ یعنی بعض کہتے ہیں اس قول کے ضعف کے لیے کافی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ [۲]

ابن خلکان کی انصاف پسندی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سید مرتضی کے نام کے ضمن میں کلام علی علیہ السلام پر انتہائی کمزور انداز میں اعتراض کرتے ہیں اور حرف میم میں المرزبانی ابوعبیداللہ محمد بن عمران متوفی ۳۸۴ھ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ دِيْوَانَ يَزِيْدِ بْنِ مُعَاوِيَةَ وَاعْتَنٰى بِهٖ۔

مرزبانی سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے یزید بن معاویہ کا دیوان جمع کیا اور اسے قابل توجہ و اعتنا سمجھا۔

مرزبانی کے اس تذکرہ کے بعد ابن خلکان دیوان یزید کے بارے میں اپنی رائے یوں پیش کرتے ہیں:

اور میں نے یزید کے دیوان سے اشتیاق و محبت کی وجہ سے اسے پورا یاد کرلیا اور یزید کے شعر تھوڑے ہوتے ہوئے حسن کی انتہا پر ہیں۔ [۳]

یوں اس عظیم سرمائے کو اختلافی بنانے کی کوششیں شروع ہوئیں اور کمزور لوگ اپنے کمزور پھونکوں سے اس نور کو بجھانے میں مشغول رہے مگر اللہ جس کا محافظ ہو اسے کون بجھا سکتا ہے۔ اِس چراغ کی کرنیں ہندوستان تک پہنچیں اور وہاں کے ایک دانشور ڈاکٹر محمد علی الحاج سلمان نے ۱۹۴۰ء کی دہائی میں اس کا پہلی مرتبہ انگلش میں ترجمہ کیا۔

English Translation of
NAHJ.UL .BALAGHA
BY, HAZRAT MAULA ALI IBN ABU TALIB
(COUSIN and Son.inlaw of the Prophet Mohammad)
Edited and Translated BY
DR. MUHAMMAD ALI AL.HAJ SALMIN D.LITT.(U.SA.)

---

[۱] وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج ۳، ص ۳۱۳۔

[۲] علامہ علی نقی اعلی اللہ مقامہ مقدمہ ترجمہ نہج البلاغہ علامہ مفتی جعفر حسین، مطبوعہ افکار، ص ۵۳۔

[۳] وفیات الاعیان، ج ۴، ص ۳۵۴۔

محدود تعداد میں شائع ہونے والا یہ انگلش ترجمہ ۱۹۵۰ء میں لندن کی یونیورسٹی کے عراقی لیکچر رصفا خلوصی تک پہنچتا ہے، وہ اپنے غم وغصہ کے اظہار کے لیے

"THE AUTHENTICITY OF NAHJ AL.BALAGHA" کے نام سے پانچ صفحات کا مقالہ لکھتے ہیں۔ یہ مقالہ لندن ہی کے ایک رسالے "THE ISLAMIC REVEW" کے ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء کے نمبر میں شائع ہوتا ہے۔ خصوصی صاحب اپنے مقالے کی ابتداء ان جملوں سے کرتے ہیں۔

At last we have an English translation of the Nahj al Balagha by Dr. Salman, Bombay,۱۹۵۰.

خلوصی کا یہ مضمون انگریزی میں پاکستان میں بھی شائع ہوتا ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی بعض رسالوں میں شائع ہوا۔ اس مضمون کا ایک مختصر جواب آغا محمد سلطان مرزا مؤلف کتاب "البلاغ المبین" نے لکھا جو البلاغ المبین کی جلد ۲،ص ۴۵۰۔۴۸۲، اشاعت فروری ۱۹۵۳ء میں موجود ہے۔

اس مضمون کا زیادہ حصہ علامہ علی نقی نقن رحمۃ اللہ کے مضمون "نہج البلاغہ کا استناد" پر مشتمل ہے اور مصنف نے حوالے میں لکھا ہے کہ تفصیل کے لیے "نہج البلاغہ کا استناد" ملاحظہ ہو۔ نقن صاحب کا یہ مقالہ ۱۹۳۷ء میں لکھا گیا اور ۱۹۵۶ء میں مختصر سی تبدیلی کے ساتھ علامہ مفتی جعفر حسینؒ کے اردو ترجمہ کے مقدمہ کے طور پر پیش کیا گیا جو مسلسل ترجمہ کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

ہندوستان کے ایک دانشور جناب سید محمد وارث متوفی ۲۰۰۸ء نے برطانیہ کی ایڈنبرا یونیورسٹی سے ۱۹۷۹ء میں PHD کی جس میں خلوصی کے مضمون کو بھی مدنظر رکھا۔ اُن کے مقالے کا عنوان تھا۔

"A CRITICAL STUDY OF NAHJ AL.BALAGHA"

خلوصی کے اس مضمون کا مفصل اور تحقیقی جواب ہندوستان کے ایک قابل فخر محقق ومؤلف جناب علامہ سید سبط الحسن ہنسوی نے لکھا جو آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ ۳۴۳ کتابوں کے حوالے سے لکھی جانے والی یہ کتاب ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۲ء میں مکمل ہوئی اور دار النشر للمعارف الاسلامیہ لکھنؤ کی طرف سے شائع ہوئی اور دوسری بار کچھ اضافوں کے ساتھ رسالہ اصلاح کی طرف سے شائع ہوئی جس پر کوئی تاریخ اشاعت نہیں لکھی گئی۔

علامہ سید سبط الحسن ہنسوی حدوداً ۱۹۱۵ء میں الہ آباد کے قریب فتح پور ہنسوہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اس دور کے فاضل، محقق، کتاب شناس اور رجالی ومورخ بزرگ تھے۔ چھان بین اور تحقیق ان کا مشغلہ تھا۔ کتب خانہ راجہ صاحب

محمود آباد اور کتب خانہ علی گڑھ یونیورسٹی کے مخطوطات کے عمید تھے۔ حج وزیارات کے سفر اور تبلیغی دوروں میں ان کا محبوب مشغلہ کتب خانے دیکھنا تھا۔ وہ فقط فہرست نگار ہی نہیں تھے بلکہ اہم اور نادر موضوعات پر کام کرنے کی لگن بھی رکھتے تھے۔ منتدی النشر نجف۔ انجمن تبلیغات اسلامی طہران۔ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن ممبئی اور دوسرے علمی اداروں کے رکن تھے۔ آپ نے ۱۸ اپریل ۱۹۷۸ میں علی گڑھ میں وفات پائی۔ [۱]

برصغیر کی سرزمین نے بڑی بڑی علمی شخصیات کو جنم دیا جنھوں نے عرب وعجم میں اپنی تحقیقات اور علمی کمالات کا لوہا منوایا۔ قرآن کی دُنیا میں "لوامع التزیل" جیسی تفسیر اور علم کلام کے موضوع پر اور اثبات امامت کے لیے "عبقات الانوار" جیسے بے مثال نمونے اس سرزمین پر لکھے گئے ہیں۔ علمی مآخذ کی تلاش کے لیے کتب خانہ ناصریہ، ممتاز العلماء کا کتب خانہ اور رامپور لائبریری جیسے خزانے بھی موجود ہیں۔ علامہ عبدالحسین امینی جیسے محققین نے "الغدیر" جیسے تحقیقی کام کی تکمیل کے لیے اس سرزمین کا رُخ کیا۔

نہج البلاغہ کے قدیم خطی نسخے لکھنؤ اور علی گڑھ کی لائبریریوں میں میسر ہیں اور نہج البلاغہ کا پہلا انگریزی ترجمہ بھی اسی خطے سے لکھا گیا۔ صحیفہ سجادیہ کا مصر کے علمی مرکز الازہر میں اسی سرزمین کے ایک جوان طالب علم سید مجتبیٰ حسن کامنپوری کے ذریعہ سے ہوا۔

ان بزرگان وعلمائے اعلام کے علمی سرمائے اور بیش قیمت میراث کو اپنی جوان نسل تک پہنچانے، اپنے ان صالحین سلف کا تعارف کرانے اور ان کی علمی وتحقیقی محنتوں کو محفوظ بنانے کے لیے ۲۰۱۰ء میں ایک ادارہ "مرکز احیاء آثار برصغیر" (مآب) تشکیل پایا۔ مرکز کا اصلی ہدف برصغیر کی شیعہ علمی میراث کو زندہ کرنا ہے۔ اس کے لیے برصغیر کے علماء کی قدیمی کتابوں کی اشاعت، مخطوطہ ومطبوعہ تالیفات وتصنیفات وتراجم جن کی تخمینی تعداد چالیس ہزار ہے کو محفوظ کرنے کے لیے ڈیجیٹل اور عام لائبریریوں کا قیام، اہم شخصیات کا تعارف وحالات زندگی کا بیان، برصغیر کے علماء اعلام کی عربی وفارسی کتابوں کا اردو ترجمہ اور مذہب اہل بیتؑ کی خدمت گزار شخصیات کی قبور کی تعمیرات وغیرہ شامل ہیں۔

یہ کتاب "منہاج نہج البلاغہ" بھی واقعاً برصغیر کے علماء کی ایک یادگار میراث ہے جسے اس دور کی سہولیات کے مطابق شائع کرا کر محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس اشاعت کو بہتر سے بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ مصنف نے نہج البلاغہ کے تمام حوالے شیخ محمد عبدہ کے نسخے کے دیے ہیں جو ہر جگہ مہیا نہیں ہے اس لیے آسانی کے لیے اس

---

[۱] مطلع انوار، مولانا سید مرتضیٰ حسین صدرالافاضل، ص ۲۵۰۔

اشاعت میں علامہ مفتی جعفر حسینؒ کی نہج البلاغہ کے اردو ترجمہ مطبوعہ افکار اسلامی کے حوالے درج ہیں۔ پروردگار مرکز کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور جس جس نے جیسے جیسے تعاون فرمایا اللہ سبحانہ اجر عطا فرمائے۔

مومنین کرام "تاب" کے مشن میں اپنا حصہ شامل کریں اور ترویج دین مبین اور تعلیمات محمد و آل محمدؐ کی تبلیغ کے مقصد کو آگے بڑھانے میں تعاون فرمائیں۔

والسلام

مرکز احیاء آثار برصغیر

دسمبر ۲۰۲۲

پیش گفت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا اِلٰی نَھْجِ الْکَمَالِ وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الَّذِیْنَ بِبَلَاغَتِھِمْ اَرْشَدُوْنَا اِلٰی خَیْرِ مَاٰلٍ۔

تالیف کتاب کا اصل سبب

عرصہ کی بات ہے کہ ڈاکٹر زبید احمد پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی نے اپنی تالیف ''ادب العرب'' دیکھنے کے لیے مجھے دی، میں نے اُس کتاب کو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے سید رضیؒ کو بجائے جامع نہج البلاغہ کے اس کتاب کا واضع ومصنف کر کے لکھا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف اس کتاب کی نسبت غلط ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا اور بعض شواہد اُن کے سامنے پیش کیے کہ نہج البلاغہ امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام بلاغت نظام ہے۔ یہ کتاب اس زمانے میں امتحان عالم (الہ آباد) کے نصاب میں داخل تھی اور شیعہ طلباء بھی تاریخ ادب کی حیثیت سے ''ادب العرب'' کو پڑھنے کے لیے مجبور تھے۔ میں نے اس کے خلاف ڈیپارٹمنٹ کو متوجہ بھی کیا، جس کے نتیجے میں یہ کتاب اس زمانے میں نصاب سے خارج کر دی گئی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی جائے جس میں نہج البلاغہ کے کلامِ امیر المومنین علیہ السلام ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا جائے۔ اگرچہ میں اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا کہ اس پر کچھ لکھ سکوں لیکن جب یہ دیکھا کہ کوئی اس طرف متوجہ نہیں ہے تو کچھ نہ کچھ لکھنے کے لیے طے کر لیا۔

سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

میرا یہ ارادہ ابھی عمل کی صورت نہیں اختیار کرنے پایا تھا کہ کچھ ایسے حالات ہوئے کہ الہ آباد کو مجھے خیر باد کہنا پڑا اور مختلف مقامات میں سرگرداں رہا اور کچھ دنوں بعد ریاست محمود آباد کے متوسلین میں میرا شمار ہو گیا۔ الہ آباد کا متذکرہ واقعہ بھی بھول گیا اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں کیا کرنا چاہتا تھا کہ دفعتہً میری نگاہ کے سامنے ڈاکٹر ایس اے خلوصی عراقی

پی، ایچ، ڈی، لکچرر لندن یونیورسٹی کا مضمون "THE ANTHENTICITY OF NAHJ AL BALAGHA" آیا، جو اسلامک ریویو ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا، اس مضمون کو دیکھ کر میرے تحت الشعور میں جو بھولا بسرا الہ آباد کا واقعہ تھا وہ تازہ ہو گیا اور میں نے خدا کا نام لے کر اس کتاب کو لکھنا شروع کیا جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔ رات دن کی لگاتار محنت کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت جلد میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہو گیا۔

تالیف کتاب کے بعد اشاعت کی فکر

تالیف کے بعد جب سکون کے لمحات نصیب ہوئے تو میں نے اپنے احباب سے اس کا ذکر کیا اور بعض علما و افاضل کو مختلف مقامات سے سنایا بھی، سنانے کا مقصد یہ تھا کہ شاید کوئی متوجہ ہو جائے اور اپنے اثرات سے اس کے طبع کرانے کا انتظام کرے۔ احباب کو میرے مقصد کو سمجھنے میں اس لیے دشواری تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ میں والیِ محمود آباد کے سرمائے سے بآسانی شائع کرا سکتا ہوں۔ لیکن میرے لیے جو دشواریاں حائل تھیں وہ کسی کے پیش نظر نہ تھیں۔ اتفاق سے جناب مستطاب معلی القاب رکن الارکان وعین الاعیان مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں بہادر بالقابہ نے خلوصی کے مضمون کا تذکرہ فرمایا، عرض کیا کہ اس کا جواب بہت ہی تفصیل کے ساتھ میں نے لکھا ہے، بعد میں بعض مقامات کو حضور ممدوح کو سنایا، سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں انگریزی ترجمہ کر کے اس کو شائع کروں گا، ترجمے کے لیے آپ اس کو میرے پاس چھوڑ دیجیے، میں نے عرض کیا کہ مناسب یہ ہوگا کہ اصل کتاب پہلے شائع ہو جائے اس کے بعد انگریزی میں ترجمہ شائع ہو، کیونکہ ترجمہ ہونا اور پھر طبع ہونا اس کے لیے کافی وقت چاہیے۔ علاوہ ازیں میرے پیش نظر یہ بھی تھا کہ خلوصی کے مضمون کی اشاعت پاکستان میں خاص طور سے ہوئی ہے اور اردو میں اُس کا ترجمہ بھی وہاں کے بعض رسائل میں شائع ہو چکا ہے، جس کا اثر یہ ہوا کہ شیعی دل و دماغ بھی اُس سے متاثر ہوئے اور لکھنؤ کے قومی اخبار ''سرفراز'' میں خلوصی کی تائید ان الفاظ کے ذریعہ سے ہوئی:

> البتہ نہج البلاغہ کے بارے میں فاضل موصوف (مؤلف ادب العرب) کی رائے صحیح ہے کہ بعض منسوبات بھی شامل ہیں جس کو الگ کرنے کی ضرورت ہے لیکن عثمانی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ ایمانداری سے۔

(اخبار سرفراز مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۱ء نمبر ۴۹ صفحہ ۲ کالم ۲)

مردی از غیب بروں آید و کاری بکند

بعض حالات کی بنا پر جب مدرسۃ الواعظین سے اصل کتاب کے شائع ہونے سے میں مایوس ہوگیا تو میں امیر المومنین صلوات اللہ علیہ سے متوسل ہوا، جس کا اثر یہ ہوا کہ برٹش افریقہ سے ایک جلیل القدر عالم دین حفظہ اللہ (جن کے نام کو ظاہر کرنے سے مجھے روکا گیا ہے) کا مکتوب گرامی بعض علماء لکھنؤ کے پاس آیا کہ ''خلوصی کے جواب کی سخت ضرورت ہے اور اگر ہو سکے تو فاضل ہنسوی سے اس کا جواب لکھایا جائے''۔ موصوف کو اس کی اطلاع دی گئی کہ جواب لکھا جا چکا ہے لیکن ابھی تک طباعت کا انتظام نہ ہو سکا، اس کا جواب آیا کہ برٹش افریقہ کے ایک فیاض مرد مومن اس کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہیں، نظامی پریس کو طبع ہونے کے لیے کتاب دے دی جائے تا کہ طباعت و کتابت دیدہ زیب ہو، اور ساتھ ہی ساتھ روپیہ بھی اس شرط سے آ گیا کہ اس کتاب کو فروخت کر کے جو سرمایہ جمع ہو اُس سے دوسرے تالیفات کو شائع کیا جائے۔ افسوس کہ اب تک میں اپنے ان برادر دینی کے نام سے واقف نہ ہو سکا، خداوند عالم ان کے برکات و فیوض کو جاری رکھے اور جزائے خیر کرامت فرمائے۔

چنانچہ اس طرح اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا مگر محدود تعداد میں اشاعت ہونے کی وجہ سے اس کی افادیت عام نہ ہو سکی اور بہت کچھ اضافوں اور نظر ثانی کے بعد رسالہ اصلاح کے صفحات پر دوبارہ شائع ہو رہی ہے۔ خدا کرے ہماری محنت ضائع نہ جائے اور خلوصی اور ان کے ایسے دیگر افاضل نے نہج البلاغہ کے متعلق جو اشتباہی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس سے ارباب فہم محفوظ رہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

سید سبط الحسن الہنسوی

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ.

مؤلف کا مسلک اور عصر حاضر کا تقاضا:

اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عصر حاضر کا انسان روحانیت کی منزل سے اتنا دور ہو چکا ہے کہ اب وہ مادیات سے الگ ہو کر کچھ نہیں سوچنا چاہتا بلکہ روحانی و مابعد الطبیعاتی مسائل پر بھی اس کی نگاہ غلط مادی وطبیعاتی حیثیت سے پڑنے کی عادی ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے ہر امر میں موجودہ دنیا کا نقطہ نظر بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ دہریت کا سیلاب موجودہ دنیا کو بہائے لیے جا رہا ہے۔ آج یورپ کے خود ساختہ نظریات و غلط رجحانات کو حقائق کا درجہ دے دیا گیا ہے اور جو حقائق واقعیہ تھے ان کو خلاف عقل بتلا کر غیر مکمل تمدن کی روایات بتلایا جاتا ہے، اسی وجہ سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان بھی قرآن و حدیث کا مطالعہ ایمان و ایقان کی نگاہوں سے نہیں بلکہ مادیات کی عینک لگا کر کرتا ہے اور اپنے عقائد و مسلمات سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہمیں اس کی نئی نئی مثالیں روزانہ ملتی رہتی ہیں، لیکن تازہ ترین مثال یہ ہے کہ ظاہر اعتبار سے ایک سنی مسلمان ڈاکٹر خلوصی پی، ایچ، ڈی، جو عراقی عرب ہیں اور لندن یونیورسٹی میں عربی ادب کے معلم ہیں وہ نہج البلاغہ کو یورپی انداز پر تاریخی تحلیل و تجزیہ سے جانچنے کی سعی نامشکور فرماتے ہیں اور اس کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مندرجات نہج البلاغہ کا اکثر حصہ امیر المومنین علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کا نہیں ہو سکتا بلکہ دوسرے نامعلوم اشخاص کا کلام ہے۔

خلوصی کے انکار کی بنیاد صرف اس امر پر ہے کہ ایسے زمانہ میں جبکہ عربی تمدن میں ارتقائی علوم و فنون کا نام و نشان نہ تھا امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کیونکر اس پر قادر ہوئے کہ منتہائے فصاحت و بلاغت کے ساتھ حکیمانہ خطب و اقوال کو عربوں کے سامنے پیش فرمایا؟ حالانکہ مسلمانوں کے مسلمات عقائد میں سے ہے کہ محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین علوم لدنیہ رکھتے تھے، وہ محتاج درس و تدریس نہ تھے۔ یہ عقیدہ صرف شیعوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ صحیح العقیدہ حضرات اہلسنت کا بھی یہی مسلک ہے جس کی ایک فرد خود ڈاکٹر خلوصی بھی ہیں۔ جیسا کہ علامہ شہاب الدین احمد بن عبد القادر الحفظی العجیلی الشافعی اور علامہ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عامر الشبراوی الشافعی تحریر کرتے ہیں:

اِنَّ اٰلَ الْبَيْتِ حَازُوا الْفَضَائِلَ كُلَّهَا عِلْمًا وَ حِلْمًا وَ فَصَاحَةً وَ صَبَاحَةً وَذَكَاءً وَ بَدِيهَةً وَ

جُوْدًا وَ شُجَاعَةً. فَعُلُوْمُهُمْ لَا تَتَوَقَّفُ عَلٰى تَكْرَارِ دَرْسٍ وَلَا يَزِيْدُ يَوْمُهُمْ فِيْهَا عَلٰى مَا كَانَ بِالْاَمْسِ. بَلْ هِيَ مَوَاهِبُ مِنْ مَوْلَاهُمْ. مَنْ اَنْكَرَهَا وَ اَرَادَ سَتْرَهَا كَانَ كَمَنْ اَرَادَ سَتْرَ وَجْهِ الشَّمْسِ. فَمَا سَاَلَهُمْ فِي الْعُلُوْمِ مُسْتَفِيْدٌ وَوَقَفُوْا. وَلَا جَرٰى مَعَهُمْ فِيْ مِضْمَارِ الْفَضْلِ قَوْمٌ اِلَّا عَجَزُوْا وَتَخَلَّفُوْا. وَكَمْ عَايَنُوْا فِي الْجِلَادِ وَ الْجِدَالِ اُمُوْرًا فَتَلَقَّوْهَا بِالصَّبْرِ الْجَمِيْلِ وَ مَا اسْتَكَانُوْا وَمَا ضَعُفُوْا. تَقِرُّ الشَّقَاشِقُ اِذَا هَدَرَتْ شَقَاشِقُهُمْ. وَتَصْغَى الْاَسْمَاعُ اِذَا قَالَ قَائِلُهُمْ. وَنَطَقَ نَاطِقُهُمْ سَجَايَا خَصَّهُمْ بِهَا خَالِقُهُمْ۔

اہل بیت پیغمبر علیہم السلام تمام فضائل وکمالات ،علم وحلم، فصاحت وبلاغت، صباحت وذکاوت، بداہت وجودت ،حماست وشجاعت کے مالک تھے، ان کے علوم سبق حاصل کرنے اور درس وتدریس کے محتاج نہ تھے اور نہ ایسا تھا کہ ان کے علوم میں تدریجی ترقی ہو بلکہ ان کے علوم خداداد تھے۔ جو شخص اس سے انکار کرے اور پردے ڈالنا چاہے تو اس کی کوشش ویسی ہی بے کار ہے جیسے آفتاب کو پردوں میں چھپا دینے کی لاحاصل کوشش۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان سے سوال کرنے والوں نے سوال کیا ہو اور جواب دینے میں انھیں غور وفکر کا توقف ہوا ہو، اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ یہ میدان فضل میں سب سے آگے نہ رہے ہوں۔ اہلبیت علیہم السلام کے سامنے کتنی ہی سختیاں اور معرکے پیش آئے لیکن انہوں نے صبر ووقار کے ساتھ ان کو جھیلا اور ان کو کبھی کوئی شرمندہ وضعیف نہ کر سکا۔ دنیا کی فصاحتیں ان کی فصاحت کے آگے گرد ہوگئیں، جب ان کے بولنے والوں میں سے کوئی بولا اور کوئی برسر نطق ہوا تو دنیا کے کان ان کے آواز کے سننے میں محو ہو گئے۔ یہی وہ تمام صفتیں ہیں جن کے ساتھ ان کے خالق نے ان کو مخصوص کیا ہے۔[1]

لیکن چونکہ زمانہ کا مزاج بدلا ہوا ہے اور زمانہ ہم سے سائنٹیفک مطالعہ کا مطالبہ کرتا ہے اس لیے ہمارے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم سکون واطمینان کے ساتھ اس حیثیت سے جس کا مطالبہ مخاطب نے کیا ہے، نہج البلاغہ کی صحتِ نسبت کے متعلق بحث ونظر کریں اور تاریخی تحلیل وتجزیہ کے بعد اس امر کو ثابت کریں کہ نہج البلاغہ کے کلامِ امیر المومنین علیہ السلام ہونے میں شک کی کسی حیثیت سے بھی گنجائش نہیں ہے۔

---

[1] ذخیرۃ المآل فی شرح عقد جواہر اللآل، العجیلی، مخطوط ۱۸۹۵ھ الاتحاف بحب الاشراف، شبراوی، ص ۱۹، طبع مصر۔

قریش افصح العرب ہیں:

دنیا کی قوموں میں صرف عرب ہی ایک ایسی قوم ہے جو فصاحت و بلاغت، طلاقت و خطابت میں اپنے مقابلہ میں کسی دوسرے کو نہیں سمجھتی تھی، اسی بنا پر وہ اپنے کو "عرب" فصاحت کے ساتھ کلام کرنے والے اور دوسری قوموں کو "عجم" گونگا کہتے تھے اور تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ فصیح "قریش" تھے جو "افصح العرب" کہلاتے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "المزھر فی علوم اللغۃ" میں لکھتے ہیں:

اَجْمَعَ عُلَمَاؤُنَا بِكَلَامِ الْعَرَبِ وَالرُّوَاةُ لِاَشْعَارِهِمْ وَالْعُلَمَاءُ بِلُغَاتِهِمْ وَاَيَامِهِمْ وَمحَالِهِمْ اَنَّ قُرَيْشًا اَفْصَحُ الْعَرَبِ اَلْسِنَةً وَاَصْفَاهُمْ لُغَةً وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اخْتَارَهُمْ مِنْ جَمِيْعِ الْعَرَبِ وَاخْتَارَ مِنْهُمْ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَجَعَلَ قُرَيْشًا قُطَّانَ حَرَمِهٖ وَوُلَاةَ بَيْتِهٖ فَكَانَتْ وُفُوْدُ الْعَرَبِ مِنْ حُجَّاجِهَا وَغَيْرِهِمْ يَفِدُوْنَ اِلٰى مَكَّةَ لِلْحَجِّ وَيَتَحَاكَمُوْنَ اِلٰى قُرَيْشٍ وَكَانَتْ قُرَيْشٌ مَعَ فَصَاحَتِهَا وَحُسْنِ لُغَاتِهَا وَرِقَّةِ اَلْسِنَتِهَا اِذَا اَتَتْهُمُ الْوُفُوْدُ مِنَ الْعَرَبِ تَخَيَّرُوْا مِنْ كَلَامِهِمْ وَاَشْعَارِهِمْ اَحْسَنَ لُغَاتِهِمْ وَاَصْفٰى كَلَامِهِمْ فَاجْتَمَعَ مَا تَخَيَّرُوْا مِنْ تِلْكَ اللُّغَاتِ اِلٰى سَلَائِقِهِمُ الَّتِیْ طُبِعُوْا عَلَيْهَا فَصَارُوْا بِذٰلِكَ اَفْصَحَ الْعَرَبِ۔

ہمارے تمام علماء لغات و ماہرین کلام عرب، راویان اشعار و مورخین و جغرافیہ داں اس امر پر متفق ہیں کہ قریش شیریں بیانی و طلاقت لسانی کے اعتبار سے افصح العرب ہیں۔ خداوند عالم نے تمام قبائل عرب میں سے اس بات کے لیے قبیلۂ قریش کو چن لیا ہے اور قریش میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منتخب و برگزیدہ ہیں۔ دراصل قریش ہی حرم کعبہ و بیت اللہ شریف کے ساکن و والی و محافظ ہیں۔ تمام قبائل عرب گروہ در گروہ مکہ میں حج کے لیے برابر آتے رہتے تھے اور اپنے اختلافات، قضیہ قضایا کا فیصلہ قریش ہی سے کرایا کرتے تھے۔ قریش باوجود اپنی خداداد فصاحت اور زبان کی نرمی اور لوچ کے، آنے والے قبائل کی پاکیزہ بول چال، عمدہ الفاظ اور منتخب اشعار و کلام کو محفوظ کر لیا کرتے تھے اور پھر اپنے فطری سلیقہ و صلاحیت سے اس کو اپنا لیتے تھے جس کی وجہ سے وہ فصیح ترین عرب ہو گئے۔

وَقَالَ اَبُوْ نَصْرِ الْفَارَابِیْ فِیْ اَوَّلِ كِتَابِهٖ الْمُسَمّٰى (بِالْاَلْفَاظِ وَالْحُرُوْفِ) : كَانَتْ قُرَيْشٌ اَجْوَدَ الْعَرَبِ انْتِقَادًا لِلْاَفْصَحِ مِنَ الْاَلْفَاظِ وَاَسْهَلِهَا عَلَى اللِّسَانِ عِنْدَ النُّطْقِ

وَاَحْسَنِهَا مَسْمُوْعًا وَاَبْيَنِهَا اِبَانَةً عَمَّا فِي النَّفْسِ وَالَّذِيْنَ عَنْهُمْ نُقِلَتِ اللُّغَةُ الْعَرَبِيَّةُ وَبِهِمُ اقْتُدِيَ وَعَنْهُمْ اُخِذَ اللِّسَانُ الْعَرَبِيُّ مِنْ بَيْنِ قَبَائِلِ الْعَرَبِ۔

ابونصر فارابی اپنی کتاب "الفاظ والحروف" کے شروع میں کہتے ہیں کہ تمام قبائل عرب میں قریش سب سے زیادہ الفاظ کو پرکھنے، بول چال میں ایسے سہل و آسان الفاظ کو ادا کرنے میں جو کانوں کو اچھے معلوم ہوں اور معنی و مراد کو ادا کرنے میں واضح تر ہوں، بہت زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ انہی لوگوں سے لغت عرب نقل کی گئی ہے، انہی کی زبان کی پیروی کی جاتی ہے اور تمام قبائل عرب میں قریش ہی سے عربی زبان حاصل کی گئی ہے۔[1]

اسی لیے عرب کے باکمال شعراء کا یہ دستور تھا کہ جب وہ اشعار کہتے تھے اس وقت تک کسی کے سامنے اس کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور نہ پڑھتے تھے جب تک کہ وہ مکہ میں قریش کے سامنے حاضر ہو کر اس کو سنا نہ لیتے تھے۔

فَاِنِ اسْتَحْسَنُوْهُ رُوِيَ وَكَانَ فَخْرًا لِقَائِلِهٖ وَعُلِّقُوْهُ عَلٰى رُكْنٍ مِنْ اَرْكَانِ الْكَعْبَةِ حَتّٰى يُنْظَرَ اِلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يَسْتَحْسِنُوْهُ طُرِحَ وَلَمْ يُعْبَأْ بِهٖ۔

جب قریش اس کو سن کر پسند کرتے اس وقت وہ ان اشعار کو عام کرنے کے لیے کعبہ میں آویزاں کر دیتے اور قریش کا پسند کرنا شاعر کے لیے باعث فخر ہوتا اور اگر قریش ناپسند کرتے تو اس کو ضائع کر دیتے اور ظاہر نہ کرتے۔[2]

قبیلۂ قریش کے ممتاز فصحاء و بلغاء:

قریش کے سرتاج فصحاء و ادباء و خطباء و بلغاء میں کعب بن لوئی، قصی، ہاشم، عبدالمطلب اور ابوطالب تھے۔ قبیلہ قریش میں خصوصیت سے بنی ہاشم فصاحت و بلاغت، طلاقت و خطابت میں خود اپنی آپ مثال تھے۔ جناب عبدالمطلب کے قصائد و اشعار اور خطبے مختلف کتب تاریخ میں آج تک محفوظ ہیں جن سے ان کے کمال فصاحت و بلاغت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت ہاشم و عبدالمطلب کے عہد میں عربی شاعری اپنے حد کمال کو پہنچی۔ مشہور عالم شعر و ادب عربی ابوعبداللہ محمد بن سلام الجمحی البصری المتوفی ۲۳۲ھ طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَكُنْ لِاَوَائِلِ الْعَرَبِ مِنَ الشِّعْرِ اِلَّا الْاَبْيَاتُ يَقُوْلُهَا الرَّجُلُ فِيْ حَادِثَةٍ وَاِنَّمَا قُصِّدَتِ الْقَصَائِدُ وَطُوِّلَ الشِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَهَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ۔

---

[1] المزہر، السیوطی، الجزء الاول، ص ۱۰۳۔ ۱۰۴ طبع مصر ۱۲۸۲ھ۔

[2] شرح القصائد العشر، الامام الخطیب التبریزی، مقدمہ فی الکلام علی المعلقات، ص ۲۔ خزانۃ الادب، البغدادی، مطبوعہ السلفیہ مصر، ۱۳۴۲ھ۔

قُدمائے عرب سوائے ابیات کے کچھ نہیں رکھتے تھے جن کو کہنے والے کسی حادثہ کے سلسلہ میں کہہ دیا کرتے تھے، قصائد اور طولانی اشعار کہنے کا رواج عبد المطلب و ہاشم بن عبد مناف کے عہد میں ہوا ہے۔[1]

اولادِ عبد المطلب میں سوائے پیغمبر اسلامؐ کے کون ایسا ہے جس نے اشعار نہ کہے ہوں۔ ابن رشیق کتاب "العمدہ" میں لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رِجَالًا وَنِسَاءً مَّنْ لَمْ يَقُلِ الشِّعْرَ. حَاشَا النَّبِيِّ۔

بنی عبد المطلب کے مردوں اور عورتوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اشعار نہ کہے ہوں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔[2]

بنات عبد المطلب یعنی صفیہ، برہ، عاتکہ، ام حکیم البیضا، امیمہ، اروی ہر اک نے پر درد اشعار کہے ہیں۔[3]

اسی طرح عبداللہ، ابو طالب، زبیر، حمزہ، عباس وغیرہم فرزندانِ عبد المطلب میں سے کون ہے، جن کے اشعارِ ماثورہ وکلماتِ منقولہ فصاحت و بلاغت کی جان نہ ہوں۔ خصوصاً جناب ابو طالب جو اپنے زمانہ میں ایک بلند مرتبہ شاعر وخطیب تھے، آپ کے اشعار و خطب تاریخ اسلام میں آج تک محفوظ ہیں۔ ابو عبداللہ محمد بن سلام الجمحی البصری نے حضرت ابو طالب کا شمار قریش کے بہترین شعراء میں کیا ہے۔

وَكَانَ اَبُوْ طَالِبٍ شَاعِرًا جَيِّدَ الْكَلَامِ وَ اَبْرَعَ۔

ابو طالب بہترین خوشگو، قادر الکلام شاعر تھے۔[4]

آپ کا قصیدہ لامیہ جو قصیدہ شعبیہ کے نام سے مشہور ہے عربی لٹریچر میں باعتبار فصاحت وبلاغت و معنویت کے اپنا جواب نہیں رکھتا ہے، ابن کثیر کا قول ہے:

وَهٰذِهٖ قَصِيْدَةُ الشَّعْبِيَّةُ قَصِيْدَةٌ عَظِيْمَةٌ فَصِيْحَةٌ بَلِيْغَةٌ جِدًّا؛ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَقُوْلَهَا اِلَّا مَنْ نِسْبَتُهٗ اِلَيْهِ. وَهِيَ اَفْحَلُ مِنَ الْمُعَلَّقَاتِ السَّبْعِ. وَاَبْلَغُ مِنْ تَأْدِيَةِ الْمَعْنٰى كَمَا نَقَلَهَا الدَّحْلَانِيُّ فِيْ كِتَابِهٖ اَسْنَى الْمَطَالِبِ وَاِبْرَاهِيْمُ رِفْعَتْ فِيْ مِرْاٰةِ الْحَرَمَيْنِ۔

---

[1] طبقات الشعراء، محمد بن سلام، ص ۱۷، طبع مصر۔
[2] العمدہ، لابن رشیق، ج ۱، ص ۱۵، طبع مصر۔
[3] سیرت النبی، ابن ہشام، ج ۱۔
[4] طبقات الشعراء، محمد بن سلام، ص ۹۸، طبع مصر۔

یہ قصیدہ شعبیہ بے حد بلیغ ہے اور کسی میں یہ طاقت نہیں کہ ایسا فصیح و بلیغ قصیدہ کہے، مگر وہی جس کی طرف یہ منسوب ہے یعنی ابوطالب اور یہ قصیدہ معلقات سبعہ سے بہت بلند و بہتر اور تادیہ معنی میں رفیع تر ہے۔[1]

علامہ ابراہیم رفعت پاشا اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

هِيَ قَصِيْدَةٌ عَامِرَةٌ. تَعْلُوْا عَلَى الْمُعَلَّقَاتِ جَزَالَةٌ وَ اَدَاءَ مَعْنًى وَ صِدْقَ قَوْلٍ۔

یہ قصیدہ پر معنی، جزالت، صدق قول، مطالب کے لحاظ سے معلقات سے بلند ہے۔[2]

حضرت ابوطالبؑ کے اشعار، منقبت رسولؐ، فضائل نفس، اخلاق کریمہ، جذبہ ایثار و فداکاری، شجاعت و شہامت اور بہت سے تاریخی حقائق پر مشتمل ہیں جس میں اسلامی روح اور خدا پرستی و حق کوشی کی تڑپ ہے۔ اسی بنا پر امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

تَعَلَّمُوْا شِعْرَ اَبِيْ طَالِبٍ وَ عَلِّمُوْهُ اَوْلَادَكُمْ فَاِنَّهُ كَانَ عَلَى دِيْنِ اللهِ وَ فِيْهِ عِلْمٌ كَثِيْرٌ۔

ابوطالب کے اشعار کو حاصل کرو اور اس کی تعلیم اپنی اولاد کو دو، اس لیے کہ وہ دین خدا پر تھے اور اس میں علم کثیر ہے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افصح الخلق تھے:

مندرجہ بالا تاریخی اسناد کے بعد ہمارے ناظرین کو اس نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ تمام عرب میں قبیلہ قریش اور قریش میں بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں اولاد عبدالمطلب سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی دوسرا نہ تھا، اسی آسمان فصاحت و بلاغت کے آفتاب و ماہتاب:

اَفْصَحُ الْخَلْقِ عَلَى الْاِطْلَاقِ سَيِّدُنَا وَمَوْلَانَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[4]

وَالْمُقَدَّمُ فِيْ فُنُوْنِ الْبَلَاغَةِ. عَلَى بُلَغَاءِ الْبَدْوِ وَ الْحَضَرِ. "اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ علیہ السلام"۔ تھے۔[5]

---

[1] اسنی المطالب، الدحلانی، ص ۱۱۔ مرآۃ الحرمین، الجزء الثانی، ص ۶۳ طبع مصر۔

[2] مرآۃ الحرمین، ج ۲، ص ۶۳ طبع مصر۔

[3] مستدرک نہج البلاغہ، الہادی کاشف الغطاء، باب دوم، ص ۷۳، طبع نجف۔

[4] المزھر، ج ۱، ص ۱۰۳، طبع مصر۔

[5] خزانۃ الادب، شیخ تقی الدین ابن حجۃ الحموی، ج ۳، ص ۶۰، طبع مصر۔

حضرت رسالتمآبؐ کے متعلق علمائے ادب لکھتے ہیں:

فَقَدْ كَانَ ﷺ فِیْ فَصَاحَةِ قَوْلِهٖ، وَ بَلَاغَةِ لِسَانِهٖ بِالْمَحَلِّ الْاَفْضَلِ، وَالْمَوْضِعِ الَّذِیْ لَا يُجْهَلُ. سَلَاسَةَ طَبْعٍ، وَبَرَاعَةَ مَنْزَعٍ، وَاِيْجَازَ مَقْطَعٍ، وَفَصَاحَةَ لَفْظٍ، وَجَزَالَةَ قَوْلٍ، وَصِحَّةَ مَعَانٍ، وَقِلَّةَ تَكَلُّفٍ. اُوْتِیَ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَخُصَّ بِبَدَائِعِ الْحِكَمِ وَعِلْمِ اَلْسِنَةِ الْعَرَبِ. يُخَاطِبُ كُلَّ اُمَّةٍ مِنْهَا بِلِسَانِهَا وَيُحَاوِرُهَا بِلُغَتِهَا وَيُبَارِيهَا فِیْ مَنْزَعِ بَلَاغَتِهَا۔

آنحضرتؐ فصاحتِ قول و بلاغتِ لسان کے اعتبار سے افضل ترین محل پر فائز ہیں، بلکہ آپؐ کی سلاست طبع اور بے نظیر و مافوق الطاقۃ اقتدار اور مختصر تسکین دہ، فصیح الفاظ، پر مغز کلمات اور صحیح معانی پر مشتمل ہونے اور ادائے مطلب میں کسی طرح تکلف نہ ہونے کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی ان خصوصیات سے کوئی بھی ناواقف نہیں، کہا جاسکتا ہے حضرتؐ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے اور بدائع الحکم کے ساتھ حضرتؐ مخصوص ہوئے۔ آپؐ جمیع السنہ عرب سے واقف تھے اور ہر امت وقوم وقبیلہ سے اسی کی زبان میں کلام فرماتے تھے، اس طرح کہ بلاغت میں آپؐ سب سے بڑھے رہتے تھے۔[1]

جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ موجودہ مذاق ہر امر میں مادی علل و اسباب کو تلاش کرنے کا عادی ہے اسی بنا پر پیغمبر اسلامؐ کے متعلق بھی موجودہ عربی دنیا کے مفکرین ادباء آنحضرتؐ کے کمال فصاحت و بلاغت کا سبب اپنے گمان میں پیغمبرؐ کے اس قول کو پیش کرتے ہیں جس کو آنحضرتؐ نے ممکن ہے کہ اپنے مخاطب کے درجۂ عرفان کو پیش نظر رکھتے ہوئے یا قبل اعلان نبوت جبکہ آپؐ اپنے باطنی مواہب الٰہیہ کے اظہار پر مجاز نہ ہوں، ارشاد فرمایا:

فَاَقَامَ عِنْدَهَا بَيْنَ بَنِیْ سَعْدٍ فِی الْبَادِيَةِ نَحْوَ خَمْسِ سَنَوَاتٍ كَانَ لَهَا اَثَرٌ كَبِيْرٌ فِیْ فَصَاحَةِ لِسَانِهٖ.... قَالَ لَهٗ مَرَّةً اَبُوْ بَكْرٍ مَا رَاَيْتُ اَفْصَحَ مِنْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ''وَمَا يَمْنَعُنِیْ وَ اَنَا مِنْ قُرَيْشٍ وَ اُرْضِعْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ'' وَكَانَ يَقُوْلُ لِاَصْحَابِهٖ ''اَنَا اَعْرَبُكُمْ. اَنَا قُرَشِیٌّ، وَ اسْتُرْضِعْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ۔''

حضرتؐ اپنی دائی حلیمہ سعدیہ کے پاس بنی سعد میں پانچ برس تک مقیم رہے۔ اس قیام نے آپؐ

---

[1] المجمل فی تاریخ الادب العربی، ص ۷ ہم طبع مصر۔ اس کتاب کی تالیف عصر حاضر کے مندرجہ ذیل علماء ادب و ماہر لسانیات اور مورخین نے کی ہے؛ ڈاکٹر حسین طہ، احمد الاسکندری، احمد امین، علی الجازم، عبدالعزیز بشری، احمد ضیف۔

کی فصاحت زبان پر بہت بڑا اثر ڈالا، ایک مرتبہ ابوبکر نے حضرتؐ سے یہ عرض کیا کہ آپؐ سے بہتر میں نے کسی کو فصیح نہیں دیکھا، یہ سن کر حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: میرے لیے کیا مانع تھا، میں خود قریش سے ہوں اور رضاعت میری بنی سعد میں ہوئی ہے۔[1]

الاستاذ احمد حسن الزیات اپنی کتاب "تاریخ الادب العربی" میں لکھتے ہیں:

تَقَلَّبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِیْ اَخْلَصِ الْقَبَائِلِ مَنْطِقًا وَاَعْذَبِهَا بَیَانًا فَوُلِدَ فِیْ بَنِیْ هَاشِمٍ وَنَشَاءَ فِیْ قُرَیْشٍ وَاسْتُرْضِعَ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ فَکَانَ اَفْصَحُ الْعَرَبِ لِسَانًا بِالْفِطْرَةِ۔

رسول اللہ ﷺ ایسے ہی قبائل میں رہے سہے جو خالص عربی بولنے والے اور شیریں کلام تھے، بنی ہاشم میں پیدا ہوئے، قریش میں نشوونما ہوئی اور رضاعت بنی سعد میں، اس لیے حضرت فطری طور پر افصح العرب تھے۔[2]

مشہور ادیب عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

فَمُحَمَّدُ الْعَرَبِیُّ الْقَرْشِیُّ النَّاشِیءُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ. اَلْعَالِمُ بِلَهَجَاتِ الْقَبَائِلِ حَتّٰی مَا تَفُوْتُهٗ لَهْجَةُ قُبْلَةٍ نَائِیَةٍ فِیْ اَطْرَافِ الْجَزِیْرَةِ۔

حضرت محمد ﷺ عربی، قرشی، جن کے (بچپنے کی) نشوونما بنی سعد میں ہوئی۔ قبائل عرب کے تمام لہجات کے عالم تھے یہاں تک کہ وہ قبیلے جو اطراف عرب کے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، ان کے لہجوں سے بھی آپؐ واقف تھے۔[3]

کَانَ مُحَمَّدٌ فَصِیْحَ اللُّغَةِ. فَصِیْحَ اللِّسَانِ. فَصِیْحَ الْاَدَاءِ۔

حضرت فصیح اللغۃ، فصیح اللسان و فصیح الادا تھے۔[4]

بہرحال اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آنحضرتؐ افصح العرب تھے اور خود حضرتؐ کا بھی اپنے متعلق یہی ارشاد ہے:

اَنَا اَفْصَحُ مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ۔

میں ہر عربی بولنے والے سے زیادہ فصیح ہوں۔

اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ.

---

[1] المجمل فی تاریخ الادب العربی، ص ۱۴، طبع مصر۔

[2] تاریخ الادب العربی، ص ۸۸، طبع مصر۔

[3] عبقریہ محمد، ص ۱۲۶، طبع مصر۔

[4] عبقریہ محمد، ص ۱۴۷، طبع مصر۔

میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔[1]

مدینۃ العلم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم عربیت ہونے کے متعلق آپؐ کے شاگرد باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

قَالَ. قَالَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ: مَا سَمِعْتُ كَلِمَةً عَرَبِيَّةً مِنَ الْعَرَبِ اِلَّا وَقَدْ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: مَاتَ حَتْفَ اَنْفِهٖ وَمَا سَمِعْتُهَا مِنْ عَرَبِيٍّ قَبْلَهٗ۔

میں نے کوئی عربی کلمہ کسی عرب سے نہیں سنا لیکن یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے اس کو نہ سنا ہو اور میں نے "مَاتَ حَتْفَ اَنْفِهٖ" کے کلمہ کو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، اس سے پہلے اس کلمہ کو میں نے کسی عرب سے نہیں سنا تھا۔[2]

بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی ابن ابی طالب علیہ السلام افصح الناس ہیں

افصح الخلق علی الاطلاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اگر فصاحت و بلاغت میں کسی کا مرتبہ ہے تو وہ علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

الاستاد علامہ السید احمد الہاشمی بک لکھتے ہیں:

وَكَانَ رَحْمَةُ اللهِ اَفْصَحَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاَكْثَرَهُمْ عِلْمًا وَزُهْدًا وَشِدَّةً فِي الْحَقِّ وَهُوَ اِمَامُ الْخُطَبَاءِ مِنَ الْعَرَبِ عَلَى الْاِطْلَاقِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَخُطَبُهٗ كَثِيْرَةٌ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام افصح الناس ہیں اور باعتبار علم وزہد و استقراء علی الحق تمام لوگوں سے زیادہ افضل و برتر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام عربوں میں علی الاطلاق آپؑ ہی امام الخطباء ہیں اور حضرتؑ کے خطب بکثرت ہیں۔[3]

---

[1] المزہر، السیوطی، ج ۱، ص ۱۰۳، طبع مصر۔ اسی بناء پر قصیدۂ لامیہ جو السموأل بن عادیا کی طرف منسوب ہے اور جس میں یہ کلمہ وارد ہوا ہے اس کو منحول و موضوع جتلایا گیا ہے۔ جیسا کہ الاستاذ احمد حسن الزیات لکھتے ہیں:

فَوُرُوْدُهَا اِذَنْ فِيْ لَامِيَّةِ السَّمَوْئَلِ الْمَشْهُوْرِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ هٰذِهِ الْقَصِيْدَةَ مَنْحُوْلَةٌ كُلُّهَا اَوْ بَعْضُهَا - اس کلمہ کا قصیدۂ لامیہ مشہورہ میں وارد ہونا جو سموأل کی طرف منسوب ہے اس امر کی دلیل ہے کہ یہ پورا قصیدہ یا اس کا بعض حصہ سموأل بن عادیا کا نہیں ہے بلکہ اس کی طرف غلط منسوب ہے حاشیہ ص ۸۹، تاریخ الادب العربی، حاشیہ ص ۸۹۔

[2] المزہر، السیوطی، ج ۱، ص ۱۲۵، طبع مصر۔

[3] جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب، الجزء الثانی ص ۴۴۸، ص ۴۶۹ طبع مصر الطبعۃ الرابعۃ عشرۃ۔

الاستاذ احمد حسن الزیات لکھتے ہیں:

وَلَا نَعْلَمُ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَنْ سَلَفَ وَخَلَفَ اَفْصَحَ مِنْ عَلِيٍّ عليه السلام فِي الْمَنْطِقِ وَلَا اَبَلَّ مِنْهُ رِيْقًا فِي الْخِطَابَةِ. كَانَ حَكِيْمًا تَتَفَجَّرُ الْحِكْمَةُ مِنْ بَيَانِهٖ وَخَطِيْبًا تَتَدَفَّقُ الْبَلَاغَةُ عَلٰى لِسَانِهٖ وَوَاعِظًا مَلَأَ السَّمْعَ وَالْقَلْبَ وَمُتَرَسِّلًا بَعِيْدَ غَوْرِ الْحُجَّةِ وَمُتَكَلِّمًا يَضَعُ لِسَانَهٗ حَيْثُ شَآءَ وَهُوَ بِالْاِجْمَاعِ اَخْطَبُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُنْشِئِيْنَ وَخُطَبُهٗ فِي الْحِثِّ عَلَى الْجِهَادِ وَرَسَائِلُهٗ اِلٰى مُعَاوِيَةَ وَوَصْفُهُ الطَّاوُوْسَ وَالْخُفَّاشَ وَالدُّنْيَا وَعَهْدُهٗ لِلْاَشْتَرِ النَّخْعِيِّ اِنْ صَحَّ تُعَدُّ مِنْ مُعْجِزَاتِ اللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ وَبَدَائِعِ الْعَقْلِ الْبَشَرِيِّ وَمَا نَظُنُّ ذٰلِكَ قَدْ تَهَيَّاَ لَهٗ اِلَّا لِشِدَّةِ خَلَاطِهٖ لِلرَّسُوْلِ وَمَرَانَتِهٖ مُنْذُ الْحَدَاثَةِ عَلَى الْكِتَابَةِ لَهٗ وَالْخِطَابَةِ فِيْ سَبِيْلِهٖ.

رسول اللہ ﷺ کے بعد سلف وخلف میں علی علیہ السلام سے زیادہ فصیح تر گفتگو وکلام میں اور تقریر وخطابت میں کسی دوسرے کو ہم نہیں پاتے، آپؑ ایسے حکیم وفلسفی تھے کہ آپؑ کے بیان سے حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے اور آپؑ کی زبان سے خطابت کے دریا اُبلتے تھے اور آپؑ ایسے واعظ تھے کہ سامعین کے قلب وسماعت کو اپنے وعظ سے پُر کر دیتے تھے اور آپؑ کے مکاتیب ورسائل دلائل کی بے تھاہ گہرائیوں پر مشتمل تھے۔ اور حضرتؑ بالاجماع تمام مسلمانوں میں سب سے افضل وبرتر خطیب اور امام المنشئین ہیں، حضرتؑ کے وہ خطبے جن میں آپؑ نے لوگوں کو جہاد کے لیے برانگیختہ کیا ہے اور وہ رسائل جو معاویہ کے نام ہیں اور وہ خطبے جن میں طاؤس، چمگاڈر، خفاش اور دنیا کے اوصاف آپؑ نے بیان فرمائے ہیں اسی طرح وہ عہد جو مالک اشتر کے نام ہے، یہ سب کے سب بدائع عقل بشری اور معجزات زبان عربی میں شمار ہوتے ہیں اور آپؑ کا یہ کمال نتیجہ ہے اس اختلاط وارتباط کا جو آپؑ کو رسولؐ کے ساتھ تھا جس کی بنا پر آپؑ بچپنے ہی سے رسولؐ کے مشن کو کامیاب بنانے کے لیے کتابت وخطابت سے کام لیتے رہے۔[1]

علل واسباب کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھنے والے اس کو ملحوظ رکھیں کہ علی علیہ السلام بھی مثل محمد ﷺ کے ایک ہی گھرانے کے محیط وماحول میں پیدا ہو کر پروان چڑھے یہ دونوں حقیقی چچازاد بھائی مثل ایک دوسرے کے قرشی وہاشمی ومطلبی تھے، فصیح وبلیغ ہونا ان کی نسلی خصوصیات میں داخل ہے۔

---

[1] تاریخ الادب العربی، ص ۱۰۱، طبع مصر، احمد حسن الزیات۔

استاذ احمد زکی صفوت لکھتے ہیں:

وَ لَیْسَ بِبِدْعٍ اَنْ یَّمْلِکَ عَلِیٌّ نَاصِیَةَ الْفَصَاحَةِ وَ یَرْتَقِیَ اِلٰی اَسْمٰی ذِرْوَةِ الْخِطَابَةِ فَقَدْ کَانَ ذٰلِکَ طَبِیْعَةً مُتَوَارِثَةً فِیْ اٰلِ الْبَیْتِ جَمِیْعًا جَاهِلِیَّةً وَ اِسْلَامًا وَکَانَ بَیْتُ هَاشِمٍ مِنَ الْجَاهِلِیَّةِ مَشْرَعَهَا الْعَذْبُ وَ مَنْهَلَهَا الْفَیَّاضُ وَ کَانَ جَدُّهٗ کَعْبُ بْنُ لُؤَیٍّ وَ هُوَ الْجَدُّ السَّابِعُ لَهٗ وَ لِلنَّبِیِّ مِنْ اَقْدَمِ خُطَبَاءِ الْعَرَبِ. وَ لَمَّا مَاتَ اَکْبَرُوْا مَوْتَهٗ وَ اَرَّخُوْا بِهٖ حَتّٰی کَانَ عَامُ الْفِیْلِ. وَ کَانَ اَجْدَادُهٗ قُصَیٌّ وَ هَاشِمٌ وَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ. وَ اَبُوْهُ اَبُوْطَالِبٍ. کُلُّهُمْ مِنْ خُطَبَاءِ الْعَرَبِ الْمَعْدُوْدِیْنَ وَ قَدْ نَشَأَ فِیْ حِجْرَةِ ابْنِ عَمِّهٖ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَفْصَحَ الْعَرَبِ وَ اَخْطَبَهُمْ وَ دَرَجَ فِیْ بَیْتِ النُّبُوَّةِ فَنَهَلَ مِنْ مُعِیْنِ الْحِکْمَةِ وَ کَانَ مِنْهَا مَوْفُوْرَ النَّصِیْبِ وَ مِنْ ثَمَّ کَانَتْ عَلٰی کَلَامِهٖ مَسْحَةٌ مِنَ النُّوْرِ الْاِلٰهِیِّ وَفِیْهِ عَبَقَةٌ مِنَ الْکَلَامِ النَّبَوِیِّ۔

یہ کوئی حیرت وتعجب کی بات نہیں ہے کہ علی علیہ السلام بلندئ خطابت کے منتہائے اوج پر فائز ہیں اور ناصیہ فصاحت آپؑ ہی کے قبضہ واقتدار میں ہے، دراصل فصاحت وخطابت اہلبیتؑ کی فطرت و طبیعت میں داخل ہے اور یہ چیز تو ان حضرات کو میراث میں ملی ہے، زمانۂ جاہلیت اور عہد اسلام ہر دور میں یہ خاندان اس میں ممتاز رہا ہے، زمانۂ جاہلیت ہی سے ہاشمی گھرانا فصاحت وبلاغت کا شیریں وخوشگوار چشمہ رہا ہے، حضرت علی علیہ السلام کے جد کعب بن لوئی جو آپؑ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں پیڑھی میں ہیں عرب کے خطیبوں میں سب سے مقدم ہیں۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو عربوں نے اس کو ایک عظیم قومی سانحہ سمجھا تھا اور بطور یادگار ان کی ارتحال کے سال سے عام الفیل کے زمانہ تک اس سے تاریخ کا شمار کرتے تھے، اسی طرح آپؑ کے اجداد میں قصی، ہاشم، عبدالمطلب اور آپؑ کے والد ابوطالبؑ ان سب کا شمار خطباء عرب میں ہے، اس کے علاوہ علی علیہ السلام اپنے ابن عم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سب سے زیادہ فصیح وخطیب تھے، کی آغوش تربیت میں پلے اور بیت نبوت میں آپؑ گھٹنیوں چلے، پس آپؑ حکمت کے چشمے سے سیر وسیراب ہوئے اور آپؑ نے اس کو پورے طور سے پیغمبرؐ سے حاصل کیا، اسی لیے آپؑ کا کلام نور الٰہی کا پرتو اور خوشبوئے نسیم فرح بخش کلام پیغمبرؐ ہے۔[1]

---

[1] جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب، الجزء الثانی ص ۳۴۸۔۳۴۹، طبع مصر الطبعۃ الرابعۃ عشرۃ۔ ترجمہ علی ابن ابی طالب، ص ۱۰۷، طبع مصر۔

اگر تاریخی تحلیل وتجزیہ کرنے والوں کے نزدیک رضاعت اور بچپنے کے چند سال جس میں حضرت پیغمبرؐ قبیلۂ بنی سعد میں رہے، حضرتؐ کی فصاحت لسان میں اثر انداز ہو سکتے ہیں تو علی علیہ السلام کا افصح الخلق علی الاطلاق کی گود میں پرورش پانا اور پیغمبرؐ کے خواب گاہِ لحد میں آرام فرمانے کے وقت تک ساتھ رہنا یقیناً اثر انداز ہوگا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس مخصوص نقطۂ نظر سے علی علیہ السلام کی پوری زندگی کا یہ تقاضا ہے کہ ایسی شخصیت کو نہ صرف شجاعت وشہامت میں فرد فرید بلکہ طلیق اللسان خطیب، بے مثال عالم، عدیم النظیر مفکر وحکیم ہونا چاہیے، کسی بلند شخصیت کی سیرت سے صحیح نتائج اخذ کرنے والے اور تاریخ کا سائنٹیفک (فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں) مطالعہ کرنے والے اسی نتیجہ تک پہنچنے کے لیے مجبور ہوں گے، "المجمل فی تاریخ الادب العربی" کے مصنفین لکھتے ہیں:

اَوَّلُهُمْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ، وَ قَدْ وُلِدَ قَبْلَ ظُهُوْرِ الْاِسْلَامِ بِسَبْعِ سِنِیْنَ وَ اَدْرَكَهُ الْاِسْلَامُ صَبِيًّا فَنَشَاَ فِيْهِ. وَ كَانَ اتِّصَالُهٗ بِالنَّبِیِّ فِیْ طُفُوْلَتِهٖ وَ شَبَابِهٖ مَصْدَرًا لِهٰذَا الرُّوْحِ الْقَوِیِّ الْحُلْوِ الَّذِیْ نَجِدُهٗ كُلَّمَا قَرَاْنَا شَيْئًا مِنْ كَلَامِهٖ. وَ كَانَتْ حَيَاتُهٗ كُلُّهَا خَلِيْقَةً اَنْ تَجْعَلَ مِنْهُ رَجُلًا قَوِیَّ النَّفْسِ، شَدِيْدَ الْبَاْسِ، ذَكِیَّ الْقَلْبِ، كَثِيْرَ الْعِلْمِ، مُسْتَعِدًّا كُلَّ الْاِسْتِعْدَادِ لِلتَّفَوُّقِ وَ النُّبُوْغِ. فَقَدِ اشْتَرَكَ مَعَ النَّبِیِّ فِیْ حُلْوِ الْحَيَاةِ وَ مُرِّهَا. اِذْ كَانَ ابْنَ عَمِّهٖ وَ صِهْرَهٗ. ثُمَّ حِيْلَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْخِلَافَةِ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِیِّ فَصَبَرَ نَفْسَهٗ عَلٰى مَا لَمْ تُحِبَّ. وَرَاضَهَا عَلٰى مَا كَرِهَتْ. وَاَخْلَصَ فِی النُّصْحِ لِمَنْ سَبَقَهٗ مِنَ الْخُلَفَاءِ۔

طلاقت لسان وکمال خطابت میں تمام عربوں میں سب سے اول حضرت علی علیہ السلام ہیں، ظہورِ اسلام سے سات سال قبل آپؑ کی ولادت ہوئی اور بچپنے ہی میں آپؑ کو شرف اسلام حاصل ہوا اور آغوش اسلام ہی میں آپؑ پالے گئے، بچپنے اور جوانی میں برابر آپؑ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پیوست رہنا آپؑ میں بلاغت وخطابت کی اس قوی روح کے پیدا ہونے کا باعث ہوا جو ہم آپؑ کے کلام میں پاتے ہیں۔ آپؑ کی پوری زندگی اس کی سزاوار ہے کہ آپؑ کو مرد قوی النفس، شدید الباس، ذکی القلب، کثیر العلم بنائے، آپؑ میں تمام خوبیوں میں سب سے آگے بڑھنے کی فطری صلاحیت واستعداد مکمل طور سے پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے آپؑ کو ہر کمال میں تفوق ونبوغ حاصل ہوا۔ بحیثیت ابن عم وداماد کے آپؑ پیغمبرؐ کی خوشگوار وناخوشگوار زندگی کے برابر کے شریک رہے، (اور پیغمبرؐ کی جانشینی کا استحقاق آپؑ نے پیدا کرلیا

لیکن باوجود احق بالخلافۃ ہونے کے) پیغمبرؐ کی وفات کے بعد آپؑ کے اور خلافت کے درمیان لوگ (زبردستی) حائل ہو گئے اور آپؑ کو اس ناخوشگوار امر پر چاروناچار صبر کرنا پڑا اور جس امر کو آپؑ ناپسند کرتے تھے اس پر بادل نخواستہ آمادہ ہونا پڑا، لیکن اس کے باوجود اسلام اور مفاد عامہ کی خاطر نہایت ہی خلوص سے ماسبق خلفاء کو نیک صلاح ومشورے (استشارہ کے موقع پر) دیتے رہے۔

حَتّٰی اِذَا کَانَتِ الْفِتْنَۃُ وَقُتِلَ عُثْمَانُ وَنَھَضَ بِالْاَمْرِ تَفَرَّقَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ حَوْلِہٖ فَاَنْکَرَتْہُ عَائِشَۃُ اُمُّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَعَھَا طَلْحَۃُ وَالزُّبَیْرُ. وَاَنْکَرَہٗ مُعَاوِیَۃُ بْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ وَمَعَہٗ اَھْلُ الشَّامِ. ثُمَّ اَنْکَرَہٗ بَعْدَ ذٰلِکَ جَمَاعَۃٌ مِنْ اَصْحَابِہٖ خَرَجُوْا عَلَیْہِ حِیْنَ قَبِلَ مَا عَرَضَ مُعَاوِیَۃُ مِنَ التَّحْکِیْمِ. وَاضْطُرَّ اِلٰی اَنْ یُنْفِقَ اٰخِرَ اَیَّامِہٖ فِیْ حَرْبٍ مُنْکَرَۃٍ مُؤْئِسَۃٍ. اَلْحَزِیْمَۃُ فِیْھَا شَرٌّ. وَالْفَوْزُ فِیْھَا شَرٌّ اَیْضًا. حَتّٰی قَتَلَہٗ اَحَدُ الْخَوَارِجِ غِیْلَۃً سَنَۃَ ۴۰ لِلْھِجْرَۃِ. فَاَنْتَ تَرٰی اَنَّ حَیَاتَہٗ اَیَّامَ النَّبِیِّ کَانَتْ حَیَاتَہٗ جِھَادٍ کُلِّہٖ اَمَلٌ. وَاَنَّ حَیَاتَہٗ اَیَّامَ الْخُلَفَاءِ الثَّلَاثَۃِ کَانَتْ حَیَاتُہٗ اِذْعَانًا وَرِضًا بِقَضَاءِ اللّٰہِ فِیْ نُصْحٍ وَاِخْلَاصٍ لِلْخُلَفَاءِ. وَاَنَّ حَیَاتَہٗ فِیْ اٰخِرِ اَیَّامِہٖ کَانَتْ حَیَاۃَ جِھَادٍ وَحُزْنٍ وَبَاْسٍ.

یہاں تک کہ تیسرے خلیفہ کے عہد میں ایک فتنہ کھڑا ہو گیا اور وہ قتل ہو گئے اور لوگوں نے آپؑ کی خلافت پر بیعت کر کے امر حکومت آپؑ کے سپرد کر دیا، لیکن بہت جلد لوگوں نے عہد شکنی کر کے آپؑ کی بیعت کو توڑ دیا اور عائشہ وطلحہ وزبیر ومعاویہ و باغیان شام آپؑ سے لڑنے کے لیے میدانِ جنگ میں آ گئے اور جمل وصفین کی لڑائیاں آپؑ کو سر کرنی پڑیں۔ جنگ صفین کا انجام جب تحکیم پر ہوا تو آپؑ کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں نے بغاوت کی اور آپؑ پر ان لوگوں نے خروج کیا۔ زندگی کے آخری دور میں آپؑ کو ان خوارج سے سخت جنگ کرنی پڑی جس میں ناکامیاب ہونا شر تھا ہی لیکن کامیاب ہونا بھی (لوگوں کے لیے) یوں سبب شر ہوا کہ اس عرصہ میں معاویہ اپنے مکروفریب کے جال پھیلا چکا تھا اور اپنی طاقت کو مضبوط بنا چکا تھا۔ کوفی معاویہ کے فریب میں مبتلا ہو گئے تھے جس کے نتیجہ میں یہ لوگ جنگ سے کنارہ کش ہونا چاہتے تھے اور اُن میں شدید اضمحلال اور انتشار رونما ہو چکا تھا۔ انہی حالات میں ایک خارجی (عبدالرحمن ابن

ملجم) نے دھوکے سے آپؑ کو (بحالت نماز) ۴۰ھ میں قتل کر دیا۔ اس بنا پر علی علیہ السلام کی زندگی کے مختلف دور پر اگر تم نظر کرو تو دیکھو گے کہ حیات رسولؐ میں حضرتؑ کی زندگی جہاد اور آرزو وامید سے بھری ہوئی تھی اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں حضرتؑ کی زندگی مشیت وقضائے الٰہی کے سامنے تسلیم ورضا اور مفاد عامہ کے لیے خلفاء کے ساتھ نصیحت وصلاحِ نیک کے ساتھ پیش آنا تھی اور آخری دور زندگی کا جہاد کرنے، حزن وغم اور سختیوں سے مقابلہ کرنے کا تھا۔

وَقَدْ عُرِفَ عَلِيٌّ بِالشَّجَاعَةِ وَالْبَأْسِ اَيَّامَ النَّبِيِّ. وَعُرِفَ بِالْعِلْمِ وَجُوْدَةِ الرَّأْيِ اَيَّامَ الْخُلَفَاءِ الثَّلَاثَةِ وَعُرِفَ بِالْخِطَابَةِ فِيْ اَيَّامِ خِلَافَتِهِ الْقَصِيْرَةِ. وَلَا غَرَابَةَ فِيْ هٰذَا فَقَدْ كَانَتْ حَيَاتُهُ كُلُّهَا تُعِدُّهُ لِهٰذِهِ الْاَيَّامِ الْاَخِيْرَةِ الَّتِيْ وَلِيَ فِيْهَا السُّلْطَانَ۔ وَظَهَرَتْ مَوَاهِبُهُ وَاحْتَاجَ اِلَى الْقَوْلِ فَقَالَ وَاَجَادَ۔

مختصر یہ کہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں علی علیہ السلام شجاعت وشہامت سے پہچانے جاتے تھے اور خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں علم، جودت رائے وتدبیر ودانش میں آپؑ مشہور ہوئے اور اپنی خلافت کے مختصر زمانہ میں طلاقت وبلاغت وخطابت میں شہرت پذیر ہوئے۔ حضرتؑ کی زندگی میں ان مختلف حالات میں اجنبیت کو کوئی دخل نہیں ہے، اس لیے کہ آپؑ کی ابتدائی ادوار حیات آپؑ کو اس آخری زندگی کے لیے مستعد کر رہی تھی جس میں آپؑ سلطان وقت تھے اور جس زمانے میں آپؑ کے خداداد کمالات ظاہر ہوئے اور آپؑ کو ملکہ خطابت کے ظاہر کرنے کا موقع ملا، بیشک آپؑ نے خوب خوب تقریریں فرمائیں۔[1]

حضرت علی علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان رابطۂ باہمی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابوطالبؑ کے ساتھ رہتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے بعد تین سال تک برابر اسی گھر میں رہے، علی علیہ السلام نے بعد ولادت اپنے چچازاد بھائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی گود میں آنکھیں کھولیں تھیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس بھائی سے بہت زیادہ مانوس تھے، جب علی علیہ السلام سوتے ہوتے تو یہ گہوارہ جنبانی کرتے اور جب وہ جاگتے رہتے تو ان کو اپنے سینہ سے لگائے رہتے تھے۔[2]

---

[1] المجمل فی تاریخ الادب العربی، ص ۱۰۴۔

[2] حیات امیر المؤمنین، ص ۴۰، طبع بغداد۔ اثبات الوصیہ، مسعودی، ص ۱۱۹، طبع عراق۔

جب حضرت پیغمبرؐ کا عقد جناب خدیجہ سے ہوگیا اور آپؐ اپنی زوجہ کے ساتھ دوسرے مکان میں منتقل ہوگئے تو آپؐ اس زمانہ میں بھی اپنے کمسن برادر ابن عم علی علیہ السلام کی نگہداشت میں ویسے ہی منہمک رہے جس طرح کہ آپؐ چچا کے مکان میں رہنے کے زمانے میں مشغول تھے بلکہ جوں جوں علی علیہ السلام بڑھتے تھے آپ کا انہماک اور زیادہ بڑھتا جاتا تھا۔ حالات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ اس کا موقع ڈھونڈھ رہے تھے کہ اپنے کمسن بھائی کو ان کے والدین سے لے کر براہ راست اپنی ہی سرپرستی میں لے لیں، چنانچہ قدرت کی جانب سے اس کا موقع ملا، قریش سخت قحط میں مبتلا ہوگئے اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کثیر العیال چچا سے اجازت لے کر علی علیہ السلام کو اپنی پرورش و نگرانی میں لے لیا۔ [1]

مورخین کا بیان ہے:

وَكَانَ مِمَّا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ كَانَ فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَبْلَ الْاِسْلَامِ۔

اور من جملہ ان نعمتوں اور بزرگیوں کے جو خداوند عالم نے حضرت علی علیہ السلام کو کرامت فرمائیں یہ ہے کہ عہد اسلام یعنی بعثت پیغمبرؐ سے پہلے ہی آپؐ کو رسول خداؐ نے گود لے لیا تھا۔ [2]

مجاہد بن جبیر کہتے ہیں:

كَانَ مِنْ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَمِمَّا صَنَعَ اللّٰهُ لَهٗ، وَاَرَادَهٗ بِهٖ مِنَ الْخَيْرِ. اَنَّ قُرَيْشًا اَصَابَتْهُمْ اَزْمَةٌ شَدِيْدَةٌ۔

قریش پر قحط کا پڑ جانا بھی علی علیہ السلام کے حق میں خدا نے بہتر کیا اور دراصل ان پر خدا کی یہ ایک نعمت تھی (جس کے سبب سے آپؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش تربیت میں آگئے)۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ علی علیہ السلام کس طرح رہے اس کو خود علی علیہ السلام سے بہتر اور کون بیان کرسکتا ہے، ملاحظہ فرمایئے، ارشاد ہوتا ہے:

وَ قَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ. وَ الْمَنْزِلَةِ الْخَصِيْصَةِ وَضَعَنِيْ فِيْ حِجْرِهٖ وَ اَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِيْ اِلٰى صَدْرِهٖ، وَ يَكْنُفُنِيْ فِيْ

---

[1] تاریخ محمد بن جریر الطبری، ج ۲، ص ۵۷، ۵۸، طبع قاہرہ۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۵۶، طبع مصر۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲، ص ۲۷، طبع مصر

[2] سیرت ابن ہشام، ص ۱۵۶، طبع مصر۔ تاریخ الطبری، الجزء الثانی، ص ۵۷، طبع مصر۔

[3] سیرت ابن ہشام، ص ۱۵۶، طبع مصر۔ تاریخ الطبری، ج ۲، ص ۵۷، طبع مصر۔

فِرَاشِهٖ، وَ يُمِسُّنِيْ جَسَدَهٗ، وَ يُشِمُّنِيْ عَرْفَهٗ. وَ كَانَ يَمْضَغُ الشَّيْءَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيْهِ، وَ مَا وَجَدَ لِيْ كَذْبَةً فِيْ قَوْلٍ، وَ لَا خَطْلَةً فِيْ فِعْلٍ. وَ لَقَدْ قَرَنَ اللّٰهُ بِهٖ ﷺ مِنْ لَّدُنْ اَنْ كَانَ فَطِيْمًا اَعْظَمَ مَلَكٍ مِّنْ مَّلٰٓئِكَتِهٖ يَسْلُكُ بِهٖ طَرِيْقَ الْمَكَارِمِ، وَ مَحَاسِنَ اَخْلَاقِ الْعَالَمِ، لَيْلَهٗ وَ نَهَارَهٗ، وَ لَقَدْ كُنْتُ اَتَّبِعُهُ اتِّبَاعَ الْفَصِيْلِ اَثَرَ اُمِّهٖ، يَرْفَعُ لِيْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِنْ اَخْلَاقِهٖ عَلَمًا، وَ يَاْمُرُنِيْ بِالْاِقْتِدَآءِ بِهٖ.-

مجھے اپنی منزل خاصہ اور پیغمبرؐ سے قرابت قریبہ کی وجہ سے بارگاہِ رسالت میں جو علو مرتبت و مقام بلند حاصل ہے اس سے تم اچھی طرح واقف ہو: میں ابھی بچہ ہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے گود لے لیا، مجھ کو حضرتؐ اپنے سینے سے چمٹاتے اور فرش مبارک پر اپنے پہلو میں لٹاتے، اپنے جسم منور کو میرے جسم سے مس کرتے اور اپنی خوشبو مجھ کو سونگھاتے تھے، پہلے خود کسی چیز کو چباتے پھر میرے دہن میں دے دیتے تھے، حضرتؐ نے میرے گفتار میں کوئی دروغ اور کردار میں کوئی فساد نہیں پایا، رسول اللہ ﷺ کی دودھ بڑھائی کے وقت سے خداوند عالم نے اپنے فرشتوں میں سے ایک بزرگ فرشتے کو آپ کا ہم نشین و جلیس بنا دیا تھا، جس کے ساتھ آپؐ دن رات کل عالم کے اخلاق کریمہ و محاسن عظیمہ پر چلتے تھے اور میں جملہ حالات میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی اس طرح کرتا تھا جیسے اونٹ کا بچہ اپنی ماں کی پیروی کرتا ہے، حضرتؐ ہر روز اپنے پرچم اخلاق و علم مکارم کو میرے لیے بلند فرماتے اور مجھے اس کی پیروی کا حکم دیتے۔

وَ لَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ بِحِرَآءَ، فَاَرَاهُ وَ لَا يَرَاهُ غَيْرِيْ، وَ لَمْ يَجْمَعْ بَيْتٌ وَّاحِدٌ يَّوْمَئِذٍ فِي الْاِسْلَامِ غَيْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ خَدِيْجَةَ وَ اَنَا ثَالِثُهُمَا. اَرٰى نُوْرَ الْوَحْيِ وَ الرِّسَالَةِ، وَ اَشُمُّ رِيْحَ النُّبُوَّةِ. وَ لَقَدْ سَمِعْتُ رَنَّةَ الشَّيْطٰنِ حِيْنَ نَزَلَ الْوَحْيُ عَلَيْهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا هٰذِهِ الرَّنَّةُ؟ فَقَالَ: "هٰذَا الشَّيْطٰنُ قَدْ اَيِسَ مِنْ عِبَادَتِهٖ. اِنَّكَ تَسْمَعُ مَآ اَسْمَعُ، وَ تَرٰى مَآ اَرٰى، اِلَّآ اَنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ، وَ لٰكِنَّكَ وَزِيْرٌ، وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خَيْرٍ"۔

ہر سال کوہِ حرا میں آپؐ مقیم رہتے تھے اس حالت میں حضرتؐ کو صرف میں ہی دیکھتا اور ملتا،

کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا تھا، یہ وہ وقت تھا جب کہ کسی گھرانے کے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل نہ تھے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کے اور میں ان دونوں کا تیسرا تھا، تنہا میں ہی نور رسالت و وحی کو دیکھتا تھا اور خوشبوئے نبوت کو سونگھتا تھا، جس وقت حضرتؐ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی، میں نے شیطان کی چیخ سنی، میں نے دریافت کیا یہ کیسی فریاد ہے؟ فرمایا: یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت کیے جانے سے مایوس ہو گیا ہے۔ اے علی علیہ السلام بیشک یہ تمہارا ہی مرتبہ ہے کہ جو کچھ میں سنتا ہوں تم بھی وہی سنتے ہو اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم بھی وہی دیکھتے ہو، تم نبی تو نہیں ہو لیکن نبی کے مددگار اور وزیر ضرور ہو۔[1]

علی علیہ السلام نے اپنے اس بیان میں اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ آپؑ بچپنے میں پیغمبرؐ کے ساتھ کس عنوان سے رہے۔ جب آپؑ بظاہر بچے تھے تو رسولؐ آپؑ کو اپنے سینے سے لگائے رہتے، اپنے پاس سلاتے، اپنی خوشبو سونگھاتے، کچھ چبا کر آپؑ کے دہن میں دے دیتے۔

حسین بن زید شہید بن علی بن الحسین الشہید بکربلا بتلاتے ہیں:

سَمِعْتُ زَيْدًا اَبِىْ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَمْضَغُ اللَّحْمَةَ وَ التَّمْرَةَ حَتّٰى تَلِيْنَ فَيَجْعَلُهَا فِىْ فَمِ عَلِيٍّ وَ هُوَ صَغِيْرٌ فِىْ حِجْرِهٖ۔

میں نے اپنے باپ زید شہید سے سنا کہ وہ فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گوشت و کھجور کو چباتے تھے جب وہ بالکل نرم ہو کر گھل جاتا تو اس کو علی علیہ السلام کے دہن میں دے دیا کرتے تھے۔ علی علیہ السلام اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں بالکل کمسن بچے تھے۔[2]

علی علیہ السلام کے ساتھ پیغمبرؐ کا طرز عمل ایسا تھا کہ جیسا ایک مہربان باپ اپنے محبوب فرزند کے ساتھ کرتا ہے، پیغمبرؐ کا علی علیہ السلام کو اپنا بیٹا سمجھنا اتنا صاف و روشن تھا کہ دوسرے بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے، فضل بن عباس فرماتے ہیں کہ

يَقُوْلُ سَاَلْتُ اَبِىْ عَنْ وَلَدِ رَسُوْلِ اللهِ الذُّكُوْرِ اَيُّهُمْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَهٗ اَشَدَّ حُبًّا فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ۔ فَقُلْتُ لَهٗ سَاَلْتُكَ عَنْ بَنِيْهِ فَقَالَ اِنَّهٗ كَانَ اَحَبَّ عَلَيْهِ مِنْ بَنِيْهِ جَمِيْعًا وَ اَرْاَفَ مَا رَاَيْنَاهُ زَايَلَهٗ يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ مُنْذُ كَانَ

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰ القاصعہ، ص ۵۵۸۔۵۵۹۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۲۵۱، طبع مصر۔

طِفْلًا اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ فِیْ سَفَرٍ لِخَدِیْجَۃَ وَ مَا رَاَیْنَاہُ اَبًا اَبَرَّ بِابْنٍ مِنْہُ لِعَلِیٍّ وَ لَا ابْنًا اَطْوَعَ لِاَبٍ مِنْ عَلِیٍّ لَہٗ۔

ایک مرتبہ میں نے اپنے پدر عباس عم رسولؐ سے دریافت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ کس کو چاہتے تھے؟ فرمایا:

علی ابن ابی طالب علیہما السلام کو۔ میں نے کہا میرا سوال تو رسولؐ کے بیٹوں کے بارے میں تھا؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب بیٹوں سے زیادہ علی علیہ السلام کو دوست رکھتے تھے، انہی پر سب سے زیادہ شفقت و مہربانی فرماتے تھے۔ میں نے آنحضرتؐ کو کبھی نہیں دیکھا کہ علی علیہ السلام کی کمسنی میں ان کی جدائی کو تھوڑی دیر کے لیے بھی گوارا فرمائیں، سوائے اس کے کہ خدیجہ علیہا السلام کے کام سے جب آپؐ کہیں جاتے تھے۔ میں نے کسی باپ کو بیٹے کے ساتھ اتنی شفقت پدری کرنے والا نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام کے ساتھ پدرانہ شفقت فرماتے تھے اور نہ کسی بیٹے کو باپ کا اتنا مطیع و فرمانبردار دیکھا جتنا کہ علی علیہ السلام فرزندانہ اطاعت و فرمانبرداریٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے۔[1]

یہ بیان حقیقت ترجمان کسی معمولی شخص کا نہیں ہے، یہ عباس عم رسولؐ ہیں جو اپنے بیٹے فضل سے بتلا رہے ہیں۔ اصحاب میں عباس سے بہتر رسولؐ کی نجی زندگی اور خانگی حالات سے کس کو واقفیت ہوسکتی ہے؟ ذرا صبر و سکون کے ساتھ سوال و جواب پر نظر کیجیے، رسولؐ کی اولاد کے متعلق سوال ہے، عباس جواب دیتے ہیں کہ رسولؐ کی احب اولاد علی علیہ السلام تھے، حالانکہ علی علیہ السلام رسولؐ کے بیٹے نہ تھے، بلکہ ابن عم تھے، لیکن عباس علی علیہ السلام کو رسولؐ کے حقیقی فرزند کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ رسولؐ کے فرزندوں میں سب سے زیادہ رسولؐ کے چہیتے بیٹے علی علیہ السلام کو بتلاتے ہیں۔ یہی وہ منزلت ہے جو علی علیہ السلام کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرف علی علیہ السلام نے اپنے کلام میں اشارہ فرمایا ہے جس سے اس زمانہ کی دنیا واقف تھی۔

وَ قَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِیْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالْقَرَابَۃِ الْقَرِیْبَۃِ، وَ الْمَنْزِلَۃِ الْخَصِیْصَۃِ۔

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حقیقی اولاد سے بھی زیادہ علی علیہ السلام پر شفیق و مہربان تھے اور علی علیہ السلام سب

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۲۵۱ طبع مصر۔

سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع و فرماں بردار تھے۔[1]

جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل القرشی صحابی رسولؐ کہتے ہیں:

قَالَ اَبِیْ مُطْعِمُ بْنُ عُدَیٍ لَنَا وَ نَحْنُ صِبْیَانٌ بِمَکَّۃَ اَلَا تَرَوْنَ حُبَّ ھٰذَا الْغُلَامِ یَعْنِیْ عَلِیًّا لِمُحَمَّدٍ وَ اتِّبَاعَہٗ لَہٗ دُوْنَ اَبِیْہِ وَ اللَّاتِ وَ الْعُزّٰی لَوَدِدْتُ اِنَّہٗ ابْنِیْ بِفُتْیَانِ بَنِیْ نَوْفَلٍ جَمِیْعًا۔

ہمارے باپ مطعم بن عدی مجھ سے اور ہمارے قبیلہ کے دوسرے لڑکوں سے کہنے لگے، کیا تم لوگ اس لڑکے علی علیہ السلام کی محبت کو جوان کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور جس طرح یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی بجائے اپنے باپ کے کرتے ہیں اس کو نہیں دیکھتے ہو؟ قسم ہے لات وعزّیٰ! کی اپنا دل تو یہ چاہتا تھا کہ بجائے بنی نوفل کے تمام لڑکوں کے علی علیہ السلام میرے بیٹے ہوتے۔[2]

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اولاد پر علی علیہ السلام کو ترجیح دیتے تھے تو علی علیہ السلام بھی اپنے والدین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی رسولؐ کے ساتھ کمال اطاعت و پیروی کا مظاہرہ تھا جس کو دیکھ کر دوسروں کے دل میں ایک نفسیاتی کیفیت تمنا کی صورت میں پیدا ہوتی تھی، یہ تو بچپنے کے دور اولی کے حالات ہیں لیکن علی علیہ السلام جب اس سن پر پہنچے جبکہ عام طور سے بچوں میں توانائی اور رشد کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں، اس وقت کیسی پیروی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسا نوازا، یہ تاریخ اسلام کے روشن واقعات ہیں جن سے تاریخ کا طالب علم واقف ہے، سفر و حضر میں اب علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، جہاں رسول ٹھہرتے علی علیہ السلام بھی قیام کرتے اور جہاں سے رسولؐ کوچ فرماتے علی علیہ السلام بھی روانہ ہوتے:

اِتِّبَاعَ الْفَصِیْلِ اَثَرَ اُمِّہٖ۔

جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے۔[3]

دن رات کسی وقت رسول کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے، رسولؐ کے ادب و اخلاق کو آپؑ نے ابتدا ہی سے مطالعہ فرمایا اور آپؑ ہی محل اسرار و رموز نبوت ٹھہرے، علوم نبوت، تنزیل و تاویل اور معقول و منقول جمیع علوم و معارف کو پیغمبرؐ نے آپؑ ہی کو سپرد فرمایا اور یہ ارشاد کیا:

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰ القاصعہ، ص ۵۵۸۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۲۵۲/۲۵۱ طبع مصر۔

[3] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰ القاصعہ، ص ۵۵۸۔

يَا عَلِيُّ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُدْنِيَكَ وَاُعَلِّمَكَ لِتَعِيَ. وَاُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ: (وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ) .فَاَنْتَ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ لِعِلْمِيْ۔

اے علیؑ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب رکھوں اور خزانہ علم تم تک منتقل کردوں، اسی پر یہ آیت نازل ہوئی: "اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں" اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ تو میرے علم کا یاد رکھنے والا کان ہے۔[1]

نص قرآن سے علیؑ علم رسولؐ کے لیے "اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ " ہیں جس کی گواہی خود پیغمبرؐ دے رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کے ساتھ یہ سب کچھ از روئے بخت واتفاق یا کسی احسان کے بدلہ میں نہیں کیا تھا بلکہ خود خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا، جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ۔

صرف یہی نہیں بلکہ حضرتؐ کو اس پر مامور کیا گیا تھا کہ اپنا معین ووزیر فرزندان ابوطالب میں علیؑ ہی کو بنائیں۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید اپنی شرح میں مشہور مورخین احمد بن یحیی البلاذری اور ابوالفرج علی بن الحسین الاموی الاصفہانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنی سرپرستی میں لیتے وقت اپنے اعمام سے ارشاد فرمایا:

اِخْتَرْتُ مَنِ اخْتَارَهُ اللّٰهُ لِيْ عَلَيْكُمْ عَلِيًّا۔

میں نے علیؑ کو صرف اپنی ذاتی پسند سے نہیں بلکہ خدا کے انتخاب پر ان کو تم پر منتخب کیا ہے۔[2]

خداوند عالم نے فرزندان ابوطالبؑ میں سے علیؑ کو اپنے رسولؐ کے لیے منتخب کیا تھا تاکہ بعد رسولؐ علیؑ علم رسول ومنصب تبلیغ کے وارث وجانشین ہوسکیں، اولاد ابوطالبؑ میں سوائے علیؑ کے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو علم وحکمت، فصاحت وبلاغت، فہم وقضا اور دوسرے کمالات میں رسولؐ کا جانشین ہوتا، دراصل علیؑ میں قدرت کی دی ہوئی ایسی استعداد وصلاحیت تھی کہ آپؑ سراج نبوت سے استفاضہ فرماتے جیسا کہ خود ہی فرمایا ہے:

اَنَا مِنْ اَحْمَدَ كَالضَّوْءِ مِنَ الضَّوْءِ۔

میرا احمدؐ کے ساتھ رشتہ وہی ہے جو نور کا رشتہ نور سے ہوتا ہے۔[3]

---

[1] سورۃ الحاقۃ، آیہ ۱۲۔ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم، ج ۱، ص ۶۷، طبع مصر۔ درمنثور، جلال الدین سیوطی، ج ۶، ص ۲۶۰ طبع مصر۔ کفایۃ الطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب، الحافظ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی، ص ۴۰۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۵، طبع مصر۔

[3] الامالی، الصدوق، ص ۶۰۴۔

یہی وجہ ہے کہ علم و فضل، حکمت و عدل میں رسولؐ کے کمالات کا اصل کے مطابق آپؑ بالکل صحیح نمونہ تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے کمالات کا امین و محافظ علی علیہ السلام کو بناتے رہے، علی علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں اپنے غزارت علم کا سبب یہ بتلایا ہے:

اِنِّیْ کُنْتُ اِذَا سَاَلْتُهٗ اَنْبَاَنِیْ. وَاِذَا سَکَتُّ ابْتَدَاَنِیْ۔

جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوالات کرتا تو حضرتؐ بتلاتے اور جب میں نہ دریافت کرتا اور خاموش ہو جاتا تو بغیر پوچھے خود سے مجھے بتلاتے۔[1]

دراصل نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و علی علیہ السلام درس گاہ قدرت کے تعلیم یافتہ تھے جیسا کہ پیغمبرؐ نے خود فرمایا ہے:

عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ۔

میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دی اور بہترین تعلیم دی۔[2]

علی علیہ السلام کو نبیؐ سے جدا نہیں سمجھا جا سکتا جس پر دلیل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

اَنَا وَ عَلِیٌّ مِّنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ۔

میں اور علی علیہ السلام ایک ہی نور سے ہیں۔[3]

جس کو فریقین کے محدثین نے بغیر کسی اختلاف کے نقل کیا ہے، علاوہ ازیں اگر مادی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو علی علیہ السلام میں وہ تمام صلاحیتیں بدرجہ کمال موجود تھیں جن سے اخذ علوم میں مدد لی جاتی ہے۔ خود علی علیہ السلام اپنی اس صلاحیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں:

اِنَّ رَبِّیْ وَهَبَ لِیْ قَلْبًا عَقُوْلًا وَ لِسَانًا سَئُوْلًا۔[4]

میرے پروردگار نے مجھے وہ قلب عطا کیا ہے جو دریابندِ معقولات ہے اور وہ زبان دی ہے جو درکِ حقائق کے لیے اپنے خدا سے پے در پے سوالات کرتی ہے۔[5]

---

[1] صواعق محرقہ، ابن حجر مکی، ص ۷۰، طبع مصر۔

[2] فیض القدیر المناوی، جز ۱، ص ۲۲۴۔

[3] الفضائل، ابن شاذان، ص ۸۲، ۱۰۸۔

[4] ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لِسَانًا نَاطِقًا بولتی ہوئی زبان اور ابوالمؤید احمد اخطب خوارزمی نے کتاب المناقب میں لِسَانًا طَلِقًا طلیق اللسان بھی روایت کیا ہے۔ سبط

[5] حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۱، ص ۶۸، طبع مصر۔

اسی لیے تو علی علیہ السلام اس قدر نکتہ رس و مستعد تھے کہ آپ فرماتے ہیں:

عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَلْفَ بَابٍ مِنَ الْعِلْمِ یَفْتَحُ لِیْ کُلُّ بَابٍ اَلْفَ بَابٍ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ہزار باب علوم کے بتلائے اور ہر باب سے ہزار ہزار باب کا انکشاف مجھ پر ہوا۔[1]

مدینۃ العلم سے باب العلم تک کیوں کر علوم کا فیضان ہوتا رہا، اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے خود علی علیہ السلام نے اپنے ایک مخصوص صحابی سُلیم بن قیس الہلالی سے ارشاد فرمایا ہے جس کو سلیم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، حضرتؑ فرماتے ہیں:

وَ کُنْتُ اَدْخُلُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کُلَّ یَوْمٍ دَخْلَۃً وَ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ دَخْلَۃً فَیُخْلِیْنِیْ فِیْھَا اَدُوْرُ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ وَ قَدْ عَلِمَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ یَصْنَعُ ذٰلِکَ بِاَحَدٍ مِنَ النَّاسِ غَیْرِیْ وَ رُبَّمَا کَانَ ذٰلِکَ فِیْ مَنْزِلِیْ یَأْتِیْنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَاِذَا دَخَلْتُ عَلَیْہِ فِیْ بَعْضِ مَنَازِلِہٖ خَلَابِیْ وَ اَقَامَ نِسَآءَہٗ فَلَمْ یَبْقَ غَیْرِیْ وَ غَیْرُہٗ۔ وَاِذَا اَتَانِیْ لِلْخَلْوَۃِ فِیْ بَیْتِیْ لَمْ تَقُمْ مِنْ عِنْدِنَا فَاطِمَۃُ وَ لَا اَحَدٌ مِنِ ابْنَیَّ وَ کُنْتُ اِذَا سَاَلْتُہٗ اَجَابَنِیْ وَ اِذَا سَکَتُّ اَوْ نَفِدَتْ مَسَائِلِیْ اِبْتَدَاَنِیْ۔

میں دن میں ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تنہائی میں رہا کرتا تھا کبھی رسولؐ سے جدا نہ ہوتا تھا، جدھر رسولؐ جاتے میں ساتھ ہی ساتھ جاتا تھا، اصحاب رسولؐ اس سے واقف تھے کہ حضرتؐ کا یہ طریقہ وعمل صرف میرے ہی ساتھ مخصوص تھا، کسی دوسرے کے ساتھ حضرتؐ کا یہ برتاؤ نہ تھا، تخلیہ عموماً میرے ہی گھر میں ہوتا تھا اور اگر کبھی اس کا اتفاق رسولؐ کے گھر میں ہوتا تو حضرتؐ کی بیویاں اس جگہ سے اٹھا دی جاتی تھیں، صرف میں اور رسولؐ تنہا رہتے اور جب تخلیہ کے لیے رسولؐ میرے گھر میں تشریف فرما ہوتے تو رسولؐ کی بیٹی فاطمہ علیہا السلام اور میرے فرزند نہ ہٹائے جاتے بلکہ موجود رہتے۔ تخلیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کرتا اور حضرتؐ جوابات دیتے اور جب میں خاموش ہو جاتا یا میرے سوالات ختم ہو جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی اپنی

---

[1] فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین، جوینی، ص ۱۰۱۔

توسیعی تقریر شروع کردیتے۔

فَمَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا اَقْرَاَنِيْهَا وَ اَمْلَاهَا عَلَيَّ فَكَتَبْتُهَا بِخَطِّيْ وَ دَعَا اللّٰهَ اَنْ يُفَهِّمَنِيْ اِيَّاهَا وَ يُحَفِّظَنِيْ فَمَا نَسِيْتُ اٰيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مُنْذُ حَفِظْتُهَا وَ عَلَّمَنِيْ تَاْوِيْلَهَا فَحَفِظْتُهٗ وَ اَمْلَاهُ عَلَيَّ فَكَتَبْتُهٗ وَ مَا تَرَكَ شَيْئًا عَلَّمَهُ اللّٰهُ مِنْ حَلَالٍ وَ حَرَامٍ اَوْ اَمْرٍ وَ نَهْيٍ اَوْ طَاعَةٍ وَ مَعْصِيَةٍ. كَانَ اَوْ يَكُوْنُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا وَ قَدْ عَلَّمَنِيْهِ وَ حَفِظْتُهٗ وَ لَمْ اَنْسَ مِنْهُ حَرْفًا وَاحِدًا. ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِيْ وَ دَعَا اللّٰهَ اَنْ يَمْلَاَ قَلْبِيْ عِلْمًا وَ فَهْمًا وَ فِقْهًا وَ حُكْمًا وَ نُوْرًا وَ اَنْ يُعَلِّمَنِيْ فَلَا اَجْهَلَ وَ اَنْ يُحَفِّظَنِيْ فَلَا اَنْسٰى۔

قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جو حضرتؐ پر نازل ہوئی ہو لیکن یہ کہ حضرتؐ نے مجھ پر قرأت نہ کی ہو اور مجھ کو لکھوا نہ دیا ہو، میں خود اس کو اپنے قلم سے لکھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سمجھے رہنے اور یاد رہنے کی دعا بھی میرے حق میں فرمائی تھی، اس کی برکت سے قرآن مجھ کو بالکل حفظ ہو گیا تھا اور کبھی سہو ونسیاں نہیں ہوا، اسی طرح تاویل قرآن (اصل مراد وحقیقی معنی) کا علم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سپرد فرمایا اور یہ سب امانت نبوت میرے سینہ میں محفوظ ہو گئیں، صرف حافظہ ہی میں نہیں محفوظ کیا بلکہ حضرتؐ نے مجھے لکھوایا۔ اور میں نے لکھ لیا، غرض کہ خدا نے جو کچھ بھی اپنے رسولؐ کو بتلایا، تنزیل وتاویل، ناسخ ومنسوخ، حلال وحرام، امر ونہی، اطاعت ومعصیت اور جو حالات اب تک گزرے یا جو قیامت تک ہوں گے ان سب کا علم میرے سپرد کیا اور میں نے سب کو محفوظ کر لیا ایک حرف بھی نہیں چھوڑا۔ پیغمبرؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی کہ خدا میرے سینہ کو علم وفہم، فقہ وحکمت اور نور سے بھر دے اور کبھی مجھ پر جہل ونسیان نہ طاری ہو۔[1]

ان حالات میں کون ہے جو علی علیہ السلام کے علم کا اندازہ لگا سکتا ہے، ہاں خود پیغمبرؐ کے ارشادات ہماری رہبری ضرور کرتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

(۱): اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَاْتِهٖ مِنْ بَابِهٖ۔

---

[1] [کتاب سلیم بن قیس، الہلالی، ص ۴۰ و ۴۱ طبع نجف۔]

میں شہر علم ہوں اور علی علیہ السلام اس کے دروازہ ہیں پس جو شہر میں آنا چاہتا ہے وہ دروازہ سے آئے۔[۱]

(۲): اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

میں حکمت کا گھر ہوں اور علی علیہ السلام اس کے دروازہ ہیں۔[۲]

(۳): اَنَا دَارُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

میں علم کا گھر ہوں اور علی علیہ السلام اس کے دروازہ ہیں۔[۳]

(۴): اَنَا مِيزَانُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ كِفَّتَاهُ۔

میں علم کا ترازو ہوں اور علی علیہ السلام اس کے پلڑے ہیں۔[۴]

(۵): اَنَا مِيزَانُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ لِسَانُهُ۔

میں حکمت کا ترازو ہوں اور علی علیہ السلام اس کی لسان ہیں۔[۵]

(۶): اَنَا مَدِينَةُ الْفِقْهِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

میں شہر فقہ ہوں اور علی علیہ السلام اس کے دروازہ ہیں۔[۶]

(۷): فِي حَدِيثٍ: فَهُوَ بَابُ مَدِينَةِ عِلْمِي۔

پس علی علیہ السلام میرے شہر علم کے دروازہ ہیں۔[۷]

(۸): عَلِيٌّ اَخِيْ وَمِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ فَهُوَ بَابُ عِلْمِيْ وَوَصِيِّيْ۔

علی علیہ السلام میرے بھائی مجھ سے ہیں اور میں علی علیہ السلام سے ہوں اور وہی میرے شہر علم کے دروازہ اور میرے وصی ہیں۔[۸]

---

[۱] صحیح ترمذی ج ۲، ص ۳۱۴۔ استیعاب، ابن عبد البر، بر حاشیہ اصابہ، ج ۲، ص ۲۸۔ اسد الغابہ، ابن اثیر الجزری، ج ۴، ص ۲۲۔ الریاض النضرہ، ج ۱، ص ۱۹۳۔ ذخائر العقبیٰ، محب الطبری، ص ۷۷۔ الکفایہ، لمحمد بن یوسف الکنجی الشافعی، ص ۹۸، ۱۹۳۔ الصواعق محرقہ، ص ۳۷، طبع مصر۔ تقریباً ۱۴۱ اعلام محدثین اہل سنت نے اس کو نقل کیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات الانوار، حدیث مدینہ۔

[۲] صحیح ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۴۔ حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۱، ص ۶۴، طبع مصر۔ مصابیح السنۃ، امام بغوی، ج ۲، ص ۲۷۰۔ صواعق محرقہ، ابن حجر مکی، ص ۷۳، طبع مصر۔ اس حدیث کو بھی تقریباً ۶۰ اعلام محدثین اہلسنت نے نقل کیا ہے۔

[۳] مصابیح السنۃ، امام بغوی۔ ذخائر العقبیٰ، محب الطبری، ص ۷۷۔

[۴] فردوس الاخبار، الدیلمی۔ کشف الخفاء، العجلونی، ج ۱، ص ۲۱۴۔

[۵] شرح دیوان امیر المؤمنین، علامہ میبذی۔ الرسالۃ العقلیہ، الامام الغزالی۔

[۶] تذکرۃ خواص الامہ، ابوالمظفر سبط ابن الجوزی، ص ۲۹۔

[۷] ینابیع المودۃ، الشیخ سلیمان القندوزی، ص ۷۱۔ المناقب، ابن المغازلی۔ المناقب، ابوالموید الخوارزمی۔

[۸] ینابیع المودۃ، الشیخ سلیمان القندوزی، ج ۲، ص ۳۳۳، ح ۹۷۳۔ ومقتل الحسین ابوالموید الخوارزمی، ص ۶۰۔

(۹): عَلِيٌّ بَابُ عِلْمِيْ. وَمُبَيِّنٌ لِأُمَّتِيْ مَا أُرْسِلْتُ بِهٖ مِنْ بَعْدِيْ۔
علی علیہ السلام میرے علم کے باب ہیں اور جس امر کی رسالت میں نے کی ہے اس کی وضاحت میرے بعد کرنے والے ہیں۔[۱]

(۱۰): قَالَ لِعَلِيٍّ: اَنْتَ بَابُ عِلْمِيْ۔
اے علی علیہ السلام تم میرے علم کے دروازہ ہو۔[۲]

(۱۱): يَا اُمَّ سَلَمَةَ اشْهَدِيْ وَ اسْمَعِيْ هٰذَا عَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ سَيِّدُ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَيْبَةُ عِلْمِيْ (وِعَاءُ عِلْمِيْ) وَ بَابِيَ الَّذِيْ اُوْتٰى مِنْهُ۔
اے ام سلمہ سنو اور گواہ رہو یہ علی علیہ السلام مومنین کے امیر، مسلمانوں کے سردار اور میرے علم کے مظروف و محافظ ہیں اور میرے ایسے دروازہ ہیں جس کے ذریعہ مجھ تک پہنچا جاتا ہے۔[۳]

علامہ مناوی "عَيْبَةُ عِلْمِيْ" کی شرح میں لکھتے ہیں، "عَيْبَةُ" کہتے ہیں اس ظرف کو جس میں انسان نفیس و عمدہ چیزوں کو محفوظ رکھتا ہے:

عَلِيٌّ عَيْبَةُ عِلْمِيْ اَيْ مَظَنَّةُ اسْتِفْصَاحِيْ وَخَاصَّتِيْ وَمَوْضِعُ سِرِّيْ وَمَعْدِنُ نَفَائِسِيْ وَالْعَيْبَةُ مَا يُحْرِزُ الرَّجُلُ فِيْهِ نَفَائِسَهٗ. قَالَ ابْنُ دُرَيْدٍ وَهٰذَا مِنْ كَلَامِهِ الْمُوْجَزِ الَّذِيْ لَمْ يَسْبُقْ ضَرْبُ الْمَثَلِ بِهٖ فِيْ اِرَادَةِ اخْتِصَاصِهٖ بِاُمُوْرِ الْبَاطِنَةِ الَّتِيْ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهَا اَحَدٌ غَيْرُهٗ۔ وَذٰلِكَ غَايَةٌ فِيْ مَدْحِ عَلِيٍّ وَقَدْ كَانَتْ ضَمَائِرُ اَعْدَائِهٖ مُنْطَوِيَةٌ عَلٰى اعْتِقَادِ تَعْظِيْمِهٖ۔

آنحضرتؐ کی مراد یہ ہے کہ علی علیہ السلام میرے علم کے مظروف ہیں یعنی میری باتوں کو سمجھنے والے اور اس کو محفوظ رکھنے والے، محل راز اور میرے نفائس و علوم کے معدن ہیں۔ ابن درید کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا یہ ایسا بلیغ کلام ہے کہ اس سے پہلے کسی نے بھی اس مطلب کو یوں نہیں ادا کیا جس میں آنحضرتؐ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ علی علیہ السلام آپؐ کے امور باطن کے ایسے رازدار ہیں کہ آپؐ کے سوا کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہے اور علی علیہ السلام کی یہ انتہائی مدح ہے جس کی وجہ سے دشمنوں کے دل

---

[۱] کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۰۶۔ القول الجلی فی فضائل علی، السیوطی حدیث ۳۸۔

[۲] حلیۃ الاولیاء، الحافظ ابونعیم الاصفہانی۔ الفردوس، الدیلمی۔ المناقب، الخوارزمی۔ توضیح الدلائل، شہاب الدین۔ الینابیع المودۃ، القندوزی۔

[۳] حلیۃ الاولیاء، الحافظ ابونعیم الاصفہانی۔ المناقب، الخوارزمی۔ التدوین فی اخبار قزوین، الرافعی۔ المناقب، الکنجی۔ فرائد السمطین، الحموی۔ حسام الدین المحلی۔ توضیح الدلائل، شہاب الدین۔ شرح جامع الصغیر، شیخ محمد الحفنی۔

بھی آپؑ کی عظمت کے مقر ہیں۔[1]

شیخ محمد الحفنی حاشیہ شرح العزیزی جلد ۲ ص ۴۱۵ پر لکھتے ہیں:

حَدِيْثُ الْعَيْبَةِ اَیْ وِعَاءُ عِلْمِیْ اَلْمُحَافِظُ لَهٗ فَاِنَّهٗ مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَلِذَا كَانَتِ الصَّحَابَةُ تَحْتَاجُ اِلَيْهِ فِیْ تِلْكَ الْمُشْكِلَاتِ۔

حدیث عیبہ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے علم کے مظروف ومحافظ ہیں کیونکہ آنحضرتؐ شہر علم ہیں اور (آپؑ اس کے دروازہ) اسی بنا پر صحابہ مشکلات علوم میں حضرت علی علیہ السلام کے محتاج رہا کرتے تھے۔[2]

(۱۲): اَعْلَمُ اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

میری امت میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے میرے بعد علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔[3]

(۱۳): عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَعْلَمُ النَّاسِ بِاللّٰهِ وَ النَّاسِ۔

علی علیہ السلام اعلم ناس ہیں خدا اور انسانوں کے متعلق۔[4]

(۱۴): اَقْضَاكُمْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام تم میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے ہیں۔[5]

(۱۵): لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ اَبَا الْحَسَنِ. لَقَدْ شَرِبْتَ الْعِلْمَ شُرْبًا. وَنَهِلْتَهٗ نَهْلًا۔

اے ابوالحسن علیہ السلام تم کو علم گوارا ہو، بیشک علوم ومعارف سے تم یوں سیراب ہوئے جو حق ہے سیراب ہونے کا۔[6]

(۱۶): قُسِّمَتِ الْحِكْمَةُ عَشَرَةَ اَجْزَاءٍ. فَاُعْطِیَ عَلِیٌّ تِسْعَةَ اَجْزَاءٍ وَالنَّاسُ جُزْءًا وَاحِدًا. وَعَلِیٌّ اَعْلَمُ بِالْجُزْءِ الْوَاحِدِ مِنْهُمْ۔

علم وحکمت کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا، نو حصے تو سب کے سب علی علیہ السلام کو ملے اور تمام انسانوں کو

---

[1] فیض القدیر للحافظ المناوی، ج ۴، ص ۳۰۶۔
[2] حاشیہ شرح العزیزی، شیخ محمد الحفنی، ج ۲، ص ۴۱۵۔
[3] منتخب کنز العمال، ص ۳۲۔ مناقب اخطب خوارزمی، ص ۴۰۔
[4] منتخب کنز العمال، ص ۳۲۔
[5] استیعاب، ج ۳، ص ۳۸۔
[6] حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۶۰ طبع مصر۔ مناقب، اخطب خوارزمی۔

صرف ایک حصہ، لیکن اس میں سے بھی سب سے زیادہ علی علیہ السلام کو عطا ہوا۔[1]

علی علیہ السلام کی عظمت علمی کا اعتراف ان کے زمانے والے بھی برابر کرتے رہے ہیں، عبداللہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی جن کو مسلمانوں نے "اوعیۃ العلم" کا لقب دیا ہے۔[2]، وہ کہتے ہیں:

اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ. مَا مِنْهَا حَرْفٌ اِلَّا لَهٗ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ. وَاِنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ عِنْدَهٗ عِلْمُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ۔

قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اور ہر حرف ظاہر و باطن پر مشتمل ہے اور صرف علی علیہ السلام ہی کی ذات ہے جو علمِ ظاہر و باطن سے واقف ہے۔[3]

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ لَقَدْ اُعْطِيَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ تِسْعَةَ اَعْشَارِ الْعِلْمِ. وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ شَارَكَكُمْ فِي الْعُشْرِ الْعَاشِرِ۔

علم کے دس حصے ہیں نو حصے تو علی علیہ السلام کو ملے اور دسواں حصہ ایسا ہے جس میں تمام مخلوق کو عطا ہوا لیکن اس دسویں حصے میں بھی علی علیہ السلام کو سب سے زیادہ ملا۔[4]

عبداللہ بن عباس وہ بزرگ ہیں جو مسلمانوں میں "مُحِيْطُ الْعِلْمِ بَيْنَ الصَّحَابَةِ"، "حَبْرُ الْاُمَّةِ"، "تَرْجُمَانُ الْقُرْاٰنِ" کے القاب سے مشہور ہیں ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کا علم "علی علیہ السلام" کے علم کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ فرمایا:

كَنِسْبَةِ قَطْرَةٍ مِنَ الْمَطَرِ اِلَى الْبَحْرِ الْمُحِيْطِ۔

جیسے بارش کا ایک قطرہ بے پناہ سمندر کے مقابلہ میں حقیر اور بے مایہ ہے ویسے ہی میرا علم علی علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔[5]

یہ علی علیہ السلام ہی ہیں جنہوں نے مشکلات علوم میں خلفاء کی مشکل کشائی فرمائی جس کی بنا پر خلیفہ ثانی عمر کہا کرتے تھے:

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔

---

[1] منتخب کنزالعمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۲۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۶۰ طبع مصر۔

[2] تذکرۃ الحفاظ، علامہ ذہبی، ج ۱، ص ۱۵، حیدر آباد۔

[3] حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۱، ص ۶۵، طبع مصر۔

[4] استیعاب، ج ۳، ص ۴۰۔

[5] ترجمہ علی بن ابی طالب، احمد زکی صفوت، ص ۹۷، طبع مصر۔ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۹، طبع مصر۔

اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔[1]

کبھی یہ کہتے ہیں:

لَا اَبْقَانِیَ اللّٰهُ لِمُعْضِلَةٍ لَيْسَ لَهَا اَبُو الْحَسَنِ۔

جس عقدۂ لاینحل کی گرہ کشائی کے لیے علی علیہ السلام نہ ہوں اس وقت خدا مجھے باقی نہ رکھے۔[2]

اسی طرح خلیفۂ دوم نے حضرتؑ کے متعلق یہ گواہی دی ہے:

هٰذَا اَعْلَمُ بِنَبِيِّنَا وَ بِكِتَابِ نَبِيِّنَا۔

یہ علی علیہ السلام ہمارے رسولؐ اور قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔[3]

معاویہ کا سا دشمن بھی اقرار کرتا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُعِزُّهٗ بِالْعِلْمِ عِزًّا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معزز کیا علی علیہ السلام کو علم سے جو حق معزز کرنے کا ہے۔[4]

جب حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر معاویہ کو ملی تو اس کی زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکل پڑا تھا:

ذَهَبَ الْفِقْهُ وَالْعِلْمُ بِمَوْتِ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

علی علیہ السلام کی موت سے علم و فقہ کا خاتمہ ہو گیا۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو معجزے

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو باقی رہنے والے معجزے "علی علیہ السلام" اور "قرآن" ہیں جو پیغمبرؐ کی صداقتِ نبوّت کے ثبوت ہیں۔ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت و اعجاز کے اعتبار سے اس پر دلیل ہے کہ وہ وحی رب جلیل ہے اور علی علیہ السلام اپنے علم و فضل و عظمت و کرامت اور متضاد محاسن اخلاق کے مظہر ہو کر اس کا ثبوت ہیں کہ یہ ہمنشین و جانشین پیغمبرؐ ہیں، اسی لیے قرآن اور علی علیہ السلام یہ دونوں ساتھ ہی ساتھ ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، جیسا کہ خود پیغمبرؐ کا ارشاد ہے:

عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ لَا يَفْتَرِقَانِ حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔

---

[1] ترجمہ علی بن ابی طالب، احمد زکی صفوت، ص ۹۷۔ تذکرہ خواص الامۃ، سبط ابن الجوزی، ص ۸۷۔

[2] ریاض النضرہ، محب الطبری، ج ۲، ص ۱۹۶، ۱۹۷۔ فیض القدیر شرح جامع الصغیر، الحافظ الشیخ عبد الروف المناوی، جلد ۳، ص ۴۶۔

[3] زین الفتیٰ فی شرح سورۂ ھل اتی، ابو محمد احمد بن محمد بن علی العاصمی۔

[4] صواعق محرقہ، ابن حجر، ص ۱۰۷، طبع مصر۔ ذخائر العقبیٰ، محب الطبری، ص ۷۹۔

[5] استیعاب، ابن عبد البر، ج ۳، ص ۴۵۔

علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی علیہ السلام کے ساتھ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔[1]

ایک سنی عالم کی علی علیہ السلام کے متعلق گواہی

امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کمال علم وفضل کا اقرار صرف شیعوں ہی کو نہیں ہے بلکہ اہلسنت اور غیر مسلم بھی کرتے ہیں چنانچہ مشہور عالم اہلسنت علامہ مصطفی بک نجیب مصری "علی علیہ السلام" کی محیر العقول شخصیت کے متعلق لکھتے ہیں:

مَاذَا يَقُوْلُ الْقَائِلُ فِيْ هٰذَا الْاِمَامِ. وَكُلُّ وَصَّافٍ مَنْسُوْبٌ اِلَى الْعِجْزِ لِتَقْصِيْرِهٖ عَنِ الْغَايَةِ مَهْمَا انْتَهٰى بِهِ الْقَوْلُ. وَكَفٰى بِشَهَادَتِهٖ صلى الله عليه وآله وسلم بِاَنَّهٗ بَابُ مَدِيْنَةِ الْعِلْمِ دَلِيْلًا عَلٰى مَكْنُوْنِ السِّرِ الَّذِىْ فِيْهِ. فَهُوَ اَوَّلٌ فِي الْعُلُوْمِ. اَوَّلٌ فِي الشَّجَاعَةِ. اَوَّلٌ فِي السَّخَاءِ. اَوَّلٌ فِي الْحِلْمِ وَالصَّفْحِ. اَوَّلٌ فِي الْفَصَاحَةِ. اَوَّلٌ فِي الزُّهْدِ. اَوَّلٌ فِي الْعِبَادَةِ. اَوَّلٌ فِي التَّدْبِيْرِ وَالسِّيَاسَةِ. اَشَدُّ النَّاسِ رَأْيًا وَاَصَحُّهُمْ تَدْبِيْرًا. لَوْلَا تُقَاهُ لَكَانَ اُدْهِيَ الْعَرَبِ۔

کہنے والا اس امامؑ کے متعلق آخر کیا کہے، ثنا وصفت بیان کرنے والا آپؑ کے کمال ثنا وصفت کو بیان کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ آپ مدینہ علم کے در ہیں آپؑ کے کمال فضل وشرف کے لیے کافی ہے۔ آپؑ ہی علوم میں سب سے اول، شجاعت میں سب سے اول، جود وسخا میں سب سے اول، حلم اور درگزر کرنے میں سب سے اول، فصاحت وبلاغت میں سب سے اول، زہد وریاضت میں سب سے اول، بندگی وعبادت میں سب سے اول، تدبیر وسیاست میں سب سے اول، آپؑ کمال صحت ویقین کی وجہ سے اپنی رائے وتدبیر پر قائم رہنے والے تھے، سب سے بہتر آپؑ کی فکر وتدبیر تھی، اگر خوف خدا اور پرہیز گاری کا خیال نہ ہوتا تو آپؑ عرب میں سب سے بڑے ڈپلومیٹ ہوتے۔

كَاَنَّمَا اَفْرَغُ مِنْ كُلِّ قَلْبٍ. فَهُوَ مَحْبُوْبٌ اِلٰى كُلِّ نَفْسٍ. ظَهَرَ مِنْ حِجَابِ الْعَظَمَةِ بِمَعَالِيْهِ. فَاسْتَوْلَى الْاِضْطِرَابُ عَلَى الْاَذْهَانِ وَالْمَدَارِكِ. وَذَهَبَ النَّاسُ فِيْهِ مَذَاهِبَ خَرَجَتْ بِهِمْ عَنْ حُدُوْدِ الْعَقْلِ وَالشَّرِيْعَةِ. اَهْلُ الذِّمَّةِ تُحِبُّهٗ. وَالْفَلَاسِفَةُ تُعَظِّمُهٗ. وَمُلُوْكُ الرُّوْمِ تُصَوِّرُهٗ فِيْ بُيُوْتِهَا وَبِيَعِهَا. وَرُؤَسَاءُ الْجُيُوْشِ تَكْتُبُ اِسْمَهٗ عَلٰى

---

[1] صواعق محرقہ، ابن حجر مکی، ص ۷۴، طبع مصر۔

سُیُوْفِهَا. کَاَنَّمَا هُوَ فَاْلُ الْخَیْرِ وَاٰیَةُ النَّصْرِ وَالظَّفْرِ۔

ہر قلب میں آپؑ کے لیے جگہ ہے اور ہر ایک آپؑ کو دوست رکھتا ہے، آپؑ حجاب عظمت میں ایسی بزرگیوں کے ساتھ جلوہ نما ہوئے کہ بہت سے لوگ آپؑ کے متعلق حیرانی میں مبتلا ہو گئے اور حدود عقل و شریعت سے نکل کر آپؑ کو معبود سمجھنے لگے، اہل ذمہ (یہود و نصاریٰ) آپؑ کو دوست رکھتے ہیں، فلاسفہ آپؑ کی عظمت و بزرگی کے سامنے سرنگوں ہیں، شاہان روم اپنے محلوں اور عبادت گاہوں میں آپؑ کی تصویر بناتے تھے، اور لشکر کے سردار آپؑ کے مبارک نام کو تلوار پر کندہ کراتے ہیں اور اس کو اپنے لیے خیر اور فتح و نصرت کا سبب سمجھتے ہیں۔[1]

علی علیہ السلام کے متعلق ایک مستشرق کی گواہی

مستشرقِ شہیر گابریل انکیری (Gabriel Enkiri) اپنی قابل قدر کتاب "شہسوار اسلام" (Lechevalier de i'islam) میں جو فرانسیسی زبان میں امیر المومنینؑ کے حالات میں اس نے لکھی ہے، لکھتا ہے:

علی علیہ السلام کی بلند شخصیت میں دو صفتیں "علی حد کمال" ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن کا ایک مقام پر جمع ہونا سمجھ سے باہر ہے اور تاریخ عالم میں سوائے علی علیہ السلام کے اور کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ علی علیہ السلام ہی کی ذات ہے جو قہرمان جنگ، فاتح اور جنرل ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک زبردست عالم و فصیح ترین خطیب بھی تھی۔ کیا "رولنڈ" ROLAND[2] "بایارڈ" BAYARD[3] کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ تورات و انجیل کی تشریح و تفسیر کر سکتے ہیں اور بالائے منبر فصیح و بلیغ تقریر کر کے قانون مدنی (Civil Procedure law) و قانون تعزیرات (Criminal) کے عقدوں کی گرہ کشائی کر سکتے ہیں؟ یا یہ ممکن ہے کہ مقدس تھامس ڈاکن (Saint Thomes Daquin)[4] و مقدس جان کریسوسٹوم (Saint Jean

---

[1] حماۃ الاسلام، جزء اول، ص ۹۸، طبع مصر۔

[2] Roland یورپ کا مشہور بہادر جوانپنی شجاعت و شمشیر زنی میں ضرب المثل ہے اور جس کی داستان حماست اور دلاوری کے قصے ایک مستقل کتاب میں محفوظ ہیں۔ رولنڈ کی مشہور تلوار کا نام "دوراندل" تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ پتھر کی چٹان پر اپنی تلوار کی ضرب لگاتا تھا تو اس میں شگاف پڑ جاتا تھا۔

[3] BAYARD مشہور فرانسیسی جنگ جو سردار ۱۴۷۶ء میں پیدا ہوا، اس بہادر نے شارل ہشتم، لوئی دوازدہم، فرانسو اول کے زمانے کی جنگوں میں بڑے کارنمایاں کیے ہیں یہاں تک کہ اس کی شجاعت و حماست کی تعریف اس کے دشمن تک کرتے تھے۔ سبط۔

[4] مقدس تھامس ڈاکن، عیسائی مذہب کا ایک مشہور قدیس، مرتاض و عابد۔

(Chrysostome)[1] یا بشپ (اسقف) بوسویٹ (Bishob Bossuet)[2] میدان جنگ میں ایک جانباز سپاہی کی حیثیت سے شمشیر بکف دشمنوں پر حملہ کرتے اور ان کی صفوں کو خاک وخون میں ملاتے نظر آئیں؟ یہ تو صرف علی علیہ السلام ہی کی ایک مثال ہے جن کو تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ علی علیہ السلام اپنے ان صفات کے لحاظ سے پیغمبر اسلام کے ایک زندہ معجزہ تھے، یہ شیعی رجحان وعقیدت کا مظاہرہ نہیں ہے بلکہ علمائے اہلسنت بھی یہی بتلاتے ہیں، چنانچہ علامہ شیخ شہاب الدین احمد الابشیہی لکھتے ہیں:

اَمِیرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ اٰیَۃٌ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ وَ مُعْجِزَۃٌ مِنْ مُعْجِزَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَ مُؤَیَّدٌ بِالتَّأْیِیْدِ الْاِلٰھِیِّ کَاشِفُ الْکُرُوْبِ وَ مُجَلِّیْھَا. وَ مُثَبِّتُ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ وَ مُرْسِیْھَا.

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ ایک آیت ہیں آیات خدا میں سے اور معجزہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے، آپؑ کے ساتھ تائید الٰہی شامل حال تھی، غم واندوہ کو دور کرنے والے تھے، ستون اسلام کو آپؑ ہی نے محکم کیا اور آپؑ ہی کشتیٔ اسلام کے لنگر تھے۔[3]

اسی طرح علامہ کفوی شافعی اپنی کتاب طبقات میں لکھتے ہیں کہ

حضرت علی علیہ السلام نہایت حاضر جواب تھے اور فی البدیہ خطبہ کہتے تھے اور آپؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھے بسبب تبحر کے علم میں اور بسبب اپنی شجاعت کے لڑائیوں میں۔

علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک علمی کو آگے بڑھایا

دراصل پیغمبر اسلامؐ کے بعد علی علیہ السلام ہی کی تنہا وہ ذات تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک علمی کو آگے بڑھایا اور دنیا سے جہل ونادانی کو دور کیا۔ آپؑ نے علوم ومعارف کی اشاعت کی، تعقل وتفکر پر زور دیا، تحقیق وتنقید کے

---

[1] مقدس جان کریسوسٹوم، دنیائے عیسائیت کا مشہور زاہد تارک الدنیا عبادت گذار۔

[2] اسقف بوسویٹ، فرانس کا مشہور ومعروف بشپ (اسقف) اور کامیاب مصنف وطلیق اللسان مقرر، یہ شخص فصیح وبلیغ مذہبی تقریروں کے کرنے میں آپ اپنا نظیر ہے۔

[3] المستطرف، شیخ شہاب الدین احمد الابشیہی ج ۱ ص ۱۹۱ طبع مصر۔

دروازوں کو کھولا، آپؑ ہی نے عقل کی رہبری کے ساتھ شریعت پر عمل پیرا ہونے کی تعلیم دی، آپؑ کے اقوال وخطبات ورسائل ہمارے اس بیان پر دلیل ہیں، آپؑ کی تقریروں وخطبوں سے عربوں میں علمی بیداری پیدا ہوئی، عربوں کی بول چال کو زندہ علمی زبان بنانے کا شرف آپؑ ہی کو حاصل ہے اور آپؑ ہی نے سب سے پہلے عربی علم نحو وقواعد زبان کی ایجاد کی اور اس کے اصول وقواعد کو اپنے مشہور شاگرد "ابوالاسود الدئلی البصری" کو نہ صرف زبانی تعلیم دی بلکہ لکھوا بھی دیا اور اس کے بعد ان کو لسانی تحقیقات کے لیے مقرر فرما کر مستقل ایک کتاب لکھنے پر مامور فرمایا۔[1]

عربی زبان کو علی علیہ السلام نے زندگی بخشی اور اس کو علمی مرتبہ دیا

ابوالاسود الدائلی کو امیر المومنین علیہ السلام سے بہت فیض پہنچا، جس کی وجہ سے

وَكَانَ اَعْلَمَ النَّاسِ بِكَلَامِ الْعَرَبِ، وَزَعَمُوْا اَنَّهٗ كَانَ يُجِيْبُ فِيْ كُلِّ لُغَةٍ۔

وہ ماہر لسانیات تھے اور تمام لوگوں میں کلام عرب کے سب سے بڑے عالم اور ہر لغت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس میں بات چیت کرتے تھے۔[2]

قواعد عربیہ کی ایجاد سے علی بن ابی طالب علیہ السلام نے عربوں اور ان کی زبان کو حیات جاودانی بخشا، اس کا اقرار خود ابوالاسود کو بھی تھا جنھوں نے امیر المومنین علیہ السلام سے یہ عرض کیا تھا:

اَحْيَيْتَنَا وَبَقِيْتَ فِيْنَا هٰذِهِ اللُّغَةَ۔

ہم عربوں کو آپؑ نے زندہ کر دیا اور ہماری زبان کو آپؑ نے بقائے دوام بخشا۔[3]

حضرتؑ نے زبان عرب میں نہ صرف بہت سے الفاظ وکلمات، تراکیب، محاورات وضرب الامثال کا اضافہ فرمایا بلکہ غیر زبان کے الفاظ کو بھی عربی میں شامل کرنے کا عملی ثبوت دیا۔ ایک مرتبہ مشہور قاضی شریح سے حضرتؑ نے کچھ دریافت فرمایا، قاضی نے صحیح جواب دیا، حضرتؑ نے بجائے "اَصَبْتَ" یا "جَيِّدٌ" ارشاد فرمانے کے اسی کے ہم معنی رومی زبان کے لفظ کو استعمال فرمایا "قانون" یعنی درست ہے۔[4] اسی وجہ سے اہل لغت اس لفظ کو ذکر کرنے پر مجبور ہوئے۔[5]

---

[1] مراتب النحویین، ابوالطیب اللغوی۔ محاضرات، راغب اصفہانی۔ نزہۃ الالباء، عبدالرحمن محمد الانباری۔ کتاب الاوائل، ابوہلال العکری۔ اصابہ، ابن حجر عسقلانی۔ ارشاد القاصد، البخاری۔ معجم الادباء، یاقوت الحموی، ج ۱۴۔ تاریخ الخلفاء، جلال الدین السیوطی۔ المزہر، السیوطی، ترجمہ علی بن ابی طالبؑ، احمد زکی صفوت۔ عبقریۃ الامام، العقاد، وغیرذلک۔

[2] المزہر، سیوطی، ج ۲، ص ۴۰۰، طبع مصر۔

[3] معجم الادباء، یاقوت الحموی، ج ۱۴، ص ۴۸ و ۴۹ طبع مصر۔ تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص ۷۰، طبع مصر۔

[4] المزہر، السیوطی، ج ۱، ص ۱۳۴ طبع مصر۔ شفاء العلیل، شہاب الدین الخفاجی، ص ۱۵۷ طبع مصر۔

[5] قاموس، ج ۴۔

ظاہر ہے کہ قاضی شریح بن حارث بن قیس الکندی الکوفی خالص عرب تھے اور ان کی زبان بھی عربی تھی ان سے گفتگو کرنے میں امیر المومنین علیہ السلام کا غیر عربی، رومی لفظ استعمال کرنا اس امر کو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ حضرتؑ کا رجحان غیر عرب الفاظ استعمال کرنے میں کیا تھا اور یہ رجحان حضرتؑ کا کیوں نہ ہوتا جبکہ قرآن حکیم میں "طور" "ربانیون" "صراط" "قسطاس" "فردوس" "مشکاۃ" "سجل" "تنور" "سراب" وغیرذلک کے سے غیر عربی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

علی علیہ السلام کی تحریک علمی اور اس کے موانع

حضرتؑ عربوں (مسلمانوں) کو ایک جاہل جنگجو سپاہی نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ آپؑ کا مطمح نظر یہ تھا کہ وہ دولت دین کے مالک ہونے کے ساتھ ہی ساتھ علم وحکمت کے بھی سرمایہ دار بنیں اور اپنی دولتِ دین وفور علم سے تمام دنیا کو مالا مال ومنور کریں اور دنیا کو اخوت ومساوات کا سبق پڑھائیں، لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے جب زمام حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لیا ہے اس وقت تعصب قومی وطبقات کا دور دورہ تھا، اسلامی مساوات ورواداری کو عربوں نے بھلا دیا تھا۔

الاستاذ الشیخ عبداللہ العلائلی لکھتے ہیں:

> اَنَّ نَفْسَ عُمَرَ الْكَبِيْرَةَ لَمْ تَكُنْ تُفَكِّرُ اِلَّا بِالتَّوَسُّعِ. فَهُوَ لَمْ يُعِدَّ الشَّعْبَ لِلْاِسْتِقْرَارِ. وَاِنَّمَا اجْتَهَدَ بِاِعْدَادِهٖ لِلْحَرْبِ بِسَبِيْلِ نَشْرِ الْمَبْدَاِ الْاِسْلَامِيِّ الْجَدِيْدِ فِيْ اَكْبَرِ رُقْعَةٍ مِنَ الْاَرْضِ. وَهٰذِهِ الْخُطَّةُ. وَاِنْ تَكُنْ اَفَادَتِ الْعَرَبَ دَوْلَةً وَاسِعَةَ الْاَرْجَاءِ. اِلَّا اَنَّهَا غَيْرُ مُتَمَاسِكَةٍ اَيْضًا. وَسَرْعَانَ مَا انْبَعَثَتْ فِيْهَا الْعَصَبِيَّةُ الْقَبِيْلَةُ وَالْعَصَبِيَّةُ الشُّعُوْبِيَّةُ. وَعَانَتِ الدَّوْلَةُ اَشَدَّ الْعِنَاءِ فِيْ رَتْقِ الْفُتُوْقِ الَّتِيْ اَوْقَفَتْ كُلَّ نَشَاطٍ مُثْمِرٍ۔
>
> نفس بزرگ عمر کو سوائے مملکت وسلطنت بڑھانے کی اور کوئی فکر نہ تھی، انہوں نے ملت عرب کو صرف جنگ وپیکار کے لئے آمادہ کیا، ان میں سلطنت کو باقی رکھنے کی صلاحیت نہیں پیدا کی کہ وہ قانون جدید اسلامی کو حدود مملکت میں رواج دیتے۔ اگر چہ عربوں کے قبضہ میں بہت بڑی سلطنت آئی لیکن اس کی بنیاد مستحکم نہ تھی، بہت جلد زوال واضمحلال آ گیا اور ان عربوں میں جلد ہی تعصب قبیلگی، عربوں کو عجموں سے بہتر وبرتر سمجھنا وعصبیت شعوبی (شعوبی وہ لوگ تھے جو عجموں کو عربوں سے پست نہیں سمجھتے تھے بلکہ برتری دیتے تھے) کا دور دورہ ہو گیا جس سے دولت اسلامی کو تباہی وبربادی سے دوچار ہونا پڑا اور اس کی ترقی وعروج کا خاتمہ ہو گیا"۔

وَلَعَلَّ اَكْبَرَ دَلِيْلٍ عَلٰى عَدَمِ نُضْجِ التَّعَالِيْمِ الْاِسْلَامِيَّةِ فِيْ نُفُوْسِ الْعَرَبِ اَنَّهُمْ سَمَوْا بِعُنْصُرِهِمْ فَوْقَ الْعَنَاصِرِ. حَتّٰى لَكَاَنَّهُمْ اَرِسْتُقْرَاطِيَّةٌ عَلَى النَّاسِ كَافَّةً. وَالْاِسْلَامُ لَا يَعْرِفُ اَرِسْتُقْرَاطِيَّةَ الْجَمَاعَةِ وَالْجِنْسِ بَلْ جَانَسَ بَيْنَ الشُّعُوْبِ حِيْنَ خَلَقَهُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰى وَجَعَلَهُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِيَتَعَارَفُوْا عَلٰى مُثُلٍ خَاصَّةٍ وَمَبَادِيَ فُضْلٰى وَتَعَالِيْمَ قَوِيْمَةٍ. لَا تَفَاضُلَ فِيْمَا دُوْنَ اِلَّا بِاِتِّبَاعِهَا وَمِنْ هٰذَا يَظْهَرُ اَنَّ عَصَبِيَّةَ الْعَرَبِيِّ كَانَتْ تَعْمَلُ ضِدَّ اَخِيْهِ الْعَرَبِيِّ. وَضِدَّ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ مِنْ سَائِرِ الشُّعُوْبِ. مِمَّا اسْتَتْبَعَهُ اعْتِزَازُ الشُّعُوْبِيِّ بِقَبِيْلِهٖ وَمَاضِيْهِ اَيْضًا. وَفِيْ مُعْتَرَكِ هٰذِهِ الْعَصَبِيَّاتِ الْقَبْلِيَّةِ وَالشُّعُوْبِيَّةِ انْحَلَّ الرِّبَاطُ الْاِسْلَامِيُّ الصَّمِيْمُ۔

اس امر کا بہترین ثبوت کہ عربوں کی دینی ومذہبی تربیت پختہ نہ تھی یہ ہے کہ عرب اپنے کو تمام قوموں ونسلوں سے افضل وبرتر سمجھتے تھے یہاں تک کہ اپنے کو تمام لوگوں پر پیدائشی حاکم ارستقراطی (ARISTOCRAT وہ جو اپنے کو پیدائشی مستحق حکومت سمجھے) سمجھتے تھے حالانکہ اسلام پست وبلند اور طبقات کو جانتا ہی نہیں اور نہ یہ اس کی تعلیمات ہیں بلکہ سب کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد سمجھتا ہے، یہ قبائل یا خاندان اسلام کے نزدیک صرف اس لیے ہیں کہ آپس میں پہچانے جائیں اور اخلاق وآداب میں ایک دوسرے کے شریک ومددگار رہیں، یہیں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرب کا دوسرے قبیلہ کے برادر عرب یا دوسرے غیر عرب اسلامی بھائی سے عصبیت کا مظاہرہ کرنا یہ شعوبی تحریک کو کامیاب بنانے میں معین ہوئی، بالآخر اسی قبیلگی وشعوبی عصبیت نے اسلامی شیرازہ کو درہم وبرہم کر دیا۔[1]

حد ہے کہ اس عصبیت کو مذہبی رنگ دے کر غیر عرب عجموں کو میراث سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔ امام مالک جو اہلسنت کے ائمہ اربعہ میں سے خالص عربی النسل تھے وہ لکھتے ہیں:

عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهٗ، اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، يَقُوْلُ: اَبٰى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. اَنْ يُوَرِّثَ اَحَدًا مِنَ الْاَعَاجِمِ اِلَّا اَحَدًا وُلِدَ فِي الْعَرَبِ"۔ "قَالَ مَالِكٌ: وَاِنْ جَاءَتِ امْرَاَةٌ حَامِلٌ مِنْ اَرْضِ الْعَدُوِّ، فَوَضَعَتْهُ فِيْ اَرْضِ الْعَرَبِ فَهُوَ وَلَدُهَا، يَرِثُهَا اِنْ مَاتَتْ، وَتَرِثُهٗ اِنْ مَاتَ۔

[1] تاریخ الحسین نقد وتحلیل، العلامہ عبداللہ العلائلی، ص ۹۰، طبع بیروت۔

راویان ثقہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب یہ کہتے تھے کہ عمر بن خطاب اس کے مخالف تھے کہ کوئی عجمی میراث پائے سوائے اس حالت میں کہ وہ عرب میں پیدا ہوا ہو، (گویا خلیفہ دوم کے نزدیک عربی المولد ہونے کی وجہ سے میراث پانے کا مستحق ہوگا) اسی بنا پر امام مالک کا یہ فتویٰ ہے: اگر کوئی عورت دشمن کی زمین سے حاملہ آئے اور سرزمین عرب میں بچہ جنے تو یہ بچہ اس کی اولاد ہوگا اور یہ ماں وفرزند آپس میں ایک دوسرے کی میراث پائیں گے (مطلب یہ کہ اگر عرب میں ولادت نہ ہو تو میراث سے محروم)۔[1]

اس عصبیت کے علاوہ ایک اور مشکل تھی جس سے علی علیہ السلام کو اپنے دوران حکومت میں دوچار ہونا پڑا، وہ مشکل تقسیم اموال سے متعلق ہے۔ علامہ علائلی لکھتے ہیں:

اَنَّ عُمَرَ رَای، وَخَالَفَهُ عَلِیٌّ اَنْ لَا يُجْعَلَ مَنْ قَاتَلَ رَسُوْلَ اللهِ كَمَنْ قَاتَلَ مَعَهُ فَجَعَلَ الْاِمْتِيَازَ بِحَسْبِ السَّابِقَةِ فَالَّذِیْ قَاتَلَ يَوْمَ بَدْرٍ يَفْضُلُ مَنْ قَاتَلَ فِیْ فُتُوْحِ الْعِرَاقِ وَالشَّامِ. وَمِنْ هُنَا حَدَثَ التَّفَاوُتُ الْمَلْمُوْسُ فِی الْاَعْطِيَاتِ وَتَشَكَّلَ فِیْ طَبَقَاتٍ وَمَرَاتِبَ. فَطَائِفَةٌ تَأْخُذُ عَطَاءً كَبِيْرًا، وَاُخْرٰی عَطَاءً مُتَوَسِّطًا. وَالْاَكْثَرِيَّةُ يَأْخُذُوْنَ عَطَاءً ضَئِيْلًا. هٰذَا التَّنْظِيْمُ الْمَالِیُّ اَوْجَدَ تَمَائُزًا كَبِيْرًا. وَاَقَامَ الْمُجْتَمَعَ الْعَرَبِیَّ عَلٰی قَاعِدَةِ الطَّبَقَاتِ. بَعْدَ اَنْ كَانُوْا سَوَاءً فِیْ نَظَرِ الْقَانُوْنِ الشَّرِيْعَةِ. فَقَدْ اَوْجَدَ اَرِسْتُقْرَاطِيَّةً وَشَعْبًا وَعَامَّةً.

خلیفۂ عمر کے طریق تقسیم اموال میں حضرت علی علیہ السلام کو اختلاف تھا، حضرت عمر کا یہ خیال تھا (جس پر موصوف نے عمل بھی کیا) کہ وہ مسلمان جو (حالت کفر میں) پیغمبرؐ سے جنگ کر چکے ہیں ان کو تقسیم مال میں وہ حصہ نہ ملنا چاہیے جو رسولؐ کے ہمراہ شریک جہاد رہنے والوں کو ملے، اس لیے خلیفہ دوم نے اصحاب میں امتیاز پیدا کیا، مجاہدین بدر کو مجاہدین عراق وشام پر فضیلت دی، اس صورت سے مسلمانوں میں طبقات ومراتب رونما ہوئے، ایک گروہ کو بہت زیادہ ملتا تھا دوسرے کو اس سے کم اور عامۂ ناس کو بہت کم۔ تقسیم اموال کا یہ طریقہ مسلمانوں میں بہت بڑے امتیاز پیدا ہونے کا سبب ہوا اور عرب معاشر طبقات میں تقسیم ہو گیا، اگرچہ قانون شریعت کے رو سے سب برابر تھے اور طبقات وامتیازات کا اسلامی نظام میں وجود نہ تھا، لیکن اس طریق کار نے

---

[1] الموطا، امام مالک، ج ۲، ص ۱۲۔

عربوں کو ارستقراطی (پیدائشی حاکم اشراف)، طبقۂ متوسط اور عامہ میں تقسیم کر دیا۔[1]

ظاہر ہے کہ یہ تقسیم محنت کش عوام پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دیتا ہے، کچھ لوگ خداوند قوم ہو جاتے ہیں اور کچھ ان کے غلام و بندے۔

علی علیہ السلام پست کو بلند کرنا چاہتے تھے اور ہر چھوٹا بڑا آپؑ کی نگاہوں میں یکساں تھا

اب علی علیہ السلام کو اپنے عہد حکومت میں دو قسم کی جنگیں سر کرنی تھیں، ایک فرعونی طاقت و استبداد کو ختم کرنا جو اسلام کو دوسروں کی دولت و ممالک پر قبضہ کرنا اور احاطۂ فتوحات کو وسیع بنانے کا ذریعہ سمجھتا تھا، جو زعم استقراطیت میں ہر قرشی کو اولی بالتصرف سمجھتا تھا اور عربوں کو تعیش و آسودگی کا حق دے کر موالی و عجموں کو غلام بناتا تھا۔

ابو القاسم علی بن احمد العلوی الکوفی المتوفی ۳۵۲ھ اپنی کتاب الاستغاثہ میں لکھتے ہیں:

فَمَيَّزَهُمْ عُمَرُ فَأَطْلَقَ تَزْوِيجَ قُرَيْشٍ فِيْ سَائِرِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ، وَتَزْوِيجَ الْعَرَبِ فِيْ سَائِرِ الْعَجَمِ، وَمَنَعَ الْعَرَبَ مِنَ التَّزْوِيجِ فِيْ قُرَيْشٍ، وَمَنَعَ الْعَجَمَ مِنَ التَّزْوِيجِ فِيْ الْعَرَبِ۔

عمر نے تزویج میں بھی امتیاز قائم کیا، قریش کو تو اس کا حق تھا کہ عرب و عجم جس سے چاہے تزویج کرے، لیکن غیر قریشی عرب، قبیلۂ قریش میں تزویج نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ عرب و عجم جہاں چاہے تزویج کرے اور عجموں کو عرب سے تزویج کرنے کی اجازت نہ تھی۔[2]

علی علیہ السلام اس پالیسی کے بالکل خلاف تھے۔ آپؑ سے پوچھا گیا:

اَيَجُوْزُ تَزْوِيجُ الْمَوَالِيْ بِالْعَرَبِيَّاتِ۔

کیا غیر عرب (موالی) کے ساتھ عربی عورت کا نکاح ہو سکتا ہے۔

فرمایا:

فَقَالَ اَتَتَكَافَأُ دِمَاؤُكُمْ وَلَا تَتَكَافَأُ فُرُوْجُكُمْ۔

کیوں نہیں ہو سکتا اسلام ان کو زندگی و حیات کے حقوق تو دے اور معاشرت و ازدواج کے حقوق نہ بخشے۔

---

[1] تاریخ الحسین نقد و تحلیل، ص ۱۳۶ و ۱۴۷ طبع بیروت۔

[2] الاستغاثہ، ص ۵۶ طبع عراق۔

اس ذہنیت کا آخر یہ نتیجہ ہو گیا تھا کہ ایک موالی نے اعراب بنی سلیم کی لڑکی سے نکاح کیا تو والیِ وقت نے زن وشوہر میں جدائی کرادی تھی اور اس بیچارے کو سو درے مارے گئے اور سر، داڑھی، دونوں بھووں کے بال کو مونڈ دیا گیا۔[1] حجاج نے بیچارے نبطیوں کے ساتھ یہ کیا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں نشتر سے ذلت کے گودنے اور نشانات لگوا دیے تھے۔[2] حجاج جب واسط گیا تو نبطیوں کو خارج البلد کرادیا تھا اور بصرہ کے ماتحت حاکم کو لکھا کہ ان لوگوں کو تم بھی شہر بدر کردو۔ حاکم نے تعمیل حکم کے بعد یہ لکھا کہ میں نے سوائے ان نبطیوں کے جو قاری قرآن اور تفقہ فی الدین رکھتے تھے سب کو نکال باہر کیا، اس پر حجاج نے حاکم کو لکھا کہ جب میرا یہ حکم تجھ کو ملے تو طبیب کو بلوا کر اپنے جسم کی رگوں کا معائنہ کراؤ، اگر اس میں نبطی رگ ہو تو کٹوا دے۔[3] حجاج کا حکم تھا کہ کوفہ میں سوائے عربی النسل کے کوئی موالی و غیر عرب نماز جماعت نہ پڑھائے[4] اور نہ کوئی موالی قاضی ہو سکتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی عربی بازار سے سامان لا رہا ہے یا بوجھ لیے ہے اور راہ میں کوئی غیر عرب و موالی مل گیا تو اس پر لاد دیا، وہ مفت کی بیگاری سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور نہ کہیں کوئی شنوائی تھی۔ اسی طرح اگر کوئی غیر عرب و موالی سوار ہے تو عرب جو پیدل ہوتا اپنی توہین سمجھتا اور اس بیچارے کو اتار دیتا۔[5]

خلیفہ عباسی مامون الرشید کا یہ بیان ہے کہ

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یَقُوْلُ: مَنْ کَانَ جَارُہٗ نَبَطِیًّا وَاحْتَاجَ اِلٰی ثَمَنِہٖ فَلْیَبِعْہُ۔

حضرت عمر کا یہ قول تھا کہ اگر کسی عرب کے ہمسایہ میں کوئی نبطی رہتا ہو تو یہ عرب ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے اس آزاد نبطی کو بیچ کر اپنی حاجت کو پورا کر سکتا ہے۔[6]

ایک مرتبہ بیت المقدس میں عبادہ بن صامت صحابی نے ایک نبطی سے کہا کہ ان کے مرکب کو وہ پکڑے رہے، اس نے انکار کیا، اس پر انہوں نے اس کو اتنا مارا کہ اس بیچارے کا سر پھٹ گیا، خلیفہ دوم عمر بن خطاب اس زمانے میں وہیں موجود تھے، اس نے خلیفہ سے فریاد کی، زید بن ثابت نے خلیفہ سے کہا:

اَتَقِیْلُ عَبْدَكَ مِنْ اَخِیْكَ؟۔

---

[1] آغانی، ج ۱۴، ص ۱۵۰، طبع مصر۔

[2] شرح ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۳۳۔

[3] محاظرات الادباء، ج ۱، ص ۲۱۸۔

[4] عقد الفرید، ج ۱، ص ۲۰۷۔

[5] محاضرات الادباء، ج ۱، ص ۲۲۰۔

[6] عیون الاخبار، ابن قتیبہ۔

کیا آپ غلام کا قصاص اپنے بھائی سے لیں گے۔

یہ سن کر خلیفہ نے عبادہ بن صامت سے قصاص نہیں لیا۔[۱]

یونہی ایک مسلمان نے ایک ذمی کو اتنا مارا کہ اس کا سر شگافتہ ہوگیا، خلیفہ دوم کے سامنے اس کا مقدمہ آیا تو معاذ بن جبل نے فتویٰ دیا کہ ایسے مسلمان سے جس نے کسی ذمی کو زخمی کیا ہو قصاص لینا ناجائز ہے، وہ مسلمان بغیر سزا کے چھوڑ دیا گیا۔[۲]

اسی طرح ایک ذمی کو کسی مسلمان نے بے خطا مار ڈالا، خلیفہ دوم نے بغیر قصاص کے قاتل کو چھوڑ دیا، اس مرتبہ بھی زید بن ثابت نے یہی دلیل خلیفہ کے سامنے پیش کی تھی،

اَتَقِيْدُ عَبْدَكَ مِنْ اَخِيْكَ؟۔

غلام کا قصاص اپنے بھائی سے کیونکر لو گے۔[۳]

ایسے ہی ایک واقعہ شام میں پیش آیا کہ ایک ذمی مسلمان نے ناحق قتل کر دیا، خلیفہ دوم تک اس کا مقدمہ آیا، ابو عبیدہ نے خلیفہ سے کہا:

اَرَاَيْتَ لَوْ قَتَلَ عَبْدًا لَهٗ اَكُنْتَ قَاتِلَهٗ بِهٖ؟

کیا یہ مسلمان اگر اپنے غلام کو قتل کر ڈالتا تو اس کے عوض اس کو قتل کرتے۔

یہ سن کر عمر نے قاتل کو بغیر قصاص کے چھوڑ دیا۔[۴]

ان واقعات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ غیر عرب مسلمان اور اہل ذمہ کن بدترین حالات میں مبتلا تھے۔ مقدس شہر "مکہ اور مدینہ" ارستقراطی ذہنیت کے لوگوں سے آباد تھا اور مملکت شام ان لوگوں کی حفاظت گاہ، مصر و عراق ان کی چراگاہ اور رہنا تھا، علی علیہ السلام کو انہی لوگوں سے مقابلہ کرنا تھا اور یہی اصل سبب تھا جس کی بنا پر اشراف عرب و قریش علی علیہ السلام کی حکومت کو نہیں پسند کرتے تھے۔

مصر حاضر کا مشہور مورخ لکھتا ہے:

فَقَدْ كَانَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ لَا يُفَضِّلُ شَرِيْفًا عَلٰى مَشْرُوْفٍ، وَلَا عَرَبِيًّا عَلٰى عَجَمِيٍّ،

۱۔ سنن الکبریٰ، البیہقی، ج ۸، ص ۳۲۔ کنز العمال، ج ۷، ص ۳۰۳، بحوالہ جمع الجوامع سیوطی۔

۲۔ کنز العمال، ج ۷، ص ۳۰۴۔

۳۔ کنز العمال، ج ۷، ص ۳۰۳۔

۴۔ سنن الکبریٰ، البیہقی، ج ۸، ص ۳۲۔ کنز العمال، ج ۷، ص ۳۰۳۔

وَلَا يُصَانِعُ الرُّؤَسَاءَ وَ أُمَرَاءَ الْقَبَائِلِ فَكَانَ هٰذَا اَكَدُ الْاَسْبَابِ فِيْ تَقَاعُدِ الْعَرَبِ عَنْهُ۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام شریف کو غیر شریف پر اور عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں دیتے تھے اور نہ روسا و امراء قبائل سے چاپلوسی کرتے تھے۔ عربوں کا حضرتؑ سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ جانے کا یہی اصل سبب ہے۔[1]

ابواسحق مدائنی کی روایت ہے کہ دو عورتیں حضرتؑ کی خدمت میں اپنا حق لینے آئیں جن میں سے ایک عورت عرب تھی اور دوسری موالی غیر عرب۔ حضرتؑ نے ان دونوں کو مساوی طریقہ سے دراہم وطعام دیا۔ یہ دیکھ کر زن عربیہ کہنے لگی میں عرب ہوں اور یہ عجمی غیر عرب، آپؑ نے دونوں کو برابر کر دیا؟ ارشاد فرمایا:

اِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا اَجِدُ لِبَنِيْ اِسْمَاعِيْلَ فِيْ هٰذَا الْفَيْءِ فَضْلًا عَلٰى بَنِيْ اِسْحَاقَ۔

اس مال میں میرے نزدیک اولاد اسمٰعیل کو بنی اسحٰق پر فضل و شرف نہیں ہے، سب یکساں برابر برابر پائیں گے۔[2]

مورخ مدائنی روایت کرتا ہے:

اَنَّ طَائِفَةً مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ مَشَوْا اِلَيْهِ فَقَالُوْا: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَعْطِ هٰذِهِ الْاَمْوَالَ وَ فَضِّلْ هٰؤُلَاءِ الْاَشْرَافَ مِنَ الْعَرَبِ وَ قُرَيْشٍ عَلَى الْمَوَالِيْ وَ الْعَجَمِ وَاسْتَمِلْ مَنْ تَخَافُ خِلَافَهٗ مِنَ النَّاسِ وَ فِرَارَهٗ. قَالَ: وَ اِنَّمَا قَالُوْا لَهٗ ذٰلِكَ لِمَا كَانَ مُعَاوِيَةُ يَصْنَعُ بِالْمَالِ فَقَالَ لَهُمْ [اَ تَأْمُرُوْنَنِيْ اَنْ اَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجَوْرِ. لَا وَ اللّٰهِ لَا اَفْعَلُ. مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَ مَا لَاحَ فِي السَّمَاءِ نَجْمٌ . وَ اللّٰهِ لَوْ كَانَ الْمَالُ لِيْ لَوَاسَيْتُ بَيْنَهُمْ فَكَيْفَ وَ اِنَّمَا هِيَ اَمْوَالُهُمْ۔][3]

بعض اصحاب نے حاضر ہو کر حضرتؑ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ آپؑ اموال کو تقسیم کرتے وقت اشراف عرب و قریش کو (بہ مصلحت) موالی و عجموں پر فضیلت دیا کریں اور انھیں زیادہ عطا فرمائیں اور اس طرح ان لوگوں کی دلجوئی فرمائیں تا کہ یہ خطرہ کہ یہ لوگ آپؑ کے خلاف ہو کر

---

[1] ضحی الاسلام، احمد امین، ج۱، ص ۲۳، طبع مصر۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۱۸۰، طبع مصر۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۱۸۱، طبع مصر۔

[3] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۲۴، ص ۳۷۷۔

معاویہ سے نہ مل جائیں، جاتا رہے۔ لوگوں نے یہ مشورہ اس لیے دیا تھا کہ معاویہ مساوات نہیں کرتا تھا، جس کو جو چاہتا تھا دیا کرتا تھا۔ یہ سن کر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ظلم وجور سے کامیابی حاصل کروں، خدا کی قسم جب تک تارے آسمان پر چمکتے ہیں میں کبھی ایسا نہ کروں گا، بخدا اگر یہ میرا ذاتی مال ہوتا اس وقت بھی میں مساوات برتتا نہ کہ یہ خود انہی لوگوں کا مال ہے۔[1]

حضرتؑ قریش کو غیر قریش پر، عرب کو عجم پر، حتیٰ کہ اپنے عزیزوں کو بھی حق کے معاملے میں کسی طریقہ پر ترجیح دینے کو تیار نہیں تھے، آپؑ طبقات وامتیازات اور غیر اسلامی نظام سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تقسیم بالسویہ پر برابر عامل رہے اسی لیے آپؑ قیصر وکسریٰ کی سنت کو زندہ کرنے والے امیر شام معاویہ بن ابوسفیان کا استیصال سب سے پہلا فرض سمجھتے تھے۔

علی علیہ السلام دنیا سے جہل کو مٹانا چاہتے تھے

حضرتؑ کی دوسری جنگ طاغوت جہل کے خلاف تھی جس کو مٹانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقدام کیا اور جس کے لیے قرآن دعوت دے رہا تھا۔ پیغمبرؐ کے بعد جہل کو مٹانے کے لیے اب تک حکومت نے کوئی مفید اقدام نہیں کیا تھا بلکہ شروع میں تصنیف وتالیف اور تدبر وتفکر وافہام وتفہیم کے خلاف عملی کاروائیاں کی گئیں تھیں اور علی علیہ السلام نے اس مخالف دور میں بھی جبکہ آپؑ ایک معمولی شہری کی حیثیت سے مدینہ میں رہتے تھے اشاعت علم میں مصروف رہے۔

رائیٹ آنریبل سرسید امیر علی لکھتے ہیں:

> جس زمانہ میں اسلام دور دراز ممالک میں پھیل رہا تھا علی علیہ السلام مدینہ میں عربوں کی ابھرتی ہوئی قوم کی دماغی قوت کو بڑھا رہے تھے، مدینہ کی جامع مسجد میں علی علیہ السلام اور ان کا عم زاد بھائی وشاگرد عبداللہ بن عباس ہفتہ وار فلسفہ، منطق، فصاحت وبلاغت، حدیث وفقہ پر لکچر دیا کرتے تھے، یہ ابتدا تھی اس دماغی تحریک کی جس نے بعد میں، بہت زور وشور کے ساتھ بغداد میں ظہور کیا۔[2]

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۸۲، طبع مصر۔

[2] (SPIRIT OF ISLAM PAGE.47)۔

علی علیہ السلام اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے ایک جدید شہر چاہتے تھے

علی علیہ السلام کو تجربہ تھا کہ مقدس شہر کے باشندوں نے حضرتؑ کی اس تحریک سے دلچسپی نہیں لی، اب جبکہ خلیفہ سوم کے بعد اس شہر میں بڑے بڑے سرمایہ دار و جاگیر دار رہتے تھے وہ کیونکر علی علیہ السلام کی اس تحریک علمی میں حضرتؑ کے معین ومددگار بن سکتے تھے؟ ان کے اور علی علیہ السلام کے نصب العین اور نظریہ میں بڑا فرق تھا، اس لیے علی علیہ السلام نے ایک ایسے شہر کو اپنا مرکز بنایا جہاں سے آپؑ بیک وقت ہر دو لڑائیوں کو لڑ سکتے تھے۔ تبلیغ فکر و دانش و تعلیمِ علم وفنون کے لیے بھی نوجوانوں کی ضرورت تھی اور دشمن سے حرب وضرب کے لیے بھی۔ چنانچہ حضرتؑ نے ایسے مقام کو تبلیغ فکر و دانش و تعلیم علم وفنون کا مرکز اور اپنا معسکر (کنٹونمنٹ) قرار دیا جہاں کی اکثریت اقتصادی ومعاشرتی حیثیت سے دکھی اور ستائی ہوئی ضرور تھی، لیکن وہ سرزمین بابل ونینوا کی قدیم ترین تہذیب کا گہوارہ تھی۔ جہاں بادشاہ عرب نعمان بن المنذر نے عربی ادبیات واشعار کو سپرد زمین کر کے محفوظ کیا تھا۔[1] جہاں ایرانی تہذیب وتمدن کے گہرے نشانات نمایاں تھے اور موالی وعجموں کی نوآبادیات تھیں۔

---

[1] المزہر، السیوطی۔

جہاں کے لوگ مرقیونی،[۱] دیصانی[۲] اور مانی[۳] کے فلسفہ ورجحانات سے آشنا تھے۔ جہاں زنادقہ[۴] صائبین،[۵]

---

[۱] مرقیون MARCION دوسری صدی مسیحی کا ایک عیسائی عالم تھا جو اپنے ملحدانہ خیالات کی وجہ سے چرچ کی جانب سے کافرو مرتد بنادیا گیا تھا۔ عیسائیت سے الگ ہوتے کے بعد اس نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا تھا جو مسیحیت سے ملتا جلتا تھا۔ اس نے عہد عتیق و جدید کی بعض کتابوں کا کتب آسمانی ہونے سے انکار کیا اور نور و ظلمت دو اصل متضاد کا اس حیثیت سے معتقد تھا کہ چونکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ضد ہیں اور بالاصالت آپس میں اجتماع و اتحاد کا امکان نہیں ہے اس لیے ایک تیسری چیز جو نور سے پست اور ظلمت سے بالاتر ہے وہ ان دونوں کی آمیزش و اختلاط کا باعث ہو کر وجود عالم کا سبب بنی، اس طرح گویا ثنویت و تثلیث ان دونوں کو اس نے سمویا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی نظریات ہیں، اس کے پیرو مرقیونی کہلاتے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگ روم وشام، ایران و عراق میں منتشر تھے۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ملل والنحل الشہرستانی۔ التنبیہ والاشراف۔ بحار الانوار۔)

[۲] ابن دیصان BARDASANE (۱۵۴ء ۔ ۲۲۲ء) یہ شخص حکما شام سے تھا ۱۷۹ء میں مسیحی ہو گیا اور عیسائیت کی حمایت کرتا رہا اور مرقیونی فرقہ کی رد کیا کرتا تھا لیکن بعد میں اس نے خود ایک نیا مذہب ایجاد کیا جس کی وجہ سے چرچ نے اس کے ارتداد و کفر کا فتویٰ دیا۔ ابن دیصان شاعر، نجومی اور مورخ تھا اور ثنویت کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نور فاعل خیر باختیار ہے اور ظلمت فاعل شر باضطرار ہے، نیکی، خیر، نفع، خوشبو، نور کی تخلیق ہیں اور قبح، شر، ضرر، عفونت کو ظلمت نے پیدا کیا ہے۔ نور: حی، عالم، مدرک و قادر ہے اور حرکت و زندگی کا وہی باعث ہے اور ظلمت: مردہ، جاہل و عاجز و بے شعور و بے حرکت ہے، قابل عمل و تمیز نہیں ہے۔ ابن دیصان کے پیرو دیصانی کہلاتے ہیں۔ اس عقیدے کے لوگ خراسان اور فرات کے نشیبی حصہ میں پائے جاتے تھے۔ تیسری صدی ہجری میں بھی اس عقیدے کے لوگ عراق میں موجود تھے جن میں ابوشاکر دیصانی مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (ملل والنحل شہرستانی۔ التنبیہ و الاشراف۔ بحار الانوار، ج ۲۔)

[۳] مانی مذہب MANES ابن دیصان و مرقیونی عقائد کے باہمی ترکیب کا ایک نیا بہروپ ہے اس لیے مرقیون و ابن دیصان کو بھی مانی مذہب کا پیشرو سمجھا جاتا ہے، مانی نے اپنے مذہب کو شاپور بن اردشیر کے زمانہ میں ظاہر کیا تھا۔ یہ عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ یہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا قائل تھا اور ان کو کلمۃ اللہ و روح اللہ مانتا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے انکار کرتا تھا۔ آدم، شیث، نوح، ابراہیم علیہم السلام کی نبوت کے ساتھ ہی ساتھ مہاتما بدھ کا بھی وہ قائل تھا۔ مسیح کے بعد پولوس کو پیغمبر تسلیم کرتا تھا اور اس کا یقین رکھتا تھا کہ آخری نبی سرزمین عرب میں پیدا ہوگا۔ (ملل والنحل الشہرستانی)

[۴] زندیق کبھی کبھی ان مذاہب ثلثہ [مرقیونی، دیصانی، مانی] کے متبعین کو زندیق سے بھی خطاب کیا گیا ہے، اسی بنا پر عبداللہ بن المقفع کو زندیق سمجھا گیا ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے مذاہب ثلثہ کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا ہے۔ (مروج الذہب، المسعودی، جلد ۲ ص ۱۰۴)

زندیق مندرجہ ذیل چار معنوں میں استعمال ہوا ہے:

> (۱) جس شخص نے علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کر کے دین و شریعت سے قولاً و عملاً بغاوت کی اس پر زندیق کا اطلاق ہوا، جیسے یزید و ولید و امثالہما۔ (۲) متبعین دین مجوس خاص کر مانی مذہب والے جو بظاہر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، جیسے بشار، حماد و ابن المقفع۔ (۳) متبعین دین مجوس خاص کر مانی عقیدے کے وہ لوگ جو ظاہراً اسلام کو بھی نہیں ظاہر کرتے تھے۔ (۴) ملحدین جو کوئی دین و مذہب نہیں رکھتے، چنانچہ ابوالعلاء المعری نے اپنے رسالۃ الغفران میں یہ لکھا ہے کہ زندیق دہریے کو کہتے ہیں جو نبوت اور کتاب کو نہیں مانتا۔

[۵] صابی، وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خالق عالم متصف بصفات کمال ہے لیکن ہم اس کا تقرب بغیر کسی واسطہ کے حاصل نہیں کر سکتے اور کواکب جو خدا کی طرف سے مدبر عالم ہیں وہی واسطہ ہیں، اس لیے یہ سیارگان ہفت گانہ کی پرستش کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے خدائے بزرگ کی قربت حاصل ہو۔ ہر سیارہ کے لیے ایک مخصوص ہیکل بنا کر وہاں اس کی پرستش کرتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے اور مقالات بھی ہیں۔

مزدکی [1] اور سمنیہ [2] پائے جاتے تھے۔ جہاں مسیحی و یہودی دعات ومناد (مشنری) دورہ کرتے رہتے تھے اور جہاں عیسائیوں کے ادیار و کنائس [3] بکثرت تھے، جن میں صحف انبیاء و حواریین واساقفہ کے نوشتہ جات محفوظ تھے اور ان صحیفوں و تحریروں کے پڑھنے والے دیرانی وراہب، الٰہیات کے دقیق مسائل پر بحثیں کرتے رہتے تھے اور تصنیف وتالیف سے ذوق رکھنے والے راہب تحریر وتصنیف میں مصروف رہتے تھے اور ان کے لیے سامان نوشت اور ادوات کتابت فراہم رہتا تھا۔ جہاں مزار انبیاء (ذوالکفلؑ، یونسؑ، صالحؑ، ہودؑ) کی زیارت کے لیے دور دراز سے یہود ونصاریٰ، زائر وسیاح کی حیثیت سے جوق در جوق آتے رہتے تھے اور جس سرزمین پر حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام نے آ کر قیام فرمایا تھا اور اس زمین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خرید فرما کر یہ ارشاد فرمایا تھا:

---

[1] مزدکی، مزدک کی پیروی کرنے والے۔ یہ شخص قباد پدر نوشیرواں کے زمانہ میں ایک نئے اشتراکی مذہب کا بانی ہوا، بہت سے خیالات ورجحانات مانی مذہب سے ملتے جلتے ہیں۔ اس مذہب میں عورت اور مال پر تصرف کرنے کا سب کو یکساں حق حاصل ہے۔ (ملل والنحل الشہرستانی)

[2] ایسے ہی سمنیہ فرقے کے عقائد بھی اس عہد میں اثر انداز تھے، دراصل یہ ہندوستانی مذہب ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ سمن اس فرقے کے بانی کا نام ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ "بت" سومنات کا نام ہے۔ علامہ بیرونی لکھتے ہیں کہ یہ فرقہ براہمہ سے شدید بغض رکھتا تھا اور خراسان، فارس، عراق، موصل وحدود شام تک اس فرقے کے لوگ پائے جاتے تھے لیکن جب آذربیجان سے زردشت نے ظہور کیا اور زردشتی مذہب پھیلا تو سمنیہ مذہب ان مقامات سے زائل ہو گیا، (ما للہند من مقولہ البیرونی ص ۱۰) فرقہ سمنیہ مثل ہندوؤں کے قدامت وتناسخ ارواح کا قائل ہے، قیامت کا عقیدہ نہیں رکھتا اور نظر واستدلال کا منکر ہے۔ اس فرقہ کا خیال ہے کہ اشیائے عالم کی معرفت کا ذریعہ سوائے حواس خمسہ ظاہری کے اور کچھ نہیں ہے۔ دوسری صدی ہجری میں بھی عراق میں اس فرقہ کے لوگ تھے، چنانچہ بصرہ میں جریر بن عازم ازدی اس فرقہ کا مشہور شخص تھا۔ (مفتاح العلوم، الخوارزمی، ص ۲۵ طبع مصر۔ الفرق بین الفرق، ص ۳۴۶۔ اغانی، جلد ۳، ص ۲۴)

[3] ادیار، دیر کی جمع ہے، مسیحی خانقاہیں CONVENT۔ یہ خانقاہیں آبادی سے ہٹ کر ایسے مقامات پر بنائی جاتی تھیں جو آب وہوا اور محل وقوع کے اعتبار سے بہترین جگہ ہوتی تھی، جس جگہ امراض کے امکانات کم ہوتے تھے، جہاں باغات، چشمے، سبزہ زار، تفریح گاہ اور دل خوش کن مناظر ہوتے تھے یا پہاڑوں کی چوٹیوں، بلند ٹیلوں، یا وسیع سبزہ زار میدانوں میں۔ ایسے مقامات پر جو خانقاہیں ہوتی تھیں وہ دیر کہلاتے تھے۔ اور ان کے ساکن وآباد رکھنے والے راہب، ادیار یا دیرانی کہلاتے تھے۔

اور وہ خانقاہیں جو شہروں میں ہوتی تھیں ان کو کنیسہ کہتے تھے جس کی جمع کنائس ہے یا بیعہ کہلاتے تھے۔ سرزمین عراق میں خصوصاً بین النہرین دجلہ وفرات کے دوابہ اور اطراف میں وہ خانقاہیں جو دیر کہلاتی ہیں بہ کثرت تھیں۔ مسیحیت نے اپنے ابتدائی زمانہ سے عراق میں اپنا اثر جما لیا تھا، عیسائی سلطنت تھی، حیرہ (کوفہ کے متصل تقریباً وہی جگہ جواب نجف ہے ایک مشہور شہر اور دارالسلطنت تھا) کے ملوک وسلاطین، وزراء وامراء، اور شاہان فارس کے عمال یہ سب عیسائی تھے۔ حیرہ، مدائن، انبار اور دوسرے شہروں میں عالیشان وآباد کنائس تھے۔ زیادہ تر عیسائی نسطوری تھے۔ دیر ابن وضاح، دیر ابن براق، دیر بنی مرنا، دیر السواء، دیر عبدالمسیح عزہ، دیر عبدالمسیح بن بقیلہ جو دیر الجرعہ کے نام سے مشہور تھا، دیر الحریق، دیر حنظہ، دیر مت، دیر اللج، دیر فاثیون، دیر مزعوق، دیر ہند الصغریٰ، دیر ہند الکبریٰ، یہ سب حیرہ وکوفہ کے اطراف وجوانب میں تھے۔ دیر الاعور، دیر الجماجم، خاص کوفہ میں تھے، دیر مارت مریم، دیر الاسکون، نجف میں تھے، یہ دیر بہت اعلیٰ پیمانہ پر تھا، جہاں ہر آنے جانے والوں کے لیے قیام وطعام کا بھی انتظام رہتا تھا۔ نعمان بن المنذر جو مسیحی عقیدہ کا بادشاہ حیرہ تھا اس کا یہ دستور تھا کہ عید کے موقعہ پر مع اپنے خاندان وخدم وحشم کے شاہانہ جلوس کے ساتھ نکلتا تھا، سب کے ہاتھوں میں صلیبی جھنڈے ہوتے تھے اور بعد عبادت، نجف کی بلندی پر مجتمع ہوتے تھے۔ متذکرہ بالا ادیار کے علاوہ دجلہ کے کنارے بھی بہ کثرت دیر تھے۔ دیر باشہرا، دیر السوسی، دیر الطواویس، دیر العاقول، یہ دیر مدائن کسریٰ کے قریب تھا، یہیں کا راہب تھا جس کا تذکرہ بضمن حالات امام حسن عسکری علیہ السلام ہوتا ہے۔ دیر عبدون، دیر العذاری، اس میں کنواری راہبات رہتی تھیں، دیر العلث، دیر عمر نصر، دیر قثیون، دیر القادسیہ، دیر ماسرجس، دیر ماجرجس، دیر مرماری، وغیر ذلک (ملاحظہ ہو کتاب الدیارات، ابوالحسن علی بن محمد الشابشتی۔ کتاب الدیارات النصرانیہ فی الاسلام، تالیف حبیب زیارت، مطبوعہ کیتھولک پریس، بیروت۔ مسالک الابصار، ابن فضل اللہ العمری)

اَنَّهٗ يُحْشَرُ مِنْ وُلْدِهٖ مِنْ ذٰلِكَ الْمَوْضِعِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ شَهِيْدٍ۔

تحقیق اس مقام سے ان کی اولاد میں سے ستر ہزار شہید محشور ہوں گے

جس کی بنا پر یہود اس ارض مقدس میں اپنے مردوں کو لا کر دفن کیا کرتے تھے۔[1] جہاں ہندو چین کے سیاح، خراسان و ترکستان اور سمندری راستوں سے آیا جایا کرتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس خصوصیت کی بنا پر عراق کو منتخب فرمایا اور کوفہ کو اپنا دار السلطنت بنایا۔

الاستاد عباس محمود العقاد المصری لکھتے ہیں:

اِنَّهٗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اَوَّلَ مَنْ خَرَجَ بِالْعَاصِمَةِ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى اَرْضٍ غَيْرِ اَرْضِ الْحِجَازِ. وَهُوَ حِجَازِيٌّ سَلِيْلُ الْحِجَازِيِّيْنَ وَقَدِ اخْتَارَ الْكُوْفَةَ. فَكَانَتْ اَوْفَقَ عَاصِمَةً لِلْاِمَامَةِ الْعَالَمِيَّةِ فِيْ تِلْكَ الْمَرْحَلَةِ مِنْ مَرَاحِلِ الدَّوْلَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ. لِاَنَّهَا كَانَتْ مُلْتَقَى الشُّعُوْبِ مِنْ جَمِيْعِ الْاَجْنَاسِ. وَكَانَتْ مَثَابَةَ التِّجَارَةِ بَيْنَ الْهِنْدِ وَفَارِسَ وَالْيَمَنِ وَالْعِرَاقِ وَالشَّامِ. وَكَانَتِ الْعَاصِمَةَ الثَّقَافِيَّةَ الَّتِيْ تَرَعْرَعَتْ فِيْهَا مَدَارِسُ الْكِتَابَةِ وَاللُّغَةِ وَالْقِرَاءَاتِ وَالْاَنْسَابِ وَالْاَفَانِيْنِ الشِّعْرِيَّةِ وَالرِّوَايَاتِ. فَهِيَ اَلْيَقُ الْعَوَاصِمِ فِيْ ذٰلِكَ الْعَصْرِ بِحُكُوْمَةِ اِمَامٍ۔

حضرت علی علیہ السلام ہی سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جس نے مدینہ سے مرکز حکومت کو ہٹا کر غیر ارض حجاز کی طرف منتقل کیا حالانکہ حضرتؑ خود حجازی اور آپؑ کے آباؤ اجداد بھی حجازی تھے۔ آپؑ نے کوفہ کو اپنا دار الحکومت بنایا اور دراصل اس زمانہ میں کوفہ مناسب ترین مقام تھا جس کو مرکز حکومت بنایا جاتا۔ کوفہ مختلف اقوام و ملل کے ملنے کی جگہ تھی اور بین المللی تجارت کی منڈی تھی، جہاں ہندوستان و فارس، یمن، عراق شام کے بیوپاری خرید و فروخت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے۔ بلکہ وہ ایک علمی مرکز بھی تھا جہاں کتابت، لغت، قرأت، انساب، فنون، شعر و روایات کے مدارس و مکاتب کی نشو و نما ہوئی۔ درحقیقت امامؑ کی حکومت کے لیے کوفہ ایک مناسب ترین مقام تھا۔[2]

---

[1] معجم البلدان، ج ۲، ص ۵۰، طبع مصر۔

[2] عبقریۃ الامام، العقاد، ص ۱۶۰، طبع مصر۔

علی علیہ السلام نے کوفہ کو دار العلم بنایا

اب امیر المومنین علیہ السلام کوفہ کی مسجد اعظم میں ہزاروں اصحاب کے سامنے جس میں صرف عرب ہی نہیں بلکہ غیر عرب موالی وعجم، قبطی سب ہی ہوتے تھے، روزانہ مختلف عناوین: الٰہیات، طبیعات، اخلاق وسیاسیات، تمدن ومعاشرت، فنون جنگ ونظام عسکری پر برابر تقریریں فرماتے رہتے تھے اور اپنے ان عمال کو جو مرکز سے دور تھے مکتوبات کے ذریعہ ان مضامین کی تعلیم دیتے تھے، گویا اس طرح دنیا کو فکر ونظر، علوم وادب کی طرف آمادہ کرتے تھے۔ تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ علی علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور کوفہ دنیائے اسلام کا ایک مشہور علمی مرکز بن گیا جہاں سے اسلامی علوم وفنون، عربی لسانیات وادبیات، کیمیا وہیئت کے چشمے پھوٹے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دار العلم کوفہ سے نکلے ہوئے حضرتؑ کے شاگرد (جیسے ابو الاسود الدئلی البصری) جہاں گئے اس جگہ کو بھی علمی گہوارہ بنانے میں کامیاب ہوئے، چنانچہ کوفہ کے بعد بصرہ علمی مرکز بنا، یہ کوفان یعنی کوفہ وبصرہ ہی وہ مقامات ہیں جو عربی لسانیات وادب کی دو مشہور درسگاہ ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

وَالَّذِیْ نَقَلَ اللُّغَةَ وَاللِّسَانَ الْعَرَبِیَّ عَنْ هٰٓؤُلَآءِ وَاَثْبَتَهَا فِی الْکِتَابِ فَصَیَّرَ عِلْمًا وَصَنَاعَةً هُمْ اَهْلُ الْبَصْرَةِ وَالْکُوْفَةِ فَقَطْ بَیْنَ اَمْصَارِ الْعَرَبِ۔

تمام اہل عرب میں صرف اہل کوفہ وبصرہ ہی ہیں جنہوں نے قریش سے لغت وزبان عربی کو نقل کیا اور کتابوں میں محفوظ کر کے اس کو علمی وادبی حیثیت دی۔[1]

پھر لکھتے ہیں:

وَجُمْلَةً اَنَّ الْعِلْمَ انْتَهٰی اِلٰی مَنْ ذَکَرْنَا مِنْ اَهْلِ الْمِصْرَیْنِ الْکُوْفَةِ وَ الْبَصْرَةِ عَلَی التَّرْتِیْبِ الَّذِیْ رَتَّبْنَاهُ وَهٰٓؤُلَآءِ اَصْحَابُ الْکُتُبِ. وَالْمَرْجُوْعُ اِلَیْهِمْ فِی الْعَرَبِ وَلَا عِلْمٌ فِی الْعَرَبِ اِلَّا فِیْ هَاتَیْنِ الْمَدِیْنَتَیْنِ الْکُوْفَةِ وَ الْبَصْرَةِ۔ فَاَمَّا مَدِیْنَةُ الرَّسُوْلِ فَلَا نَعْلَمُ بِهَا اِمَامًا فِی اللُّغَةِ وَاَمَّا مَکَّةُ فَکَانَ بِهَا رَجُلٌ مِنَ الْمَوَالِیْ اَنْشَدَ شَیْئًا مِنَ النَّحْوِ. وَوَضَعَ کِتَابًا لَا یُسَاوِیْ شَیْئًا۔

مختصر یہ کہ علم انہی دونوں شہروں میں منتہی ہوا، پہلے کوفہ میں اس کے بعد بصرہ میں اور تمام عرب میں یہی

---

[1] المزھر، ج ۱، ص ۱۰۵، طبع مصر۔

لوگ صاحب تصانیف وتالیف ہوئے اور علوم وفنون میں انہی کی طرف رجوع کی جاتی ہے، سوائے ان دونوں شہر کوفہ وبصرہ کے عرب کے کسی شہر میں علم نہ تھا، شہر مدینہ میں لغت کا ماہر میرے علم میں کوئی نہیں، مکہ میں ایک غیر عرب تھا جس نے نحو میں ایک کتاب لکھی جس کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔[1]

یہی کوفہ ہے جہاں سے اسلامی فقہ (قانون) کی اشاعت ہوئی، یہیں سب سے پہلے فقہا و متکلمین وفلاسفہ پیدا ہوئے اور انہی دونوں مقام پر اسلامی مفکرین کی نشوونما ہوئی جنہوں نے فلسفہ، طبیعات، الٰہیات، کیمیا وہیئت کے مسائل پر روشنی ڈال کر تمام دنیائے اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں علوم وفنون کو پہنچایا اور مدارس وتعلیم گاہوں کا رواج ہوا، جہاں ظلمت کدۂ یورپ کے تشنہ گان علوم سیراب ہونے کے لیے آتے تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید مدائنی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اولین مفکرین اسلام جنہوں نے الٰہیات کے علوم پر بحث ونظر کی ہے اور توحید وعدل، جبر واختیار، قضاؤ قدر کے مسائل حل کیے ہیں وہ اس علم میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی کے شاگرد تھے، اسی طرح فقہائے اسلام اور ائمہ اربعہ ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، مالک بن انس، ان سب کے معلم اول بھی جن سے علم فقہ ان تک پہنچا علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں، ائمہ مفسرین بھی علی علیہ السلام ہی کے شاگرد ہیں۔ نہ صرف علوم شریعت ہی کے استاد امیر المومنین علیہ السلام ہیں بلکہ علم تصوف، طریقت وحقیقت کا سلسلہ بھی علی علیہ السلام ہی پر جا کر ختم ہوتا ہے جس کا اقرار شبلی، جنید، سرّی سقطی، ابویزید بسطامی، معروف کرخی کو ہے، یونہی علوم عربیہ قواعد زبان کے استاد اول حضرت علی علیہ السلام ہیں۔[2]

علی علیہ السلام ہر وقت اور ہر حالت میں تعلیم وہدایت کے لیے متوجہ رہتے تھے

امیر المومنین علی علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ آپؑ تعلیم علوم وارشاد وہدایت کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں آمادہ رہتے تھے، صرف یہی نہیں تھا کہ جب آپؑ مسجد کوفہ کے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے مشغول رشد وہدایت ہوں یا اس کے لیے کوئی وقت ہی مخصوص ہو۔ منبر تو تعلیم وہدایت کے لیے مخصوص تھا ہی، حضرتؑ اس کے علاوہ بھی روز وشب، سفر وحضر ہر موقع پر تشنگان علوم ومعرفت کو سیراب فرماتے رہتے تھے۔ انتہا ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر جبکہ میدان کارزار گرم تھا، کشتوں پر کشتے گر رہے تھے اور شیر بیشہ شجاعت علی ابن ابی طالب علیہ السلام بہ حالت غیظ وغضب تلوار کو نیام سے باہر نکالے ہوئے دشمنوں کے سامنے کھڑے ہوئے تھے کہ دفعتاً ایک اعرابی حضرتؑ کے قریب آیا اور اس نے پوچھا:

---

[1] المزھر، الجزء ۲، ص ۲۱۰۔
[2] شرح ابن ابی الحدید، ج ۱، القول فی علمہ، ص ۶ طبع مصر۔

يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتَقُوْلُ اِنَّ اللهَ وَاحِدٌ۔

اے امیر المومنینؑ! ذرا بتلایئے تو آپؑ خدا کو ایک کہتے ہیں؟

یہ "ایک" کا اطلاق اس پر کیونکر ہے؟

اعرابی کی اس جسارت کو دیکھ کر مجاہدین اسلام اس پر بپھر پڑے اور کہنے لگے:

يَا اَعْرَابِيُّ اَمَا تَرٰى مَا فِيْهِ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ تَقَسُّمِ الْقَلْبِ۔

اے اعرابی! کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ امیر المومنینؑ اس وقت حالت جنگ میں ہیں، سکون خاطر کہاں نصیب جو تجھے جواب دیں۔

یہ دیکھ کر حضرتؑ نے اپنے فوجیوں سے فرمایا:

دَعُوْهُ فَاِنَّ الَّذِیْ یُرِیْدُهُ الْاَعْرَابِیُّ هُوَ الَّذِیْ نُرِیْدُهٗ مِنَ الْقَوْمِ۔

دور ہٹو! اس کو چھوڑ دو! اس اعرابی کا وہی مقصد ہے جس مقصد کے لیے ہم اس وقت دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں۔

حضرتؑ کا مطلب یہ تھا کہ تعلیم علوم و معرفت ہمارا اصل مقصد ہے اور یہ لوگ جو ہم سے برسر پیکار ہیں وہ ہمارے اصل غایت و غرض کو پورا نہیں ہونے دینا چاہتے اسی لیے یہ لوگ بغاوت کر کے جنگ کر رہے ہیں اور تعلیم و تلقین ہم پر ہر حالت میں لازم ہے، اس لیے اس اعرابی کے سوال کا جواب دینا اور اس کو مطمئن کرنا ہم پر فرض ہے۔ اس کے بعد اعرابی کی طرف متوجہ ہو کر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ يَا اَعْرَابِيُّ اِنَّ الْقَوْلَ فِيْ اَنَّ اللهَ وَاحِدٌ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَقْسَامٍ فَوَجْهَانِ مِنْهَا لَا يَجُوْزَانِ عَلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ وَجْهَانِ يَثْبُتَانِ فِيْهِ. فَاَمَّا اللَّذَانِ لَا يَجُوْزَانِ عَلَيْهِ فَقَوْلُ الْقَائِلِ وَاحِدٌ يَقْصِدُ بِهٖ بَابَ الْاَعْدَادِ .فَهٰذَا مَا لَا يَجُوْزُ لِاَنَّ مَا لَا ثَانِيَ لَهٗ لَا يَدْخُلُ فِيْ بَابِ الْاَعْدَادِ. اَمَا تَرٰى اَنَّهٗ كَفَرَ مَنْ قَالَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ. وَ قَوْلُ الْقَائِلِ هُوَ وَاحِدٌ مِنَ النَّاسِ يُرِيْدُ بِهِ النَّوْعَ مِنَ الْجِنْسِ فَهٰذَا مَا لَا يَجُوْزُ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ تَشْبِيْهٌ وَ جَلَّ رَبُّنَا عَنْ ذٰلِكَ وَ تَعَالٰى۔ وَ اَمَّا الْوَجْهَانِ اللَّذَانِ يَثْبُتَانِ فِيْهِ فَقَوْلُ الْقَائِلِ هُوَ وَاحِدٌ لَيْسَ لَهٗ فِي الْاَشْيَاءِ شِبْهٌ. كَذٰلِكَ رَبُّنَا . وَ قَوْلُ الْقَائِلِ اِنَّهٗ عَزَّ وَ جَلَّ اَحَدِيُّ الْمَعْنٰى يَعْنِيْ بِهٖ اَنَّهٗ لَا يَنْقَسِمُ فِيْ وُجُوْدٍ وَ لَا عَقْلٍ وَ لَا وَهْمٍ كَذٰلِكَ رَبُّنَا عَزَّ وَ جَلَّ۔

اے اعرابی یہ قول کہ خدا ایک ہے یہ چار معنوں میں ہوسکتا ہے لیکن ان میں سے دو معنی خدا کے لیے درست نہیں ہیں اور دو معنی اس کے لیے درست وصحیح ہیں، لیکن وہ دو معنی جو خدا کے لیے درست اور جائز نہیں ہے: پس کہنے والا اگر ایک کہے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ اعداد (شمار) میں سے ایک ہے تو یہ خدا کے لیے جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جس کا ثانی نہ ہو وہ اعداد میں سے نہیں ہوسکتا، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جس نے یہ کہا کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے، وہ کافر ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی خدا کو ان معنوں میں ایک کہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص آدمیوں میں سے ایک ہے ،مطلب یہ ہے کہ ایک نوع ہے جنس میں سے، ان معنوں میں بھی خدا کو ایک کہنا درست نہیں کیونکہ اس سے تشبیہ لازم آئے گی اور ہمارا پروردگار اس سے پاک ہے۔ یہ دو معنی تو ایسے ہیں جو خدا کے لئے درست نہیں ہیں لیکن وہ دو معنی جس کی بنا پر خدا کو واحد کہنا صحیح ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسا یکتا ہے کہ اشیاء میں اس کے مشابہ کچھ نہیں، دوسرا معنی جو اس کے لیے درست ہے وہ یہ ہے کہ وہ" اَحَدِیُّ الْمَعْنٰی " ہے یعنی وہ وجود میں تقسیم نہیں ہوسکتا اور نہ عقل و وہم اس کا درک کرسکتی ہے، ہمارا رب ایسا ہی ہے جو خیال وقیاس وگمان و وہم سے برتر ہے اور اس کے وجود کو اس کی ذات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔[1]

یہ ہیں الہیات کے دقیق مسائل جن کو میدان جنگ میں باب مدینۂ علم مختصر الفاظ میں عام فہم وآسان کرکے بیان فرمارہے ہیں اور جس کو بڑے بڑے حکماء وفلاسفہ اپنے ضخیم مجلدات میں بھی نہیں صاف کرسکے ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اکثر الہیات کے مسائل کو مختصر اور جامع ومانع الفاظ میں اس طرح بیان کردیتے ہیں کہ دریافت کرنے والا مطمئن ہوجایا کرتا تھا۔ علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرتؑ سے دریافت کیا:

مَتٰی کَانَ رَبُّنَا۔

خدا کب سے ہے؟

یہ سن کر حضرتؑ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور جواب میں ارشاد فرمایا:

قَالَ لَمْ یَکُنْ مَکَانٌ وَلَا کَیْنُوْنَةٌ کَانَ بِلَا کَیْفٍ، کَانَ لَیْسَ لَهٗ قَبْلٌ وَلَا غَایَةٌ

---

[1] التوحید، الشیخ ابوجعفر محمد بن بابویہ القمی، المتوفی ۳۸۱ھ، باب الثالث معنی الواحد والتوحید، طبع ایران۔

اِنْقَطَعَتِ الْغَايَاتُ دُوْنَهُ فَهُوَ غَايَةُ كُلِّ غَايَةٍ فَاَسْلَمَ الْيَهُوْدِيُّ۔

نہ تو مکان تھا اور نہ مکان میں ہونا، اس کا وجود تغیرات وحوادث کا پابند نہیں، وہ تھا مگر نہ اس طرح کہ اس سے پہلے کچھ تھا اور نہ اس طرح کہ اس کی کوئی انتہا ہے، ہر انتہا کی وہ خود انتہا ہے۔ یہ سن کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔[1]

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وقت اور اقتضاء محل وسامعین کے لحاظ سے مفصل وطولانی جواب بھی ارشاد فرماتے تھے، چنانچہ حضرتؑ ایک روز اپنے مکان میں تشریف رکھتے تھے، نوف بن عبداللہ حضرتؑ کے صحابی نے آکر اطلاع دی کہ حضرتؑ سے ملنے کے لیے چالیس یہودی حاضر ہوئے ہیں، آپؑ نے حکم دیا بلا لو، ان لوگوں نے آنے کے ساتھ ہی قبل اس کے کہ بیٹھیں حضرتؑ سے یوں مستفسر ہوئے:

يَا عَلِيُّ صِفْ لَنَا رَبَّكَ هٰذَا الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ، كَيْفَ هُوَ؟ وَكَيْفَ كَانَ؟ وَمَتٰى كَانَ؟ وَعَلٰى اَيِّ شَيْءٍ هُوَ؟

یا علی علیہ السلام! یہ جو آپؑ کا آسمان والا رب ہے، ذرا اس کی صفت تو بیان کیجیے، کیا ہے؟ کیسا تھا؟ کب تک رہے گا؟ کس چیز پر ہے؟

فَاسْتَوٰى عَلِيٌّ جَالِسًا وَقَالَ: مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ اسْمَعُوْا مِنِّيْ، وَلَا تُبَالُوْا اَنْ لَا تَسْاَلُوْا اَحَدًا غَيْرِيْ۔

یہ سن کر حضرتؑ دوزانو بیٹھ گئے اور فرمایا: اے گروہ یہود! مجھ سے اس کا جواب تمہیں ملے گا تم نے میرے سوا کسی اور سے سوال نہیں کیا ہے جو جواب سے عاجز ہو۔

اچھا سنو! حضرتؑ اس کے بعد ایک طولانی تقریر فرماتے ہیں جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

اِنَّ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الْاَوَّلُ لَمْ يَبْدُ مِمَّا، وَلَا مُمَازِجٌ مَعِمَّا، وَلَا حَالٌّ وَهْمًا، وَلَا شَبَحٌ يُتَقَصّٰى، وَلَا مَحْجُوْبٌ فَيُحْوٰى، وَلَا كَانَ بَعْدَ اَنْ لَمْ يَكُنْ فَيُقَالُ حَادِثٌ، بَلْ جَلَّ اَنْ يُكَيِّفَ الْمُكَيِّفُ لِلْاَشْيَاءِ كَيْفَ كَانَ، بَلْ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزُوْلُ لِاخْتِلَافِ الْاَزْمَانِ، وَلَا لِتَقَلُّبِ شَاْنٍ بَعْدَ شَاْنٍ، وَكَيْفَ يُوْصَفُ بِالْاَشْبَاحِ، وَكَيْفَ يُنْعَتُ بِالْاَلْسُنِ الْفِصَاحِ، مَنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ

---

[1] صواعق محرقہ، ابن حجر مکی، ص ۷۸، طبع مصر۔

الْاَشْيَاءِ فَيُقَالُ بَائِنٌ، وَلَمْ يَبِنْ عَنْهَا فَيُقَالُ كَائِنٌ. بَلْ هُوَ بِلَا كَيْفِيَّةٍ. وَهُوَ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ، وَاَبْعَدُ فِي الشَّبَهِ مِنْ كُلِّ بَعِيْدٍ. لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مِنْ عِبَادِهٖ شُخُوْصُ لَحْظَةٍ. وَلَا كُرُوْرُ لَفْظَةٍ. وَلَا ازْدِلَافُ رَقْوَةٍ. وَلَا انْبِسَاطُ خُطْوَةٍ. فِيْ غَسَقِ لَيْلٍ دَاجٍ. وَلَا ادْلَاجٍ لَا يَتَغَشّٰى عَلَيْهِ الْقَمَرُ الْمُنِيْرُ. وَلَا انْبِسَاطُ الشَّمْسِ ذَاتِ النُّوْرِ بِضَوْئِهَا فِي الْكُرُوْرِ. وَلَا اقْبَالُ لَيْلٍ مُقْبِلٍ. وَلَا ادْبَارُ نَهَارٍ مُدْبِرٍ. اِلَّا وَهُوَ مُحِيْطٌ بِمَا يُرِيْدُ مِنْ تَكْوِيْنِهٖ. فَهُوَ الْعَالِمُ بِكُلِّ مَكَانٍ. وَكُلِّ حِيْنٍ وَاَوَانٍ. وَكُلِّ نَهَايَةٍ وَمُدَّةٍ. وَالْاَمَدُ اِلَى الْخَلْقِ مَضْرُوْبٌ. وَالْحَدُّ اِلٰى غَيْرِهٖ مَنْسُوْبٌ. لَمْ يَخْلُقِ الْاَشْيَاءَ مِنْ اُصُوْلٍ اَوَّلِيَّةٍ. وَلَا بِاَوَائِلَ كَانَتْ قَبْلَهٗ بَدِيَّةً...اِلٰى اٰخِرِ الْخُطْبَةِ۔ (یہ خطبہ بہت طولانی ہے)[1]

غالباً جناب سید رضی اس خطبہ پر نہیں مطلع ہو سکے اس لیے نہج البلاغہ میں نہیں درج فرمایا، البتہ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے اس طولانی خطبہ کو بہ تمام وکمال معہ سلسلہ اسناد و ذکر روات کے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل فرمایا ہے۔

غرضیکہ حضرتؑ کا کلام علم ومعرفت، فلسفہ وحکمت سے پُر ہوتا تھا (میں نے علم ومعرفت فلسفہ وحکمت کو مرادف الفاظ کی حیثیت سے استعمال کیا ہے جو ایک ہی مدلول ومعنی پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ ائمہ لغت نے اپنے محل پر اس کی وضاحت کی ہے اور مشہور فلسفی افلاطون نے بھی فلسفہ کو علم ومعرفت کے مرادف وہم معنی بتلایا ہے۔ ملاحظہ ہو[2] جس کا اقرار ہر وہ شخص کرتا تھا جو آپؑ کے کلام کو سنتا تھا چنانچہ دکتور استاد مصطفی جواد اپنے تحقیقی مضمون "فلسفۃ التاریخ الاسلامی" کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

مِمَّا نَسْتَحْسِنُ ذِكْرَهٗ هٰهُنَا اَنَّهٗ قَدْ جَآءَ فِي الْاَخْبَارِ اَنَّ الْاِمَامَ عَلِيًّاؑ كَانَ يَتَكَلَّمُ مَعَ جَمَاعَةٍ فَمَرَّ بِهٖ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ لَهٗ لَوْ اَنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْفَلْسَفَةَ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ لَكَانَ لَكَ شَاْنٌ مِنَ الشُّؤُوْنِ. فَقَالَ لَهُ الْاِمَامُ عَلِيٌّ وَمَا تَعْنِيْ بِالْفَلْسَفَةِ. اَلَيْسَ مَنِ اعْتَدَلَ طِبَاعُهٗ، صَفَا مِزَاجُهٗ. وَمَنْ صَفَا مِزَاجُهٗ. قَوِيَ اَثَرُ النَّفْسِ فِيْهِ. وَمَنْ قَوِيَ

[1] حلیۃ الاولیاء، ج ۱ صفحات ۷۲ و ۷۳ طبع مصر۔

[2] المدخل فی الفلسفۃ افلاطون، ابوالعلا عفیفی پاشا طبع مصر۔

اَثَرُ النَّفْسِ فِيْهِ. سَمَا اِلٰى مَا يَرْتَقِيْهِ. وَمَنْ سَمَا اِلٰى مَا يَرْتَقِيْهِ فَقَدْ تَخَلَّقَ بِالْاَخْلَاقِ النَّفْسَانِيَّةِ. وَمَنْ تَخَلَّقَ بِالْاَخْلَاقِ النَّفْسَانِيَّةِ فَقَدْ صَارَ مَوْجُوْدًا بِمَا هُوَ اِنْسَانٌ وَ قَدْ دَخَلَ الْبَابَ الْمُلْكِيَّ الصُّوْرِيَّ وَلَيْسَ لَهٗ عَنْ هٰذِهِ الْغَايَةِ مَسِيْرٌ. فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ: نَطَقْتَ بِالْفَلْسَفَةِ جَمِيْعِهَا فِيْ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ۔

مناسب ہے کہ اس مقام پر اس واقعہ کا ذکر کروں جو کتب اخبار میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین علی علیہ السلام کچھ لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک یہودی عالم کا اس طرف سے گذر ہوا، اس نے حضرتؑ سے عرض کیا کہ اے فرزند ابو طالبؑ اگر کہیں آپؑ فلسفہ بھی سیکھے ہوتے تو آپؑ کا بڑا مرتبہ ہوتا۔ یہ سن کر حضرتؑ نے فرمایا فلسفہ سے تیری کیا مراد ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ جس کی طبیعت میں اعتدال پیدا ہو تو اس کا مزاج خود بخود پاکیزہ ہو جاتا ہے اور جس کے مزاج میں پاکیزگی راسخ ہوتی ہے تو اس کے اثرات نفس قوی ہو جاتے ہیں اور جو اپنے نفس کے اثرات میں قوت حاصل کر لیتا ہے تو وہ (انسانیت) کے منتہائے کمال پر بلند ہو جاتا ہے اور جو اس معراج کمال پر پہنچ جاتا ہے تو وہ فضائل نفسانیہ سے آراستہ ہو جاتا ہے اور جو فضائل نفس سے مزین ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں تمام کمال انسانیت موجود ہوتے ہیں بجائے اس کے کہ اس میں خاصہ حیوانی موجود ہو کر اپنا اثر دکھلائیں، اس حالت میں ایسا انسان ملکوتی صفات بن جاتا ہے، بس اب اس سے زیادہ انسانی عروج کا تصور نہیں۔ یہ سن کر وہ یہودی عالم بے ساختہ کہنے لگا کہ اے فرزند ابو طالبؑ آپؑ نے تو بالکل فلسفہ ہی میں گفتگو فرمائی۔[1]

علاوہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے عرب کے مشہور دہریہ و زندیق اور بعض یونانی فلسفی بھی حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل علمیہ و حقائق حکمیہ پر گفتگو کرتے رہتے تھے جس کا تذکرہ ابو منصور طبرسی نے کتاب "الاحتجاج" اور ابن بابویہ القمی نے کتاب "التوحید" اور ان کے علاوہ دوسرے متقدمین مصنفین نے کیا ہے۔ یہ شواہد اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ علی علیہ السلام بحیثیت مفکر و فلسفی و حکیم کے بھی اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔ اس کا اقرار ہر غیر متعصب انسان عام اس سے کہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو، کرنے کے لیے تیار ہے۔ چنانچہ مشہور مسیحی ادیب و مورخ عبد المسیح انطاکی حلبی (مدیر

---

[1] العرب، ص ۹، عبد المنعم العدوی المصری، طبع بمبئی ۵ ذی القعدہ ۱۳۵۹ھ الموافق ۵ دسمبر ۱۹۴۰ء یوم الخمیس تحت عنوان فلسفۃ التاریخ الاسلامی فی القرن السابع للھجرۃ، الاستاذ مصطفیٰ جواد۔ سرمایہ ایمان، عبد الرزاق لاہجی، ص ۷۶، طبع بمبئی میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔

الشذور، حلب الشہبا و مدیر العمران مصر) اپنے شاہکار ادب عربی "القصیدۃ العلویۃ المبارکہ و تاریخ شعری لصدر الاسلام" میں لکھتا ہے:

إِنَّ الْحِكْمَةَ الْمَأْثُورَةَ عَنْ سَيِّدِنَا أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ. فَهُوَ لَا جِدَالَ سَيِّدُ الْحُكَمَاءِ. وَعَنْهُ تُرْوَى الْحِكْمَةُ فِيْ مَوَاطِنِ السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ. وَقَدْ وَرَدَتِ الْحِكْمَةُ عَلَى لِسَانِهِ الشَّرِيْفِ فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ رَسَائِلِهِ وَخُطَبِهِ وَأَقْوَالِهِ حَتّٰى قَالُوْا إِنَّهُ كَانَ يَنْطِقُ بِالْحِكْمَةِ فِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ أَقَامَ فِيْهِ وَمَجْلِسٍ جَلَسَهُ وَمَوْقِفٍ وَقَفَهُ. بَلْ كَانَتْ جَمِيْعُ أَقْوَالِهِ الشَّرِيْفَةِ وَأَعْمَالِهِ الْمُنِيْفَةِ حِكَمًا مَأْثُوْرَةً مُنْبَثِقَةً عَنْ تَوَقُّدِ ذَكَآءٍ وَسَعَةِ تَجْرِبَةٍ وَاخْتِبَارٍ۔

حکمت و علوم سیدنا علی علیہ السلام سے بہ کثرت منقول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؑ تمام حکماء و فلاسفہ کے سردار ہیں اور آپؑ سے تمام حکمتیں روایت کی جاتی ہیں، عام اس سے کہ آپؑ تکلیف کی حالت میں ہوں یا راحت کے عالم میں اور آپؑ کی یہ عقلیات آپؑ کی زبانی کثیر التعداد رسائل و مکاتیب، خطب و اقوال میں وارد ہوئی ہیں، یہاں تک تسلیم کیا گیا ہے کہ آپؑ ایسے مقالات عقلی ہر مقام، ہر مجلس اور ہر فرودگاہ پر بیان فرماتے تھے، جہاں آپؑ قیام فرماتے، بیٹھتے یا رکتے تھے، آپؑ کے تمام اقوال شریف اور اعمال پاکیزہ عقل و حکمت کے آثار سے پُر اور مملو ہیں جن سے آپؑ کی ذکاوت، تجربات کی وسعت اور قوت ارادی کی ضیاء باری ہویدا اور آشکار ہوتی ہے۔[1]

اسی طرح عصر حاضر کا ایک دوسرا مسیحی شاعر و ادیب اور ماہر قانون جسٹس پولس سلامہ PAULAS SALAMA (چیف جسٹس بیروت) اپنے ملحمۃ عربیۃ "عید الغدیر" کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

وَيَذْكُرُهُ النَّصَارٰى فِيْ مَجَالِسِهِمْ فَيَتَمَثَّلُوْنَ بِحِكَمِهِ وَيَخْشَعُوْنَ لِتَقْوَاهُ. وَيَتَمَثَّلُ بِهِ الزُّهَّادُ فِي الصَّوَامِعِ فَيَزْدَادُوْنَ زُهْدًا وَقُنُوْتًا. وَيَنْظُرُ إِلَيْهِ الْمُفَكِّرُ فَيَسْتَضِيْءُ بِهٰذَا الْقُطْبِ الْوَضَّآءِ وَيَتَطَلَّعُ إِلَيْهِ الْكَاتِبُ الْأَلْمَعِيُّ فَيَأْتَمُّ بِبَيَانِهِ. وَيَعْتَمِدُهُ الْفَقِيْهُ الْمِدْرَهُ فَيَسْتَرْشِدُ بِأَحْكَامِهِ. أَمَّا الْخَطِيْبُ فَحَسْبُهُ أَنْ يَقِفَ فِي السَّفْحِ وَيَرْفَعُ الرَّأْسَ إِلٰى هٰذَا الطَّوْدِ الشَّامِخِ لِتَنْهَلَّ عَلَيْهِ الْآيَاتُ مِنْ عَلُ. وَيَنْطَلِقُ لِسَانُهُ بِالْكَلَامِ الْعَرَبِيِّ الْمُبِيْنِ۔

---

[1] تاریخ الشعری، لصدر الاسلام، ص ۵۶۷، مطبوعہ رعمیس فجالہ مصر۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ذکر جمیل عیسائی اپنی مجالس میں کرتے ہیں اور آپؑ کے علم وحکمت سے مستفید ہوتے ہیں اور آپؑ کے تقوی اور پرہیز گاری کے سامنے تعظیماً جھکتے ہیں اور زہاد اپنے عبادت خانوں میں آپؑ کے زہد وعبادت کا تصور کر کے اپنے زہد وعبادت کو تقویت پہنچاتے ہیں اور مفکر وفلسفی آسمانِ علم وحکمت کے اس روشن ستارے سے اپنے فکر کو روشن کر کے مستفید ہوتے ہیں اور کامیاب ادیب اریب آپؑ کے بیان کو اپنا رہبر بناتے ہیں اور ائمہ فقہاء آپؑ کے احکامات سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور خطیب کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ اس کوہ خطابت کے نیچے کھڑا ہو کر بلندی کی طرف نظر کرے اور چشمہ خطابت کی روانی سے سیراب ہو کر عربی مبین کا طلیق اللسان خطیب ہو جائے۔[1]

علی علیہ السلام کے خطبوں کی تعداد اور مشاہیر خطباء وادباء کا ان سے مستفید ہونے کا اقرار

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حکماء وفقہاء وادباء وخطباء سبھی امیر المومنین علیہ السلام کے فیوض علمیہ سے متمتع ہوئے ہیں۔ جب آپؑ خطبہ میں مصروف ہوتے تھے تو زیر منبر ہر ایک آپؑ کے لٹائے ہوئے جواہرات کو اپنی جھولیوں میں بھرتا تھا اور گنجینۂ قلب ودفینۂ صدر میں آپؑ کے خطبوں کو محفوظ کر لیتا تھا۔

مورخ مسعودی متوفی ۳۴۰ھ لکھتا ہے:

وَالَّذِیْ حَفِظَ النَّاسُ عَنْهُ مِنْ خُطَبِهٖ فِیْ سَائِرِ مَقَامَاتِهٖ اَرْبَعُمِائَةِ خُطْبَةٍ وَنَیِّفٌ وَثَمَانُوْنَ خُطْبَةً یُوْرِدُهَا عَلَی الْبَدِیْهَةِ ، وَتَدَاوَلَ النَّاسُ ذٰلِكَ عَنْهُ قَوْلًا وَعَمَلًا۔

حضرتؑ کے تمام خطبے جن کو مختلف موقعوں پر آپؑ نے ارشاد فرمایا ہے کچھ اوپر چار سو اسی (۴۸۰ سے زائد) خطبے ہیں جن کو حضرتؑ نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا تھا۔ یہ وہ خطبے ہیں جنہیں لوگوں نے یاد و محفوظ کر لیا تھا اور لوگوں میں برابر شائع رہے۔[2]

حضرتؑ کے یہ خطب ایسے ہیں جن کو یاد کر لینے پر "خطباء وادباء" فخر کیا کرتے تھے:

قَالَ عَبْدُ الْحَمِیْدِ بْنُ یَحْیٰی حَفِظْتُ سَبْعِیْنَ خُطْبَةً مِنْ خُطَبِ الْاَصْلَعِ فَفَاضَتْ ثُمَّ فَاضَتْ وَ قَالَ ابْنُ نُبَاتَةَ حَفِظْتُ مِنَ الْخِطَابَةِ كَنْزًا لَا یَزِیْدُهُ الْاِنْفَاقُ اِلَّا سَعَةً وَ

---

[1] عید الغدیر اول ملحمۃ عربیۃ، المقدمہ، ص ۲۷، طبع بیروت۔

[2] مروج الذہب، ج ۲، ص ۳۳، طبع مصر۔

كَنْزًا حَفِظْتُ مِائَةَ فَصْلٍ مِنْ مَوَاعِظِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

عبدالحمید بن یحیی کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؑ کے بے مثل و بے نظیر خطبوں میں سے ستر خطبے یاد کیے تو انہوں نے مجھے بے حد فیض پہنچایا اور کیونکر بتلاؤں کہ کتنا فیض پہنچا۔

اور مشہور خطیب ابن نباتہ نے کہا ہے کہ میں نے خطابت کا وہ خزانہ محفوظ کیا ہے جو صرف ہونے سے بڑھتا ہی جائے گا، میں نے سو فصلیں علی بن ابی طالب علیہما السلام کے مواعظ سے یاد کی ہیں۔[1]

وَ قِيْلَ عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ يَحْيٰى مَا الَّذِيْ مَكَّنَكَ مِنْ بَلَاغَةٍ وَ خَرَّجَكَ فِيْهَا فَقَالَ حِفْظُ كَلَامِ الْاَصْلَعِ يَعْنِيْ اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيًّا۔

عبدالحمید بن یحیی سے دریافت کیا گیا: کس چیز نے بلاغت پر تمہیں اتنا اقتدار بخشا کہ جس سے تم ایک باکمال ادیب و بلیغ ہو گئے؟ اس نے جواب دیا: حضرت علی علیہ السلام کے کلام کو حفظ کرنے سے مجھے یہ کمال حاصل ہوا۔[2]

تاریخ ادب عربی میں عبدالحمید بن یحیی متوفی ۱۳۲ھ کا سا ادیب و کاتب (منشی) اور ابن نباتہ متوفی ۳۷۴ھ کا سا باکمال خطیب کوئی دوسرا نہیں گزرا، یہ صرف امیرالمومنین علیہ السلام کے خطبوں کا فیضان ہے کہ جن کو یاد کر لینے سے یہ دونوں بلاغت و کتابت و خطابت و طلاقت کے اس درجۂ کمال تک پہنچے جہاں دوسرے کی رسائی نہیں ہے۔ مورخ ابن خلکان "ابن نباتہ" کے متعلق لکھتا ہے:

كَانَ اِمَامًا فِيْ عُلُوْمِ الْاَدَبِ وَ رُزِقَ السَّعَادَةُ فِيْ خُطْبَةِ الَّتِيْ وَقَعَ الْاِجْمَاعُ عَلٰى اَنَّهٗ مَاعَمِلَ مِثْلُهَا وَفِيْهَا دَلَالَةٌ عَلٰى غَزَارَةِ عِلْمِهٖ وَ جُوْدَةِ قَرِيْحَتِهٖ۔

علوم ادب کا امام ہے، خوش بختی نے اس کو خطابت کا وہ بلند درجہ دیا کہ اس پر اجماع ہے کہ ایسے خطبے کسی نے نہیں دیے، یہ خطبے اس کے کمال علم و جودت طبع پر دلیل ہیں۔[3]

لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کے خطبوں کے سامنے ابن نباتہ کے خطبے پست نظر آتے ہیں، عصر حاضر کا مشہور ادیب و ناقد فن دکتور زکی مبارک اپنی کتاب "النثر الفنی فی القرن الرابع" (جس کی تالیف پر موصوف کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہے) میں لکھتے ہیں:

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۸ طبع مصر۔

[2] الوزراء والکتاب، ابی عبداللہ بن عبدوس، ص ۸۲، ویانا یورپ ۱۹۲۶ء۔

[3] وفیات الاعیان، ج ۱، ص ۲۸۳، طبع مصر۔

وَهِيَ دَائِمًا دُوْنَ خُطَبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبِ الَّتِيْ كَانَ يَحْفَظُهَا ابْنُ نُبَاتَةَ وَ يَتَأَثَّرُهَا فِيْ جَمِيْعِ مَوَاقِفِهِ الْخَطَابِيَّةِ۔

ابن نباتہ کے خطبے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے خطبوں سے ہمیشہ پست رہے حالانکہ ابن نباتہ نے علی علیہ السلام کے خطبوں کو برابراز بر رکھا اور خطابت کے محل وموقع پر ان خطبوں سے متاثر ہو کر خطبے دیے۔[1]

علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں ابن نباتہ اور امیر المومنین علیہ السلام کے خطب کا موازنہ کر کے ثابت کیا ہے کہ ابن نباتہ کے خطب میں کسل، فتور، بلادت ہے اور حضرتؑ کی ایک سطر کا مقابلہ وبرابری ابن نباتہ کی ہزار سطریں بھی نہیں کر سکتی ہیں۔[2]

عبدالحمید بن یحیی الکاتب المشہور (یہ آخری خلیفہ اموی مروان الحمار کا میر منشی تھا) کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے ابتدا میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے اس قدر مشہور اور مدون تھے کہ ادباء کمالِ ادب وبلاغت کو حاصل کرنے کے لیے ان کو یاد کرتے تھے۔ گویا ایک ادیب اس وقت تک ادیب نہیں بن سکتا تھا جب تک کہ اس کے نظام درس میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبات نہ ہوں۔[3]

ہم کو "کتاب الرجال الکشی" کے مطالعہ سے اس کا بھی پتا ملتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام متوفی ۱۱۴ھ اور امام جعفر صادق علیہ السلام متوفی ۱۴۸ھ کے عہد میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کی قرأت وسماعت (تعلیم) بھی ہوتی تھی اور جناب زید شہید اپنے جد کے خطبوں کو اپنے اساتذہ سے پڑھتے تھے، جیسا کہ زید الشہید اور ابو الصباح الکنانی الکوفی کی باہمی گفتگو سے ظاہر ہے جس کو کہ ابو عمر الکشی نے اپنی کتاب الرجال میں "ابو الصباح" کے تذکرے میں لکھا ہے۔[4]

یہ امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کا فیضان تھا کہ زید اپنے عہد کے مشہور وباکمال خطیب ہوئے۔ اسی طرح ابن نباتہ

---

[1] النثر الفنی، ج ۲، ۱۹۴، طبع مصر۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۲، ص ۲۴۴، طبع مصر۔

[3] ہم کو معلوم ہے کہ عصر جاحظ متوفی ۲۵۵ھ سے پہلے کے عمومی نظام درس میں جو ہر ایک ادیب ومنشی کے لیے ضروری تھا اس میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطب وکلام میں ایک اہم مضمون کی حیثیت رکھتا تھا، جیسا کہ علامہ حسن السندوبی لکھتے ہیں: وَ كَانَتِ الْمَادَةُ الَّتِيْ يُكَوِّنُوْنَ بِهَا مَعَارِفَهُمْ وَ يُرَبُّوْنَ بِهَا مَعْلُوْمَاتِهِمْ لَا تَكَادُ تَخْرُجُ عَنْ حَقِّ الْحِفْظِ لِكِتَابِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ وَمَا ثَبَتَ لَدَيْهِمْ مِنْ اَحَادِيْثِ الرَّسُوْلِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اسْتِظْهَارِ الْمَجِيْدِ مِنْ كَلَامِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَ خُطَبِهِمِ الْجَامِعَةِ وَلَا سِيَّمَا خُطَبُ الْاِمَامِ عَلِيٍّ وَ رَسَائِلُهُ الْبَلِيْغَةُ وَ كَلِمَاتُهُ الْبَارِعَةُ مُضَافًا اِلٰى ذَالِكَ الْقِطْعَةُ الصَّالِحَةُ مِنَ الشِّعْرِ الْجَاهِلِيْ۔۔۔۔ اِنْتَهٰى بِقَدْرِ الْحَاجَةِ۔ عہد جاحظ سے پہلے کے ادیب ومنشی اپنے میں علمی وادبی قابلیت پیدا کرنے اور معلومات کو بڑھانے کے لیے کلام خدا قرآن مجید واحادیث صحیحہ پیغمبر کو حفظ کر لیتے اور خلفاء راشدین کے عمدہ کلام وخطب خاص کر حضرت امام علی مرتضیٰ علیہ السلام کے فصیح وبلیغ خطبے، خطوط ورسائل اور اچھوتے کلمات واقوال پر مطلع رہتے اور اس کو یاد کر لیا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ زمانہ جاہلیت کے کچھ اچھے وچیدہ اشعار کو بھی محفوظ کر لیتے تھے۔ (ادب الجاحظ، العلامہ حسن السندوبی، فصل ۲۵ در خصوصیات وممیزات جاحظ، ص ۱۹۶۔۱۹۷، طبع رحمانیہ مصر ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۱ء)

[4] معرفت اخبار الرجال، ص ۲۲۴، طبع بمبئی

کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطب ومواعظ کتابی شکل میں مرتب ومدون تھے جبھی تو وہ بتلا رہا ہے کہ سو فصلیں حضرتؑ کے مواعظ کی اس کو یاد تھیں، صرف زید الشہید، عبدالحمید بن یحییٰ اور ابن نباتہ ہی نہیں بلکہ عبداللہ بن المقفع متوفی ۱۴۲ھ جس کے متعلق مورخین نے لکھا ہے:

اَلْبَلِیْغُ الَّذِیْ لَمْ یَتَعَلَّقْ بِمَنْزِلَتِہٖ فِی الْفَصَاحَۃِ وَ الْبَلَاغَۃِ وَ قُوَّۃِ الْبَیَانِ مُتَعَلِّقٌ۔

ایسا بلیغ کہ فصاحت وبلاغت وقوت بیان میں اس کا مثل کوئی دوسرا نہیں۔

وہ بھی بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر امیر المومنین علیہ السلام کے خطب کی وجہ سے پہنچا ہے جس کا اس نے خود اقرار کیا ہے، استاد حسن السندوبی شارح کتاب البیان والتبیین للجاحظ لکھتے ہیں:

وَالظَّاھِرُ اَنَّہٗ تَخَرَّجَ فِی الْبَلَاغَۃِ عَلٰی خُطَبِ الْاِمَامِ عَلِیٍّ وَلِذٰلِکَ کَانَ یَقُوْلُ: شَرِبْتُ مِنَ الْخُطَبَۃِ رِیًّا وَلَمْ اَضْبَطْ لَھَا رَوِیًّا فَفَاضَتْ ثُمَّ فَاضَتْ فَلَا ھِیَ نِظَامًا وَلَیْسَ غَیْرُھَا کَلَامًا۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن مقفع بلاغت کے اس مرتبے پر علی بن ابی طالب علیہ السلام کے خطبوں کی وجہ سے پہنچا ہے اور اسی لیے وہ خود یہ کہا کرتا تھا: چشمۂ خطب سے میں نے خوب چھک کر پیا مگر اس کے سیراب کرنے کے عنوان کو محدود نہیں کر سکا وہ تو ایک ابلتا ہوا چشمہ تھا جو بہتا ہی جاتا تھا جس کے لیے کسی راہ کا معین کرنا میرے لیے ممکن نہیں، بس یہ جانتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی کلام نہیں۔ [1]

استاد محمد کرد علی الحنفی الدمشقی رئیس مجمع علمیہ دمشق لکھتے ہیں:

وَقِیْلَ اِنَّہٗ تَخَرَّجَ فِی الْبَلَاغَۃِ بِخُطَبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔

ابن مقفع بلاغت کے اس درجہ پر علی بن ابی طالب علیہ السلام کے خطبوں کی وجہ سے پہنچا۔ [2]

علی علیہ السلام کا کلام دوسرے ادباء کی طرف منسوب ہوا

امیر المومنین علیہ السلام کے خطب واقوال کا تصرف "ابن المقفع" کے دل ودماغ پر اس حد تک تھا کہ وہ حضرتؑ کے کلمات کو لفظ بہ لفظ اپنے کلام میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ پڑھنے والا اسی کا کلام سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ دراصل وہ "علی علیہ السلام" کے کلام سے چرایا ہوا ہے، چنانچہ ابن المقفع نے "الدرۃ الیتیمہ" میں:

اِنِّیْ اُخْبِرُکَ عَنْ صَاحِبٍ کَانَ اَعْظَمَ النَّاسِ فِیْ عَیْنِیْ۔

---

[1] البیان والتبیین، الجاحظ مع شرحہ الاستاذ حسن السندوبی، ج ۱ ص ۱۰۹ مطبع رحمانیہ مصر۔

[2] امراء البیان، ج ۱ ص ۱۰۵، طبع مصر۔

میں تم کو ایسے ساتھی کے صفات کو بتلاتا ہوں جو میرے نزدیک انسانوں میں سب سے بڑا "مرد کامل" ہے۔

کہہ کر سب سے بڑے انسان کے جو صفات وعلامات بیان کیے ہیں وہ امیر المومنینؑ کے کلام سے لفظاً ومعناً چرایا ہوا ہے، جس میں حضرتؑ نے فرمایا ہے:

{وَ كَانَ يَفْعَلُ مَا يَقُوْلُ وَ لَا يَقُوْلُ مَا لَا يَفْعَلُ وَ كَانَ اِنْ غُلِبَ عَلَى الْكَلَامِ لَمْ يُغْلَبْ عَلَى السُّكُوْتِ وَ كَانَ عَلٰى اَنْ يَسْمَعَ اَحْرَصَ مِنْهُ عَلٰى اَنْ يَتَكَلَّمَ وَ كَانَ اِذَا بَدَهَهٗ اَمْرَانِ نَظَرَ اَيُّهُمَا اَقْرَبُ اِلَى الْهَوٰى فَخَالَفَهٗ}۔

[وہ جو کرتا تھا، وہی کہتا تھا اور جو نہیں کرتا تھا وہ اسے کہتا نہیں تھا۔ اگر بولنے میں اس پر کبھی غلبہ پا بھی لیا جائے تو خاموشی میں اس پر غلبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ بولنے سے زیادہ سننے کا خواہشمند رہتا تھا۔ اور جب اچانک اس کے سامنے دو چیزیں آ جاتی تھیں، تو وہ دیکھتا تھا کہ ان دونوں میں سے ہوائے نفس کے زیادہ قریب کون ہے تو وہ اس کی مخالفت کرتا تھا۔] [1]

اسی طرح امیر المومنینؑ کے اس کلام کو:

{لِلْمُؤْمِنِ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ فَسَاعَةٌ يُنَاجِيْ فِيْهَا رَبَّهٗ وَ سَاعَةٌ يَرُمُّ فِيْهَا مَعَاشَهٗ وَ سَاعَةٌ يُخَلِّيْ فِيْهَا بَيْنَ نَفْسِهٖ وَ بَيْنَ لَذَّاتِهَا مِمَّا يَحِلُّ وَ يَجْمُلُ وَ لَيْسَ لِلْعَاقِلِ اَنْ يَكُوْنَ شَاخِصًا اِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ مَرَمَّةٍ لِمَعَاشٍ اَوْ خُطْوَةٍ فِيْ مَعَادٍ اَوْ لَذَّةٍ فِيْ غَيْرِ مُحَرَّمٍ}۔

[مومن کے اوقات تین ساعتوں پر منقسم ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ جس میں اپنے پروردگار سے رازونیاز کی باتیں کرتا ہے۔ اور ایک وہ کہ جس میں اپنے معاش کا سروسامان کرتا ہے اور وہ کہ جس میں حلال وپاکیزہ لذتوں میں اپنے نفس کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ عقلمند آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ گھر سے دور ہو، مگر تین چیزوں کے لیے، معاش کے بندوبست کے لیے، یا امرِ آخرت کی طرف قدم اٹھانے کے لیے، یا ایسی لذت اندوزی کے لیے کہ جو حرام نہ ہو۔] [2]

ابن المقفع نے "ادب الصغیر" میں اس کو بھی اپنایا ہے۔ ابن المقفع کی کچھ عادت ہی ایسی ہے کہ وہ دوسروں کے

[1] نہج البلاغہ، افکار اسلامی، حکمت ۲۸۹، ص ۹۲۰۔

[2] نہج البلاغہ، افکار اسلامی، حکمت ۳۹۰، ص ۹۴۹۔

کلام کو اپنا کر کے پیش کر دیا کرتا ہے مثلاً "درۃ الیتیمہ" میں صداقت اور دوستی کے سلسلہ میں جو یہ کلام ہے:

أُبْذُلْ لِصَدِيقِكَ دَمَكَ وَ مَالَكَ وَلِمَعْرِفَتِكَ رِفْدَكَ و مَحْضَرَكَ وَلِلْعَامَّةِ بِشْرَكَ وتَحَنُّنَكَ وَلِعَدُوِّكَ عَدْلَكَ. وَاضْنُنْ بِدِينِكَ وَعِرْضِكَ عَنْ كُلِّ أَحَدٍ۔

حالانکہ دراصل یہ کلام "خالد بن صفوان" کا ہے جو ابن المقفع سے مقدم ہے جیسا کہ یاقوت الحموی نے معجم الادباء میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں "خالد بن صفوان" کے حالات میں لکھا ہے۔

صدر اول ہی میں علی علیہ السلام کا کلام مدون تھا

خلاصۂ کلام یہ کہ عبدالحمید بن یحیی الکاتب متوفی ۱۳۲ھ اور ابن المقفع متوفی ۱۴۲ھ کے عہد میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے عام ہو کر رائج و شائع تھے جن سے استفادہ حاصل کرنا ایک باکمال ادیب و کاتب کے لیے لازمی و ضروری تھا، اور تقریباً ۱۴۰ھ۔ ۱۴۸ھ میں علویین میں یہ خطبے داخل نصاب تعلیم تھے جبھی تو زید الشہید بطور درس ان کو پڑھا کرتے تھے۔[1] صرف علویوں ہی کے لیے نہیں بلکہ علامہ جاحظ کے پہلے سے ہر ادیب و دبیر کے درس میں حضرتؑ کا کلام داخل نصاب تھا۔[2] جاحظ عثمانی متوفی ۲۵۵ھ نے بھی امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کے لیے یہ لکھا، "مُدَوَّنَةٌ مُخَلَّدَةٌ مَشْهُورَةٌ" کہ یہ خطبے مدون و مرتب، محفوظ و مشہور ہو کر بقائے دوام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔[3] ابن نباتہ خطیب مشہور متوفی ۳۷۴ھ کے عہد میں تو اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کا یہ مرتب و مدون مجموعہ کافی ضخامت رکھتا تھا کہ جس میں سے دیگر عناوین خطب کے اس نے صرف سو فصلیں مواعظ کی یاد کی تھیں۔

سابق عہد میں تدوین علوم کی جو مخالفت تھی وہ اب علی علیہ السلام کے عہد میں نہ تھی

حقیقت یہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے اقوال و خطب خود آپؑ ہی کے زمانہ میں لکھ کر محفوظ کر لیے گئے تھے۔ عدم تدوین و کتابت علوم کے متعلق آپؑ کے ماقبل خلفاء کی جو امتناعی پالیسی تھی حضرتؑ کے دور خلافت میں وہ ختم ہو چکی تھی، بیشک علی علیہ السلام کی خلافت سے پہلے کا دور ایسا ضرور تھا جب اسلامی دنیا عملاً کتابت و تدوین کے مخالف تھی، اگرچہ اس عہد میں بھی علی علیہ السلام کتابت علوم کی طرف متوجہ رہے۔

---

[1] الرجال، الکشی، ص ۲۲۴، طبع بمبئی۔

[2] ادب الجاحظ، ص ۱۹۶۔ ۱۹۷، طبع مصر۔

[3] البیان والتبیین، الجاحظ، الجزء الاول، ص ۱۷۴، طبع رحمانیہ مصر۔

علامہ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں:

كَانَ بَيْنَ السَّلَفِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اخْتِلَافٌ كَثِيْرٌ فِيْ كِتَابَةِ الْعِلْمِ فَكَرِهَهَا كَثِيْرٌ مِنْهُمْ وَ اَبَاحَهَا طَائِفَةٌ وَ فَعَلُوْهَا مِنْهُمْ عَلِيٌّ وَ ابْنُهُ الْحَسَنُ۔

سلف صحابہ وتابعین میں تدوین وتالیف اور کتابت علوم کے متعلق سخت اختلاف تھا سوائے حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام یا کچھ اور لوگوں کے (یعنی دیگر فرزندان امیر المومنین علیہ السلام اور سلمان وابوذر)، جو نہ صرف اس کو جائز ومباح سمجھتے تھے بلکہ عملاً خود ان حضرات نے تالیف وتدوین بھی فرمایا اس کے برخلاف باقی تمام صحابہ وتابعین اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ [1]

علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب میں مصنفین ومؤلفین کو پیدا کر دیا تھا اسی عہد میں آپؑ کے خطب مدون ہوئے۔

علی علیہ السلام صرف تن تنہا تصنیف وتالیف میں مشغول رہنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ ایک علمی ماحول پیدا کر کے کامیاب مفکر ومصنف کو بھی پیدا کرنا چاہتے تھے، چنانچہ آپؑ نے اپنے اصحاب میں مصنفین ومؤلفین کے ایک گروہ کو پیدا کر دیا تھا جنہوں نے لسانیات، سیر واحادیث اور علوم قرآن پر کتابیں لکھیں، دنیا کو اس کا اعتراف ہے۔

وَمِنْهُ تَعَلَّمَ النَّاسُ الْخِطَابَةَ وَ الْكِتَابَةَ۔

آپؑ ہی سے لوگوں نے خطابت اور تحریر وتصنیف کے فن کو سیکھا۔ [2]

حضرتؑ کے خاندان اور اصحاب میں مندرجہ ذیل اصحاب قلم ایسے ہیں جن کے آثار قلم محفوظ ہیں اور جن کا تذکرہ علماء رجال نے کیا ہے: امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، عمر بن علی، محمد بن علی المعروف با بن الحنفیہ، عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب صحابی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابورافع، علی بن ابی رافع، عبید اللہ بن ابی رافع، اصبغ بن نباتہ مجاشعی، سلیم بن قیس الھلالی، میثم بن یحیی ابوصالح التمار، حارث بن عبداللہ الاعور الھمدانی، ابو الاسود الدئلی، کمیل بن زیاد النخعی، عبیداللہ بن الحرالجعفی، ربیعہ بن سمیع، یعلی بن مرہ، زید بن وہب الجھنی، حسن بصری۔

یہ وہ حضرات ہیں جو آپؑ کے عہد کے خوش فکر اور کامیاب مصنف ومؤلف تھے۔ بقول مسٹر جے پول مصنف کتاب "مطالعہ مذہب اسلام" علی علیہ السلام نے اپنے زمانۂ خلافت میں قومی مصنفین کا نہ صرف تحفظ ہی

---

[1] تدریب الراوی۔

[2] شرح نہج البلاغہ، نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱ ص ۸ طبع مصر۔

کیا بلکہ انھیں تصنیف کے لیے ترغیب بھی دیتے تھے۔[1] اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپؑ ہی کے عہد خلافت میں اہل قلم آپؑ کے اقوال وخطب کو ضبط تحریر کر کے محفوظ کرنے لگے تھے، یہ لوگ حضرتؑ سے جو کچھ سنتے تھے فوراً لکھ لیا کرتے تھے۔

شیخ صدوق ابوجعفر محمد ابن بابویہ القمی المتوفی ۳۸۱ھ اپنے سلسلہ اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ ابواسحق السبیعی بیان کرتا ہے کہ ان سے حارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی نے بیان کیا:

خَطَبَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ يَوْمًا خُطْبَةً بَعْدَ الْعَصْرِ فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ حُسْنِ صِفَتِهٖ وَ مَا ذَكَرَ مِنْ تَعْظِيْمِ اللهِ جَلَّ جَلَالُهٗ قَالَ اَبُوْ اِسْحَاقَ فَقُلْتُ لِلْحَارِثِ اَوَ مَا حَفِظْتَهَا قَالَ قَدْ كَتَبْتُهَا فَاَمْلَاهَا عَلَيْنَا مِنْ كِتَابِهٖ۔

ایک روز بعد عصر امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو خدا کی عظمت وجلالت کے مضامین پر مشتمل تھا، لوگوں نے اس خطبہ کو بہت زیادہ پسند کیا، ابواسحق نے حارث سے دریافت کیا کہ تم نے اس کو یاد نہیں کر لیا؟ حارث نے جواب دیا کہ میں نے تو اس کو لکھ لیا تھا۔ اس کے بعد حارث نے اپنی کتاب سے پڑھ کر اس خطبہ کو سنایا۔[2]

ایک مرتبہ حضرتؑ سے ایک یہودی نے چند سوالات کیے تھے جن کا تسلی بخش جواب حضرتؑ نے عنایت فرمایا تھا، اس مفصل جواب کو بھی حارث ہمدانی نے مرتب ومدون کیا تھا۔[3] حارث نے امیرالمومنین علیہ السلام کے آثار علم کو اس کثرت سے مدون ومرتب کیا تھا کہ ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام نے اس ذخیرہ علم کو ان سے طلب فرمایا:

فَبَعَثَ اِلَيْهِ بِوِقْرِ بَعِيْرٍ۔

تو حارث نے جو عظیم ذخیرہ کتب بھیجا وہ ایک اونٹ کا انبار تھا۔[4]

اصحاب امیرالمومنین علیہ السلام میں حارث ہمدانی نے فقہ وفرائض اور علم حساب میں کمال حاصل کیا تھا اور ان علوم میں یہ حضرتؑ ہی کے شاگرد تھے، جن سے دوسرے فقہا نے اخذ کیا۔[5]

ان اہل قلم حضرات کی حالت یہ تھی کہ حضرتؑ کی خدمت میں جب حاضر ہوتے تو سامان نوشت لے کر آتے تھے اور

---

[1] مطالعہ مذہب اسلام، ص ۳۲۰، مطبوعہ ۱۸۹۲ء۔

[2] التوحید، ص ۱۴، طبع ایران ۱۲۸۰ھ۔

[3] الفہرست، شیخ ابوجعفر الطوسی۔

[4] ملاحظہ ہو مورخ شہیر ابوجعفر محمد بن جریر الطبری کی کتاب ذیل المذیل من تاریخ الصحابہ والتابعین، ص ۱۲۶، مطبوعہ مطبع استقامۃ قاہرہ ۱۹۳۹ء۔

[5] ذیل المذیل، ص ۱۲۷۔ حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۴، طبع مصر۔

حضرتؑ جو کچھ فرماتے تھے اس کو اسی وقت لکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ حسن بصری کا یہی طریقہ تھا، ابو یحیی الواسطی بیان کرتا ہے:

قَالَ: لَمَّا افْتَتَحَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ وَفِيْهِمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَمَعَهُ الْاَلْوَاحُ فَكَانَ كُلَّمَا لَفَظَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِكَلِمَةٍ كَتَبَهَا۔

جب امیر المومنین علیہ السلام نے بصرہ کو فتح فرمایا تو آپؑ کے گرد (مسجد بصرہ میں) لوگوں کا مجمع ہو گیا، ان میں حسن بصری بھی تھے جن کے پاس لکھنے کا سامان (لوحیں) بھی تھا یہ امیر المومنین علیہ السلام کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو فوراً اپنی لوحوں میں لکھ لیتے تھے۔[1]

حضرتؑ کے کاتب عبید اللہ بن ابی رافع نے حضرتؑ کے قضایا کو مدون کیا۔[2] اصبغ بن نباتہ مجاشعی نے حضرتؑ کے آثار میں سے کئی چیزوں کو مدون کیا۔ حضرتؑ کا وہ مشہور عہد و فرمان جو مالک اشتر کے نام ہے اس کو اصبغ بن نباتہ ہی نے محفوظ کیا، اس کے علاوہ حضرتؑ کے وہ وصایا جن کو آپؑ نے اپنے فرزند محمد حنفیہ سے کیا تھا اس کو بھی انہوں نے جمع کیا، اس کے علاوہ حضرتؑ کے قضایا کو بھی اصبغ ہی نے مدون و مرتب کیا۔[3] کتاب القضایا مرویہ اصبغ بن بناتہ کا ایک قدیمی نسخہ مخطوط جو چھٹی ہجری کا لکھا ہوا ہے، علامہ سید محسن الامین العاملی کے کتاب خانہ دمشق میں موجود ہے۔[4]

سلیم بن قیس الہلالی نے ایک کتاب مدون کی جس میں امیر المومنین علیہ السلام، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد، عمار یاسر کے علاوہ حضرتؑ کے بعض خطب و رسائل و مکتوب کو بھی جمع کیا۔[5] کمیل بن زیاد النخعی نے حضرتؑ کی ایک جلیل القدر و طویل دعا کو محفوظ کیا، اسی طرح حضرتؑ کے صحابی زید بن وہب الجہنی الکوفی نے ایک مجموعہ میں حضرتؑ کے خطبوں کو جمع کیا۔[6] زید بن وہب کی جلالت قدر کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ مِنْ اَجِلَّةِ التَّابِعِيْنَ وَثِقَاتِهِمْ. مُتَّفَقٌ عَلَى الْاِحْتِجَاجِ. وَزَيْدٌ سَيِّدٌ جَلِيْلُ الْقَدْرِ، هَاجَرَ اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ فَقُبِضَ وَزَيْدٌ فِي الطَّرِيْقِ. وَرَوٰى عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَالسَّابِقِيْنَ. وَحَدَّثَ عَنْهُ خَلْقٌ وَوَثَّقَهُ ابْنُ مَعِيْنٍ وَغَيْرُهُ حَتّٰى اَنَّ الْاَعْمَشَ قَالَ: اِذَا حَدَّثَكَ زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ عَنْ اَحَدٍ فَكَاَنَّكَ سَمِعْتَهُ مِنَ الَّذِيْ حَدَّثَكَ

---

[1] الاحتجاج، ابو منصور الطبرسی، ص ۸۷، مطبوعہ تبریز ۱۲۸۶ھ۔

[2] الفہرس، الطوسی، ص ۲۰۲۔

[3] منہج المقال، الاسترآبادی۔ الفہرس، الطوسی، ص ۶۳، طبع کلکتہ۔

[4] اعیان الشیعہ، سید محسن الامین، ج ۵، ص ۴۹۹، طبع دمشق۔

[5] اس کتاب کے قدیمی مخطوطات عراق و ایران و ہندوستان کے بعض کتاب خانوں میں محفوظ ہیں اس کے علاوہ حال ہی میں یہ کتاب نجف کے مطبع حیدریہ سے شائع بھی ہو گئی ہے۔

[6] منہج المقال، الاسترآبادی، ص ۱۵۳۔

عَنْهُ. قُلْتُ: مَاتَ قَبْلَ سَنَةِ تِسْعِيْنِ اَوْ بَعْدَهَا۔

زید بن وہب اجلۂ تابعین وثقات میں سے ہیں اور سب کے نزدیک قابل احتجاج ہیں، زید بڑے مرتبہ والے سردار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی لیکن ابھی یہ راستے ہی میں تھے کہ آنحضرتؐ کی وفات ہوگئی اس لیے زیارت سے محروم رہے۔ عمر، عثمان اور حضرت علی علیہ السلام و دیگر سابقین سے روایت کی ہے اور بہت سے لوگ زید سے روایت کرتے ہیں۔ ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، اعمش نے ان کے متعلق یہاں تک کہا ہے کہ اگر تم سے زید بن وہب کسی کی روایت بیان کریں تو تم یہ سمجھ لو کہ ہم نے اصل صاحب روایت کی زبانی سنا، تقریباً ۹۰ھ کے قبل یا بعد ان کی وفات ہوئی۔[1]

یہی جلیل القدر و قابل اعتماد زید بن وہب ہیں جنہوں نے سب سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا فخر حاصل کیا۔

مختلف اصحاب ائمہ وقدماء مؤلفین جنہوں نے آپؑ کے خطب وآثار کو جمع کیا

اصحاب امیر المومنین علیہ السلام کے بعد دوسرے اصحاب ائمہ معصومینؑ اور اہل علم وادب نے بھی امیر المومنین علیہ السلام کے اقوال وخطب ورسائل اور دوسرے آثار علمیہ کی حفاظت اپنا فرض سمجھا اس لیے یہ لوگ برابر اس کی تدوین وتالیف میں مشغول رہے جن میں یہ لوگ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ہشام بن محمد بن السائب الکلبی صحابی امام محمد باقر علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کو جمع کیا۔[2]

۲۔ محمد بن قیس البجلی صحابی امام محمد باقر وامام جعفر صادق علیہم السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے قضایا کو جمع کیا۔[3]

۳۔ محمد بن قیس ابونصر الاسدی صحابی امام محمد باقر علیہ السلام وامام جعفر صادق علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے قضایا کو جمع کیا۔[4]

۴۔ ابراہیم بن الحکم بن ظہیر الفرازی صحابی امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادق علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کو جمع کیا۔[5]

---

[1] میزان الاعتدال، ج۱ ص ۳۶۰۔۳۶۶، طبع مصر۔
[2] الفہرست، ابن الندیم، متوفی ۳۸۰ھ، ص ۱۴۰، طبع مصر۔
[3] منہج المقال، الاسترآبادی۔
[4] الفہرس، الطوسی۔ الرجال، النجاشی۔
[5] الفہرس، الطوسی۔ الرجال، النجاشی۔

۵۔ابومحمد مسعدہ بن صدقۃ العبدی صحابی امام جعفر صادق علیہ السلام وامام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کو جمع کیا۔[1]

۶۔ابراہیم بن ہاشم ابواسحق القمی صحابی امام رضا علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے قضایا کو جمع کیا۔[2]

۷۔مشہور مورخ ابومخنف لوط بن یحیی الازدی نے اپنے مصنفات میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبات ورسائل کو وارد کیا۔

۸۔نصر بن مزاحم المنقری التمیمی الکوفی معاصر امام محمد باقر علیہ السلام تا امام علی رضا علیہ السلام نے بھی حضرتؑ کے خطبات ومکتوبات کو اپنی کتاب الصفین میں وارد کیا ہے۔یہ کتاب مطبوعہ ہے۔

۹۔ابوالقاسم عبدالعظیم بن عبداللہ الحسنی المدفون بالرّے المتوفی تقریباً ۲۵۰ھ صحابی امام علی نقی علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کو جمع کیا۔[3]

۱۰۔صالح بن ابی حماد ابوالخیر الرازی صحابی امام علی نقی علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کو جمع کیا۔[4]

۱۱۔علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی متوفی ۲۲۵ھ نے امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں اوران مکاتیب کو جمع کیا جن کو حضرتؑ نے اپنے عمال کو تحریر کیا تھا۔[5]

۱۲۔ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال بن عاصم بن سعد بن مسعود الثقفی الکوفی متوفی ۲۸۳ھ نے "کتاب رسائل امیر المومنین علیہ السلام" کے نام سے حضرتؑ کے فرامین وخطوط کو جمع کیا۔[6]

۱۳۔ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن عامر بن سلیمان بن صالح بن وہب بن عامر الشہید المطف ابن حسان المقتول بصفین مع امیر المومنین علیہ السلام نے حضرتؑ کے قضایا کو جمع کیا۔[7]

۱۴۔ابوالحسن معلیٰ بن محمد البصری نے امیر المومنین علیہ السلام کے قضایا کو جمع کیا۔[8]

---

[1] الرجال، النجاشی۔

[2] منہج المقال، الاسترآبادی۔

[3] الرجال، النجاشی۔

[4] الرجال، النجاشی۔

[5] معجم الادباء، یاقوت الحموی، ج ۱۴، ص ۱۲۴، طبع مصر۔

[6] معجم الادباء، یاقوت الحموی، ج ۱، ص ۲۳۳، طبع مصر۔

[7] الرجال، النجاشی۔

[8] الرجال، النجاشی۔

۱۵۔ ابواحمد عبدالعزیز الجلودی البصری متوفی ۳۳۰ھ نے امیرالمومنین علیہ السلام کے آثار میں سے متعدد چیزوں کو جمع کیا:

۱۔ کتاب رسائل علی علیہ السلام: حضرتؑ کے خطوط و فرامین کا مجموعہ

۲۔ کتاب خطب علی علیہ السلام: حضرتؑ کے خطبوں کا مجموعہ

۳۔ کتاب مواعظ علی علیہ السلام: حضرتؑ کے کلام کا وہ مجموعہ جو مواعظ پر مشتمل ہے۔

۴۔ کتاب خطب علی علیہ السلام فی الملاحم: حضرتؑ کے خطبوں کا وہ مجموعہ جس میں ہونے والے واقعات و فتنہ و فساد کی خبر دی گئی ہے۔

۵۔ کتاب دعاء علی علیہ السلام: حضرتؑ کے ادعیہ کا مجموعہ

۶۔ کتاب شعر علی علیہ السلام: حضرتؑ کے اشعار کا مجموعہ [۱]

۱۶۔ ابومحمد حسن بن علی بن شعبۃ الحلبی متوفی ۳۳۲ھ تیسری صدی ہجری کے مشہور شیعی علماء محدثین میں سے تھے، موصوف نے اپنی کتاب "تحف العقول عن آل الرسول" میں امیرالمومنین علیہ السلام کے کلمات حکمیہ، امثال و خطب کو جمع فرمایا ہے، علامۂ موصوف حضرتؑ کے خطبوں کے متعلق اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں:

> اِنَّنَا لَوِ اسْتَغْرَقْنَا جَمِيْعَ مَا وَصَلَ اِلَيْنَا مِنْ خُطَبِهٖ وَ كَلَامِهٖ فِي التَّوْحِيْدِ خَاصَّةً دُوْنَ مَا سِوَاهُ مِنَ الْمَعَانِيْ لَكَانَ مِثْلَ جَمِيْعِ هٰذَا الْكِتَابِ۔
>
> اگر ہم حضرتؑ کے ان تمام خطبوں سے قطع نظر کر کے جو ہم تک پہنچے ہیں، صرف ایسے خطب و کلام کو جمع کریں جن میں صرف مسائل توحید بیان کئے گئے ہیں تو یہ مجموعہ بھی مثل اس کتاب کے ہو جائے۔ [۲] (یہ خیال رہے کہ تحف العقول کا حجم نہج البلاغہ کے حجم سے زیادہ ہے)۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے کلام کی وسعت و کثرت کے متعلق چھٹی صدی ہجری کے مشہور عالم ابوالحسن محمد بن الحسین البیہقی النیشاپوری الشہیر بہ علامہ قطب الدین الکیدری اپنی شرح نہج البلاغہ موسوم بہ حدائق الحقائق فی تفسیر دقائق احسن الخلائق میں علامہ قطب الدین الراوندی متوفی ۵۷۳ھ کی کتاب منہاج البلاغہ فی شرح نہج البلاغہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> ذَكَرَ قُطْبُ الدِّيْنِ الْكَيْدَرِيُّ نَقْلًا عَنْ صَاحِبِ كِتَابِ الْمِنْهَاجِ. اِنَّهٗ قَالَ: سَمِعْتُ بَعْضَ الْعُلَمَاءِ بِالْحِجَازِ. ذَكَرَ اِنَّهٗ وَجَدَ بِمِصْرَ مَجْمُوْعًا مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام

---

[۱] الفہرس، الطوسی۔ الرجال، النجاشی۔

[۲] تحف العقول، ص ۱۳ طبع ایران۔

فِیْ نَیِّفٍ وَ عِشْرِیْنَ مُجَلَّدًا. قُلْتُ: وَ لَا بِدْعَ فِیْ ذٰلِکَ لِمَنْ کَانَ بَابَ مَدِیْنَۃِ عِلْمِ الرَّسُوْلِ وَ حِکْمَتِہٖ۔

قطب الدین راوندی صاحب کتاب المنہاج نے حجاز میں بعض علماء سے یہ سنا کہ انھوں نے مصر میں امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کے ایک ایسے مجموعہ کو دیکھا جو بیس مجلدات سے زیادہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ جو باب مدینہ علم و حکمت ہو اس سے ایسے آثار علمیہ کا پایا جانا بعید نہیں ہے۔[1]

۱۷۔ ابوطالب عبداللہ بن ابی زید الانصاری متوفی ۵۶ھ نے حضرتؑ کی دعاؤں کو کتاب ادعیہ الائمہ میں جمع کیا۔

سید رضیؒ سے قبل کے وہ علماء اسلام جنہوں نے آپؑ کے خطب و کلام کو اپنے مصنفات میں جگہ دی

یہ تو ان مؤلفین و اہل علم کا تذکرہ تھا جنہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے اقوال و خطب و دیگر آثار علمیہ پر مستقلاً کتابیں لکھیں، لیکن ان کے علاوہ مؤرخین و محدثین و علماء اسلام کی ایک کثیر تعداد ہے جنہوں نے اپنے مجامیع کتب و تصانیف میں حضرتؑ کے خطبوں اور دیگر آثار کو وارد کیا ہے، جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

۱۔ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی المتوفی ۲۲۵ھ نے تاریخ الخلفاء و کتاب الاحداث و الفتن میں

۲۔ ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ متوفی ۲۵۵ھ نے کتاب البیان و التبیین میں حضرتؑ کے بعض خطب کو نقل کیا ہے اور کلمات حکمیہ میں ''مِائَۃُ کَلِمَۃٍ'' کو منتخب کیا۔ جاحظ نے کتاب البیان میں لکھا ہے کہ حضرتؑ کے خطبے مرتب و مدون اور متداول و مشہور ہیں۔

۳۔ ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ نے عیون الاخبار و غریب الحدیث میں

۴۔ ابن واضح الیعقوبی الکاتب العباسی متوفی ۲۷۸ھ نے اپنی تاریخ میں

۵۔ ابوحنیفۃ الدینوری متوفی ۲۸۱ھ نے اخبار الطوال میں

۶۔ ابوالعباس المبرد متوفی ۲۸۶ھ نے کتاب المبرد میں

۷۔ مورخ محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی تاریخ میں

۸۔ ابوبکر محمد بن حسن بن درید ازدی بصری متوفی ۳۲۱ھ نے اپنی کتاب المجتنی میں

۹۔ ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ نے عقد الفرید میں

۱۰۔ محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ھ نے کتاب الکافی کے مجلدات کتاب الاصول و الفروع و کتاب الروضہ میں

---

[1] روضات الجنات، باب العین، ص ۶۳۴، طبع ایران۔

۱۱۔مورخ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے مروج الذہب میں

۱۲۔ابوالفرج الاموی الاصفہانی متوفی ۳۵۶ھ نے کتاب الاغانی میں

۱۳۔ابوعلی القالی متوفی ۳۵۶ھ نے نوادر میں

۱۴۔شیخ ابوجعفر ابن بابویہ القمی متوفی ۳۸۱ھ نے کتاب التوحید اور اپنے دوسرے مجامیع کتب میں

۱۵۔شیخ مفید متوفی ۴۱۳ھ استاد سید رضی نے کتاب الارشاد و کتاب الجمل میں

۱۶۔ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ نے تجارب الامم میں

۱۷۔حافظ ابونعیم متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء میں

۱۸۔شیخ ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی (۳۸۵۔۴۶۰ھ) نے کتاب التہذیب وکتاب الامالی میں

اب کیونکر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جامع نہج البلاغہ شریف الرضی الموسوی التوفی ۴۰۶ھ سے پہلے حضرتؑ کے خطبے مرتب و مدون و مشہور و متداول نہ تھے۔ نہج البلاغہ تو دراصل حضرتؑ کے کلام متداول و مشہور کا ایک انتخاب ہے، سید رضیؒ نے حضرتؑ کے کل مجموعہ کلام کو نہج البلاغہ میں نہیں جمع فرمایا ہے وہ خود ہی فرماتے ہیں:

وَ اَمَّا کَلَامُہٗ فَھُوَ الْبَحْرُ الَّذِیْ لَا یُسَاجَلُ وَ الْجَمُّ الَّذِیْ لَا یُحَافَلُ۔

حضرتؑ کا کلام ایک دریائے ناپیدا کنار ہے جس کی انتہا اور گہرائی تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کی موجوں پر کوئی تسلط پا سکتا ہے۔[1]

جناب سید رضیؒ نے حضرتؑ کے کل کلام کا احصاء نہیں فرمایا ہے بلکہ حضرتؑ کے کلام کو تین ابواب (۱) خطب و اوامر (۲) کتب ورسائل (۳) حکم و مواعظ میں تقسیم کر کے نہایت دقت نظر سے صرف محاسن خطب و کتب و حکم کو ہر باب کے ضمن میں مرتب فرمایا ہے جیسا کہ خود سید رضیؒ نے مقدمہ نہج البلاغہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اس عنوان انتخاب میں بھی سید کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ موصوف نے حضرتؑ کے کل محاسن کلام کا احاطہ کر لیا ہے بلکہ موصوف کا خیال ہے کہ جو کچھ وہ منتخب کر کے جمع کر چکے ہیں وہ اس کلام کے مقابلہ میں بہت کم ہے جس کو جمع نہیں کر سکے۔ سید رضیؒ سے پہلے جن لوگوں نے حضرتؑ کے اقوال وخطب کو جمع کیا تھا چونکہ ان لوگوں نے تدوین وتالیف کا یہ انداز اختیار نہیں کیا تھا اس لیے ان جامعین کے مؤلفات کو اتنی قبولیت وشہرت نہیں حاصل ہوئی جو نہج البلاغہ کو حاصل ہوئی، دراصل نہج البلاغہ امیر المومنین علیہ السلام کے منتخب کلام کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو عربی ادبیات میں قرآن مجید کے بعد سمجھا گیا ہے دُوْنَ کَلَامِ الْخَالِقِ

---

[1] مقدمہ سید رضی نہج البلاغہ، ص ۸۱۔

وَفَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ! علماء شیعہ امامیہ وفرقہ زیدیہ کا بغیر کسی اختلاف کے اس پر اجماع ہے کہ بغیر شک وشبہ کے یہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے اور علمائے اہلسنت کی اکثریت بھی اسی اجماع کے ساتھ ہے اور مندرجات نہج البلاغہ کو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا کلام معجز نظام سمجھتا ہے۔ نہج البلاغہ کا شمار امہات کتب اور معتبر ترین ماخذ میں ہے، فریقین کے علماء ابتدا ہی سے اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کے شروح وحواشی تحریر کئے، مشہور ادیب ومورخ ابن الطقطقی محمد بن علی بن طباطبا اپنی تاریخ "الفخری فی الاداب السلطانیۃ والدول الاسلامیہ" میں لکھتے ہیں:

عَدَلَ نَاسٌ اِلٰی نَهْجِ الْبَلَاغَةِ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ. فَاِنَّهُ الْكِتَابُ الَّذِيْ يُتَعَلَّمُ مِنْهُ الْحِكَمُ وَ الْمَوَاعِظُ وَالْخُطَبُ وَ التَّوْحِيْدُ وَالشَّجَاعَةُ وَ الزُّهْدُ وَ عُلُوُّ الْهِمَّةِ وَ اَدْنٰى فَوَائِدِهِ الْفَصَاحَةُ وَ الْبَلَاغَةُ.

بہت سے لوگوں نے کتاب نہج البلاغہ کی طرف توجہ کی جو امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کلام سے ہے کیونکہ یہی وہ کتاب ہے جس سے حکم ومواعظ، زہد، توحید، خطب، شجاعت، علو ہمت ان تمام باتوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کا ایک ادنیٰ جوہر اور افادیت فصاحت وبلاغت ہے۔[1]

نہج البلاغہ کی تالیف کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کے دوسرے مجموعے ومصنفات

نہج البلاغہ کی تالیف کے بعد یہ نہیں ہوا کہ علماء حضرتؑ کے کلام کی تدوین وجمع سے غافل ہو گئے بلکہ اس کا سلسلہ سید رضیؒ کے بعد سے اب تک جاری ہے ان جامعین کلام امیر المومنین علیہ السلام میں سے مندرجہ ذیل علماء وادباء قابل ذکر ہیں:

(۱) عبدالواحد بن محمد بن عبدالواحد العمید التمیمی الآمدی معاصر سید رضیؒ جامع نہج البلاغہ نے ایک مجموعہ حضرتؑ کے کلمات کا جمع کیا جس کا نام غرر الحکم ودرر الکلم ہے یہ کتاب مصر، صیدا، (شام) اور ہندوستان سے طبع ہو چکی ہے۔

(۲) عزالدین بن ضیاء الدین ابوالرضا، فضل اللہ الراوندی نے بھی حضرتؑ کے اقوال وکلمات کو جمع کیا اور اس کا نام "نثر اللآلی" رکھا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے جامع شیخ ابوعلی الطبرسی صاحب مجمع البیان ہیں لیکن یہ قول اعتماد کے قابل نہیں ہے یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے۔

(۳) ابوسعید منصور بن الحسین الآبی الوزیر متوفی ۴۲۲ھ نے بھی حضرتؑ کے نکت کلام کو "نزہۃ الادب" اور "نثر الدرر" میں جمع کیا۔[2]

---

[1] الفخری فی الآداب السلطانیۃ والدول الاسلامیہ، ابن طقطقی، ص ۹ طبع مصر وطبع جرمن GOTHA ص ۱۷۔

[2] کشف الظنون باب النون۔

(۴) قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ القضاعی الشافعی متوفی ۴۵۳ھ نے حضرتؑ کے خطب وحکم ومواعظ ووصایا و اشعار کو جمع کیا اور اس کا نام "دستور معالم الحکم" رکھا، مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

(۵) عزالدین ابن ابی الحدید المدائنی المعتزلی شارح نہج البلاغہ متوفی ۶۵۵ھ نے حضرتؑ کے ایک ہزار کلمات کو جمع کر کے اپنی شرح کے آخر میں شامل کیا، یہ مجموعہ کلمات ''اَلْفُ کَلِمَۃٍ'' کے نام سے بیروت ومصر سے شائع ہو چکا ہے۔

(۶) شمس الدین ابوالمظفر یوسف بن قزغلی حنفی المعروف بہ سبط ابن الجوزی متوفی ۶۵۴ھ نے تذکرہ خواص الامہ میں اپنے اسناد سے حضرتؑ کے اقوال وخطب کو جمع کیا، موصوف لکھتے ہیں:

وَ قَدْ اَخْبَرَنَا السَّيِّدُ الشَّرِيْفُ اَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ الْحُسَيْنِيِّ بِاِسْنَادِهٖ اِلَى الشَّرِيْفِ الْمُرْتَضٰى. قَالَ: وَقَعَ اِلَيَّ مِنْ خُطَبِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام اَرْبَعَمِائَةِ خُطْبَةٍ. وَ كِتَابُنَا هٰذَا يَضِيْقُ عَنْ حَصْرِهَا. فَنَشْرَفُهُ بِمَا اتَّصَلَ اِلَيْنَا اِسْنَادُهٗ۔

سید شریف ابوالحسن علی بن محمد الحسینی نے اپنے اسناد سے جو شریف مرتضیٰ تک منتہی ہوتا ہے مجھ سے بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے چار سو خطبے مجھ تک پہنچے ہیں اور ہماری اس کتاب کا دامن تنگ ہے کہ اس میں ان تمام خطبوں کو ہم نقل کر سکیں، اس لیے میں اس کتاب میں ان خطبوں کے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جن کے اسناد کا سلسلہ مجھ تک پہنچا ہے۔[1]

(۷) قاضی ابویوسف یعقوب بن سلیمان الاسفرائنی نے حضرتؑ کے کلمات قصار کو جمع کیا اور اس کا نام "الفرائد والقلائد" رکھا، اس کا ایک قدیمی خطی نسخہ جو چھٹی صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے کتاب خانہ مدرسہ مروی طہران میں محفوظ ہے (جس کو میں نے دوران قیام طہران کے زمانہ میں دیکھا ہے)۔

(۸) علی بن محمد اللیثی الواسطی، چھٹی وساتویں صدی کے علماء میں سے تھے موصوف نے ایک ضخیم کتاب تالیف کی جو ۳۰ ابواب اور ۹۱ فصول پر مشتمل ہے، اس میں حضرتؑ کے مواعظ وادعیہ، مکاتیب ومناجات ہیں اور ۱۳۶۲۸ کلمات حکمیہ ہیں جن کو حروف معجم کے تحت ۲۹ ابواب میں جمع کیا ہے، اس کتاب کا نام "عیون الحکم والمواعظ وذخیرۃ المتعظ والواعظ" رکھا ہے، مقدمہ کتاب میں مولف تحریر فرماتے ہیں:

فَاَلْزَمْتُ نَفْسِيْ اَنْ اَجْمَعَ قَلِيْلًا مِنْ حِكَمِهٖ وَ يَسِيْرًا مِنْ خَطِيْرِ كَلِمِهٖ مَجْمُوْعَةً مِنْ بَلَاغَاتِهٖ وَعِظَاتِهٖ وَ اٰدَابِهٖ وَ مُنَاجَاتِهٖ وَاَمْرِهٖ وَنَوَاهِيْهِ وَزَوَاجِرِهٖ مَا تَحْرُسُ الْبُلَغَاءُ

---

[1] خواص الامہ، سبط ابن جوزی،

عَنْ سَاحِلَتِهٖ وَتَبْلِسُ الْحُكَمَاءُ مِنْ شَاكِلَتِهٖ وَمَا اَنَا عَلِمَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا كَالْمُغْتَرِفِ مِنَ الْبَحْرِ بِكَفِّهٖ وَالْمُعْتَرِفِ بِالتَّقْصِيْرِ فِيْ وَصْفِهٖ فَكَيْفَ لَا وَهُوَ علیہ السلام الشَّارِبُ مِنَ الْيَنْبُوْعِ النَّبَوِيِّ وَالْحَادِيْ مِنْ جَنْبِهِ الْعِلْمُ اللَّاهُوْتِيْ۔

میں نے اس کو اپنے اوپر لازم قرار دیا کہ حضرتؑ کے ایسے فصیح و بلیغ مجموعہ کلام سے جو حکم و آداب، مواعظ و مناجات، اوامر و نواہی کے مضامین پر مشتمل ہے قدرے کچھ جمع کروں جس کا جواب لانے سے بلغاء و حکماء عاجز ہیں، میں اس کلام معجز نظام کے اوصاف بیان کرنے سے قاصر ہوں، میری مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی بحر ذخار سے ایک چلّو لے لیتا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو حضرت تو نبوت کے چشمۂ رواں سے سیراب ہونے والے ہیں اور آپؑ ہی وہ ہیں جس کا پہلو علم لاہوتی سے بھرا ہوا ہے۔[1]

اس کتاب کے دو قلمی نسخے کتاب خانہ مدرسہ سپہ سالار طہران میں موجود ہیں۔ یہ نسخے بھی ہنگام اقامت طہران میں حقیر کی نگاہوں سے گذرے ہیں۔[2] علامہ محمد باقر مجلسی نے مجلد ہفتدہم بحار الانوار ''بَابُ مَا جَمَعَ مِنْ كَلِمَاتِ عَلِيٍّ'' اور مجلد پانزدہم بحار ''بَابُ حُبِّ الدُّنْيَا وَ ذَمِّهَا'' میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور اس سے نقل فرمایا ہے۔

(۹) مولی خلف بن مطلب بن حیدر بن محسن از موالی المشعشع پدر سید علی والی حویزہ معاصر شیخ بہاء الدین عاملی نے حضرتؑ کا وہ کلام جو نہج البلاغہ میں نہ جمع ہو سکا تھا اس کو جمع فرمایا اور اس کا نام ''النہج القویم فی کلام امیر المومنین علیہ السلام'' رکھا۔[3]

(۱۰) مولی میر القاری الکوکی الجیلانی معاصر شاہ عباس صفوی نے کتاب ''زبدۃ الحقائق'' میں حضرتؑ کے کلمات کثیرہ کو جمع فرمایا۔

(۱۱) شیخ عبد اللہ بن الحاج صالح بن جمعہ بن شعبان بن علی سماہیجی نے حضرتؑ کے ادعیہ، مناجات و اذکار کو جمع فرمایا اور اس کا نام ''الصحیفۃ العلویہ والتحف المرتضویہ'' رکھا۔

(۱۲) علامہ محمد باقر مجلسی نے بحار الانوار مجلد ہفتدہم میں حضرتؑ کے خطب و کلمات کو جمع فرمایا۔

(۱۳) مسیحی ادیب ''الآب لویس شیخو'' نے حضرتؑ کے اقوال کے ایسے مجموعہ کو شائع کیا جو ۷۲ ھ کا مخطوط ہے۔[4]

---

[1] عیون الحکم والمواعظ و ذخیرۃ المتعظ والواعظ، علی بن محمد اللیثی الواسطی۔

[2] فہرست کتاب خانہ مدرسہ عالی سپہ سالار، ج ۱، ص ۲۸۳ و ج ۲، ص ۴۷، طبع ایران۔

[3] روضات الجنات، باب الخاء، ص ۲۶۶ طبع ایران۔ آثار الشیعہ، ج ۴، ص ۱۹۸، طبع ایران۔

[4] ترجمہ علی بن ابی طالب، احمد زکی صفوت مصری، ص ۱۱۹، طبع مصر۔

(۱۴) شیخ احمد رضا العاملی معاصر نے خطب ومواعظ کے ایک ایسے مجموعہ کو مجلہ "العرفان" صیدا جلد ۱۹۲۳ء میں شائع کیا جو نہج البلاغہ میں جمع نہ ہو سکا تھا۔[1]

(۱۵) علامہ شیخ ہادی النجفی آل کاشف الغطاء معاصر نے امیر المومنین علیہ السلام کے ایسے خطب ومکاتیب واقوال کو جمع فرمایا جو نہج البلاغہ میں نہ تھا جس کو ۱۳۵۴ھ میں نجف اشرف سے "مستدرک نہج البلاغہ" کے نام سے شائع فرمایا۔

(۱۶) مولوی حکیم نبی احمد حنفی افسر دواخانہ یونانی وویدک رامپور نے حضرتؑ کے ایسے مکاتیب ورسائل کو جمع فرمایا ہے جو نہج البلاغہ میں نہیں ہیں اور اس کا نام بھی مستدرک نہج البلاغہ رکھا ہے۔

علی علیہ السلام کے آثار علم وادب کا اعتراف ایک مستشرق کی زبانی

یہ ہے علی علیہ السلام کے آثار علمی وادبی کا اجمالی تذکرہ، بیشک آپ علم وادب کے ایک بحر نا پیدا کنار ہیں جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اس کا اعتراف صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم ارباب فضل ودانش بھی کرتے ہیں۔

مستشرق شہیر گابریل انکیری (GABRIEL ENKIRI) لکھتا ہے:

قاہرہ، دمشق، استامبول اور یورپ کے تمام کتاب خانوں میں بیشمار ایسے مؤلفات مخطوط موجود ہیں جو علی علیہ السلام کے مصنفات بتلائے جاتے ہیں۔ یہ کتابیں مواعظ، تاریخ، شعر، خطبے، قانونی موشگافیاں، قضایا وفیصلے اور تحقیقات علوم الٰہیات پر مشتمل ہیں، صرف وہی علمی وادبی آثار، جن کی نسبت علی علیہ السلام کی طرف صحیح اور مسلمات سے ہے اور جن سے کسی کو اختلاف نہیں، دنیا میں نفیس ترین گنجینۂ علم وادب کو پیش کرتی ہیں۔ علی علیہ السلام کی تقریروں وخطبوں میں یاوہ گوئی، جملہ بافی، فضول لفاظی یا لفظوں کی بھرتی نہیں پائی جاتی، وہ مثل جواہر تراش ومرصع نگار کے مناسب الفاظ کے نگینے جڑتے ہیں اور بغیر ژولیدہ بیانی کے اصل مقصد پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آپؑ کے مختصر وموجز جملے سننے والے کو خستہ نہیں کرتے۔

باتفاق آراء "علی علیہ السلام" قرن اول کے فصیح ترین وبلیغ ترین خطیب ہیں۔ حضرتؑ کے روز جمعہ کے اور دوسرے عام سیاسی خطبے سننے والوں پر اپنا اثر ڈالے بغیر رائیگاں نہیں جاتے، صرف یہی نہیں بلکہ علی علیہ السلام کے حکیمانہ اقوال وامثال آپؑ کے بے ہمتائی کا ثبوت ہیں۔ یہ اقوال وافکار

[1] ترجمہ علی بن ابی طالب، احمد زکی صفوت مصری، ص ۱۱۹، طبع مصر۔

"اسیپ"[1] (ESOPE) ولقمان کے حکم ومواعظ کا مقابلہ کرتے ہیں۔علی علیہ السلام کے اقوال اور "لابرویر"[2] (LabRuyere) اورلاروشفکولڈ[3] (LAROCHE FOUCAULD) کے اقوال کے مابین موازنہ کیا اچھا ہوتا، اگر کوئی محقق اس موضوع پر تحقیق کرے تو بہترین کام انجام دے گا اور ثابت کر سکے گا کہ فلسفۂ شرق جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے موجودہ فلسفہ غرب سے قدر وقیمت میں کم نہیں ہے۔تاریخ قضا وانفصال مقدمات میں علی علیہ السلام نے ایک نیادور پیدا کیا ،اپنی خلافت وحکومت کے زمانہ میں باوجود "عسکری وسیاسی" مصروفیتوں کے محکمہ دادگستری (CORT OF JUDICATURE) کو آپؑ نے براہ راست اپنے ہاتھ میں رکھا۔[4] سب سے پہلے محکمہ قانون اور عدالتوں کی بنیاد آپؑ ہی نے رکھی۔خلیفہ چہارم کے متعدد یادگار فیصلے اس قابل ہیں کہ ان کا شمار تاریخ کے محکمات بزرگ میں کیا جائے۔

عالم اسلام میں علی علیہ السلام کی حکومت سے پہلے قانون مدون صورت میں باضابطہ وجود نہیں رکھتا تھا، قاضی اپنے علم قرآن وحدیث کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے، لیکن علی علیہ السلام کی عہد حکومت میں علم فقہ قریب قریب مدون قانون کی حیثیت سے وجود میں آیا۔عالم شرق میں صرف علی علیہ السلام ہی کی پہلی ذات ہے جس نے فیصلہ کے موقع پر گواہوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے گواہی لینے کا طریقہ جاری کیا ورنہ اس سے پہلے ایک ساتھ گواہی لی جاتی تھی جس سے اصل حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا تھا۔بہرحال علی علیہ السلام جو ایک زبردست خطیب، کامیاب مصنف، بلند مرتبہ قاضی کی حیثیت رکھتے ہیں، واضعین معہد علمیہ وموسسین درسگاہ حکمیہ کی صف میں بھی ایک بلند مقام پر متمکن ہیں۔آپؑ نے جس اسکول کی بنیاد رکھی، باعتبار منطق ودلائل، صراحت وروشنی اور بلحاظ ترقی فکر وتجدد نظر کے ممتاز ہے۔[5]

---

[1] یونان کا ایک مشہور حکیم جس کے اقوال حکمیہ مشہور ہیں۔

[2] LAB RUYERE (۱۶۴۵ء۔۱۶۹۴ء) فرانس کا مشہور عالم علم اخلاق جس کی کتابیں اس موضوع پر یادگار ہیں۔

[3] LAROCHE FOUCAULD (۱۶۱۳ء۔۱۶۸۰ء) فرانس کا مشہور مصنف، کتاب "امثال وحکم" اس کی یادگار ہے۔

[4] حضرتؑ کو اس سے اس قدر دلچسپی تھی کہ آپؑ اپنی مملکت کے تمام قاضیوں کو کوفہ میں مجتمع فرماتے، ہر قاضی کا آپؑ اختبار کرتے، امتحان لیتے مختلف سوالات فرماتے اور ان سب کو آپؑ اجازت دیتے تھے کہ وہ اپنی مشکلات کو حضرتؑ کے سامنے پیش کریں۔حلیۃ الاولیاء، حافظ ابو نعیم، ج ۴،ص ۱۳۴، ترجمہ قاضی شریح، مطبوعہ مصر۔

[5] ترجمہ فارسی شہسوار اسلام (LECHEVA LIER DE L'ISLAM)

اہلسنت کا اعتراف

اہلسنت کے اکابر علماء و محققین ادباء کی ایک کثیر تعداد ہے جو نہج البلاغہ کو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام تسلیم کرتی ہے اور بکثرت متقدمین و متاخرین علماء و ادباء اہلسنت ایسے ہیں جنہوں نے نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین علیہ السلام تسلیم کر کے شرحیں بھی لکھی ہیں، جن میں سے یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔

وہ شارحین نہج البلاغہ جو سنی المذہب ہیں

امام احمد بن محمد الوبری[1]۔ ابوالحسن علی بن ابوالقاسم البیہقی متوفی ۵۶۵ھ[2]۔ مشہور مفسر و متکلم امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ[3]۔ عبدالحمید ابن ابی الحدید مدائنی معتزلی متوفی ۶۵۶ھ۔ شیخ کمال الدین عبدالرحمن الشیبانی۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ۔ فاضل صنعانی۔ قاضی بغداد شیخ قوام الدین تلمیذ جلال دوانی۔ نور محمد بن قاضی عبدالعزیز محلی۔ ابن العتقا۔ علامہ شیخ محمد عبدہ المصری۔ استاد محمد حسن النائل المرصفی۔ الاستاد محمد محی الدین عبدالحمید ازھری۔ محی الدین الخیاط وغیرھم۔

بعض اجلّہ علمائے اہلسنت کی عبارات اعتراف

اس مقام پر بعض محققین اہلسنت کی ان عبارتوں کو تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو نہج البلاغہ کو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام مانتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) علامہ شیخ کمال الدین محمد بن طلحۃ القریشی الشافعی متوفی ۶۵۲ھ اپنی کتاب مطالب السئول میں لکھتے ہیں:

وَ رَابِعُهَا عِلْمُ الْبَلَاغَةِ وَ الْفَصَاحَةِ وَ كَانَ فِيْهَا اِمَامًا لَا يُشَقُّ غُبَارُهٗ وَ مُقَدَّمًا لَا تُلْحَقُ اٰثَارُهٗ وَمَنْ وَقَفَ عَلٰی كَلَامِهِ الْمَرْقُوْمِ الْمَوْسُوْمِ بِنَهْجِ الْبَلَاغَةِ صَارَ الْخَبَرُ عِنْدَهٗ عَنْ فَصَاحَتِهٖ عَيَانًا وَّ الظَّنُّ بِعُلُوِّ مَقَامِهٖ فِيْهِ اِيْقَانًا۔

علم بلاغت و فصاحت میں امیر المومنین علیہ السلام "امام" ہیں آپؑ کو اس میدان میں اتنی سبقت ہے کہ کوئی آپؑ کی گرد راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا، جو شخص حضرتؑ کے کلام کو نہج البلاغہ میں مطالعہ کرے اس کے نزدیک حضرتؑ کے فصاحت و بلاغت کی یہ خبر عینی شہادت ہو جائے گی اور حضرتؑ کے علوئے مقام کے متعلق یہ ظن ایقان کا درجہ حاصل کر لے گا۔[4]

---

[1] الغدیر، علامہ امینی، ج ۴، ص ۱۸۶۔

[2] معجم الادباء یاقوت الحموی متوفی ۶۲۲ھ جلد ۱۳ ص ۲۲۵ طبع مصر۔

[3] اخبار الحکماء ابن القفطی ص ۱۹۲، طبع مصر۔ عیون الانباء ابن ابی اصیبعہ جلد دوم، ص ۲۹، طبع مصر۔

[4] مطالب السئول، ص ۹۸، طبع لکھنو۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اَلنَّوْعُ الْخَامِسُ فِي الْخُطَبِ وَ الْمَوَاعِظِ مِمَّا نَقَلَتْهُ الرُّوَاةُ وَ رَوَتْهُ الثِّقَاتُ عَنْهُ علیہ السلام قَدِ اشْتَمَلَ كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الْمَنْسُوْبِ اِلَيْهِ عَلٰى اَنْوَاعٍ مِنْ خُطَبِهٖ وَ مَوَاعِظِهِ الصَّادِعَةِ بِاَوَامِرِهَا وَ نَوَاهِيْهَا الْمُطْلِعَةِ اَنْوَارَ الْفَصَاحَةِ وَ الْبَلَاغَةِ مُشْرِقَةٌ مِنْ اَلْفَاظِهَا وَ مَعَانِيْهَا الْجَامِعَةِ حِكَمُ عُيُوْنِ عِلْمِ الْمَعَانِيْ وَ الْبَيَانِ عَلٰى اخْتِلَافِ اَسَالِيْبِهَا۔

نوع خامس، خطب ومواعظ جس کو کہ روایان ثقات نے حضرتؑ سے روایت کیا ہے اور حضرتؑ کی کتاب نہج البلاغہ جو انواع خطب ومواعظ و اوامر ونواہی پر مشتمل ہے جن سے فصاحت وبلاغت کی روشنی نکلتی ہے اور معانی وبیان کے چشمے پھوٹتے ہیں۔[1]

(۲) علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

وَ اَيْضًا هُوَ اَفْصَحُهُمْ لِسَانًا عَلٰى مَا يَشْهَدُ بِهٖ كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ۔

حضرتؑ سب سے زیادہ فصیح اللسان ہیں جیسا کہ کتاب نہج البلاغہ گواہ ہے۔[2]

(۳) علامہ علاء الدین علی القوشجی الحنفی متوفی ۸۷۵ھ شرح تجرید میں لکھتے ہیں:

وَ اَفْصَحُهُمْ لِسَانًا عَلٰى مَا يَشْهَدُ بِهٖ كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ قَالَ الْبُلَغَاءُ :اِنَّ كَلَامَهٗ دُوْنَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ۔

حضرتؑ سب سے زیادہ فصیح اللسان ہیں جیسا کہ کتاب نہج البلاغہ اس پر شاہد ہے اور بلغاء کا یہ قول ہے کہ حضرتؑ کا کلام خالق کے کلام سے پست اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔[3]

(۴) علامہ احمد بن منصور کازرونی مفتاح الفتوح میں بضمن حالات امیر المومنین علیہ السلام لکھتے ہیں:

وَمَنْ تَاَمَّلَ فِيْ كَلَامِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ خُطَبِهٖ وَ رِسَالَاتِهٖ. عَلِمَ اَنَّ عِلْمَهٗ لَا يُوَازِيْ عِلْمَ اَحَدٍ وَ فَضَائِلُهٗ لَا تُشَاكِلُ فَضَائِلَ اَحَدٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ مِنْ جُمْلَتِهَا كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. وَ ايْمُ اللّٰهِ! لَقَدْ وَقَفَ دُوْنَهٗ فَصَاحَةُ الْفُصَحَآءِ وَ بَلَاغَةُ الْبُلَغَآءِ وَ حِكْمَةُ الْحُكَمَآءِ۔

---

[1] مطالب السؤل، ص ۱۹۸، طبع لکھنو۔
[2] شرح مقاصد، ج ۲، ص ۳۰۱، طبع استنبول۔
[3] شرح تجرید، علامہ قوشجی، ص ۴۸۶، طبع ایران۔

جو شخص بغور و تامل حضرتؑ کے کلام کو دیکھے اور آپؑ کے خطوط، خطب، رسائل پر نظر کرے تو سمجھے گا کہ بعد رسالتمآبؐ کسی کا علم حضرتؑ کے علم کے مقابل میں نہیں بلکہ آپؑ کا علم سب سے بہتر اور آپؑ کے فضائل کسی کے فضائل سے مشابہ نہیں بلکہ سب سے بالاتر ہیں اور منجملہ ان کے ہے کتاب نہج البلاغہ، بخدا تمام فصحاء کی فصاحت اور تمام بلغاء کی بلاغت اور تمام حکماء کی حکمت آپؑ کے مقابلہ میں پست تر ہے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔[1]

(۵) علامہ یعقوب ابو یوسف التبانی لاہوری متوفی ۱۰۹۸ھ شرح تہذیب الکلام میں لکھتے ہیں:

وَ اَفْصَحُ وَمَنْ اَرَادَ مُشَاهَدَةَ بَلَاغَتِهٖ وَ مُسَامَعَةَ فَصَاحَتِهٖ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّنْسَبَ هٰذَا الْكَلَامُ الْبَلِيْغُ اِلٰى رَجُلٍ شِيْعِيٍّ وَمَا ذُكِرَ فِيْهِ مِنْ بَعْضِ اَلْفَاظِ الْمُوْهِمِ بِخِلَافِ مَا عَلَيْهِ اَهْلُ السُّنَّةِ فَعَلٰى تَقْدِيْرِ ثُبُوْتِهٖ عَنْهُ لَهٗ مَحَامِلُ وَ تَاوِيْلَاتٌ وَ قَالَ الْبُلَغَاءُ اَنَّ كَلَامَهٗ دُوْنَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ۔

حضرتؑ سب سے زیادہ فصیح ہیں، پس جو شخص چاہے کہ حضرتؑ کی بلاغت کا مشاہدہ کرے اور حضرتؑ کی فصاحت کو سنے تو لازم ہے کہ وہ کتاب نہج البلاغہ کو دیکھے۔ کسی طرح بھی یہ سزاوار و مناسب نہیں ہے کہ ایسے کلام بلیغ کی نسبت ایک مرد شیعی کی طرف کی جائے۔ رہا یہ امر کہ نہج البلاغہ میں بعض الفاظ ایسے ہیں کہ جس سے مخالفت مذہب اہلسنت کا وہم اس سے پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے محامل و تاویلات ہیں، تمام بلیغوں کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرتؑ کا کلام تحت کلام خالق اور فوق کلام مخلوق ہے۔[2]

(۶) علامہ شیخ احمد بن مصطفی معروف بہ طاشکبری زادہ کتاب شقائق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ میں بضمن حالات قاضی بغداد قوام الدین یوسف لکھتے ہیں:

كَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى شَرِيْفًا عَالِمًا صَالِحًا مُتَشَرِّعًا زَاهِدًا ذَا هَيْبَةٍ وَ وَقَارٍ صَنَّفَ شَرْحًا جَامِعًا لِلْفَوَائِدِ لِلتَّجْرِيْدِ وَ شَرْحُ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِ الْهُمَامِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهٗ۔

خدا بخشے وہ شریف، عالم، صالح، متشرع، زاہد، باوقار و پُرہیبت تھے، انہوں نے تجرید کی شرح لکھی

---

[1] مفتاح الفتوح، علامہ احمد بن منصور کازرونی۔

[2] شرح تہذیب الکلام، علامہ یعقوب ابو یوسف التبانی لاہوری۔ اس کتاب کے قلمی نسخے مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ میں موجود ہیں ایک نسخہ سبحان اللہ گلگشن میں ہے جس کا نمبر ۲۹۷۱۴ / ۱۳ عربی ورق ۲۱۰ ب۔ دوسرا مخطوطہ حبیب گنج گلگشن میں ہے نمبر ۲۳ / ۲۷ عربی ورق ۱۲۶۰ الف۔

جو جامع فوائد ہے اور کتاب نہج البلاغہ کی شرح لکھی جو کلام امام ہمام علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہے۔[1]

(۷) علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ وفیات الاعیان میں بضمن حالات سید مرتضیٰ لکھتے ہیں:

وَ قَدِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْ کِتَابِ نَھْجِ الْبَلَاغَةِ الْمَجْمُوْعَةِ مِنْ کَلَامِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ، هَلْ هُوَ جَمَعَهٗ ، اَوْ اَخِیْهِ الرَّضِیُّ ؟ وَقَدْ قِیْلَ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ کَلَامِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ . وَ اِنَّمَا الَّذِیْ جَمَعَهٗ وَ نَسَبَهٗ اِلَیْهِ هُوَ الَّذِیْ وَضَعَهٗ . وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

نہج البلاغہ جو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کلام کا مجموعہ ہے اس کے جامع کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ سید مرتضیٰ ہیں یا ان کے بھائی سید رضی ہیں اور کہا گیا ہے کہ علی علیہ السلام کا کلام نہیں ہے بلکہ جو جامع ہے اسی کا کلام ہے۔[2]

اس عبارت سے لوگوں کا یہ اختلاف تو معلوم ہوا کہ اس کا جامع دونوں بھائیوں میں سے سید رضی یا سید مرتضیٰ ہیں لیکن خود علامہ ابن خلکان کی رائے بھی معلوم ہوگئی کہ نہج البلاغہ امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کا مجموعہ ہے، اور ساتھ ہی ساتھ لفظ "قیل" سے اس قول کی ضعف کو بھی بتلا دیا جو اس کو حضرت کا کلام نہیں مانتے ہیں۔

(۸) قریب قریب ایسی ہی عبارت علامہ یافعی الیمنی المکی المتوفی ۷۶۸ھ نے تاریخ "مراۃ الجنان" میں لکھی ہے۔[3]

(۹) شیخ الحدیث علامہ صدیق حسن خاں بھوپالی نے بھی ابجد العلوم میں سید مرتضیٰ کے ذکر میں یہی لکھا ہے:

وَقَدِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْ کِتَابِ نَھْجِ الْبَلَاغَةِ الْمَجْمُوْعِ مِنْ کَلَامِ الْاِمَامِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ ، هَلْ هُوَ جَمَعَهٗ ، اَمْ جَمَعَ اَخِیْهِ الرَّضِیُّ ؟

نہج البلاغہ جو مجموعہ کلام امام حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے اس کے جامع کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ سید مرتضیٰ ہیں یا ان کے بھائی سید رضی ہیں۔[4]

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ صدیق حسن خاں نہج البلاغہ کو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہونا تسلیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک صرف جامع کے متعلق اختلاف ہے نہ کہ کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونے میں۔ ابن خلکان، یافعی، صدیق حسن خان

---

[1] شقائق النعمانیہ برحاشیہ وفیات الاعیان، ج ۲، ص ۳۶۹، طبع مصر۔

[2] وفیات الاعیان، ج ۲، ص ۳۳۶، طبع مصر۔

[3] تاریخ مراۃ الجنان، ج ۳، ص ۵۵ طبع حیدر آباد۔

[4] ابجد العلوم، ص ۷۵۴۔

کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ خود یہ لوگ نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین علیہ السلام سمجھتے ہیں۔

(۱۰) علامہ مجد الدین ابو السعادات مبارک ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ اپنی مشہور کتاب "نہایہ فی غریب الحدیث والاثر" میں ۲۵۴ مقامات پر نہج البلاغہ کے خطب و مکاتیب کو الفاظ امیر المومنین علیہ السلام تسلیم کرتے ہوئے ان کے لغات کو حل کیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، نہج البلاغہ مع شرح محمد عبدہ مطبوعہ رحمانیہ مصر کے مندرجہ ذیل صفحات کے عبارات خطب و کتب اور نہایہ ابن اثیر کے مندرجہ ذیل لغات:

(صفحات جلد اول) ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۳۲، ۳۵، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۶، ۵۸، ۶۰، ۶۶، ۶۷، ۷۲، ۷۵، ۷۷، ۷۸، ۸۳، ۸۸، ۹۲، ۹۵، ۹۹، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۷۲، ۲۸۲، ۳۰۵، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۳۰، ۳۳۵، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۷۰، ۳۹۴، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۱۲، ۴۳۳، ۴۵۳، ۴۷۰، ۴۸۵، ۴۸۷، ۴۹۴۔

(جلد دوم) ۲، ۳، ۱۳، ۱۵، ۱۹، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۳۱، ۳۳، ۵۸، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۱، ۷۲، ۷۴، ۸۹، ۹۲، ۱۰۴، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۴۱، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۰۶۔

نہج البلاغہ کے وہ لغات جو مندرجہ بالا صفحات میں ہیں اور جن کو ابن اثیر نے نہایہ میں یہ بتلاتے ہوئے کہ یہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے کلام و خطب کے الفاظ ہیں حل کیا وہ یہ ہیں:

جوی، فهق، دسر، رقیم، لزب، لوط، بخر، جذ، جذذ، شنق، سفف، نفج، خضم، ربض، حلا، زبرج، فلق، نسم، عفط، عطف، شقشق، دمج، خطل، ولج، جوء جوء، ذمم، زعم، بلبل، وشم، سنخ، غبش، زرد، ذمر، هبل، غفر، فلج، یسر، میث، دیث، حمز، سنج، صبر، ذرف، فوق، نضل، کعم، ضمز، حمس، هضم، بجر، ذاب، بلط، ملم، مقل، دفق، ابر، اثر، لأم، قلق، شزر، نفح، ظبی، ثیج، وثب، نکص، صمد، عمد، حوص، نسر، وجر، ضرع، لدو،

لمص، ایم، ویل، وحی، ومغ، جیش، ضلع، نکل، قدم، قیس، وری، بعث، شهد، امر ،فوق، وذم، حیق، سعی، قنص، قصد، وهق، هطع، رغل، قسر، سدف، شلا، حنو، شذب، بضض، غضض، علز، جرض، نحب، ظلف، وجف، خلج، کمش، شغف، دهق، سدر، علن، کرث، فین، لعب، غفس، ال، عمه ، ازل، عرم، سجی، وقر، وکد، فلز، عدل، وشج، اید، صفح، نزع، دلح، وشج، اسل، ونأ، غلو، زیف، بذخ، عرن، شخب، مید ، کفف، کنهور، هصب، شاب ، برك، یعع، همد، زعر، عقبل، خلج، شظن، مرر، مشج، دیجر، عذم، سیح، ذیع، خضد، شفا، صرح، قبس، دری، سهد، بعث، لهم، یافخ، عکم، وباء، اجج، رسمم، نسم، خلد، قلع، بخع، حدبر، شقن، وذح، مرر، طور، سمر، جنن، کنف، لضف، مهیع، شول، قلب، قلع، عنج، نوت، ارر، ضقف، دمج، همج، کبس، علج، عبد، دوا، جعجع، عیم، عقل، یفن، عنن، مین، عقا، نتق، وشل، علج، هفا، نون، قمقم، کاد، عمد، دکك، دجی، قزم، وجف، کفف، مضمض، عور، وغم، قرب، شکل، خدج، مصر، نقب، ظلع، نطف، حلن، عدا، اخن، کلب، جنن، زلل، ضحی، فلل، دغل، نوط، جدث، وقر، بطن، غرث، غبا، ضلع، محك، بلل، عرر، شذی، تبر، افق، حمل، رب، ها، باس۔

(۱۱) جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے بھی اپنی کتاب "لسان العرب" میں مثل ابن اثیر جزری صاحب نہایہ نہج البلاغہ کے کلمات مندرجہ بالا کو حل کر کے اس کو کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونا تسلیم کیا ہے۔

(۱۲) علامہ محدث محمد طاہر فتنی گجراتی نے بھی اپنی کتاب "مجمع بحار الانوار" میں مندرجہ بالا مکتوبات وخطبات نہج البلاغہ کے الفاظ وفقرات کو نقل کر کے حل کیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے۔

(۱۳) علامہ ابو حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ معروف بہ ابن ابی الحدید مدائنی بغدادی متوفی ۶۵۶ھ جنہوں نے نہج البلاغہ کی مبسوط شرح لکھی ہے اور جس شرح کے متعلق استاد محمد کرد علی رئیس مجمع علمی دمشق یہ فرماتے ہیں:

اَمَّا شَرْحُ ابْنِ الْحَدِيْدِ فَلَا يَسَعُ طَالِبُ عِلْمٍ اِلَّا مَدَارَسَةٌ عَلٰى مَا يَرٰى اُسْتَاذِىَ الشَّيْخُ سَلِيْمُ الْبُخَارِىُّ فَاِنَّ فِيْهِ فُصُوْلًا مُمْتِعَةً فِىْ اَخْبَارِ الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَ مَا بَعْدَهٗ وَ فِى الْاَدَبِ وَ الشِّعْرِ وَالْخُطَبِ لَا يَسْتَغْنِىْ عَنْهَا بَاحِثٌ مُسْتَفِيْدٌ۔

ابن ابی الحدید کی شرح ایک ایسی کتاب ہے کہ میرے استاد شیخ سلیم بخاری کی رائے کے موافق طالب علم کے لیے اس کو درسی حیثیت سے پڑھنا ضروری ہے کیونکہ اس میں صدر اول اور اس

کے بعد کے تاریخی واقعات نیز ادب، شعر اور خطبوں کا ایک انتہائی مفید ذخیرہ موجود ہے جس سے کوئی تحقیق کرنے والا طالب علم مستغنی نہیں ہو سکتا۔[1]

شیخ کمال الدین عبدالرزاق بن احمد بن ابی المعالی الشیبانی الفوطی کتاب "مجمع الاداب فی معجم الالقاب" میں بضمن حالات ابن ابی الحدید ان کی شرح کے متعلق لکھتے ہیں۔

وَقَدِ احْتَوٰی هٰذَا الشَّرْحُ عَلٰی مَا لَا یَحْتَوِیْ کِتَابٌ مِنْ جِنْسِهٖ۔

یہ شرح ایسے تحقیقات پر مشتمل ہے کہ دوسری کوئی کتاب اس کے مماثل نہیں۔[2]

اسی شرح میں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

اَمَّا الْفَصَاحَةُ فَهُوَ اِمَامُ الْفُصَحَآءِ وَ سَیِّدُ الْبُلَغَآءِ وَ عَنْ کَلَامِهٖ قِیْلَ: دُوْنَ کَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ کَلَامِ الْمَخْلُوْقِیْنَ.و یَکْفِیْ هٰذَا الْکِتَابُ الَّذِیْ نَحْنُ شَارِحُوْهُ دَلَالَةً عَلٰی اَنَّهٗ لَا یُجَارِیْ فِی الْفَصَاحَةِ وَلَا یُبَارِیْ فِی الْبَلَاغَةِ۔[3]

حضرتؑ کی فصاحت کا یہ عالم ہے کہ آپؑ فصحاء کے امام اور بلغاء کے سردار ہیں۔ آپؑ ہی کے کلام کے متعلق یہ مقولہ ہے کہ وہ خالق کے کلام کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے۔ (اور ثبوت میں) کافی ہے یہی کتاب نہج البلاغہ جس کی ہم شرح لکھ رہے ہیں جو یہ دلالت کرتی ہے کہ حضرتؑ فصاحت میں وہ بلند درجہ رکھتے ہیں کہ کوئی آپ کے ساتھ چل نہیں سکتا اور بلاغت میں مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ ابن ابی الحدید نے اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ نہج البلاغہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے بلکہ بہت ہی زور و شور کے ساتھ منکرین کی رد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بلاشک وشبہ امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام معجز نظام ہے۔

(۱۴) الاستاذ الاکبر، مصلح کبیر شیخ محمد عبدہ مفتی دیار مصر یہ شارح نہج البلاغہ بھی بغیر کسی ریب وشک کے امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ موصوف کی اس فصیح و بلیغ عبارت سے ظاہر ہے جو موصوف کی شرح میں بطور مقدمہ ہے۔ علامہ موصوف کا یہ اعترافی مقدمہ اتنا مہتم بالشان و جلیل القدر ہے کہ اس کو علامہ سید احمد الہاشمی بک نے اپنی کتاب "جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب" میں بہ تمام وکمال زیر عنوان وصف نہج البلاغہ الامام المرحوم الشیخ محمد عبدہ المتوفی ۱۳۲۲ھ میں نقل فرمایا ہے۔[4]

---

[1] الھلال، ج ۳۵، جزء ۵، بابت مارچ ۱۹۲۷ء، ص ۵۷۲۔

[2] مجمع الاداب فی معجم الالقاب بضمن حالات ابن ابی الحدید، شیخ کمال الدین عبدالرزاق بن احمد بن ابی المعالی الشیبانی الفوطی۔

[3] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۴، مطبوعہ مکتبۃ المرعشی قم۔

[4] جواہر الادب، ص ۳۱۷، ۳۱۸، طبع چہاردہم، حصہ اول، طبع مصر۔

اسی مقدمہ میں مفتی محمد عبدہ نہج البلاغہ کی تعریف وتوصیف کے بعد لکھتے ہیں:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ الْجَلِيْلُ هُوَ جُمْلَةُ مَا اخْتَارَهُ السَّيِّدُ الشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ. رَحِمَهُ اللهُ. مِنْ كَلَامِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهٗ. جَمَعَ مُتَفَرَّقَهٗ وَسَمَّاهُ بِهٰذَا الْاِسْمِ »نَهْجُ الْبَلَاغَةِ« وَلَا اَعْلَمُ اِسْمًا اَلْيَقَ بِالدَّلَالَةِ عَلٰى مَعْنَاهُ مِنْهُ. وَلَيْسَ فِيْ وُسْعِيْ اَنْ اَصِفَ هٰذَا الْكِتَابَ بِاَزْيَدَ مِمَّا دَلَّ عَلَيْهِ اِسْمُهٗ. وَلَا اَنْ اٰتِيَ بِشَيْءٍ فِيْ بَيَانِ مَزِيَّتِهٖ فَوْقَ مَا اَتٰى بِهٖ صَاحِبُ الْاِخْتِيَارِ كَمَا سَتَرَهٗ فِيْ مُقَدَّمَةِ الْكِتَابِ وَلَوْ لَا اَنَّ غَرَائِزَ الْجِبِلَّةِ. وَقَوَاضِيَ الذِّمَّةِ تَفْرُضُ عَلَيْنَا عِرْفَانَ الْجَمِيْلِ لِصَاحِبِهٖ وَشُكْرَ الْمُحْسِنِ عَلٰى اِحْسَانِهٖ. لَمَّا احْتَجْنَا اِلَى التَّنْبِيْهِ عَلٰى مَا اَوْدَعَ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ. مِنْ فُنُوْنِ الْفَصَاحَةِ. وَمَا خُصَّ بِهٖ مِنْ وُجُوْهِ الْبَلَاغَةِ. خُصُوْصًا وَهُوَ لَمْ يَتْرُكْ غَرَضًا مِنْ اَغْرَاضِ الْكَلَامِ اِلَّا اَصَابَهٗ وَلَمْ يَدَعْ لِلْفِكْرِ مَمَرًّا اِلَّا الْاِجَابَةِ۔

وہ کتاب جس میں یہ سب اوصاف موجود ہیں یہی ہے جسے سید شریف رضی رحمہ اللہ نے منتخب کیا ہے کلام سیدنا ومولانا امیر المومنین کرم اللہ وجہہ سے اور اس کے متفرقات کو جمع کیا اور نہج البلاغہ کے نام سے اس کو موسوم کیا اور میں تو اس سے بہتر کوئی نام نہیں جانتا جو اپنے معانی پر دلالت کر سکے اور نہ مجھ میں اس کی قدرت ہے کہ اس سے زیادہ اس کی توصیف کر سکوں جو خود نام سے ظاہر ہے اور نہ اس کتاب کے فضل ومرتبت کو اس سے زیادہ بتا سکتا ہوں جسے خود جامع نے شروع کتاب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ اگر شکر منعم واجب نہ ہوتا اور محسن کا احسان ظاہر کرنا لازم نہ ہوتا تو اس کی ضرورت نہ تھی کہ ہم اس کتاب نہج البلاغہ کے محاسن وفوائد پر کچھ متنبہ کرتے کہ کس کس طرح اس نے فنونِ فصاحت کی تعلیم دی اور وجوہ بلاغت کی ہدایت کی۔ کلام کی کوئی غرض ایسی نہ رہی جو اس کتاب کی بدولت پوری نہ ہو اور نہ قوت فکر کے لیے کوئی راہ باقی رہی جس کی اس نے راہ نمائی نہ کی ہو۔

مفتی محمد عبدہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ فِيْ اَهْلِ هٰذِهِ اللُّغَةِ اِلَّا قَائِلٌ بِاَنَّ كَلَامَ الْاِمَامِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ هُوَ اَشْرَفُ الْكَلَامِ وَ اَبْلَغُهٗ بَعْدَ كَلَامِ اللهِ تَعَالٰى وَ كَلَامِ نَبِيِّهٖ وَ اَغْزَرُهٗ مَادَّةً وَ اَرْفَعُهٗ اُسْلُوْبًا وَ اَجْمَعُهٗ لِجَلَائِلِ الْمَعَانِيْ. فَاَجْدَرُ بِالطَّالِبِيْنَ لِنَفَائِسِ اللُّغَةِ وَ الطَّامِعِيْنَ فِي التَّدَرُّجِ لِمَرَاقِيْهَا اَنْ يَّجْعَلُوْا هٰذَا الْكِتَابَ

اَهَمَّ مَحْفُوْظِهِمْ وَ اَفْضَلَ مَاْثُوْرِهِمْ مَعَ تَفَهُّمِ مَعَانِيْهِ فِي الْاَغْرَاضِ الَّتِيْ جَاءَتْ لِاَجْلِهَا وَ تَاَمُّلِ اَلْفَاظِهٖ فِي الْمَعَانِي الَّتِيْ صِيْغَتْ لِلدَّلَالَةِ عَلَيْهَا. لِيُصِيْبُوْا بِذٰلِكَ اَفْضَلَ غَايَةٍ وَ يَنْتَهُوْا اِلٰى خَيْرِ نِهَايَةٍ۔

عرب اہل زبان میں ہر شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کا کلام، خدا اور رسولؐ کے کلام کے بعد شرف وبلاغت میں سب سے زیادہ معنی خیز اور انداز بیان میں بلندتر اور بزرگ ترین معانی کے لحاظ سے زیادہ جامع ہے، لہٰذا عربی علم ادب کے نفیس ذخیروں کے طلبگاران اور اس کے بلند مرتبوں میں سے تدریجی ترقی کے آرزومندوں کے لیے بہترین ذریعہ ہے کہ وہ اس کتاب نہج البلاغہ کو اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم اور بہترین درجہ عطا کریں۔ اس کے ساتھ اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش بھی کریں ان مقاصد کے لحاظ سے جن کے لیے وہ معانی لائے گئے ہیں اور الفاظ میں غور کریں ان معانی کے لحاظ سے جن کے ادا کرنے کے لیے وہ الفاظ ڈھالے گئے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے اس کا بہترین مقصد حاصل ہو۔[1]

(۱۵) استاذ شیخ محمد حسن نائل المرصفی مصری شارح نہج البلاغہ بھی نہج البلاغہ کو بے کم وکاست امیرالمومنین علیہ السلام کا کلام تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اپنی شرح کے مقدمہ میں "کلمۃ فی اللغۃ العربیۃ" کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وَلَقَدْ كَانَ الْمُجَلِّيْ فِيْ هٰذِهِ الْحَلْبَةِ عَلِيٌّ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ. وَمَا اَحْسَبُنِيْ اَحْتَاجُ فِيْ اِثْبَاتِ هٰذَا اِلٰى دَلِيْلٍ اَكْثَرَ مِنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. ذٰلِكَ الْكِتَابُ الَّذِيْ اَقَامَهُ اللهُ حُجَّةً وَاضِحَةً عَلٰى اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَدْ كَانَ اَحْسَنَ مِثَالٍ حَيٍّ لِنُوْرِ الْقُرْاٰنِ وَ حِكْمَتِهٖ وَ عِلْمِهٖ وَ هِدَايَتِهٖ وَ اِعْجَازِهٖ وَ فَصَاحَتِهٖ۔

میدان فصاحت وبلاغت میں سب سے آگے بڑھنے والے شہسوار حضرت علی صلوات اللہ علیہ ہیں۔ اس دعویٰ کے اثبات کے لیے نہج البلاغہ کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کتاب وہ ہے جسے اللہ نے اس امر کی واضح حجت قرار دیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام قرآن کے نور واعجاز، اس کی حکمت وبلاغت اور علم وہدایت کی زندہ مثال ہیں۔

اِجْتَمَعَ لِعَلِيٍّ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ مَا لَمْ يَجْتَمِعْ لِكِبَارِ الْحُكَمَاءِ وَ اَفْذَاذِ الْفَلَاسِفَةِ وَ نَوَابِغِ الرَّبَّانِيِّيْنَ. مِنْ اٰيَاتِ الْحِكْمَةِ السَّامِيَةِ وَ قَوَاعِدِ السِّيَاسَةِ الْمُسْتَقِيْمَةِ وَ مِنْ كُلِّ

[1] شرح نہج البلاغہ، شیخ محمد عبدہ، ص۶۔

مَوْعِظَةٍ بَاهِرَةٍ وَ حُجَّةٍ بَالِغَةٍ تَشْهَدُ لَهُ بِالْفَضْلِ، وَ حُسْنِ الْأَثَرِ۔

یہ کتاب جو حضرتؑ کی بہترین آثار ہونے کی حیثیت سے آپؑ کے فضل وشرف پر گواہ ہے، اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے آپؑ اعلیٰ علم وحکمت کے آیات، صحیح سیاست کے اصول وقواعد اور روشن مواعظ ومحکم دلائل کی حیثیت سے بڑے بڑے حکماء، سر برآوردہ فلاسفہ وباکمال علماء ربانی کے یہاں بھی نہ پاسکیں گے۔

خَاضَ عَلِيٌّ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ لُجَّةَ الْعِلْمِ وَ السِّيَاسَةِ وَ الدِّيْنِ. فَكَانَ فِيْ كُلِّ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ نَابِغَةً مُبَرِّزًا۔ وَ لَئِنْ سَأَلْتَ عَنْ مَكَانِ كِتَابِهٖ مِنَ الْأَدَبِ بَعْدَ أَنْ عَرَفْتَ مَكَانَهٗ مِنَ الْعِلْمِ. فَلَيْسَ فِيْ وُسْعِ الْكَاتِبِ الْمُسْتَرْسِلِ. وَ الْخَطِيْبِ الْمِصْقَعِ وَ الشَّاعِرِ الْمُفْلِقِ أَنْ يَبْلُغَ الْغَايَةَ مِنْ وَصْفِهٖ وَ النِّهَايَةَ مِنْ تَقْرِيْظِهٖ۔

اس کتاب میں علی بن ابی طالب علیہ السلام قلزم علم ودین ودریائے سیاست وتدبیر میں شناوری کرنے اور اس میں ڈوب کرتہ کی خبر لانے والے ہیں۔ علمی، سیاسی، دینی مسائل کا جاننے والا آپؑ سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ آپؑ کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ علمی حیثیت کو معلوم کرنے کے بعد اگر نہج البلاغہ کے ادبی مرتبے کو معلوم کرنا چاہو تو بس یہ کہنا کافی ہے کہ باکمال کاتب وادیب، قادر الکلام شاعر وخطیب کو یہ قدرت نہیں کہ اس کتاب کی ادبی خوبیوں اور محاسن کلام کو جیسا چاہیے بیان کر سکے۔

وَ حَسْبُنَا أَنْ نَقُوْلَ إِنَّهُ الْمُلْتَقَى الْفَذُّ الَّذِي الْتَقٰى فِيْهِ جَمَالُ الْحَضَارَةِ وَ جَزَالَةُ الْبَدَاوَةِ وَ الْمَنْزِلُ الْفَرْدُ الَّذِي اخْتَارَتْهُ الْحَقِيْقَةُ لِنَفْسِهَا مَنْزِلًا تَطْمَئِنُّ فِيْهِ. وَ تَأْوِيْ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ زَلَّتْ بِهَا الْمَنَازِلُ فِيْ كُلِّ لُغَةٍ۔

ہاں اتنا سمجھ لو کہ صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں حضارت وتمدن کی خوبیاں، لطافت اور بداوت وعصر جاہلیت کی شیوہ بیانی وفصاحت کا اجتماع ہے اور تنہا یہی کتاب ایک ایسی منزل ہے جس میں حقیقت نے اطمینان وسکون کے ساتھ قیام کیا ہے جبکہ دوسری زبانوں میں قیام ممکن نہ ہو سکا۔

عَلٰى هٰذَا الْأَصْلِ تَقُوْلُ أَنَّ نَهْجَ الْبَلَاغَةِ لَيْسَ كَغَيْرِهٖ مِنَ الْكُتُبِ الْعِلْمِيَّةِ أَوِ الْأَدَبِيَّةِ الَّتِيْ يَسْتَفِيْدُ النَّاسُ مِنَ الْقِرَائَةِ فِيْهَا بَلْ هُوَ كِتَابٌ تَتَجَلّٰى فِيْهِ رُوْحٌ شَرِيْفَةٌ يَكْسِبُ الْقَارِئُ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ مِنْهَا الْعَصَبِيَّةَ لِلْحَقِّ وَ الشِّدَّةَ فِي الدِّيْنِ وَ الْقَصْدَ

فِي الْحِكْمَةِ وَالسِّيَاسَةِ وَعِنْدَنَا اَنَّ الَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ اِلَى الْاِصْلَاحِ فِيْ هٰذَا الْبَلَدِ يَجِبُ عَلَيْهِمْ اَنْ يَتَّخِذُوْا هٰذَا الْكِتَابَ اِمَامًا فِيْ اِصْلَاحِهِمْ مِنْ جِهَاتِهِ اللُّغَوِيَّةِ وَالْعِلْمِيَّةِ وَالدِّيْنِيَّةِ۔ وَاَنَّ النَّاشِئِيْنَ لَوْ تَأَثَّرُوْا هٰذَا الْكِتَابَ فِي الْعِبَارَةِ وَصِدْقِ النَّظَرِ لَبَلَغُوْا مِنْ قُوَّتَيِ الْعَقْلِ وَاللِّسَانِ تِلْكَ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ نَتَمَنَّاهَا لَهُمْ وَنَوَدُّ اَنْ لَوْ يَصِلُوْنَ اِلَيْهَا فِيْ وَقْتٍ قَرِيْبٍ۔

اس بنیاد پر میں یہ کہتا ہوں کہ نہج البلاغہ ان علمی وادبی کتابوں کی طرح نہیں ہے جن سے لوگ مستفید ہوتے ہیں بلکہ وہ ایک ایسی مثالی کتاب ہے جس میں ایک پاکیزہ وباشرف روح جلوہ نما ہے۔ اس کتاب کا پڑھنے والا عصبیت حق، شدت دین اور حکمت وسیاست کو حاصل کرتا ہے۔ میرے نزدیک وہ لوگ جو اس ملک کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنے اصلاحی امور میں اس کتاب کو اپنا رہبر بنائیں عام اس کے کہ وہ اصلاح علمی، دینی یا لسانی ہو اور ہماری قوم کے ابھرنے والے نوجوان اگر نہج البلاغہ کے عبارات ومطالب سے متاثر ہوں تو وہ عقل وزبان کی اس قوت تک پہنچ سکتے ہیں جس کی ہم سب تمنا کرتے ہیں اور جس مرتبہ کمال تک رسائی کو مستقبل قریب میں ہم دوست رکھتے ہیں۔ [۱]

(۱۶) مرصفی کی شرح جو دار الکتب العربیہ مصر میں چھپی ہے اس کے شروع میں ایک مقدمہ ادیبہ استاذ محمد الزہری الغمر اوی کا بھی ہے اس مقدمہ میں زیر عنوان "طبقات الفصحاء" استاذ محمد الزہری الغمر اوی لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَنْقُلْ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ هٰذِهِ الطَّبَقَاتِ مَا نُقِلَ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ. فَقَدِ اشْتَمَلَتْ مَقَالَاتُهٗ عَلَى الْمَوَاعِظِ الزُّهْدِيَّةِ وَالْمَنَاهِجِ السِّيَاسِيَّةِ وَالزَّوَاجِرِ الدِّيْنِيَّةِ وَالْحِكَمِ النَّفْسِيَّةِ وَالْاٰدَابِ الْخُلُقِيَّةِ وَالدُّرَرِ التَّوْحِيْدِيَّةِ وَالْاِشَارَاتِ الْغَيْبِيَّةِ وَالرُّدُوْدِ عَلَى الْخُصُوْمِ وَالنَّصَائِحِ عَلٰى وَجْهِ الْعُمُوْمِ. وَقَدِ احْتَوٰى عَلٰى غُرَرِ كَلَامِهٖ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الَّذِيْ جَمَعَهٗ وَهَذَّبَهٗ اَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ الطَّاهِرِ الْمَشْهُوْرُ بِالشَّرِيْفِ الرَّضِيِّ. رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَثَابَهٗ رِضَاهُ۔

طبقہ اصحاب میں کسی ایک سے بھی اتنے آثار علمیہ کو نہیں نقل کیا گیا جس قدر کہ امیر المومنین

---

[۱] شرح نہج البلاغہ، الاستاذ الشیخ محمد حسن نائل المرصفی مقدمۃ الشارح، ص ۲۔۶ طبع مصر، دار الکتب العربیہ مصر۔

علی علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرتؑ کے مقالات، وعظ ونصیحت، آداب وحکمت، تہذیب نفس، سیاست مدن، مسائل توحید ومباحث الہیات، اشارات غیبی، مخالفین کے جوابات اور عمومی طور پر نصیحتوں کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ (اس لحاظ سے) کتاب نہج البلاغہ حضرتؑ کے بہترین کلام کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے جس کو شریف رضی ابوالحسن محمد بن طاہر نے جمع فرمایا ہے۔[1]

(۱۷) استاد محمد محی الدین عبدالحمید (پروفیسر لغت عربی جامعہ ازہر) نے نہج البلاغہ پر تحقیقی شرح و تعلیقی حواشی تحریر کیا ہے جو علامہ محمد عبدہ کی شرح کے ساتھ مطبع استقامۃ مصر سے شائع ہوئی ہے۔ اس ایڈیشن میں استاد موصوف نے ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں نہج البلاغہ کے استناد واعتبار پر سیر حاصل بحث کی ہے، اسی مقدمہ میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

وَ بَعْدُ! فَهٰذَا كِتَابُ -نَهْجِ الْبَلَاغَةِ- وَ هُوَ مَا اخْتَارَهُ الشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ اَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْمُوْسَوِيُّ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ. وَهُوَ الْكِتَابُ الَّذِيْ جَمَعَ بَيْنَ دَفَّتَيْهِ عُيُوْنَ الْبَلَاغَةِ وَ فُنُوْنَهَا وَ تَهَيَّئَتْ بِهٖ لِلنَّاظِرِ فِيْهِ اَسْبَابُ الْفَصَاحَةِ وَ دَنَا مِنْهُ قُطَافُهَا. اِذْ كَانَ مِنْ كَلَامِ اَفْصَحِ الْخَلْقِ بَعْدَ الرَّسُوْلِ مَنْطِقًا. وَ اَشَدِّهِمْ اقْتِدَارًا. وَ اَبْرَعِهِمْ حُجَّةً. وَ اَمْلَكِهِمْ لِلُّغَةِ. يُدِيْرُهَا كَيْفَ شَاءَ الْحَكِيْمُ الَّذِيْ تَصْدُرُ الْحِكْمَةُ عَنْ بَيَانِهٖ. وَ الْخَطِيْبُ الَّذِيْ يَمْلَأُ الْقَلْبَ سِحْرُ لِسَانِهٖ. اَلْعَالِمُ الَّذِيْ تَهَيَّاَ لَهٗ مِنْ خِلَاطِ الرَّسُوْلِ وَ كِتَابَةِ الْوَحْيِ. وَ الْكِفَاحِ عَنِ الدِّيْنِ بِسَيْفِهٖ وَ لِسَانِهٖ. مُنْذُ حَدَاثَتِهٖ مَا لَمْ يَتَهَيَّاْ لِاَحَدٍ سِوَاهُ۔

یہ کتاب نہج البلاغہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کلام کا وہ انتخاب ہے جسے شریف رضی ابوالحسن محمد بن حسن موسوی نے جمع کیا ہے، یہ وہ کتاب ہے جو اپنے اندر بلاغت کے نمایاں خصوصیات اور اس کے ہنروں کو لیے ہوئے ہے اور دیکھنے والے کے لیے اس میں تمام اسباب فصاحت کے فراہم ہیں اور ثمرہ اس کا سامنے موجود ہے اس لیے کہ یہ اس بزرگ کا کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام خلق خدا میں فصاحتِ گفتار اور قدرتِ کلام اور قوتِ استدلال میں سب سے زیادہ تھا اور لغات عرب پر سب سے زیادہ قابو رکھتا تھا کہ جس صورت سے چاہتا تھا انھیں گردش دیتا تھا۔ وہ حکیم کامل جس کے بیان سے حکمت کے سبق حاصل ہوتے ہیں اور وہ

---

[1] شرح المرصفی، المقدمۃ الادبیۃ، الغراوی، ص ہ، و۔

خطیب جس کی جادو بیانی دلوں کو بھر دیتی ہے، وہ عالم جس کو کمسنی ہی سے وہ خصوصیات حاصل ہوئے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں تھے، وہ بچپنے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا، کتابت وحی کی اور تیغ و زبان دونوں سے دین کی نصرت کی۔[1]

(۱۸) مشہور ادیب وخطیب علامہ شیخ مصطفیٰ غلائینی استاذ التفسیر واللغۃ والاداب العربیہ فی کلیۃ الاسلامیہ بیروت اپنی کتاب "اریج الزہر" میں زیر عنوان "نہج البلاغہ واسالیب الکلام العربی" ایک مبسوط مقالہ کے تحت میں تحریر کرتے ہیں:

مِنْ اَحْسَنِ مَا يَنْبَغِيْ مُطَالَعَةُ لِمَنْ يَتَطَلَّبُ الْاُسْلُوْبَ الْعَالِيَ كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. وَ هُوَ الْكِتَابُ الَّذِيْ اَنْشَئْتُ هٰذَا الْمَقَالَ لِاَجْلِهِ. فَاِنَّ فِيْهِ مِنْ بَلِيْغِ الْكَلَامِ وَ الْاَسَالِيْبِ الْمُدْهِشَةِ وَ الْمَعَانِي الرَّآئِقَةِ وَ مَنَاحِي الْمَوْضُوْعَاتِ الْجَلِيْلَةِ مَا يَجْعَلُ مُطَالِعَهُ اِذْ اَزَاوَلَهُ مُزَاوَلَةً صَحِيْحَةً. بَلِيْغًا فِيْ كِتَابَتِهِ وَ خِطَابَتِهِ وَ مَعَانِيْهِ.فَاِلَى اقْتِنَآءِ هٰذَا الْاَثَرِ الْعَظِيْمِ يَا طُلَّابَ الْاَسْلُوْبِ الْعَالِيْ وَ رُوَّادَ الْكَلَامِ الْبَلِيْغِ فَاِنَّ فِيْهِ مَا تَرْغَبُوْنَ۔

بہترین چیز جس کا مطالعہ لازم ہے اس شخص کو جو زبان عربی کے بلند معیار تحریر کو حاصل کرنا چاہتا ہے وہ حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی کتاب نہج البلاغہ ہے۔ یہ کتاب وہ ہے جس کے لیے خاص طور سے میں نے اس مضمون کی بنیاد ڈالی ہے کیونکہ اس کتاب میں بلیغ کلام اور حیرت انگیز طرز تحریر اور جاذب نظر معانی اور مختلف عظیم الشان موضوعات ومقاصد کے خصوصیات ایسے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کو اگر صحیح ذوق رکھتا ہے اور پورے طور سے اس کی مزاولت رکھے تو فصیح وبلیغ انشاء پرداز اور مقرر بنا سکتے ہیں، میں دعوت دیتا ہوں اس یادگار کتاب کی طرف ان لوگوں کو جو عربی کے بلند اسلوب تحریر کے اور کلام بلیغ کے مشتاق ہیں، وہ اس کتاب میں اپنے مقصد کو پورے طور سے موجود پائیں گے۔[2]

(۱۹) علامہ ابوالنصر پروفیسر بیروت یونیورسٹی نے اپنی کتاب "حیات علی بن ابی طالب" کی اکتیسویں فصل میں جو امیر المومنین علیہ السلام کے آثار ادبی کے متعلق ہے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ نہج البلاغہ بغیر کسی شک وشبہ کے امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے، جس کو شریف رضی نے جمع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "نہج البلاغہ" علی بن ابی طالب علیہ السلام کی

---

[1] نہج البلاغہ مع الشرح محمد محی الدین عبد الحمید، ص ا طبع استقامۃ مصر۔
[2] اریج الزہر، شیخ مصطفیٰ غلائینی، ص ۲۰ طبع بیروت۔

عظیم شخصیت کا مظہر ہے۔

(۲۰) عصر حاضر کا مشہور ادیب و مورخ الاستاذ الشیخ عبداللہ العلائلی البیروتی نے بھی اپنے مصنفات میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ نہج البلاغہ حضرت علی علیہ السلام کا مستند کلام ہے جس کو سید رضی نے جمع فرمایا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ علائلی نے اپنی ایک مستقل تالیف "تاریخ علی الفلسفی والادبی" میں نہایت ہی تحقیق و تدقیق کے ساتھ اس امر کو ثابت کیا ہے کہ نہج البلاغہ بتمام وکمال امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام ہے جیسا کہ "تاریخ الحسین نقد و تحلیل" کے آخر میں بضمن مصنفات علائلی اس کا ذکر ہے۔ افسوس کہ یہ کتاب ہم تک ابھی نہیں پہنچی۔

(۲۱) دکتور عمر فروخ اپنی کتاب "المنہاج فی الادب العربی وتاریخہ" میں یوں اعتراف کرتے ہیں:

فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَ اُمَرَاءُ الْجُيُوْشِ وَوُلَاةُ الْاَمْصَارِ وَالْقُضَاةُ مِنَ الْخُطَبَاءِ ضَرُوْرَةً غَيْرَ اَنَّ بَعْضَهُمْ كَانُوْا اَخْطَبَ مِنْ بَعْضٍ فَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ كَانَ خَطِيْبًا مَوْهُوْبًا فَوْقَ عُثْمَانِ بْنِ عَفَّانٍ وَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَلَا غَرْوَ فَكَلَامُ عَلِيٍّ يَأْتِيْ فِيْ مَرَاتِبِ الْبَلَاغَةِ بَعْدَ الْقُرْاٰنِ وَالْحَدِيْثِ۔ كَانَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ خَطِيْبًا وَ شَاعِرًا وَ حَكِيْمًا۔

قَالَ اَبُوْ زَيْدِ الْقَرَشِيُّ وَلَمْ يَبْقَ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَّا وَقَدْ قَالَ الشِّعْرَ۔
قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ۔
اَلَاطَرَقَ النَّاعِيْ بِلَيْلٍ فَرَاعَنِيْ وَ اَرَّقَنِيْ لَمَّا اسْتَحَلَّ مُنَادِيًا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفاء راشدین، لشکروں کے سردار، والیان شہر، اور قضات یہ سب کے سب خطباء میں سے تھے اگر چہ ان میں سے بعض خطیب تر ہیں بعض پر اور علی ابن ابی طالب علیہما السلام میدان خطابت میں عمر بن خطاب وعثمان بن عفوان ان سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں اس لیے کہ آپ فطری و وہبی خطیب ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علی علیہ السلام کا کلام قرآن و حدیث کے بعد مراتب بلاغت میں سب سے بلند ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہما السلام بہ یک وقت خطیب، شاعر اور حکیم ہیں۔

ابو زید قرشی کہتا ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ میں سبھی نے اشعار کہے، علی بن ابی طالب علیہما السلام کا یہ شعر ہے۔
اَلَاطَرَقَ النَّاعِيْ بِلَيْلٍ فَرَاعَنِيْ وَ اَرَّقَنِيْ لَمَّا اسْتَحَلَّ مُنَادِيًا۔ [۱]

وَلِلْاِمَامِ دِيْوَانٌ مُتَدَاوِلٌ فِيْهِ نَحْوُ اَلْفٍ وَّ اَرْبَعَمِائَةِ بِيْت اَكْثَرُهَا يَنْطِقُ دُوْنَ بَلَاغَة عَرَفَ بِهَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ وَجْهُ الصَّوَابِ اَنَّ عَلِيًّا كَانَ مُقْتَدِرًا عَلٰى قَوْلِ الشِّعْرِ

[۱] جمہرۃ اشعار العرب ۱۹، ۴۳ العمدہ ۱۵، ۲۱۔ العمدۃ فی صناعۃ الشعر ونقدہ، ابن رشیق القیروانی۔

وَلٰكِنَّ الَّذِىْ وَصَلَ اِلَيْنَا مِنَ الشِّعْرِ الْمَنْسُوْبِ اِلَيْهِ مَنْحُوْلٌ اَكْثَرُهٗ عَلٰى اَنَّ الَّذِىْ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَنَّ عَلِيًّا كَانَ خَطِيْبًا ۔۔۔وَ مِنْ مُشَاهِيْرِ الْخُطَبَاءِ تَدُلُّ عَلٰى ذَالِكَ خُطَبُهُ الْمُتَفَرِّقَةُ فِىْ كُتُبِ الْاَدَبِ وَ خُطَبُهٗ مَجْمُوْعَةٌ فِىْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ خَطَبَ عَلِيُّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ فَصَارَ عَلَى الْاَكْثَرِ مُوْجَزَةً. قَصِيْرَةَ الْجُمَلِ . مُبَيِّنَةَ التَّرْكِيْبِ . جَامِعَةً لِاَوْجُهِ الْبَلَاغَةِ وَاضِحَةَ الْمَقَاصِدِ . تَكْثُرُ فِيْهَا الْكَلِمُ الْجَوَامِعُ وَ مُعْظَمُ خُطَبِهٖ فِى السِّيَاسَةِ وَ فِىْ ذَمِّ الْعَامَّةِ مِنْ اتِّبَاعِهٖ وَ اَقَلُّهَا فِى الزُّهْدِ۔

امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ایک دیوان متداول ہے جس میں ایک ہزار چار سوابیات ہیں لیکن ان میں سے اکثر اشعار علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مشہور و معروف بلاغت سے خالی ہیں اور صحیح و درست بات تو یہ ہے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو شاعری پر اقتدار تام حاصل تھا لیکن ہم تک جو اشعار آپؑ کی طرف منسوب ہو کر پہنچے ہیں ان میں سے اکثر منحول ہیں اور آپؑ کی طرف غلط منسوب ہیں لیکن باوجود اس کے اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ آپؑ کو خطابت پر پوری قدرت حاصل تھی اور آپؑ قادر الکلام باکمال خطیب ہیں اور مشاہیر خطباء میں آپؑ کا شمار ہے اس امر پر آپؑ کے متفرق خطبے جو کتب ادب میں پراگندہ موجود ہیں اور آپؑ کے وہ سب خطبے جو کتاب نہج البلاغہ میں مجموعی حیثیت سے ہیں ہمارے دعوے پر دلیل ہیں۔ آپؑ کے اکثر خطبے قصیر، موجز ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے جملے ہیں جو بہ اعتبار اپنی ترکیب کے مضبوط و متین ہیں، جو وجوہ بلاغت کے جامع ہیں اور اپنے بیان و مقاصد کو واضح اور روشن کرنے والے ہیں، جن میں جوامع حکم (پر از حکمت جملے) بکثرت پائے جاتے ہیں۔ زیادہ یہ خطبے سیاسی اور ایسے عوام کی مذمت پر مشتمل ہیں جو آپؑ کی پیروی سے کوتاہی کرتے تھے اور کچھ زہد کے مضامین پر مشتمل ہیں۔[1]

(۲۲) موجودہ مصر کے مشہور اساتذہ و ادباء علی جندی، عمید کلیہ دار العلوم (ڈین فیکلٹی آف سائنس)، محمد صالح سمک، استاد معاہد العلیا (پروفیسر ڈگری کالج)، محمد ابوالفضل ابراہیم، رئیس قسم العربی دار الکتب (صدر شعبۂ ادبیات عرب، نیشنل لائبریری) نے مل کر ایک گرانقدر تحقیقی کتاب کو تالیف کیا ہے، جس کا نام ہے "اطوار الثقافۃ والفکر فی ظلال العروبۃ والاسلام" اس کتاب میں یہ مصنفین امیر المومنین علیہ السلام کی پُرعظمت شخصیت، کمال علم و شجاعت اور آفاقی سیرت و کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ صَفْوَةُ الْقَوْلِ اَنَّهٗ كَانَ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ اُمَّةً وَحْدَهٗ وَ يَمْتَدُّ بِنَا نَفْسُ الْقَوْلِ اِذَا

---

[1] (المنہاج فی الادب العربی و تاریخہ، ج ا، ص ۱۴، ۱۵، ۱۶، طبع بیروت ۱۹۵۹ء طبع اول)

تَنَاوَلْنَاهُ مِنْ جَمِيْعِ نَوَاحِيْهِ لِذَالِكَ نَقْتَصِرُ عَلَى الْجَوَانِبِ اللَّتِىْ تَتَّصِلُ بِالْهِبَاتِ الْعَقْلِيَّةِ وَاللِّسَانِيَّةِ ۔ اَوَّلُ مَا يَلْفِتُ النَّظَرُ كَثْرَةَ مَاوَرَدَ اِلَيْنَا مِنْ خُطَبِهِ وَ رَسَائِلِهِ وَ مَا يَتَّصِلُ بِهَا مِنَ الْمَوَاعِظِ وَالْاَدْعِيَةِ وَالْاَجْوِبَةِ وَ غَيْرِهَا وَ لَا شَكَّ اَنَّ ذَالِكَ يَرْجِعُ اِلَى حِرْصِ اَتْبَاعِهِ عَلَى اٰثَارِهِ وَ عِنَايَتِهِمْ بِحِفْظِهَا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق برگزیدہ قول و پاکیزہ بات یہ ہے کہ خود آپؑ کی تنہا ذات ستودہ صفات بجائے ایک فرد کے ایک امت ہے اور اس قول کو واضح کرنے میں بڑا پھیلاؤ ہو جائے اگر ہم آپؑ کی پر عظمت شخصیت پر جمیع جہات سے بحث کریں، اس لیے اس محل پر ہم صرف ایک ہی گوشہ و پہلو کو سامنے رکھتے ہیں اور وہ آپ کی عقلی ولسانی بخششیں ہیں جس کو آپؑ نے دنیا کو عطا فرمایا ہے۔ پہلی ہی نگاہ میں آپؑ کے خطبے، رسائل، مواعظ، ادعیہ، جوابات سامنے آتے ہیں جو بکثرت آپؑ سے وارد ہوئے ہیں اور اس میں شک نہیں اس قسم کے آپؑ کے بکثرت آثار کا پایا جانا یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ آپؑ کے متبعین ان آثار کو محفوظ کرنے کے لئے زیادہ حریص ومتوجہ رہے۔

وَ يُصَرِّحُ الْمَسْعُوْدِىُّ بِاَنَّ الَّذِىْ حَفِظَهُ النَّاسُ عَنْهُ مِنْ خُطَبِهِ۔ فِىْ سَائِرِ مَقَامَاتِهِ اَرْبَعِمَائَةِ خُطْبَةٍ وَ نَيِّفٌ وَ ثَمَانُوْنَ خُطْبَةً اَوْرَدَهَا عَلَى الْبَدِيْهَةِ وَ تَدَاوَلَ النَّاسُ عَنْهُ قَوْلًا وَ عَمَلًا وَ قَدْ جَمَعَ الشَّرِيْفُ جُمْلَةً وَافِرَةً مِنْهَا فِىْ كِتَابِهِ الْمَوْسُوْمِ بِنَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ مَعَ هٰذِهِ الْكَثْرَةِ اللَّتِىْ تَمْلَاءُ الْعَيْنُ وَ الصَّدْرُ فَقَدْ هَدَاهَا بِالْمُخْتَارِ مِنْ مَحَاسِنِ الْخُطَبِ ثُمَّ مَحَاسِنِ الْكُتُبِ ۔ ثُمَّ مَحَاسِنِ الْحِكَمِ وَلْاٰدَابِ مُفْرِدًا فَكُلُّ صِنْفٍ مِنْ ذَالِكَ بَابًا وَقَدِ انْتَهَى الشَّرِيْفُ الرَّضِىُّ مِنْ جَمْعِ مَا ضَمَّنَهُ هٰذَا الْكِتَابُ فِىْ رَجَبَ سَنَةَ ۴۰۰ھ وَ قَدْ تَرَكَ فِىْ اٰخِرِ كُلِّ بَابٍ اَوْرَاقًا بَيْضَاءَ لِتَكُوْنَ وَسِيْلَةً لِاِسْتِدْرَاكِ مَا عَسَاهُ يَشُذُّ عَنْهُ عَاجِلًا وَ يَقَعُ اِلَيْهِ اٰجِلًا ۔

مورخ مسعودی نے صراحت کے ساتھ بتلایا ہے کہ آپؑ کے مختلف مقامات کے خطبوں کو جنہیں آپؑ نے فی البدیہہ ارشاد کیا تھا ان میں سے چار سو اسی سے زیادہ خطبے ایسے ہیں جن کو لوگوں نے زبانی یاد کرلیا تھا اور یہ خطبے لوگوں میں عام طور سے متداول تھے اور شریف رضیؒ نے ان خطبات کے متعدد بہ حصے کو اپنی کتاب نہج البلاغہ میں جمع کر دیا ہے۔ اتنے کثیر خطبے جن سے نگاہیں سیر اور سینے پر ہو جائیں۔ شریف رضیؒ نے اپنی کتاب میں محاسن خطب، محاسن کتب، محاسن حکم وآداب کا انتخاب کیا اور ہر ایک کو ایک مستقل باب میں جگہ دی، ماہ رجب ۴۰۰ھ میں سید رضیؒ نے نہج البلاغہ کو ختم کیا اور ہر باب کے

آخر میں انہوں نے سادہ اوراق چھوڑ دیے تا کہ جو کلام جلدی میں رہ گیا ہے وہ بعد میں اپنی جگہ پر ضبط و مدون ہو سکے۔

وَكَلِمَةُ الْمُخْتَارِ تُفِيدُ اَنَّ اٰثَارَ الْاِمَامِ اَكْثَرُ مِنْ ذَالِكَ وَاَنَّ الرَّضِيَّ قَدْ حَصَلَهَا كُلَّهَا اَوْ جُلَّهَا حَتّٰى تُسَنّٰى لَهُ اَنْ يَتَخَيَّرَ مِنْهَا فَيَاْخُذَ بَعْضَهَا وَ يَتْرُكَ الْاٰخَرَ وَ اِذَا صَحَّ ذَالِكَ فَلِمَ رَضِيَ الرَّضِيُّ اَنْ يَغْفُلَ جُزْاً مِنْهَا۔

اور یہ لفظ مختار (بمعنی انتخاب) جو سید رضی نے ہر باب کے شروع میں استعمال کیا ہے یہ بتلاتا ہے کہ امام کا کلام جو نہج البلاغہ میں ہے اس سے بھی زیادہ تھا جو سید رضیؒ کے پیش نگاہ تھا اور جس سے انتخاب کرنے کا سید رضیؒ کو موقع ملا، کچھ کو لیا اور کچھ کو چھوڑا۔ اگر یہ درست ہے تو بقیہ کلام سے غفلت برتنے پر وہ کیوں راضی ہوئے؟ (دراصل سید رضیؒ کلام علی علیہ السلام کو پرکھنے اور سمجھنے والے تھے جو ان کی کسوٹی میں پورا اترا اسے لے لیا اور جو معیار کے مطابق نہ تھا اس کو چھوڑ دیا۔ یہ انداز تالیف خود مندرجات نہج البلاغہ کے مستند کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونے کا ثبوت ہے۔)

وَ كَلَامُ عَلِيٍّ مُتَوَازٍ فِيْ رَوْعَتِهٖ وَ جَلَالِهٖ . مُتَشَاكِلٌ فِيْ جَمَالِهٖ وَ كَمَالِهٖ وَ مَا مَحَاسِنُ شَيْئًا كُلُّهٗ حَسَنٌ۔ اَنَّ عَلِيًّا تُرَبّٰى فِيْ حِجْرِ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ اَسْلَمَ عَلٰى يَدَيْهِ صَبِيًّا فَتَلَقّٰى عَنْهُ مِيْرَاثَ الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ حَتّٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَارَاَيْتُ اَعْلَمَ مِنْ عَلِيٍّ وَ قَدْ نَهَلَ وَ عَلَّ مِنْ يَنْبُوْعِ فَصَاحَتِهٖ وَ بَلَاغَتِهٖ فَجَرَجَ نَسِيْجُ وَحْدِهٖ فِيْ قُوَّةِ الْمَنْطِقِ وَ طَلَاقَةِ اللِّسَانِ وَ سِحْرِ الْبَيَانِ فَعُدَّ اَفْصَحَ النَّاسِ وَ اَبْلَغُهُمْ بَعْدَ الرَّسُوْلِ الْكَرِيْمِ۔ وَ كَانَ عَلِيٌّ قَوْلُهٗ مَسْحَةُ الْعِلْمِ الْاِلٰهِيْ وَ عَبَقَةٌ مِنَ الْكَلَامِ النَّبَوِيِّ۔

علی علیہ السلام کا کلام حسن و جمال میں یکساں ہے اور جمال و کمال میں سب کا سب ایک دوسرے سے متشابہ و متشاکل ہے۔ حسن و خوبصورتی میں فرق نہیں رکھتا بلکہ پورا کلام حسین و خوبصورت ہے۔ (بات یہ ہے کہ) علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پرورش پائی اور بچپنے ہی میں اعلان اسلام کیا اس لیے پیغمبرؐ سے آپؑ نے علم و حکمت کی میراث کو پایا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو علی علیہ السلام سے زیادہ علم نہیں پایا۔ آپؑ پیغمبرؐ کی فصاحت و بلاغت کے چشمے سے خوب چھک کر سیراب ہوئے۔ اسی لیے قوت منطق، طلاقت لسان، سحر بیان میں آپؑ آنحضرتؐ کے برابر ہو گئے اور آنحضرتؐ کے بعد آپؑ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ سمجھے و مانے گئے اور آپؑ کے کلام کے متعلق یہ قول صحیح اور درست ہے کہ علی علیہ السلام کا کلام علمِ الٰہی کا نمونہ ہے اور پیغمبرؐ کے کلام کی اس میں خوشبو ہے۔

وَهُوَ اِلٰى ذٰالِكَ كَمَا يَقُوْلُ قُدَامَةُ مِمَّنْ بَرَعَ فِي الْمَعْنَيَيْنِ مِنَ الْاِيْجَازِ وَالْاِطَالَةِ فَسَلِمَ فِي الْاِيْجَازِ مِنَ التَّقْصِيْرِ وَفِي الْاِطَالَةِ مِنَ الْاِسْهَابِ وَالتَّكْثِيْرِ وَ تَقَدَّمَ النَّاسَ جَمِيْعًا فِيْ ذٰالِكَ كَتَقَدُّمِهٖ فِيْ سَائِرِ فَضَائِلِهٖ وَ لَهٗ مِنَ الْخُطَبِ الطِّوَالِ الْمَشْهُوْرَةِ الزَّهْرَاءِ . وَ الْغَرَّاءِ . وَالْبَيْضَاءِ وَ غَيْرِهِنَّ مِمَّا قَدْ حَمَلَ عَنْهُ وَ نَقَلَ اِلَيْنَا مَعَ اَنَّ قُدَامَةَ كَانَ ظَاهِرَالتَّشَيُّعِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يُجَاوِزِ الْحَقَّ فِيْ قَوْلِهٖ وَ يَكْفِي الدَّلَالَةُ عَلٰى مَيْزَةٍ عَلَى الْبَيَانِيَّةِ اَنَّ عَبْدَالْحَمِيْدِ الْكَاتِبِ سُئِلَ مَاالَّذِيْ اَخْرَجَكَ فِي الْبَلَاغَةِ ؟ فَقَالَ حِفْظُ كَلَامِ الْاَصْلَعِ يَعْنِيْ عَلِيًّا كَانَ رضی اللہ عنہ اَصْلَعَ۔

آپؑ کا کلام اس منزل پر ہے جس کے متعلق قدامہ کا سانا قد ادب کہتا ہے کہ آپؑ کا کلام ایجاز واطناب دونوں اعتبار سے سب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ آپؑ کا کلام موجز، تقصیر اور کمی کے عیب سے پاک ہے اور آپؑ کا طولانی کلام فضولیات اور بے جا تکثیر سے مبرا ہے اور اس امر خاص میں بھی آپؑ کو تمام لوگوں پر تقدم حاصل ہے جس طرح آپؑ کو تمام فضائل میں لوگوں پر فوقیت ہے۔ آپؑ کے طولانی خطبے مشہور ہیں جیسے خطبہ زہراء، خطبہ غرا، خطبہ بیضاء وغیر ذالک جن کو لوگوں نے آپؑ سے سن کر ہم تک پہنچایا۔ باوجودیکہ قدامہ کی شیعیت ظاہر ہے لیکن اُس نے اپنے اس قول میں حق وصداقت سے تجاوز نہیں کیا اور یہ قول علیؑ کے اسلوب بیان پر اچھی طرح دلالت کرتا ہے۔ عبدالحمید کاتب اموی سے پوچھا گیا کہ تم اپنی انشا میں بلاغت پر کیونکر قابو پا گئے تو اس نے جواب دیا۔ کہ علی علیہ السلام کے کلام کو حفظ کرنے کی وجہ سے مجھے یہ قدرت حاصل ہوئی۔[1]

(۲۳) علامہ سید محمود شکری آلوسی حنفی بغدادی، اپنی کتاب "بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب" میں ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:

وَ اَمَّا خُطَبُ اَهْلِ الصَّدْرِ الْاَوَّلِ مِنَ الْاِسْلَامِ فَهِيَ الْغَايَةُ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْمُنْتَهٰى فِي الْبَرَاعَةِ وَالْبَلَاغَةِ وَفِيْ كُتُبِ الْاَدَبِ الدَّائِرَةِ فِي الْاَيْدِيْ شَيْءٌ كَثِيْرٌ مِنْ خُطَبِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَ غَيْرِهِمْ مِمَّا تَتَحَيَّرُ مِنْهُ اُوْلُوالْاَلْبَابِ وَ تَقْضِيْ مِنْهُ الْعَجَبُ الْعِجَابِ قَدِ اشْتَمَلَتْ عَلَى الْحِكَمِ وَالْاَسْرَارِ وَمَا يَسْتَوْجِبُ خَيْرَيِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ دَارُ الْقَرَارِ وَمَا يُقَرِّبُ اِلٰى مَرْضَاةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ يُبَاعِدُ عَنْ دَارِ الْبَوَارِ هٰذَا كِتَابُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ قَدِاسْتَوْدَعَ مِنْ خُطَبِ الْاِمَامِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مَا هُوَ

---

[1] "اطوار الثقافۃ والفکر فی ظلال العروبۃ والاسلام، ج ۲ ص ۵۳، ۵۴، ۵۵، مطبوعہ مصر طبع اول ۱۹۶۰ء۔

قَبَسٌ مِنْ نُوْرِ الْاِلٰهِيْ وَ شَمْسٌ تُضِيْئُ بِفَصَاحَةِ الْمَنْطِقِ النَّبَوِيِّ۔

لیکن صدر اول اسلام کے لوگوں کے خطبے تو یہ فصاحت و بلاغت کے انتہائی درجہ پر ہیں اور ادب کی وہ کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں خلفائے راشدین وغیرہم کے بہت سے ایسے خطبے موجود ہیں جس سے صاحبانِ عقل حیرانی میں مبتلا ہیں۔ یہ خطبے ایسے حکم و اسرار پر مشتمل ہیں جو دنیا و آخرت کی نیکی کا سبب ہیں اور اللہ کی رضا سے قریب کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے دور رکھتے ہیں۔ یہ کتاب نہج البلاغہ ہے جو حضرت علی سلام اللہ علیہ کے خطبوں پر مشتمل ہے، یہ کیا ہے؟ نور کلام الٰہی سے دہکتا ہوا ایک روشن انگارہ ہے اور یہ خورشید جہانتاب ہے جو فصاحت گفتار نبوی کی ضوء سے منوّر و روشن ہے۔[1]

(۲۴) اس سلسلہ میں عصر حاضر کے مشہور مفکر و مورخ و ادیب اریب امیر شکیب ارسلان کا اعتراف خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو کتاب "اطوار الثقافۃ والفکر فی ظلال العروبۃ والاسلام" میں محفوظ و مذکور ہے۔

وَلِلْاَمِيْرِ شَكِيْبِ اَرْسَلَانِ رَاْئٌ فِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ نَقَلَهٗ عَنْهُ السَّيِّدُ مُحْسِنُ الْاَمِيْنُ نُوْرِدُهٗ فِيْمَا يَلِيْ: قَالَ يُخَاطِبُ جَمَاعَةٌ مِنْ اَعْضَاءِ الْمَجْمَعِ لِعِلْمِيْ بِدِمَشْقِ مِمَّنْ يُنْكِرُوْنَ اَنْ يَكُوْنَ النَّهْجُ مِنْ كَلَامِ الْاِمَامِ۔

"قَدْ تَدَّعُوْنَ اَنَّ الشَّرِيْفَ الرَّضِيَّ وَهُوَ جَامِعُ هٰذَا الْكِتَابِ هُوَ وَاضِعُهٗ؟"۔

فَقَالُوْا. اَجَلْ!

قَالَ. اِذَنْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَنْزَعُوْا صِفَةَ اَبْلَغَ الْخَلْقِ وَ اَفْصَحَهُمْ بَعْدَ الرَّسُوْلِ عَنِ الْاِمَامِ. ثُمَّ تَثْبُتُوْا اَنَّهَا لِلشَّرِيْفِ الْمُوْسَوِيِّ اَمَّا اَنَا فَاَقُوْلُ اَنَّ الشَّرِيْفَ هٰذَا لَوْضُوْعِفَ فِي الْخَلْقِ اَرْبَعِيْنَ شَرِيْفًا لَمَا اسْتَطَاعَ اَنْ يَاْتِيَ بِسُوْرَةٍ مِنْ سُوَرِ هٰذَا النَّهْجِ. اَلَا وَاِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ الْحَقَّ وَالتَّارِيْخَ بِهٰذِهِ الْاٰرَاءِ الْمَزْعُوْمَةِ اللَّتِيْ لَا يُبَرِّرُهَا عِلْمٌ وَلَا يُصَوِّبُهَا مَنْطِقٌ اَنَّ كِتَابَ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لَخَلِيْقٌ اَنْ يَكُوْنَ مِنْ كَلَامِ اِمَامِ الْكَلَامِ اَفْصَحِ النَّاسِ وَ اَخْلَقِهِمْ بِالْبَلَاغَةِ الْمُعْجِزَةِ بَعْدَ الرَّسُوْلِ۔

امیر شکیب ارسلان کی رائے نہج البلاغہ کے متعلق جس کو محسن امین نے امیر موصوف سے نقل کیا ہے اس جگہ تحریر کرتا ہوں۔

مجمع علمی دمشق کے ایسے ممبران کو جو نہج البلاغہ کے مندرجات کو کلام امام نہیں سمجھتے تھے خطاب کرتے ہوئے امیر شکیب ارسلان نے کہا،

---

[1] (بلوغ الارب، ج ۳، صفحات ۱۷۹ اور ۱۸۰ طبع رحمانیہ مصر ۱۹۲۵ء)

تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ جامع نہج البلاغہ سید رضیؒ کلام نہج کے واضع ہیں؟

لوگوں نے کہا، ہاں!

امیر نے کہا: تو گویا تم لوگ یہ صفت کہ بعد رسولؐ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بلیغ و فصیح امامؑ ہیں اس کی نفی ان سے کرتے ہو اور اس کے بعد اپنے انکار سے یہ ثابت کرتے ہو کہ تمام خلق میں سب سے زیادہ بلیغ و فصیح سید رضی موسوی ہیں۔ لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ سید رضیؒ ایسے چالیس سید (جو مثل ان کے یگانۂ روزگار ادیب و شاعر و علامہ ہوں) ان کی خلقت میں شامل کر دیے جائیں تب بھی انہیں یہ قدرت نہ ہوگی کہ نہج البلاغہ کی سوروں میں سے ایک سورے کا بھی جواب لا سکیں۔ بے شک آپ سب لوگ اپنی اس غلط رائے کی بنا پر جس کی تائید علم و منطق نہیں کرتی، صداقت و حق اور تاریخ پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔ در اصل کتاب نہج البلاغہ اس کی مستحق و سزاوار ہے کہ امام الکلام حضرت علی علیہ السلام کا کلام ہو جو بعد رسولؐ افصح ناس ہیں اور معجزہ بلاغت کے ساتھ خلق کیے گئے۔ [1]

کتاب نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین علیہ السلام سمجھ کر علمائے اہلسنت اس سے تمسک کرتے ہیں اور اپنے اسناد سے اس کو روایت کرتے ہیں

ان کے علاوہ اور بھی اجلہ علمائے اہلسنت ہیں جو نہج البلاغہ کو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام سمجھ کر اس سے تمسک کرتے ہیں اور سند میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ علامہ نور الدین علی بن عبداللہ بن احمد السمہودی صاحب "وفاء الوفاء" نے اپنی کتاب "جواہر العقدین" میں ایسا کیا ہے، چنانچہ اس بحث میں کہ اہلبیت رسولؐ امان ہیں امت کے لیے تحریر فرماتے ہیں:

فَأُقِيمَ وُجُودُهُمْ فِيْ كَوْنِهِمْ اَمَانًا لِلْاُمَّةِ مَقَامَهُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاِلٰى هٰذَا يُشِيْرُ مَا فِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ فِيْ اَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ. كَانَ يَاْمُرُ فِيْ مَوَاطِنِ الْحَرْبِ تَكُفُّ الْحَسَنَيْنِ عَنِ الْقِتَالِ. فَقَالَ اَحَدُهُمَا: اَتَبْخَلُ بِنَا عَنِ الشَّهَادَةِ. اَوْ تَرَانَا دُوْنَ مَا تَطْمَحُ اِلَيْهِ نُفُوْسُنَا۔ فَقَالَ: مَا اَرٰى حَيْثُ ظَنَنْتَ وَلٰكِنْ اَشْفَقْتُ اَنْ يَطْفِئَ نُوْرُ النُّبُوَّةِ مِنَ الْاَرْضِ اَىْ بِانْقِطَاعِ الذُّرِّيَّةِ الطَّاهِرَةِ۔

پس ان حضرات کا وجود امت کے درمیان باعث امان ہونے کی وجہ سے پیغمبرؐ کے وجود مبارک کی جگہ پر ہے اور اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ امر کہ جو نہج البلاغہ میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ جنگ کے موقع پر حسنینؑ کو قتال سے باز رکھتے تھے اس پر ان میں سے ایک فرزند نے کہا کہ کیا آپؑ ہم کو

---

[1] اطوار الثقافۃ والفکر فی ظلال العروبۃ والاسلام، ج ۲، ص ۶۶، ۶۵، طبع اول مصر۔

شہادت حاصل کرنے میں ہمارے ساتھ بخل فرماتے ہیں یا جو ہماری آرزو ہے اس کے علاوہ آپؑ کچھ اور چاہتے ہیں؟ آپؑ نے جواب میں فرمایا جیسا تم نے خیال کیا ایسا نہیں ہے بلکہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ذریت طاہرہ کے منقطع ہو جانے سے زمین پر سے نور نبوت گل نہ ہو جائے۔[1]

اسی طرح محدث دیار یمن قاضی القضاۃ امام الثقات الاثبات محمد بن علی الشوکانی صاحب "نیل الاوطار و تفسیر فتح القدیر" نے نہج البلاغہ کو اپنے اسناد معتبرہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو اپنی کتاب "اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر" میں درج فرمایا ہے، چنانچہ کتاب مذکور کے باب النون میں ہے:

نَهْجُ الْبَلَاغَةِ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ ؑ لِلشَّرِيْفِ الْمُرْتَضٰى: اَرْوِيْهِ بِالْاِسْنَادِ الْمُتَقَدِّمِ فِيْ اَوَّلِ هٰذَا الْمُخْتَصَرِ. اِلَى الْفَقِيْهِ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ الْاَكْوَعِ الْمَعْرُوْفِ بِشُعْلَةٍ عَنِ السَّيِّدِ الْمُرْتَضٰى بْنِ شَرَاهِيْكَ. اَلْوَافِدِ اِلَى الْيَمَنِ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ زَيْدِ الْحَاجِيِّ. عَنِ الشَّرِيْفِ مُحَمَّدِ اِسْمَاعِيْلَ. عَنْ عَمِّهٖ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ الْجُوَيْنِيِّ عَنِ الْمُؤَلِّفِ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔

نہج البلاغہ جو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے کلام کا مجموعہ ہے جس کو شریف مرتضیٰ[2] نے جمع کیا ہے اس کتاب کو میں اسناد متقدم سے جس کا شروع کتاب میں ذکر کر چکا ہوں، فقیہ احمد بن اکوع معروف بہ شعلہ سے روایت کرتا ہوں، فقیہ مذکور سید مرتضیٰ بن شراہیک سے روایت کرتے ہیں جو یمن میں وارد ہوئے تھے وہ احمد بن زید الحاجی سے وہ شریف محمد اسماعیل سے وہ اپنے چچا حسین بن علی الجوینی سے وہ جامع نہج البلاغہ سے ۔[3]

---

[1] کتاب جواہر العقدین الذکر الخامس ، السمہودی، مخطوطہ۔

[2] نہج البلاغہ کے جامع الشریف محمد بن علی بن ابی احمد الحسین الطاہر الشہیر بالرضی ہیں۔ ان کے بھائی الشریف علی المرتضیٰ علم الہدیٰ ہیں جو عموماً شریف مرتضیٰ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں لیکن کبھی کبھی سید رضی بھی مرتضیٰ کے نام سے ملقب کئے گئے ہیں، چنانچہ استاد فواد افرام البستانی لکھتے ہیں: وَالشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ مِنْ سُلَالَةِ عَلِيٍّ اسْمُهٗ مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ مُوْسٰى بْنِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُرْتَضٰى بْنِ مُوْسَى الْكَاظِمِ وُلِدَ ۹۶۹ وَتُوُفِّيَ ۱۰۱۵ وَيُعْرَفُ اَيْضًا بِالْمُرْتَضٰى لَقَبُ اَحَدِ اَجْدَادِهٖ وَبِالشَّرِيْفِ الْمُوْسَوِيِّ. شریف رضی حضرت علیؑ کی اولاد میں تھے ان کا نام محمد بن طاہر بن حسین بن موسیٰ بن ابراہیم مرتضیٰ بن امام موسیٰ کاظمؑ ہے ولادت ۹۶۹ء میں اور وفات ۱۰۱۵ء میں ہوئی، کبھی سید رضی کو اپنے دادا ابراہیم مرتضیٰ کے نام پر مرتضیٰ بھی کہا جاتا ہے اور شریف موسوی سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ (مقدمہ کتاب علی بن ابیطالب و نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت ۱۹۲۷ء) اس لیے یہاں پر شریف مرتضیٰ سے مراد سید رضی ہی ہیں اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ غلطی سے علم الہدیٰ علی مرتضیٰ کو سمجھ لیا جائے جیسا کہ بعض علماء اہلسنت کو ہوا ہے۔

[3] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر، محمد بن علی الشوکانی، طبع حیدرآباد، مخطوط کتابخانہ ناصر الملۃ لکھنو۔

امام شوکانی اور فقیہ احمد بن محمد الاکوع کے درمیان بیس واسطے ہیں جس کا تذکرہ مع اسامی رجال اتحاف الاکابر کے شروع میں موجود ہے اور احمد بن محمد الفقیہ وجامع نہج البلاغہ سید رضی کے درمیان چار واسطے ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اس اعتبار سے امام شوکانی ۲۵ واسطوں سے نہج البلاغہ کو روایت کرتے ہیں۔ امام شوکانی کے مذکورہ رجال الاسناد میں کوئی شیعہ امامیہ نہیں ہے بلکہ سب کے سب معتمد مستند راویان ثقاوت وحفاظ اہلسنت میں سے ہیں۔

مسیحی علماء وادباء کا اعتراف

صرف علمائے اہلسنت ہی نہیں بلکہ مسیحی ادباء ومورخین بھی یہی اعتراف کرتے ہیں، جن میں سے چند شواہد پیش ہیں:

(۱) عبدالمسیح انطاکی حلبی صاحب جریدۃ العمران مصر، ومدیر الشذور، حلب الشہباء اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

لَا جِدَالَ اَنَّ سَيِّدَنَا عَلِيًّا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هُوَ اِمَامُ الْفُصَحَآءِ وَ اُسْتَاذُ الْبُلَغَآءِ وَ اَعْظَمُ مَنْ خَطَبَ وَ كَتَبَ فِيْ عُرْفِ اَهْلِ هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ الْاَلِبَّآءِ. وَ هٰذَا كَلَامٌ قَدْ قِيْلَ فِيْهِ بِحَقٍّ: اِنَّهٗ فَوْقَ كَلَامِ الْخَلْقِ وَ تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ. قَالَ هٰذَا كُلُّ مَنْ عَرَفَ فُنُوْنَ الْكِتَابَةِ وَ اشْتَغَلَ فِيْ صَنَاعَةِ التَّحْبِيْرِ وَ التَّحْرِيْرِ. بَلْ هُوَ اُسْتَاذُ الْكُتَّابِ الْعَرَبِ وَ مُعَلِّمُهُمْ بِلَا مِرَآءٍ. فَمَا مِنْ اَدِيْبٍ لَبِيْبٍ حَاوَلَ اِتْقَانَ صَنَاعَةِ التَّحْرِيْرِ اِلَّا وَ بَيْنَ يَدَيْهِ الْقُرْاٰنُ وَ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ. ذَاكَ كَلَامُ الْخَالِقِ وَ هٰذَا كَلَامُ اَشْرَفِ الْمَخْلُوْقِيْنَ. وَ عَلَيْهِمَا يُعَوِّلُ فِي التَّحْرِيْرِ وَ التَّحْبِيْرِ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ مَعَاشِرِ الْكَتَبَةِ الْمَجِيْدِيْنَ وَ لَعَلَّ اَفْضَلَ مَنْ خَدَمَ لُغَةَ قُرَيْشٍ الشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ الَّذِيْ جَمَعَ خُطَبَ وَ اَقْوَالَ وَ حِكَمَ وَ رَسَآئِلَ سَيِّدِنَا اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَفْوَاهِ النَّاسِ وَ اَمَالِيْهِمْ وَ اَصَابَ كُلَّ الْاِصَابَةِ بِاِطْلَاقِهٖ عَلَيْهِ اسْمَ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. وَ مَا هٰذَا الْكِتَابُ اِلَّا صِرَاطُهَا الْمُسْتَقِيْمُ لِمَنْ يُّحَاوِلُ الْوُصُوْلَ اِلَيْهَا مِنْ مَّعَاشِرِ الْمُتَاَدِّبِيْنَ۔

اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فصحاء کے امام اور بلغاء کے استاد ہیں اور تمام ان لوگوں میں کہ جنہوں نے عربی زبان میں تقریر یا تحریر میں کمال دکھایا ہے وہ سب سے زیادہ جلیل المرتبہ اور بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کا کلام ہمارے سامنے ہے جس کے متعلق سچی بات یہ کہی گئی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے کلام سے بالا اور خالق کے کلام کے ماتحت ہے۔ یہ ہر اس شخص نے کہا ہے کہ جو انشاء پردازی کے فنون سے واقف اور تقریر وتحریر کے فن میں ماہر ہے۔ حضرتؑ تمام عرب انشاء پردازوں کے استاد اور معلم ہیں۔ کوئی باخبر

ادیب جو انشاء پردازی کے فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہوایسا نہ ہوگا جس کے سامنے قرآن اور نہج البلاغہ موجود نہ ہو۔ وہ خالق کا کلام اور یہ اشرف مخلوق کا کلام اور وہ انہی دونوں کتابوں کا سہارا لینے پر مجبور ہے اگر اچھا انشاء پرداز اور ادیب بننا چاہتا ہے۔ شاید ان لوگوں میں کہ جنہوں نے قریش کی زبان کی خدمت کی ہے سب سے بڑا درجہ شریف رضی کو حاصل ہے جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے خطبے، اقوال، حکم اور خطوط کو جمع کیا ہے لوگوں کے محفوظات وتحریرات سے اور بیشک انہوں نے نہج البلاغہ اس کا نام بہت ٹھیک رکھا ہے اور یہ کتاب حقیقتاً صحیح راستہ اور صراط مستقیم ہے اس شخص کے لیے جو بلاغت کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہو۔[۱]

(۲) مشہور مسیحی ادیب ومحقق استاد فواد بستانی پروفیسر عربی سینٹ جوزف کالج بیروت نے ایک سلسلہ تعلیمی کتابوں کا "روائع" کے نام سے شائع کیا ہے جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین کے آثار قلم کو مع ان کے حالات وکمالات تاریخی تحقیقات کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مجموعوں کی صورت میں مرتب کیا ہے اور ان کو کیتھولک عیسائی پریس بیروت سے ۱۹۲۷ء میں شائع کیا ہے، اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ "علی بن ابی طالب ونہج البلاغہ" ہے، اس کے مقدمہ میں استاد فواد نے لکھا ہے:

اِنَّنَا نَبْدَأُ الْيَوْمَ بِنَشْرِ مُنْتَخَبَاتٍ مِنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْإِمَامِ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَوَّلِ مُفَكِّرِيْ الْاِسْلَامِ۔

آج ہم نہج البلاغہ جو اسلام کے سب سے پہلے مفکر علی بن ابی طالب علیہ السلام کی کتاب ہے اس کے انتخاب کو پہلے شائع کر کے سلسلہ روائع کی ابتدا کرتے ہیں۔

مقدمہ کے بعد مختلف عناوین کے تحت امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت اور نہج البلاغہ پر روشنی ڈالی ہے "نہج البلاغہ وجمعہ" کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وَ مَازَالَ النَّاسُ يَتَدَاوَلُوْنَ ذٰلِكَ حَتّٰى قَامَ الشَّرِيْفُ الرَّضِيُّ" فَجَمَعَ كُلَّ مَا نُقِلَ عَنِ الْاِمَامِ مِنْ خُطَبٍ وَرَسَائِلَ وَ مَوَاعِظَ فَضَمَّنَهَا كِتَابًا وَاحِدًا سَمَّاهُ "نَهْجُ الْبَلَاغَةِ۔

حضرتؑ کے آثار ادبیہ لوگوں میں برابر شائع رہے یہاں تک کہ شریف رضی کا زمانہ آیا اور انہوں نے امامؑ کے خطبے، خطوط اور مواعظ، جو منقول اور مروی تھے ان سب کو ایک کتاب میں جمع

---

[۱] القصیدۃ العلویہ او التاریخ الشعری الاسلامی، ص ۵۳۹، مطبوعہ رعمیس فجالہ مصر۔

کر کے اس کا نام نہج البلاغہ رکھا۔[1]

اس کے بعد استاد فواد نے ''صِحَّةُ نِسْبَتِهٖ'' کے زیر عنوان نہج البلاغہ کا صحیح السند ہونا ثابت کیا ہے جس کو اپنے محل پر لکھوں گا۔ تمام بحث کو ختم کرنے کے بعد آخر میں یہ عیسائی ادیب لکھتا ہے:

هٰذَا وَ اَنَّهٗ لَمِنَ الْفُضُوْلِ الْاِفَاضَةُ بِذِكْرِ بَلَاغَةِ هٰذَا التَّاْلِيْفِ وَ الْفَائِدَةُ الْجَمَّةُ النَّاتِجَةُ عَنْ دِرَاسَةٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ الشَّيْخُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهٗ حَاوٍ جَمِيْعَ مَا يُمْكِنُ اَنْ يَعْرِضَ لِلْكَاتِبِ وَ الْخَاطِبِ مِنْ اَغْرَاضِ الْكَلَامِ. فَقَدْ تُعْرَضُ لِلْمَدْحِ وَ الذَّمِّ الْاَدَبِيِّ وَالتَّرْغِيْبِ فِي الْفَضَائِلِ وَالتَّنْفِيْرِ مِنَ الرَّذَائِلِ وَالْمُحَاوَرَاتِ السِّيَاسِيَّةِ وَ الْمُخَاصَمَاتِ الْجَدَلِيَّةِ وَ بَيَانِ حُقُوْقِ الرَّاعِيْ عَلَى الرَّعِيَّةِ وَ حُقُوْقِ الرَّعِيَّةِ عَلَى الرَّاعِيْ وَاَتٰى عَلَى الْكَلَامِ فِيْ اُصُوْلِ الْمَدَنِيَّةِ وَ قَوَاعِدِ الْعَدَالَةِ وَفِي النَّصَائِحِ الشَّخْصِيَّةِ وَ الْمَوَاعِظِ الْعُمُوْمِيَّةِ اَوْ كَمَا قِيْلَ بِتَعْبِيْرٍ اَوْجَزَ وَ تَاْثِيْرٍ اَوْفَرَ هُوَ تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَ فَوْقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ۔

اس کتاب کی فصاحت و بلاغت اور اس کی درس و تدریس میں جو عظیم فائدہ ہے اس کا تذکرہ کرنا فضول ہے اس لیے کہ حقیقتاً جیسا کہ شیخ محمد عبدہ نے کہا ہے کہ یہ کتاب حاوی اور جامع ہے تمام ان اغراض و مقاصد کو جو کسی انشاء پرداز یا مقرر کو اپنی تحریر و تقریر میں پیش نظر ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ اس میں مدح، مہذبانہ مذمت، فضائل و محاسن میں ترغیب، بری باتوں سے اظہار نفرت، سیاسی خیالات، مجادلانہ مکالمات، حاکم کے حقوق رعیت پر، رعیت کے حقوق حاکم پر سب کچھ موجود ہے، پھر تمدن کے اصول، عدالت کے قواعد، انفرادی نصائح اور عمومی مواعظ، سب کچھ مندرج پائے جاتے ہیں، مختصر اور مؤثر لفظوں میں وہی ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خالق کے کلام سے پست اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔[2]

(۳) بیروت کی عدالت عالیہ کا چیف جسٹس اور مشہور مسیحی ادیب و شاعر پولس سلامہ (PAULAS SALAMA) اپنے ''اول ملحمة عربية عيد الغدير'' میں لکھتا ہے:

نَهْجُ الْبَلَاغَةِ هُوَ اَشْهَرُ الْكُتُبِ الَّتِيْ عُرِفَ بِهَا الْاِمَامُ وَلَا يَفُوْقُ هٰذَا الْكِتَابَ بَلَاغَةً وَقِيْمَةً اِلَّا التَّنْزِيْلُ۔

---

[1] علی بن ابی طالب و نہج البلاغہ، مقدمہ، طبع کیتھولک عیسائی پریس بیروت ۱۹۲۷ء۔

[2] علی بن ابی طالب و نہج البلاغہ، زیر عنوان صحة نسبة، طبع کیتھولک عیسائی پریس بیروت ۱۹۲۷ء۔

نہج البلاغہ مشہور ترین کتاب ہے جس سے امامؑ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، سوائے قرآن مجید کے کوئی کتاب بلاغت اور قدر و قیمت میں نہج البلاغہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

هٰذِهِ الْكَفُّ لِلْمَعَارِفِ بَابٌ مُشْرِعٌ مِّنْ مَّدِيْنَةِ الْاَسْرَارِ
تَنْثُرُ الدُّرُّ فِيْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ سِفْرَ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الْمُخْتَارِ
هُوَ رَوْضٌ مِنْ كُلِّ زَهْرٍ جَنِيٍّ اَطْلَعَتْهُ السَّمَآءُ فِيْ نُوَّارِ
فِيْهِ مِنْ نَضْرَةِ الْوَرْدِ الْعَذَارٰى وَالْخُزَامٰى وَالْفُلِّ وَالْجُلَّنَارِ
فِيْ صَفَاءِ الْيَنْبُوْعِ يَجْرِيْ زُلَالًا كَوْثَرًا رَائِقًا بَعِيْدِ الْقَرَارِ
تَلْمَحُ الشَّطُّ وَالضِّفَافُ وَلٰكِنْ يَا لَعَجْزِ الْعُيُوْنِ فِي الْاَغْوَارِ[1]

[یہ معارف و علوم کا مرکز اور اسرار و رموز کا کھلا ہوا دروازہ ہے۔
یہ نہج البلاغہ کیا ہے، ایک روشن کتاب میں بکھرے ہوئے موتی۔
یہ چنے ہوئے پھولوں کا ایک باغ ہے، جس میں پھولوں کی لطافت،
چشموں کی صفائی اور آب کوثر کی شیرینی۔
جس نہر کی وسعت اور کنارے تو آنکھوں سے نظر آتے ہیں مگر تہہ تک
نظریں پہنچنے سے قاصر ہیں۔]

(۴) عربی دنیا کا مشہور مسیحی مفکر، ادیب عصر، فلسفی دہر، نابغہ زمان، جبران خلیل جبران لبنانی (لبنان شام میں ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۳۱ء میں امریکہ میں مرا) نہج البلاغہ سے متاثر ہو کر امیرالمومنین علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے:

فِيْ عَقِيْدَتِيْ اَنَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ كَانَ اَوَّلَ عَرَبِيٍّ لَازَمَ الرُّوْحَ الْكُلِّيَّةَ وَجَاوَرَهَا وَسَامَرَهَا وَهُوَ اَوَّلُ عَرَبِيٍّ تَنَاوَلَتْ شَفَتَاهُ صَدٰى اَغَانِيْهَا عَلٰى مُسْمِعِ قَوْمٍ لَمْ يَسْمَعُوْا بِهَا مِنْ ذِيْ قَبْلٍ. فَتَاهُوْا بَيْنَ مَنَاهِجِ بَلَاغَتِهٖ وَظُلُمَاتِ مَاضِيْهِمْ فَمَنْ اَعْجَبَ بِهَا كَانَ اِعْجَابُهٗ مَوْثُوْقًا بِالْفِطْرَةِ. وَمَنْ خَاصَمَهٗ كَانَ مِنْ اَبْنَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ. مَاتَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ شَهِيْدَ عَظَمَتِهٖ. مَاتَ وَالصَّلَاةُ بَيْنَ شَفَتَيْهِ. مَاتَ وَفِيْ قَلْبِهِ الشَّوْقُ اِلٰى رَبِّهٖ.

میرے عقیدہ میں تو علی بن ابی طالب علیہ السلام سب سے پہلے عرب ہیں جن میں "روح اعظم" پائی جاتی ہے

---

[1] عید الغدیر، ص ۲۰۷، ۱۷، مطبوعہ مطبعۃ النسر، بیروت۔

اور سب سے پہلے عربی ہیں جن کے لب ودہن سے ایسے پاکیزہ روحانی نغمے سنے گئے کہ اس سے پہلے عربوں نے ان نغموں کو کبھی نہیں سنا تھا، ان نغمات کو سن کر یہ عرب آپؑ کی بلاغت کی شاہراہوں اور خود اپنے ماضی کی تاریکیوں میں سرگشتہ وحیران ہوگئے۔ پس اگر کوئی حضرتؑ کی بلاغت وفصاحت سے متحیر ہو جائے تو اس کی یہ حیرانی ایک فطری بات ہوگی، لیکن جو شخص آپؑ کی بلاغت پر نزاع وخصومت کرے تو دراصل ایسا شخص جاہلیت کی اولاد ہے۔ علی بن ابی طالب علیہ السلام کو شہید عظمت کی حیثیت سے موت آئی، آپؑ کو اس حالت میں موت آئی کہ آپؑ ذکر خدا میں مصروف تھے اور آپؑ کا دل شوق الٰہی سے مملو تھا۔

وَلَمْ يَعْرِفِ الْعَرَبُ حَقِيْقَةَ مَقَامِهٖ وَمِقْدَارَهٗ حَتّٰى قَامَ مِنْ جِيْرَانِهِمُ الْفَرَسُ اُنَاسٌ يَدْرِكُوْنَ الْفَارِقَ بَيْنَ الْجَوَاهِرِ وَالْحِصٰى .مَاتَ قَبْلَ اَنْ يُبَلِّغَ الْعَالَمَ رِسَالَتَهٗ كَامِلَةً وَافِيَةً. غَيْرَ اَنَّنِىْ اَتَمَثَّلُهٗ مُبْتَسِمًا قَبْلَ اَنْ يُغْمِضَ عَيْنَيْهِ عَنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ۔مَاتَ شَاْنَ جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ الْبَاصِرِيْنَ الَّذِيْنَ يَاْتُوْنَ اِلٰى بَلَدٍ لَيْسَ بِبَلَدِهِمْ وَاِلٰى قَوْمٍ لَيْسَ بِقَوْمِهِمْ فِىْ زَمَنٍ لَيْسَ بِزَمَنِهِمْ. وَلٰكِنْ لِرَبِّكَ شَاْنٌ فِىْ ذٰلِكَ وَهُوَ اَعْلَمُ۔

دراصل عرب آپؑ کی حقیقی منزلت اور مرتبے کو نہ جان سکے، جب تک کہ عربوں کی ہم جوار قوم ایرانیوں نے بڑھ کر جواہرات اور کنکر پتھر میں امتیاز نہ پیدا کر دیا۔ قبل اس کے علی علیہ السلام کی تعلیمات دنیا پر چھا جاتی آپؑ کو موت آگئی، میری نگاہوں میں تو آخری وقت کی علی علیہ السلام کی مسکراتی ہوئی صورت جلوہ نما ہو جاتی ہے جبکہ حضرتؑ دنیا سے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کر رہے تھے۔ علی علیہ السلام پیغمبروں کی شان سے موت سے ہمکنار ہوئے جو بظاہر ایسے شہر وقوم اور زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جو ان کے لیے نہ تھا، لیکن اس میں بھی خدا کی شان ہے اور وہی سب سے زیادہ اپنے رموز وحکمت کا جاننے والا ہے۔[1]

منکرین ومعترضین نہج البلاغہ

اس مسیحی عرب مفکر وادیب نے بالکل صحیح کہا ہے: ''وَمَنْ خَاصَمَهٗ كَانَ مِنْ اَبْنَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ'' بیشک علی علیہ السلام کے علمی وادبی آثار اور کارناموں کا انکار کرنے والے ''ابناء جاہلیت'' ہیں، چنانچہ عصبیت جاہلیت رکھنے والے کبھی کبھی نہج البلاغہ کے خلاف اپنی صدائے بے ہنگام بلند کر دیا کرتے ہیں، دراصل نہج البلاغہ پر شک کرنے والے دو قسم کے

---

[1] ملحمہ عربیہ عید الغدیر، بولس سلامہ، ص ۲۲ طبع بیروت۔

لوگ ہیں:

(۱) پہلا گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو دہری، دین و مذہب کے مخالف یا دشمن اسلام متعصب مسیحی ہیں، اسی گروہ میں وہ نام نہاد مسلمان (برعکس نہند نام زنگی کافور) بھی شامل ہیں جو دہریت زدہ اور غیر اسلامی افکار و رجحانات سے مغلوب و مرعوب ہیں جن میں سے بعض تو ایسے ہیں جو قرآن و حدیث میں سے بعض چیزوں کا اقرار کرتے ہیں اور بعض کا انکار یا اس کی تاویل کر کے دہریت زدہ افکار یورپ سے تطبیق کرنے کی لاحاصل سعی کرتے ہیں، یہ لوگ اکثر احادیث پیغمبرؐ کے منکر ہوتے ہیں اور قرآن و حدیث ان کے طعن و الزام و اعتراض و ایراد کا آماجگاہ ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا گروہ اموی ذہنیت رکھنے والوں کا ہے، جو علی علیہ السلام کی ہر منقبت و فضیلت کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے، جیسے ذہبی، ابن تیمیہ اور ان کے دوسرے ساتھی۔ یہ لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان خطبوں سے علی علیہ السلام کے کمال علم پر روشنی پڑتی ہے اور ان کے بعض اعتقادات سے تصادم ہوتا ہے یا بعض خطب سے علی علیہ السلام کے ان رجحانات کا پتا چلتا ہے جو آپؑ کو بعض اصحاب پیغمبرؐ سے تھا، اس وقت ان مخالفین اہلبیتؑ کی عرق عصبیت پھڑک اٹھتی ہے اور ان خطب و اقوال سے انکار کرنے لگتے ہیں، جیسے متعصب عنید ذہبی جن کی تحقیقات کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کو یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ جامع نہج البلاغہ کون ہے، بجائے سید رضی[1] کے سید مرتضیٰ سمجھ

---

[1] سید رضی کا جامع نہج البلاغہ ہونا مسلمات میں سے ہے کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ تمام کتب رجال و انساب و اجازات و مصنفات، اسناد کتب و تذکرہ مصنفین و فہارس کتب میں علمائے فریقین نے اس کی توضیح کی ہے کہ اس کتاب کے جامع سید رضی ہیں۔ خود نہج البلاغہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ شروع ہی میں جامع نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے: اِبْتَدَأْتُ بِتَأْلِيفِ كِتَابٍ فِيْ خَصَائِصِ الْأَئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ میں نے کتاب خصائص الائمہ کی تالیف شروع کی۔
اسی طرح آخر کتاب میں اس کلمہ اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ کی شرح میں شارح نے یہ لکھا ہے: "قَدْ تَكَلَّمْنَا عَلٰى هٰذِهِ الْاِسْتِعَارَةِ فِيْ كِتَابِنَا الْمَوْسُوْمِ بِمَجَازَاةِ الْآثَارِ النَّبَوِيَّةِ" اس استعارہ کے متعلق میں نے اپنی کتاب "مجازات النبویہ" میں کلام کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نہج البلاغہ کا جامع کتاب "خصائص الائمہ" و "کتاب مجازات النبویہ" کا مؤلف ہے اور اس امر پر تمام علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں کتابوں کے مؤلف سید رضی ہیں۔ اسی طرح "کتاب مجازات النبویہ" میں خود سید رضی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ وہ جامع نہج البلاغہ ہیں، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:
(۱) وَقَدْ اَوْرَدْنَاهُ فِيْ كِتَابِنَا الْمَوْسُوْمِ بِنَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَهُوَ الْمُشْتَمِلُ عَلٰى مُخْتَارِ كَلَامِهٖ علیہ السلام فِيْ جَمِيْعِ الْمَعَانِيْ وَالْاَغْرَاضِ وَالْاَجْنَاسِ وَالْاَغْرَاضِ. میں نے اس کو وارد کیا ہے اپنی کتاب موسوم بہ نہج البلاغہ میں جو امیر المومنین علیہ السلام کے جمیع اصناف کلام کا انتخاب ہے۔
(۲) وَقَدْ ذَكَرْنَا هٰذَا الْكَلَامَ فِيْ كِتَابِنَا الْمَوْسُوْمِ بِنَهْجِ الْبَلَاغَةِ. اس کلام کو میں نے ذکر کیا ہے اپنی کتاب موسوم بہ نہج البلاغہ میں۔
(۳) وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِيْ جُمْلَةِ كَلَامِهٖ لِكُمَيْلِ بْنِ زِيَادِ النَّخَعِيِّ فِيْ كِتَابِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. اور اس کو ذکر کیا ہے میں نے منجملہ اس کلام کے جو کمیل بن زیاد سے حضرتؑ نے فرمایا کتاب نہج البلاغہ میں۔ (مجازات النبویہ، صفحات ۱۲۷، ۱۶۱، ۲۵۲، مطبوعہ بغداد)

رہے ہیں۔

یہ تو ہے ان کی تحقیق کا عالم، اب ملاحظہ فرمائیے کہ وہ میزان الاعتدال میں نہج البلاغہ کو تالیف سید مرتضیٰ قرار دے کر موصوف کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَ مَنْ طَالَعَ كِتَابَهُ نَهْجَ الْبَلَاغَةِ . جَزَمَ بِاَنَّهُ مَكْذُوْبٌ عَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ، فَفِيْهِ السَّبُّ الصَّرِيْحُ وَالْحَطُّ عَلَى السَّيِّدَيْنِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ۔

جو شخص ان کی کتاب نہج البلاغہ کو مطالعہ کرے اس کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اس کو امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف دروغ منسوب کر دیا گیا ہے کیونکہ اس میں دونو سید ابوبکر و عمر کے خلافِ شان امور اور صراحت کے ساتھ ان پر سب موجود ہے۔[1]

---

[1] میزان الاعتدال، الذہبی، ج ۳، ص ۵۴، حالات سید مرتضیٰ۔

پروفیسر خلوصی کے اعتراضات

معترضین ومنکرین کے اعتراضات واسباب انکار کا جائزہ لیتے وقت ہمارے سامنے ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء کا اسلامک ریویو نمبر ۱۰ جلد ۳۸ (THE ISLAMIC REVEW) ہے جو ووکنگ انگلستان (WOKING ENGLAND) سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں ایک مضمون ڈاکٹر ایس۔ اے خلوصی، پی۔ ایچ۔ ڈی لکچرر عربی اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن یونیورسٹی کا بایں مضمون شائع ہوا ہے:

(THE AUTHENTICITY OF NAHJ AL .BALAGHA) "حقیقت صحت نہج البلاغہ"۔

ڈاکٹر صفا خلوصی عراق کے ان سنیوں میں سے ہیں جن کو بنی امیہ و بنی عباس سے بہت زیادہ خلوص اور صفائی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ مسٹر خلوصی "اثر التشیع فی الادب العربی" کے موضوع پر بھی کوئی مقالہ انگریزی میں تحریر فرمار ہے ہیں۔ موصوف کی فکر و ہمت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ "محمد سید گیلانی" کے ہفوات پر اعتماد کر کے اسی کو انگریزی میں اپنے الفاظ میں پیش کر دیں گے، کیونکہ اس مضمون میں بھی جو نہج البلاغہ کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے اس میں بھی دوسروں ہی کے مہملات کو اپنایا ہے اور مندرجہ بالا ہر دو گروہ منکرین کی ہمنوائی آپ نے فرمائی ہے۔ آپ کے مضمون کا ابتدائی حصہ یہ بتلاتا ہے کہ آپ دہریت زدہ یورپ کے افکار سے بہت زیادہ مغلوب و مرعوب ہیں اور بہر حال ذہبی اور ابن تیمیہ کے ہم مسلک تو آپ پہلے ہی سے ہیں۔ اس لیے مسٹر خلوصی کے شکوک ہر دو گروہ مشککین کے شبہات وشکوک کا مجموعہ ہیں۔

علی علیہ السلام کے کلام کی غلط توجیہ اور خلوصی کی چالاکی

اس مضمون میں سب سے پہلے عورتوں کی نفسیاتی کمزوری سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے خلوصی صاحب عورتوں کے جذبات سے کھیلے ہیں اور یورپ کی آزاد عورتوں میں "علی بن ابی طالب علیہ السلام" کی طرف سے نفرت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "کوئی انگریزی بولنے والی عورت ایسی نہ ہوگی جو مندرجہ ذیل کلام کو بغیر متکلم پر غم وغصہ اور اظہار نفرت کیے ہوئے اطمینان وسکون سے پڑھ سکے"۔

{مَعَاشِرَ النَّاسِ! اِنَّ النِّسَآءَ نَوَاقِصُ الْاِیْمَانِ، نَوَاقِصُ الْحُظُوْظِ، نَوَاقِصُ الْعُقُوْلِ: فَاَمَّا نُقْصَانُ اِیْمَانِهِنَّ فَقُعُوْدُهُنَّ عَنِ الصَّلٰوةِ وَ الصِّیَامِ فِیْ اَیَّامِ

حَيْضِهِنَّ. وَ اَمَّا نُقْصَانُ عُقُوْلِهِنَّ فَشَهَادَةُ امْرَاَتَيْنِ كَشَهَادَةِ الرَّجُلِ الْوَاحِدِ، وَ اَمَّا نُقْصَانُ حُظُوْظِهِنَّ فَمَوَارِيْثُهُنَّ عَلَى الْاَنْصَافِ مِنْ مَّوَارِيْثِ الرِّجَالِ. فَاتَّقُوْا شِرَارَ النِّسَآءِ، وَ كُوْنُوْا مِنْ خِيَارِهِنَّ عَلٰى حَذَرٍ، وَ لَا تُطِيْعُوْهُنَّ فِي الْمَعْرُوْفِ حَتّٰى لَا يَطْمَعْنَ فِي الْمُنْكَرِ}۔

لوگو! عورتوں کا ایمان، حصہ اور عقل ناقص ہے اور اس پر شریعت گواہ ہے کہ ان کے ایمان کا نقصان یوں ہے کہ ایام حیض میں وہ نماز و روزہ سے روک دی گئی ہیں اور عقل کا نقصان اس طرح ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور حصہ کا نقصان یوں ظاہر ہے کہ ان کی میراث کا حصہ مرد کے حصۂ میراث کے نصف ہے۔ لوگو! بری عورتوں سے بچو اور ان میں سے جو (بظاہر) نیک ہیں ان سے بھی ہوشیار رہو، نیکی کا کام بھی ان کے فرمانبردار بن کے مت کرو، تا کہ ان کو یہ (غلط) امید نہ ہو کہ تم ان کے برائی میں بھی مطیع و فرمانبردار رہو گے۔[1]

عورت کی کمزوری اور علی علیہ السلام کے کلام کا صحیح مورد

حضرتؑ کا یہ کلام حقیقت نظام وہ ہے جو جنگ جمل کے بعد آپؑ نے ارشاد فرمایا تھا۔ خلوصی صاحب نے انگریزی عورتوں کو اس کلام سے نفرت دلا کر دراصل ان کو اسلام سے بغاوت پیدا کرانے کی کوشش کی ہے، کیونکہ اس کلام میں حضرت علی علیہ السلام نے جن احکامات کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور جن پر تمام فرق اسلامی کا اتحاد و اتفاق ہے۔ کیا ائمہ اربعہ اہلسنت میں سے کوئی ہے جو اس کی اجازت دیتا ہے کہ عورت حالت حیض میں بھی نماز و روزہ ادا کر سکتی ہے؟ ہر امام نے قرآن و سنت سے استنباط کر کے یہی فتویٰ دیا ہے کہ اس حالت میں نماز و روزہ نہیں ادا کر سکتی۔ اسی طرح سے شہادت اور گواہی میں بھی تمام فقہاء و ائمہ اہلسنت کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے مقابلہ میں ہے اور قرآن میں بھی صاف حکم موجود ہے:

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾۔

اور اپنے لوگوں میں سے جن لوگوں کو تم گواہی کے لیے پسند کرو (کم از کم) دو مردوں کی گواہی لیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہو تو (کم از کم) ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔[2]

---

[1] [نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۷۸، ص ۲۵۵]۔

[2] سورۂ بقرہ، آیہ ۲۸۲۔

اسی طرح سے میراث کا معاملہ ہے۔ قرآن خود کہتا ہے:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾۔

خدا تمہاری اولاد کے حق میں تم سے وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔[1]

اس کے بعد حضرتؑ نے مردوں کو ان کے اس حق کی طرف متوجہ کیا جو ان کو خدا کی جانب سے عورتوں کے مقابلہ میں عطا کیا گیا ہے:

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾۔

مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے۔[2]

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾۔

مردوں کا عورتوں پر قابو ہے کیونکہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔[3]

جو عورتیں بری ہیں ان کے متعلق تو کوئی کلام ہی نہیں کہ مرد کو کسی حالت میں بھی ان کا مطیع و بندہ نہ ہونا چاہیے، رہی وہ عورتیں جو بظاہر نیک معلوم ہوتی ہیں ان کی اطاعت بھی مرد کو نہ کرنی چاہیے، کیونکہ ان عورتوں کی اطاعت کسی نیک امر کے متعلق کی جائے گی یا کسی برائی میں۔ نیک کام بھی کسی عورت کے کہنے سے نہ کرنا چاہیے بلکہ اس کام کو اس لیے کرنا چاہیے کہ وہ ایک اچھا کام ہے اور عورت یہ سمجھے کہ مرد اس کام کو اچھا اور مستحسن سمجھ کر کر رہا ہے ورنہ وہ اگر یہ سمجھے گی کہ مرد بغیر سوچے سمجھے اور اچھائی برائی پر بغیر غور کیے یہ کام صرف اس لیے کر رہا ہے کہ یہ عورت کی خواہش ہے تو اس کی وجہ سے عورت ذات جو مغلوبِ عاطفہ ہے، جو تعقل و تدبر کے بجائے اپنے عواطف سے کام لیا کرتی ہے وہ اپنے نفسیاتی کمزوری میں مبتلا ہو کر یہ چاہے گی کہ مرد عورت کی برائیوں میں بھی اس کا مطیع و منقاد رہے۔ عورتوں کی اس نفسیاتی کمزوری کی طرف قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے:

﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾۔

عورت وہ جو زیوروں میں پالی پوسی جائے اور محلِ نزاع و مخاصمت میں (مغلوبِ عاطفہ ہو کر اچھی طرح) سمجھداری کی بات بھی نہ کر سکے۔[4]

---

[1] سورۂ نساء، آیہ ۱۱۔

[2] سورۂ بقرہ، آیہ ۲۲۸۔

[3] سورۂ نساء، آیہ ۳۴۔

[4] سورۂ زخرف، آیہ ۱۸۔

علی علیہ السلام کے کلام کو غلط طریقہ سے پیش کرنے کا خلوصی کو کیا حق ہے

یہ تقریر حضرتؑ نے جنگ جمل کے بعد بظاہر ایک نیک عورت کی بہت بڑی غلطی کو ظاہر ہونے کے بعد فرمائی۔ وہ نیک عورت بی بی عائشہ ہیں جن کی خواہش بیجا پر رجال امت ان کے مطیع ومنقاد ہو کر اسلام کی تباہی وخونریزی کا سبب ہوئے۔ اسلام میں ایک بہت بڑا فتنہ صرف عورت کی غلط اطاعت کی وجہ سے رونما ہوا۔ علی علیہ السلام نے اس تقریر میں مسلمانوں کی اس بڑی غلطی پر ٹوکا ہے جو عورت کی غلط پیروی کر کے انہوں نے ظاہر کی، آپؑ کی یہ تقریر ایک مخصوص محل مورد رکھتی ہے۔ خلوصی صاحب کو کیا حق ہے کہ اس کو غلط طریقہ سے پیش کریں۔ کیا وہ اس طریقہ سے انگلستان کی عورتوں میں اسلام کے خلاف یہ غلط جذبہ پیدا کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک عورت کا اعتبار بہ نسبت مرد کے کم ہے، جبھی تو دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے مقابلہ میں ہے یا یہ کہ اسلام عورت کو میراث میں مرد کے مقابلہ میں کم حصہ دیتا ہے یا یہ کہ عورت کو ایک مخصوص مدت میں اس کی ظاہری نجاست کی بنا پر عبادت سے روک دیا ہے۔

خلوصی کے پروپیگنڈے سے عورت کا یہ غم وغصہ، نفرت وملامت حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ نفسِ اسلام کے ساتھ ہوگا، لیکن اگر یورپ وانگلستان کی عورتیں اس تقریر کے محل ومورد کو معلوم کر لیں گی تو بجائے غصہ ونفرت کے وہ ان عورتوں پر افسوس کریں گی جو اپنے اعمال وکردار سے نہ صرف مذہب بلکہ معاشرت وسیاست میں دخیل ہو کر قوم وملت کی تباہی اور صنف نازک کی بدنامی کا سبب بنتی ہیں۔

خلوصی صاحب نے حضرتؑ کی تقریر کو محل ومورد کے بغیر بتلائے ہوئے پیش فرمانے میں بالکل وہی حرکت کی ہے جیسے کوئی ﴿وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ کے ٹکڑے کو نکال کر ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾[1] کے نص کو پیش کر کے یہ کہے کہ قرآن میں نماز کی ممانعت ہے۔ کیا قرآن سے ﴿اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کی مکاریاں بڑی ہوتی ہیں۔[2] کو پیش کر کے انگلستان کی عورتوں کو یہ سمجھایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے عورتوں کی انتہائی توہین کی ہے؟ اور ان الفاظ قرآنی کو سن کر ان عورتوں کا قرآن کے خلاف غم وغصہ کرنا صحیح ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ جس طرح خلوصی صاحب نے واقعات وحالات پر پردہ ڈال کر پیش کیا ہے ویسے ہی یہ بھی الفاظ قرآن تو ضرور ہیں، لیکن ایک مخصوص محل ومورد پر، مخصوص عورتوں کے لیے، ایک مخصوص زبان سے وارد ہوا ہے۔ اگرچہ تفاسیر اہلسنت کے اعتبار سے یہ کید ومکر عمومی حیثیت سے تمام عورتوں کے لیے ہے جو ان کی فطرت میں داخل ہے، جیسا کہ علامہ آلوسی حنفی بغدادی

---

[1] سورۂ نساء، آیہ ۴۳۔

[2] سورۂ یوسف، آیہ ۲۸۔

نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے، اہلسنت کی اس تفسیر کی بنا پر عورتوں کے کید کے مقابلے میں کید شیطان کچھ حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے لیے قرآن میں ہے ﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ یقیناً شیطان کا منصوبہ کمزور ہوا ہی کرتا ہے۔[1]

خلوصی صاحب کو اپنی تفاسیر کی روشنی میں ﴿اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾[2] کو یورپ کی عورتوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ علی علیہ السلام کے کلام کو پیش کرنے سے وہ نتیجہ نہیں برآمد ہوگا جو وہ چاہتے ہیں، علی علیہ السلام تو دنیا کے سامنے ایسے حقائق کو پیش کر رہے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام و پیغمبر اسلامؐ کا شرورنساء سے مقابلہ

اسلام کو ابتدا ہی سے شرورنساء کا مقابلہ کرنا پڑا ہے، وہ عورتیں ہی تھیں جو ابتدائے تبلیغ میں پیغمبر کو اذیت دینے میں بہت پیش پیش تھیں، رسولؐ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھیں اور جسمِ مطہر پر نجاست ڈالتی تھیں۔ معاویہ کی پھوپھی ام جمیل بنت حرب بن امیہ بھی عورت ہی تھی جس کا تذکرہ قرآن نے ان لفظوں میں کیا ہے: ﴿وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ. فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾۔ اور اس کی عورت بھی جو لکڑیاں لادلاد کے لانے والی تھی۔ اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔[3]

وہ قریش کی عورتیں ہی تھیں جو اپنے مردوں کو ابھار کر رسول خداؐ سے جنگ کرنے کے لیے میدان میں لاتی تھیں اور یہ ترانے گاتی تھیں:

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقٍ... نَمْشِيْ عَلَى النَّمَارِقِ... مَشْيَ الْقَطَا النَّوَاتِقِ

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ قالینوں پر ناز و انداز سے اس طرح چلتی ہیں جس طرح سبک رو قطا پرندہ چلتا ہے۔

وَالْمِسْكُ فِي الْمَفَارِقِ... وَالدُّرُّ فِي الْمَخَانِقِ... اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقُ

مانگ میں مشک بھری ہے اور گردنوں میں موتی جگمگا رہے ہیں۔ اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے۔

وَنَفْرِشُ النَّمَارِقُ... اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقُ... فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقٍ

---

[1] سورہ نساء، آیہ ۷۶۔

[2] سورہ یوسف، آیہ ۲۸۔

[3] سورہ لہب، آیہ ۴،۵۔

اور تمہارے لیے مسندیں بچھائیں گے اور پیٹھ پھرائی تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے اس طرح کہ گویا تم سے کبھی چاہت تھی ہی نہیں۔

ہند زوجہ ابوسفیان اور مادر معاویہ ہی وہ عورت ہے جس نے وحشی غلام حبشی کو حمزہ عم رسولؐ کے قتل پر ابھارا تھا اور جب وحشی نے حمزہ کو قتل کیا تو یہی ہند وہ عورت تھی جس نے جناب حمزہ کے اعضاء و جوارح کو کاٹ کر اپنے گلے کا ہار بنایا اور جگر کو نکال کر اس کو چبایا تھا۔ وہ بھی ایک عورت (یہودیہ) تھی جس نے خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا۔ وہ بھی عورت ہی تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو فاش کیا: ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ﴾۔ اور (یاد کرو) جب نبی نے اپنی بعض ازواج سے راز کی بات کہی تھی پس جب اس نے اس (راز) کو فاش کیا۔[1]

وہ بھی عورتیں ہی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کو مغلوب کرنے کے لیے سازش کیے ہوئے تھیں، جیسا کہ قرآن اس کو ظاہر کر رہا ہے: ﴿وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ اگر تم دونوں رسولؐ کو مغلوب کرنے کے لیے ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہو گی تو کچھ پروا نہیں، خدا اور جبرائیل اور تمام ایمان داروں میں نیک شخص رسولؐ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ کل فرشتے بھی مددگار ہیں۔[2]

وہ بھی عورتیں ہی تھیں جو اپنے کردار کی وجہ سے رسولؐ کی خانگی زندگی میں اس حد تک سبب کلفت و زحمت ہوئی کہ آپؐ ان کو طلاق دینے کے لیے آمادہ ہوئے، جس کی حکایت خدا نے ان الفاظ میں بیان کی ہے: ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا﴾۔ اگر رسول تم دونوں کو طلاق دے دیں تو عنقریب ہی ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بی بیاں عطا کرے جو فرمانبردار، ایماندار، خدا اور رسولؐ کی مطیع، گناہوں سے توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں، بیاہی ہوئی (جو پہلے کسی شوہر کے تحت میں رہ چکی ہیں) اور بن بیاہی کنواریاں ہوں۔[3]

وہ بھی عورتیں ہی تھیں جو رسولؐ کے آخری وقت حضرتؐ کے گرد و پیش تھیں اور جن کو رسولؐ نے "صَوَاحِبُ

---

[1] سورہ تحریم، آیہ ۳۔

[2] سورہ تحریم آیہ ۴۔

[3] سورہ تحریم، آیہ ۵۔

یُوسُفَ "(یوسف کے ساتھی) کا خطاب دیا تھا، وہ "صَوَاحِبُ یُوسُفَ" جن کے لیے یوسفؑ نے کہا تھا، ﴿اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ﴾ "بیشک میرا پروردگار ان کے مکروں سے خوب واقف ہے۔"[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں کے کید و مکر سے رسولؐ کچھ خطرہ محسوس کر رہے تھے، یہ سب کارنامے ان عورتوں کے ہیں جن کا تعلق عہد رسالت سے ہے جن کے ان کارناموں کو "علی علیہ السلام" نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی اور مددگار ہونے کی حیثیت سے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

وہ بھی عورت ہی تھی جس کی در پردہ تدبیروں اور سازشوں سے رسولؐ کے بعد "علی علیہ السلام" ظاہری حکومت و منصب امارت نہیں حاصل کر سکے تھے۔

سجاح بنت حارث بھی عورت ہی تھی جس نے پیغمبرؐ کے بعد دعویٰ نبوت کیا، اور بنی تمیم و ہذیل قبائل عرب نے اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا تھا، (یہ خیال رہے کہ خوارج میں زیادہ تر بنی تمیم ہی تھے) اور جو خلیفہ ابوبکر سے مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتی تھی اور جس نے ایک دوسرے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے نکاح کر لیا تھا جس کا مہر مسلمانوں سے نماز عشاء اور نماز صبح ان دو نمازوں کی کمی کو قرار دیا گیا تھا جس کا اعلان سجاح کے موذن، شبث بن ربعی ریاحی (خارجی و قاتل حسینؑ) نے ان الفاظ میں کیا تھا:

اِنَّ مُسَیْلِمَةَ بْنَ حَبِیْبٍ رَسُوْلَ اللهِ قَدْ وَضَعَ عَنْکُمْ صَلَاتَیْنِ مِمَّا اَتَاکُمْ بِهٖ مُحَمَّدٌ صَلَاةَ الْعِشَآءِ الْاٰخِرَةِ وَصَلَاةَ الْفَجْرِ۔

بروایت کلبی "اسی وجہ سے بنی تمیم رمل اس کے زمانہ تک نماز صبح و عشاء نہیں پڑھتے تھے"۔

سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ بی بی عائشہ کی آزاد کردہ کنیز بھی عورت ہی تھی جو ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں مرتد ہوگئی تھی اور جس نے قبائل غطفان، ہوازن، سلیم، اسد، طی کو برانگیختہ کر کے حکومت اسلامی کے خلاف بغاوت کر کے جنگ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اور جس کا مقابلہ خالد بن ولید نے اسلامی لشکر کے ساتھ کیا تھا۔ حالت جنگ میں یہ عورت نہایت ہی شان و شوکت کے ساتھ اونٹ پر سوار تھی اور اپنے لشکر کو جنگ کرنے کے لیے ابھار رہی تھی۔ حالت یہ تھی کہ اس کے ماننے والے لشکری اس کے اونٹ کی حفاظت میں قتل ہونے میں سبقت کر رہے تھے۔[2]

وہ بھی بڑی نیک عورت تھی جو خلیفہ سوم عثمان کے قتل کے لیے لوگوں کو ابھارتی تھیں، جو خلیفہ عثمان کو ایک یہودی

---

[1] سورۂ یوسف، آیہ ۵۰۔

[2] طبری، ج ۳، ص ۲۳۳، ۲۳۴، طبع مصر۔

"نخل" سے تشبیہ دے کر ان کے قتل کا عام فتویٰ دیتی پھرتی تھیں، اور جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں اور مسلمانوں نے باتفاق حضرت علی علیہ السلام کو اپنا امیر تسلیم کر کے عنان حکومت ان کے سپرد کر دی تو پھر یہی نیک عورت جس نے عثمان کے خلاف لوگوں کو آمادہ کیا تھا وہ "علی علیہ السلام" سے عثمان کا خون بہا لینے کے بہانے سے برسرپیکار ہوئیں اور مثل سلمٰی کے باغی فوج کی قیادت کرتے ہوئے اونٹ پر سوار ہو کر علی علیہ السلام سے لڑنے کے لیے میدان جنگ میں آئیں، جس کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا اور ان کے اختلاف وافتراق کی خلیج اور وسیع ہو گئی۔

علامہ شیخ عبداللہ العلائلی لکھتے ہیں:

ظُهُوْرُ الْمَرْأَةِ. وَهِيَ لَا تَتَّسِعُ لِلْأَفْكَارِ الْكُلِّيَّةِ الْعَامَّةِ وَ اِنَّمَا تُفَكِّرُ تَفْكِيْرًا جُزْئِيًّا خَالِصًا فَكَانَ لَهَا اَثَرٌ فِي التَّوْجِيْهِ الْجَدِيْدِ. وَ قَدْ ظَهَرَتِ الْمَرْأَةُ بِحَرَكَاتٍ كَبِيْرَةٍ اِسْتِقْلَالِيَّةٍ فِيْ مُنَاسِبَتَيْنِ يَوْمَ الرِّدَّةِ فِيْ امْرَأَتَيْنِ اِحْدَاهُمَا سَجَاحُ بِنْتُ الْحَارِثِ. وَالْأُخْرٰى هِيَ سَلْمٰى بِنْتُ مَالِكِ بْنِ حُذَيْفَةَ۔

عورت کا دل ودماغ بڑے اور مہم امور کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ صرف چھوٹی باتوں اور معمولی وجزوی امور کو سوچ سکتی ہے۔ عورتوں کی دخل اندازی نے جدید اسلامی سوسائٹی کو (بری طرح) متاثر کیا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں عورت نے بڑی بڑی تحریکوں میں دست اندازی کی، سب سے پہلے شورشِ ارتداد میں جو اسلام کے خلاف تھی دو عورتوں نے قیادت کی ایک سجاح بنت حارث نے اور دوسری سلمٰی بنت مالک بن حذیفہ نے۔

وَ ظُهُوْرُ الْمَرْأَةِ يَوْمَ الْجَمَلِ فِيْ شَخْصِ عَائِشَةَ. فَاِنَّهَا لَعِبَتْ مِثْلَ دَوْرِ عَتِيْقَتِهَا سَلْمٰى ابْنَةِ مَالِكٍ. فَقَدْ خَرَجَتْ عَلٰى حُكُوْمَةِ عَلِيٍّ كَمَا خَرَجَتِ الْاُخْرٰى عَلٰى حُكُوْمَةِ اَبِيْهَا. وَلِغَرَضٍ مُشَابِهٍ تَقْرِيْبًا. فَتِلْكَ تَثْأَرُ لِاَخِيْهَا. وَهٰذِهِ تَثْأَرُ لِعُثْمَانَ. وَقَدْ عَقَدَتِ الصَّدَاقَةُ بَيْنَهُمَا زَمَنًا طَوِيْلًا. فَقَدْ كَانَتْ تَخْتَلِفُ اِلٰى عَائِشَةَ كَثِيْرًا وَتَنْزِلُ عَلَيْهَا دَائِمًا. وَلَا يَبْعُدُ عِنْدِيْ اَنْ يَكُوْنَ فِيْ جُمْلَةِ الرَّغَبَاتِ الَّتِيْ دَفَعَتْ عَائِشَةَ اِلَى الْخُرُوْجِ. اَنَّهَا كَانَتْ مُعْجَبَةً بِالدَّوْرِ الَّذِيْ لَعِبَتْهُ سَلْمٰى. وَقَدْ كَانَ دَوْرًا مُعْجِبًا حَقًّا لَهِجَ بِهِ النَّاسُ كَثِيْرًا. حَتّٰى قِيْلَ بَلَغَ مِنْ عِزِّهَا اَنَّهُ وُضِعَ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ لِمَنْ يَجْرُؤُ عَلٰى نَخْسِ جَمَلِهَا۔

اسی طرح جنگ جمل میں عورت کی کارستانیاں عائشہ کی شخصیت میں ظاہر ہوئیں۔ عائشہ بھی مثل

اپنی آزاد کردہ لونڈی سلمٰی کے ایک کھیل کھیلیں اور علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف بغاوت کی، جس طرح سلمی نے ان کے باپ ابوبکر کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی اور دونو کے اغراض بھی ایک ہی قسم کے تھے، وہ تو اپنے بھائی کے خون کا عوض لینے نکلی تھی اور عائشہ عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے۔ یہ دونوں عورتیں ایک زمانہ تک ایک دوسرے کی دوست رہ چکی تھیں اور آزاد ہونے کے بعد جب کبھی سلمٰی مدینہ آتی تھی تو عائشہ ہی کے یہاں قیام کرتی تھی اور میرے نزدیک یہ امر بعید نہیں ہے کہ سلمی کی یہ حرکتیں بھی عائشہ کو امام وقت پر خروج کرنے میں رغبت دلانے کا سبب ہوئی ہوں اور عائشہ نے سلمی کے کھیل کو پسند فرمایا ہو۔ بیشک یہ کھیل مشہور کرنے والا ضرور تھا، لوگوں کی زبانوں پر چرچے ہونے لگے کہ کیسی عزت والی عورت تھی کہ اس کے اونٹ کے گرد سو آدمی مارے گئے۔

وَالْمَرْاَةُ ذَاتُ تَفْكِيْرٍ جُزْئِيٍّ فِيْهِ الْمُيُوْلُ وَالْعَوَاطِفُ. لِذٰلِكَ لَا اَسْتَبْعِدُ اَنْ تَكُوْنَ عَائِشَةُ قَدِ انْطَوَتْ عَلٰى اِعْجَابٍ عَمِيْقٍ بِسَلْمٰى. وَهٰذَا الْاِعْجَابُ كَانَ عَامِلًا نَفْسِيًّا كَبِيْرًا هَوَّنَ عَلَيْهَا سَبِيْلَ الْخُرُوْجِ لِتَلْعَبَ دَوْرًا مُمَاثِلًا تَكُوْنُ فِيْهِ الْقَائِدَةُ وَعَلٰى جَمَلٍ اَيْضًا يُضَحِّيْ دُوْنَهٗ كَثِيْرُوْنَ. وَكَانَ الْمَصِيْرُ وَاحِدًا تَقْرِيْبًا. وَهٰذَا مِنْ اَغْرَبِ الْمُصَادَفَاتِ التَّارِيْخِيَّةِ. وَلْيَتَنَبَّهْ اِلٰى اَنَّنَا لَا نَقُوْلُ بِاَنَّ اِعْجَابَ عَائِشَةَ بِسَلْمٰى كَانَ عَامِلًا مِنْ عَوَامِلِ خُرُوْجِهَا. بَلْ نَقُوْلُ كَانَ رَغْبَةً فِيْ جُمْلَةِ الدَّوَافِعِ الَّتِيْ تَرَكَّزَ عَلَيْهَا عَزْمُهَا۔

دراصل عورت ایک ہلکا دل و دماغ رکھتی ہے، صرف معمولی باتوں کو سمجھتی بوجھتی ہے اور بہت جلد خود متاثر بھی ہو جاتی ہے، اس لیے کچھ تعجب نہیں کہ سلمی کی ان حرکتوں کو پسند کر کے بی بی عائشہ نے اپنے دل کی گہرائیوں میں محفوظ کر رکھا ہو اور اسی پسندیدگی نے بغاوت و خروج ایسے خوفناک اقدام کو ان کے سامنے ہلکا کر کے اس امر پر آمادہ کر دیا ہو کہ وہ بھی مثل سلمی کے ایک کھیل کھیلیں اور اونٹ پر سوار ہو کر باغیوں کی قیادت کریں اور بہت سے لوگ ان پر اس سلسلہ میں قربان بھی ہو جائیں۔ ان دونوں عورتوں کا انجام بھی تقریباً ایک ہی سا ہوا، دونوں واقعات کا یکساں ہونا بھی عجیب تاریخی اتفاق ہے۔ یہ خیال رہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ سلمی کے اقدام کو پسند کرنا عائشہ کے خروج کا اصل سبب ہے بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ واقعہ ان کے رغبتِ خروج و رجحانِ

بغاوت کا محرک ہوا اور اسی کو پیش نظر رکھ کر عائشہ نے اپنا منصوبہ باندھا۔

فَخُرُوْجُ عَائِشَةَ كَامْرَأَةٍ لِلْقِيَادَةِ الْعَامَّةِ شَيْءٌ جَدِيْدٌ فِي الْمُجْتَمَعِ الْإِسْلَامِيِّ الْأَوَّلِ. فَثَارَ حَوْلَهُ تَفْكِيْرٌ طَوِيْلٌ فِيْ أَنَّهُ هَلْ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَأْتِيَ مِثْلَ هٰذِهِ الْمُبَادَرَاتِ أَمْ لَا؟ وَكَانَ التَّفْكِيْرُ فِيْ ذٰلِكَ مِنْ وُجْهَةٍ دِيْنِيَّةٍ مَحْضَةٍ. فَأُمُّ سَلَمَةَ. زَوْجُ النَّبِيِّ. وَالطَّائِفَةُ الْمُحَافِظَةُ عَلَى الْقَدِيْمِ ذَهَبُوْا إِلٰى أَنَّهُ لَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ لَهَا. وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَالْعَرَبُ الَّذِيْنَ سَكَنُوا الْبَصْرَةَ وَتَأَثَّرُوْا بِأَفْكَارِ الْفُرْسِ ذَهَبُوْا. كَمَا يَظْهَرُ مِنْ عَمَلِهِمْ. إِلٰى جَوَازِهٖ. فَظُهُوْرُ الْمَرْأَةِ شَيْءٌ جَدِيْدٌ أَثَارَ مَسْأَلَةً جَدِيْدَةً مَا فِيْ ذٰلِكَ شَكٌّ۔

عائشہ عورت ذات کا عوام کی قیادت کرتے ہوئے خروج کرنا اور میدان جنگ میں ان کا ایک لشکر کی کمان دار بننا یہ اس وقت کی اسلامی سوسائٹی میں ایک ایسی عجیب اور نئی بات تھی کہ عرصہ تک لوگوں میں یہ بات معرض بحث میں رہی کہ ایک عورت کو ایسی حرکتیں کرنی درست تھیں یا نہیں؟ اور آیا شرعاً عورت کے لیے یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ ام المومنین ام سلمہ زوجہ پیغمبرؐ اور وہ لوگ جو قدیمی اصولِ اسلام کے محافظین تھے وہ اس کو ناجائز سمجھتے تھے، لیکن طلحہ، زبیر اور بصرہ کے رہنے والے عرب جو ایرانی افکار ورجحان سے متاثر تھے وہ اس کو جائز سمجھتے تھے جس پر خود ان کا عمل گواہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں عورت کا یہ اقدام اور کارستانی اسلام میں ایک بالکل نئی بات تھی اور مسلمانوں کے غور وفکر کے لیے یہ ایک نیا مسئلہ تھا۔[1]

انہی حالات میں جبکہ لوگ اس جدید مسئلہ پر غور وفکر کر رہے تھے، علی علیہ السلام نے عورت کے متعلق یہ تقریر جنگ جمل کی تباہ کاریوں کے بعد جو ایک عورت کی لائی ہوئی تھی بصرہ میں ایسے مجمع کے سامنے فرمائی جن کی اکثریت عائشہ کے ساتھ شریک جنگ تھی اور جن میں ایسے بھی قبائل شریک تھے جو سجاح وسلمی کی قیادت کو تسلیم کر چکے تھے۔ علی علیہ السلام کی یہ تقریر ماضی کا ایک پس منظر پیش کرتی ہے جو مستقبل کی تباہی کا پیش خیمہ ہوئی تھی۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ "علی علیہ السلام" کے سازش قتل میں بھی ایک عورت شریک ہے۔ بقول عباس محمود العقاد:

وَشَاءَتِ الْمَقَادِيْرُ أَنْ تَنْقَضِيَ حَيَاةُ الْإِمَامِ وَلِلْمَرْأَةِ يَدٌ فِي الْقَضَاءِ عَلَيْهَا. فَكَانَتْ حَيَاتُهُ الْغَالِيَةُ مَهْرًا لِقَطَامِ الَّتِيْ قَالَ فِيْهَا ابْنُ أَبِيْ مَيَّاسِ الْمُرَادِ۔

یہ بھی ایک تقدیری بات ہے کہ علی علیہ السلام کی زندگی کو ختم کر دینے میں بھی ایک عورت کا ہاتھ ہے،

[1] تاریخ الحسین نقد وتحلیل، الشیخ عبداللہ العلائلی، صفحات ۱۸۰، ۱۸۶، ۱۸۷، طبع بیروت۔

اس طرح کہ آپؑ کی قیمتی زندگی "قطام" کا مہر قرار پائی۔

شاعر عرب ابن ابی میاس المرادی کہتا ہے:

وَلَمْ اَرَ مَهْرًا سَاقَهُ ذُوْ سَمَاحَةٍ كَمَهْرِ قَطَامٍ مِنْ فَصِيْحٍ وَ اَعْجَمِ

ثَلَاثَةُ آلَافٍ وَعَبْدٌ وَقِيْنَةٌ وَضَرْبُ عَلِيٍّ بِالْحُسَامِ الْمُسَمَّمِ

فَلَا مَهْرَ اَغْلٰى مِنْ عَلِيٍّ وَاِنْ غَلَا وَلَا فَتْكَ اِلَّا دُوْنَ اِبْنِ مُلْجَمٍ۔[1]

احادیث صحاح ستہ و دوسرے کتب احادیث اہلسنت میں عورتوں کی مذمت

کیا خلوصی صاحب کو اپنے کتب صحاح ستہ و مسانید معتبرہ کی خبر ہے کہ ان میں "عورت" کے متعلق کیا بتلایا گیا ہے۔ میں اس وقت ۳۳ حدیثوں کو موصوف کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ذرا ان کے متعلق بھی یورپ کی رائے معلوم فرمالیں۔ علامہ شیخ محمد کمال الدین الادہمی لکھتے ہیں:

وَاَمَّا مَا وَرَدَ مِنَ الْاَحَادِيْثِ فِيْ ذَمِّ النِّسَآءِ فَهٰذَا بَعْضٌ مِنْهَا: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

عورتوں کی مذمت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱)۔ اَلنِّسَآءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ۔

عورتیں شیطان کی جال ہیں۔ اس حدیث کو محدث بیہقی و ابن عساکر نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے۔

(۲)۔ وَفِيْ حَدِيْثٍ اٰخَرَ: اَلنِّسَآءُ لَا يَسْتَبْشِرْنَ وَلَا يَخْتَبِرْنَ.

حدیث: عورتوں سے نہ مشورہ کرو اور نہ ان کو آزماؤ۔

(۳)۔ وَ فِيْ حَدِيْثٍ اٰخَرَ: اِنَّ اَقَلَّ سَاكِنِي الْجَنَّةِ النِّسَآءُ. رَوَاهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَ مُسْلِمٌ عَنْ عِمْرَانِ بْنِ حُصَيْنٍ۔

حدیث: جنت میں رہنے والوں کی کم تعداد عورتوں کی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں عمران بن حصین سے روایت کی ہے۔

(۴)۔ وَ فِيْ حَدِيْثٍ اٰخَرَ: عَامَّةُ اَهْلِ النَّارِ النِّسَآءُ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُصَيْنٍ۔

---

[1] عبقریۃ الامام، العقاد، ص ۱۹۹، طبع مصر۔

حدیث: عورتیں عام طور سے جہنمی ہیں۔ اس کو محدث طبرانی نے عبداللہ بن حصین سے روایت کی ہے۔

(۵)۔ وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: اَلَا اِنَّ النَّارَ خُلِقَتْ لِلسُّفَهَآءِ وَهُنَّ النِّسَآءُ اِلَّا الَّتِیْ اَطَاعَتْ بَعْلَهَا۔

حدیث: جہنم بے وقوفوں کے لیے خلق ہوئی ہے اور عورتیں یہی بیوقوف ہیں سوائے ان عورتوں کے جو اپنے شوہر کی مطیع ہیں۔

(۶)۔ وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: اِنَّ اِبْلِیْسَ الْمَلْعُوْنَ یَخْطِبُ شَیَاطِیْنَهٗ فَیَقُوْلُ: عَلَیْكُمْ بِاللَّحْمِ، وَبِكُلِّ مُسْكِرٍ، وَبِالنِّسَآءِ فَاِنِّیْ لَمْ اَجِدْ جِمَاعَ الشَّرِّ اِلَّا فِیْهَا۔

حدیث: ابلیس ملعون اپنے ماتحت شیاطین سے تقریر کرتا ہے "تمہارے مفید مطلب گوشت، ہر نشہ آور شے اور عورتیں ہیں اس لیے کہ تمام برائیاں انہیں میں پائی جاتی ہیں"۔

(۷)۔ وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: لَوْلَا النِّسَآءُ لَعُبِدَ اللّٰهُ حَقًّا. رَوَاهُ الدَّیْلَمِیُّ عَنْ اَنَسٍ وَ ابْنِ عُدَیٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

حدیث: اگر عورتیں نہ ہوتیں تو خدا کی عبادت ٹھیک سے کی جاتی۔ اس کو محدث دیلمی نے انس سے اور بن عدی نے عبداللہ بن عمر بن خطاب سے روایت کی ہے۔

(۸)۔ وَفِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: لَوْلَا الْمَرْاَةُ لَدَخَلَ الرَّجُلُ الْجَنَّةَ. رَوَاهُ الثَّقَفِیُّ عَنْ اَنَسٍ۔

حدیث: اگر عورت نہ ہوتی مرد جنت میں ہوتا۔ اس کو محدث ثقفی نے انس سے روایت کی ہے۔

(۹)۔ وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَاَیْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَآءَ، وَ فِی النَّارِ فَرَاَیْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَآءَ وَ الْاَغْنِیَآءَ. رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ۔

حدیث: رسولؐ کہتے ہیں کہ میں نے جنت میں دیکھا تو اس میں فقراء کی اکثریت تھی اور جہنم میں دیکھا تو اس میں عورتوں اور دولتمندوں کی اکثریت تھی۔ اس کو عبداللہ بن امام احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عمر بن عاص سے روایت کی ہے۔

(۱۰)۔ وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: مَثَلُ الْمَرْاَةِ الصَّالِحَةِ فِی النِّسَآءِ كَمَثَلِ الْغُرَابِ الْاَعْصَمِ الَّذِیْ اِحْدٰی رِجْلَیْهِ بَیْضَآءُ. رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ عَنْ اَبِیْ اَمَامَةَ۔

حدیث: نیک عورت کی اتنی کمی ہے جس قدر کہ "غراب اعصم" وہ کوا کہ جس کی ایک ٹانگ سفید ہونا یاب ونادرالوجود ہے۔اس کو امام طبرانی نے ابی امامہ سے روایت کی ہے۔

(۱۱). وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: اَلدُّنْیَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللهَ تَعَالٰی مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْهَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَالنِّسَآءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ مِنَ النِّسَآءِ۔

حدیث: دنیا شیریں اور ہری بھری ہے اور خدا نے تم انسانوں کو خلیفہ بنایا ہے اس لیے یہ دیکھتے رہو کہ کیا عمل کرتے ہو، دنیا اور عورتوں سے پرہیز کرو اس لیے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ وفساد جو ہوا وہ عورت ہی کی ذات سے ہوا۔

(۱۲). وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَوْ وَقَعَ حَجَرٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ مَا وَقَعَ اِلَّا عَلَی امْرَاَةٍ فَاجِرَةٍ اَوْ رَجُلٍ مُنَافِقٍ۔

حدیث: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ اگر آسمان سے کوئی پتھر زمین پر آئے تو وہ نہیں گرے گا لیکن بدکار عورت یا منافق مرد پر۔

(۱۳). وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: اِنَّمَا الشُّؤْمُ فِیْ ثَلَاثَةٍ: فِی الْفَرَسِ وَالْمَرْاَةِ وَالدَّارِ۔

حدیث: اگر نحوست وبدبختی کسی چیز میں ہے تو وہ عورت، گھر، گھوڑا یہی تین چیزیں ہیں۔

(۱۴). وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: اَلنِّسَآءُ غُلٌّ قَمِلٌ یَقْذِفُهُ اللهُ تَعَالٰی فِیْ عُنُقِ مَنْ یَّشَآءُ ثُمَّ لَا یُخْرِجُهٗ اِلَّا هُوَ۔

حدیث: عورتیں گلے کا پھندا اور پھانسی ہیں اس کو خدا جس کے گلے میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی نکال نہیں سکتا۔

(۱۵). وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: مَا صَعَبَ عَلَی الشَّیْطَانِ اَمْرٌ فَاَتَاهُ مِنْ جِهَةِ النِّسَآءِ اِلَّا هَانَ عَلَیْهِ۔

حدیث: جب شیطان پر کوئی کام دشوار ہوتا ہے تو وہ عورتوں کے ذریعہ کامیابی حاصل کرتا ہے۔

(۱۶). وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ فِتْنَةً اَخْوَفَ عَلَیْهَا مِنَ النِّسَآءِ وَالْخَمْرِ. رَوَاهُ یُوْسُفُ الْخَفَّافُ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔

حدیث: میں اپنی امت میں کسی فتنہ سے اتنا نہیں ڈرتا ہوں جس قدر کہ عورتوں اور نشہ آور چیزوں

کے فتنہ سے ڈرتا ہوں۔اس کو یوسف الخفاف نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

(۱۷) وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَر: مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمَذِیُّ وَ النِّسَائِیُّ وَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ۔

حدیث: میں اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ سوائے عورتوں کے جو مردوں کے لیے زیادہ مضرت رساں ہو نہیں چھوڑ رہا ہوں۔اس کو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور امام احمد بن حنبل نے اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے۔

(۱۸) وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَر: مَا رَاَیْتُ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِیْنٍ اَسْبٰی لِلُبِّ ذَوِی الْاَلْبَابِ مِنْکُنَّ۔ رَوَاهُ اَبُوْ نَعِیْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔

حدیث: میں نے تم عورتوں سے زیادہ ناقص العقل، ناقص الدین جو صاحبان عقل کی سمجھ کو بھی گم کردیں نہیں دیکھا۔اس کو حافظ ابونعیم نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔

(۱۹) وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَر: مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَ دِیْنٍ اَغْلَبَ لِذِیْ لُبٍّ مِنْ اِحْدَاکُنَّ. اَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ فَاِنَّ شَهَادَةَ امْرَاَتَیْنِ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ وَ اَمَّا نُقْصَانُ الدِّیْنِ فَاِنَّ اِحْدَاکُنَّ تُفْطِرُ رَمَضَانَ وَ تُقِیْمُ اَیَّامًا لَا تُصَلِّیْ یَعْنِیْ فِیْ حَالَتَیِ الْحَیْضِ وَالنِّفَاسِ ؟۔

حدیث: میں نے تم عورتوں سے زیادہ کم عقل جن کے دین میں بھی نقص ہو نہیں دیکھا۔عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کا نقصان یوں ہے کہ حالت حیض ونفاس میں نہ تم روزہ رکھ سکتی ہو اور نہ نماز پڑھ سکتی ہو۔

(۲۰) وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخَر: اِتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ فَاِنَّ اِبْلِیْسَ طَلَّاعٌ رَصَّادٌ وَمَا هُوَ بِشَیْءٍ مِنْ فُخُوْخِهٖ بِاَوْثَقَ لِصَیْدِهٖ فِی الْاَتْقِیَآءِ مِنَ النِّسَآءِ. رَوَاهُ الدَّیْلَمِیُّ عَنْ مَعَاذٍ۔

حدیث: دنیا سے بچو اور عورتوں سے پرہیز کرو کیونکہ ابلیس تمہاری گھات میں ہے، پرہیزگاروں کے پھانسنے کے لیے اس کے پاس کوئی جال اور پھندا عورتوں سے زیادہ کارگر نہیں ہے۔اس کو محدث دیلمی نے معاذ سے روایت کی ہے۔

(۲۱)۔وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخرَ: اِسْتَعِیْذُوْا بِاللهِ مِنْ شِرَارِ النِّسَاءِ وَکُوْنُوْا مِنْ خِیَارِهِنَّ عَلٰی حَذَرٍ۔

حدیث: بری عورتوں سے بچنے کے لیے خدا سے پناہ مانگو اور نیک عورتوں سے بھی ہوشیار اور بچتے رہو۔

(۲۲)۔وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخرَ: شَاوِرُهُنَّ وَخَالِفُوْهُنَّ فَاِنَّ الْبَرَکَةَ فِیْ خِلَافِهِنَّ۔

حدیث: عورتوں سے رائے لے کر ان کے مشورہ کے خلاف عمل کرو اس لیے کہ ان کی مخالفت ہی میں برکت ہے۔

(۲۳)۔وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخرَ: اَخِّرُوا النِّسَآءَ حَیْثُ اَخَّرَهُنَّ اللهُ۔

حدیث: عورتوں کو آگے بڑھنے نہ دو پیچھے کرو جیسا کہ خدا نے ان کو پیچھے دھکیلا ہے۔

(۲۴)۔وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخرَ: یَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْکَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْاَةُ۔

حدیث: کتا، گدھا اور عورت سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (نماز پڑھنے والے کے سامنے ہونے سے)

(۲۵)۔وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخرَ: اِذَا اسْتَقْبَلَتْكَ الْمَرْاَتَانِ فَلَا تَمُرَّ بَیْنَهُمَا خُذْ یَمْنَةً اَوْ یَسْرَةً۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

حدیث: راہ چلتے دو عورتوں کے درمیان سے نہ گذرو، بلکہ ان سے کترا کر داہنے بائیں چلو۔ اس کو بیہقی نے عمر بن خطاب کے بیٹے عبداللہ سے روایت کی ہے۔

(۲۶)۔وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخرَ: لَنْ یُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ امْرَاَةً۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَالتِّرْمَذِیُّ وَالنِّسَائِیُّ وَاَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةٍ۔

حدیث: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوئی جن کی حاکم عورتیں ہوئی۔ اس کو امام بخاری نے اور امام ترمذی نے اور امام نسائی نے اور امام احمد بن حنبل نے ابی بکرہ صحابی سے روایت کی ہے۔

(۲۷)۔وَ فِیْ حَدِیْثٍ اُخرَ: کَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیْرٌ وَلَمْ یَکْمُلْ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا آسِیَةُ امْرَاَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْیَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ وَخَدِیْجَةُ بِنْتُ خُوَیْلِدٍ وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ"۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیَّ وَمُسْلِمٌ وَالتِّرْمَذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ۔

حدیث: مردوں میں سے تو بہت کامل ہوئے لیکن عورتوں میں سوائے آسیہ زن فرعون، مریم دختر

عمران، خدیجہ دختر خویلد اور فاطمہ دختر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی کامل نہیں ہوا۔ اس کو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے۔

(۲۸)۔ وَفِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: طَاعَةُ النِّسَآءِ نَدَامَةٌ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ وَابْنُ عَسَاکِرٍ عَنْ عَائِشَةَ۔

حدیث: عورتوں کی اطاعت ندامت ہے۔ اس کو محدث بیہقی اور ابن عساکر نے عائشہ سے روایت کی ہے۔

(۲۹)۔ وَفِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: هَلَكَ الرِّجَالُ حِیْنَ اَطَاعَتِ النِّسَآءِ۔ رَوَاهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِیُّ وَالْحَاکِمُ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةٍ۔

حدیث: وہ مرد ہلاک ہو گئے جنہوں نے عورتوں کی اطاعت کی۔ اس کو امام احمد بن حنبل، طبرانی، امام حاکم نے ابی بکرہ سے روایت کی ہے،

(۳۰)۔ وَفِیْ حَدِیْثٍ اُخَرَ: اُرِیْتُ النَّارَ فَاِذَا اَکْثَرُ اَهْلِهَا النِّسَآءُ، لِاَنَّهُنَّ یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ، وَیَکْفُرْنَ الْاِحْسَانَ، لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَیْئًا، قَالَتْ مَا رَاَیْتُ مِنْكَ خَیْرًا قَطُّ۔

حدیث: میں نے جہنم میں دیکھا تو اس میں عورتوں کی زیادتی تھی کیونکہ وہ اپنی قوم وقبیلہ اور شوہر سے کفران کرتی ہیں اور نیکی واحسان کو مٹاتی ہیں، اگر تم کسی عورت کے ساتھ تمام عمر نیکی کرتے رہو اور اتفاق سے کوئی بات تم سے اس کے خلاف مزاج ہو جائے تو پھر وہ یہی کہے گی کہ تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

(۳۱): مِنْ تِسْعٍ وَتِسْعِیْنَ امْرَاَةً وَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ وَبَقِیَّتُهُنَّ فِی النَّارِ۔

حدیث: ۹۹ عورتوں میں سے ایک جنت میں ہوگی اور بقیہ سب جہنم میں ہوں گی۔

(۳۲): یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ، فَاِنِّیْ رَاَیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَهْلِ النَّارِ قُلْنَ وَبِمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ تُسْرِعْنَ اللَّعْنَ وَتُکْثِرْنَ الطَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ اِذَا جُعْتُنَّ دَقَعْتُنَّ[1] وَاِذَا شَبِعْتُنَّ اَشِرْتُنَّ وَفِیْ رِوَایَةٍ خَجِلْتُنَّ۔

حدیث: اے عورتو! صدقہ دو اس لیے کہ میں نے تم میں سے اکثر کو جہنم میں دیکھا ہے، بی بیوں

---

[1] دَقَعَ: رَضِیَ بِالدُّوْنِ مِنَ الْمَعِیْشَةِ وَسَاءَ احْتِمَالُهٗ لِلْفَقْرِ وَلَصِقَ بِالتُّرَابِ ذُلًّا وَفَقْرًا وَاَشِرَ بَطِرَ۔ وَخَجِلَ رَفَعَ رِجْلًا وَمَشٰی مُتَرَیِّفًا عَلٰی رِجْلِهِ الْاُخْرٰی کِنَایَةٌ عَنِ الْبَطَرِ۔

نے عرض کیا: یا ﷺ! یہ کیوں جہنم میں ہوں گی؟ فرمایا: اس لیے کہ لعن طعن کرنے میں زبان بہت چلتی ہے، شوہر و عزیزوں سے کفران نعمت کرتی ہیں، بھوکی ہوئیں تو ذلت وفقر کو ظاہر کرتی ہیں اور پیٹ بھری ہوئیں تو کبر و غرور کرتی ہیں۔

(۳۳)۔ رَاَیْتُ کَاَنَّ امْرَاَۃً سَوْدَاءَ ثَائِرَۃَ الرَّاْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ حَتّٰی نَزَلَتْ بِمَھْیَعَۃَ. فَاَوَّلْتُ اَنَّ وَبَاءَ الْمَدِیْنَۃِ نُقِلَ اِلَیْھَا۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَالتِّرْمَذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

وَمُنَاسِبَۃُ ذِکْرِ ھٰذَا الْحَدِیْثِ مَعَ مَا قَبْلَہٗ کَوْنُ وَبَاءِ الْمَدِیْنَۃِ تَمَثَّلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ بِصُوْرَۃِ امْرَاَۃٍ اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ بَیْنَ النِّسَآءِ وَالْوَبَآءِ مُنَاسَبَۃٌ وَعَلَاقَۃٌ۔

میں نے ایک کالی عورت کو دیکھا کہ مدینہ سے نکل کر مہیعہ میں گئی، میں نے اس کی یہ تاویل کی کہ مدینہ سے وبا نکل کر مہیعہ میں چلی گئی۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام ترمذی، ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت اور وبا میں کوئی مناسبت وعلاقہ ہے جبھی تو وبا رسول اللہ ﷺ کو عورت کی صورت میں دکھائی دی۔[1]

یہ وہ حدیثیں ہیں جن کو محدثین اہلسنت نے نقل کیا ہے اور جو صحاح ستہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ کیا خلوصی صاحب کی نظر ان احادیث پر نہیں گئی، یورپ کی عورتوں کے سامنے ان کو پیش فرمایئے، امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں عورتوں کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کی تائید تو آپ کے احادیث صحاح سے ہو رہی ہے۔

یورپ کی عورتیں اپنے عیوب سننے کی عادی ہیں۔ عورت کے متعلق عقلاء یورپ کے اقوال

خلوصی صاحب کا یہ خیال غلط ہے کہ یورپ کی عورتیں اپنے عیوب کو سننے کی عادی نہیں ہیں۔ یہ عورتیں "نسلاً بعد نسل" چرچ میں اپنے مقدس باپ "پادری" سے یہ برابر سنتی آئی ہیں اور ان کے کان اس بات کو سننے میں مانوس ہو چکے ہیں کہ "عورت تمام برائیوں کی جڑ ہے، وہ عورت ہی ہے جس نے جنت سے نکلوایا، اگر "آدم" حواؑ کے کہنے میں نہ آتے تو اولاد آدم آسمانی سلطنت سے دور نہ ہوتے اور خدا کا اکلوتا انسان گناہوں کے بوجھ کو لاد کر سولی پر نہ چڑھتا۔

[1] مرآۃ النساء فیما حسن منھن و ساء، محمد کمال الدین الادھمی، ص ۳۹، ۴۰، ۴۱، مطبوعہ مطبع مطبوعیہ مصر۔

وہ عورتیں مشہور جرمنی فلسفی شوپنہار کے اس قول کو بھی ضرور سن چکی ہوں گی "تم مجھ سے نرم، نازک، چکنے سانپ کے بارے میں پوچھتے ہو جو ہر وقت تمہارے سامنے ہے، یہ سانپ سوائے عورت کے اور کون ہے، عورت چاہے فرشتہ ہو یا شیطان ہم کو اس سے کیا، خدا ہم کو اس کے شر سے بچائے۔ محبت پھول ہے اور عورت کانٹا ہے، ذرا عورت کو بغیر کسی نگہبان ومحافظ کے آزاد چھوڑ تو دو اور ایک سال کے بعد دیکھو کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، عورت اسی وقت تک مستحسن ہے جب تک کہ وہ اپنے گھریلو باتوں میں منہمک ہے، عورت کو چاہیے کہ وہ "عورت" ہی کی حد میں رہے اپنے قدم اس کے آگے نہ بڑھائے"۔

انگریز عورت سر والٹر اسکاٹ کے قول سے بھی ضرور باخبر ہوگی کہ "عورت کی خوبصورتی اس کی عقل میں ہے اور اس کی عقل اس کی خوبصورتی میں"۔ ہاں ہاں اس کو اپنے قومی شاعر شکسپیر کی یہ رائے بھی ضرور معلوم ہوگی، "اگر عورت کے آنسوؤں سے زمین سیراب کی جائے تو ہر قطرہ سے سانپ اُگے"۔

وہ انگریزوں کی ان قومی کہاوتوں کو بھی بار بار سن چکی ہوں گی۔ عورت شیر خوارگی میں مچھر ہے، بچپنے میں مکھی ہے، اپنی تعلیم کے زمانہ میں جھینگر ہے، شباب میں ٹڈی اور شادی کے دنوں میں شہد کی مکھی، شادی کے بعد ڈنک مارنے والی بھڑ اور بڑھاپے میں ڈسنے والی ناگن ہے، "عورت کی ڈاڑھی مونچھ اس لیے نہیں کہ وہ پہچان لی جائیں کہ یہ بیوقوف ہیں۔" "مرد عورتوں کی طرف صرف یہ دکھلانے کے لیے متوجہ ہوتے ہیں تا کہ یہ کہا جا سکے کہ ان میں خوبی ہے اگرچہ درحقیقت ان میں کوئی خوبی نہیں ہے۔" ان عورتوں کو تو معلوم ہی ہوگا کہ فرانسیسی جب کسی ایسے قتل وفساد کو سنتے ہیں جس کا سبب نہیں معلوم ہوتا تو کہتے ہیں "تحقیق کرو اس خون وفساد کا سبب عورت ہوگی، کیونکہ 99٪ فی صد قتل وفساد جو دنیا میں ہوتے رہتے ہیں وہ عورت ہی کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں، دراصل عورت ہی شر وفساد کی اصل جڑ ہے"[۱] کیا انگلستان کی عورتوں نے اپنے شاعر شکسپیر کی زبانی اپنے عیب کو ان الفاظ میں نہیں سنا:

(FRAILTY THY NAME IS WOMAN,SHAKESPEARE)

موجودہ دنیائے فکر وتحقیق کا مایہ ناز ماہر علم النفس "فرائڈ" عورت کی نفسیاتی تحلیل کرنے کے بعد اس امر کا اقرار کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں کرتا کہ

---

[۱] مراۃ النساء، ص ۴۸، ۴۹، طبع مصر۔

It must be admitted that women have but little sense of justice, and this is no doubt connected with the preponderence of envy in their mental life, for the demands of justice are a modification of envy, they lay down the conditions under which one is willing to part with it. We say also of woman that their social interests are weaker than those of men, and that their Capacity for the sub limation of their instincts is less.

Ch.xxx 111,

Psychology of women

New Introductory Lectures

By Sigmund Freud

اس کا تو ضرور اعتراف کیا جائے گا کہ عورتوں میں جذبہ عدل وانصاف کی بہت کمی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا تعلق اس رشک وحسد کے مادہ سے ہے جو ان کی نفسانی زندگی میں بدرجہ افراط موجود ہے اس لیے کہ انصاف کے مطالبات رشک وحسد کے اعتدال کے ساتھ ہیں (نہ کہ افراط کے ساتھ) وہ ایسے شرائط پیش کرتے ہیں جن کے ماتحت ہر شخص اس سے علیحدگی پر رضامند ہو جاتا ہے ہم عورتوں کے بارے میں یہ بھی کہیں گے کہ ان کے جماعتی اور سماجی حقوق بہ نسبت مردوں کے جماعتی حقوق کے بہت زیادہ کمزور ہیں اور یہ کہ ان کی استعداد اپنی فطری صلاحیت ومہارت کو بہتر بنانے کی بہت کم ہے۔[1]

کیا موجودہ علم النفس کا امام "فرائڈ" عورتوں کی نفسیاتی تحلیل وتجزیہ کرنے کے بعد جس نتیجہ تک پہنچا ہے وہی نہیں ہے جس کو امام المتقین امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا؟ مادہ رشک وحسد جو عورتوں کی نفسانی زندگی میں بدرجہ افراط موجود ہے اسی نے تو ان کے عقول میں نقصان پیدا کیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر وہ اپنی فطری صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے سے قاصر رہ جاتی ہیں اور معاشرتی زندگی میں مردوں کے برابر ان کے حقوق نہیں تسلیم کیے گئے۔ اگر مسٹر فرائڈ "سائیکالوجی آف ویمن" کے متعلق یہ سب کچھ بتلا سکتے

---

[1] باب ۳۳، نفسیات زنان، نیو انٹروڈکٹری لکچرس مصنفہ سگمنڈ فرائڈ۔

ہیں اور اس کو سننے کے لیے انگلستان کی عورتیں آمادہ ہیں تو "علی علیہ السلام" کے کلام معجز نظام کو بھی وہ ضرور بخندہ پیشانی سننے کے لیے تیار ہوں گی۔

نہج البلاغہ کے متعلق خلوصی کے شکوک وایراد

خلوصی صاحب نے امیر المومنین علیہ السلام کے اس خطبہ کے پردے میں احکامات اسلام کو مورد الزام وطعن قرار دینے کے بعد نہج البلاغہ کے متعلق چند شکوک وارد کئے ہیں، یہ شکوک وہی ہیں۔ جن کو مخالفین علی علیہ السلام وحامیان بنی امیہ مثل ابن تیمیہ وذہبی اور مخالفین اسلام متعصب مسیحی معترضین نے کیے ہیں، ان تمام شکوک کا ماحصل یہ ہے:

۱۔سید مرتضیٰ وسید رضی سے پہلے یہ خطبے مدون نہ تھے اور نہ ان دونوں بھائیوں کے پہلے کے مصنفات میں ان کا کہیں نشان ملتا ہے، یہ خطبے علی علیہ السلام کے بہت بعد جمع ہوئے جن کے مصادر کا پتا نہیں۔

۲۔کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے خطبے لوگوں کو حفظ تھے، آخر خود پیغمبرؐ اور دوسرے خلفاء کے خطب ومواعظ کیوں نہ حفظ ہو کر مدون ہوئے جبکہ وہ لوگ علی علیہ السلام سے بلند مرتبہ تھے اور ان کے ماننے والے بھی زیادہ تھے۔

۳۔ان خطبوں میں حضرت علی علیہ السلام کی زبانی خلفاء پر سب وشتم وطعن کیا گیا ہے جو حضرتؑ سے ہرگز نہیں ہوسکتا تھا جیسے خطبہ شقشقیہ، اس لیے خصوصیت سے یہ خطبہ حضرتؑ کا نہیں ہوسکتا۔

۴۔ان خطبوں میں ایسے بلند افکار، وفلسفیانہ مضامین وعلم کلام کی بحثیں ہیں جن کا وجود اس عہد میں نہ تھا، ان مضامین عالیہ کو بیان کرنے پر حضرت علی علیہ السلام کیونکر قادر ہوئے، خصوصاً عہد نامہ مالک اشتر جو عہد سلطان بایزید دوم کے زمانہ کا نسخہ ہے۔ وہ مختصر ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ میں جو عہد نامہ مالک اشتر کا ہے وہ بڑھا دیا گیا ہے اور ان دونوں کے اصل کو اگر حضرتؑ سے تسلیم بھی کیا جائے تو مختصر الفاظ میں چند سطروں پر مشتمل ہوگا۔

۵۔نہج البلاغہ کے خطب میں مذاق تصوف بھی پایا جاتا ہے جو حضرتؑ کے بعد کی پیداوار ہے۔

۶۔اس میں غیب کی خبریں اور پیشن گوئیاں ہیں۔

۷۔اس کا اسلوب حضرتؑ کے عہد کا نہیں، مسجع عبارتیں ہیں، طول بہت ہے جو اس زمانہ کا رواج

نہ تھا، خالص عربیت نہیں ہے اس میں کچھ حضرتؑ کا اور کچھ دوسروں کا کلام شامل ہے۔

۸۔ اس میں نحوی غلطیاں ہیں اور بعض الفاظ ایسے معنوں میں مستعمل ہیں جو اس زمانہ میں رائج نہ تھے۔

یہ ہے خلاصہ ان شبہات کا جو خلوصی صاحب نے اپنے مضمون میں وارد کیے ہیں اور جن کی تفصیل ہمارے جوابات سے ظاہر ہو جائے گی۔

پہلے شبہ کا جواب

میں اس مضمون میں بہت وضاحت کے ساتھ تاریخی حوالوں و معتبر ماخذوں سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے خود حضرتؑ ہی کے عہد میں آپؑ کے افاضل اصحاب نے مدون و محفوظ کر لیے تھے اور علویین میں یہ خطبے بطور درس رائج تھے۔ اس کے بعد ائمہ معصومینؑ کے اصحاب نے حضرتؑ کے خطبوں کو مرتب و مدون کیا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے علماء و ادباء نے بھی اپنے سلسلہ اسناد سے حضرتؑ کے خطب کو جمع کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ سید رضی سے پہلے کے مورخین و محدثین و علماء فریقین کی ایک کثیر تعداد ہے جنہوں نے اپنے مجامیع کتب و تصانیف میں حضرتؑ کے خطب و اقوال کو وارد کیا ہے اور باکمال کُتّاب و ادیب اور مقرر و خطیب حضرتؑ کے خطب و رسائل کو یاد کر کے اپنے کمال فن میں جلا دیتے رہتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ حضرتؑ کے خطب و کلام عہد جاحظ سے پیشتر کے درسیات میں ایک اہم مضمون کی حیثیت رکھتا تھا۔[۱]

عمر بن بحر الجاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے کتاب "البیان والتبیین" میں اس کا اقرار کیا ہے کہ حضرتؑ کے خطبے مدون و مرتب و متداول و رائج ہیں۔ جاحظ کے اس بیان کی مجملاً تشریح یہ ہے کہ خود امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب نے حضرتؑ کے خطب و دیگر آثار علمیہ کو مدون و مرتب کر لیا تھا لیکن اس ابتدائی تدوین و ترتیب کے بعد بنی امیہ کے تاریک دور میں غالباً یہ خطبے معرض فنا میں آ رہے تھے یا دوسروں کی طرف منسوب ہو جانے کا امکان تھا اس لیے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے اصحاب اس خطرہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور (۱) ہشام بن محمد الکلبی صحابی امام محمد باقر علیہ السلام (۲) و اسمعیل بن مہران السکونی الکوفی (۳) و ابراہیم بن الحکم الفرازی صحابی امام جعفر صادق علیہ السلام (۴) مسعدہ بن صدقہ العبدی صحابی امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم علیہما السلام، (۵) صالح بن ابی حماد الرازی صحابی امام علی النقی علیہ السلام، (۶) سید عبد العظیم بن عبد اللہ الحسنی متوفی حدود ۲۵۰ھ صحابی امام علی نقی علیہ السلام کے سے مشہور اصحاب ائمہ معصومین علیہم السلام ان خطبوں کی جمع و تدوین کی طرف برابر متوجہ رہے۔ گویا آج کل کی زبان میں علی علیہ السلام کے زمانہ سے تقریباً ۲۵۰ھ تک خطب امیر المومنین علیہ السلام کے چھ ایڈیشن شائع ہوئے جن کو مرتب کرنے والے جلیل القدر اصحاب ائمہ تھے۔ یہ پے در پے جمع و تدوین (ایڈیشن کا نکلنا) اس کا ثبوت ہے کہ اس ادبی خزینہ کے محافظین اپنے فرائض حفاظت کی طرف برابر

---

[۱] ادب الجاحظ، حسن السندوبی، باب ۲۰، ص ۱۹۶، طبع مصر۔

متوجہ رہے اور دشمنوں کو تصرف وتغلب کا موقع کسی طرح بھی نہ دے سکے۔

علمائے اہلسنت میں سے علی بن محمد مدائنی متوفی ۲۲۵ھ نے بھی جبکہ ابھی امام حسن عسکری علیہ السلام حیات تھے (حضرتؑ کی وفات ۲۶۰ھ میں واقع ہوئی)، امیر المومنین علیہ السلام کے مکاتیب وفرامین کو مدون کیا تھا۔ اس کے بعد ابراہیم بن محمد الثقفی الکوفی ۲۸۳ھ نے ایک دوسرا مجموعہ حضرتؑ کے خطب وفرامین کا مرتب کیا۔ اس کے بعد ابواحمد عبدالعزیز الجلو دی البصری متوفی ۳۳۰ھ نے حضرتؑ کے خطب ورسائل ومواعظ کے مختلف مجموعے مرتب ومدون کیے۔ اب وہ زمانہ آ چکا تھا جبکہ مصنفین ومولفین بکثرت تھے، تصنیف وتالیف کا دور تھا اور جو بھی علم وادب کی کوئی کتاب لکھتا تھا اس میں وہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے آثار علمیہ میں سے کچھ نہ کچھ ضرور جمع کرتا تھا اور محدثین ومورخین محل وموقع کی مناسبت سے اپنی کتابوں میں ان کو جگہ دیتے رہتے تھے، یہاں تک کہ جناب سید رضی موسوی متوفی ۴۰۶ھ کا زرین عہد آیا اور آپ نے حضرتؑ کے خطبات ورسائل وامثال کے ایک گراں بہا مجموعہ کو مدون فرمایا۔ یہ سمجھنا کہ سب سے پہلے سید رضی نے ان کو جمع ومرتب کیا یہ دلیل بے خبری ہے، یا یہ کہ خود شریف رضی ان کے واضع ہیں ایک پوچ ولچر خیال ہے۔

دکتور زکی مبارک مصری اپنی کتاب "النثر الفنی فی القرن الرابع" میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ اَرَادَ الْمَيُسُوْ دِيْمُوْمُبِيْنِ (Demonbynes) اَنْ يَغُضَّ مِنْ قِيْمَةِ مَا نُسِبَ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مِنْ خُطَبٍ وَرَسَائِلَ، اِسْتِنَادًا اِلٰى مَا شَاعَ مُنْذُ اَزْمَانٍ مِنَ اَنَّ الشَّرِيْفَ الرَّضِيَّ هُوَ وَاضِعُ كِتَابِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. اَمَّا نَحْنُ فَنَتَحَفَّظُ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْاَلَةِ كُلَّ التَّحَفُّظِ، لِاَنَّ الْجَاحِظَ يُحَدِّثُنَا اَنَّ خُطَبَ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانَتْ مَحْفُوْظَةً فِيْ مَجْمُوْعَاتٍ. وَمَعْنٰى هٰذَا اَنَّ خُطَبَ عَلِيٍّ كَانَتْ مَعْرُوْفَةً قَبْلَ الشَّرِيْفِ الرَّضِيِّ. وَالَّذِيْنَ نَسَبُوْا ۔ نَهْجَ الْبَلَاغَةِ اِلَى الرَّضِيِّ يَحْتَجُّوْنَ بِاَنَّهٗ وَضَعَهَا لِاَغْرَاضٍ شِيْعِيَّةٍ، فَلِمَ لَانَقُوْلُ مِنْ جَانِبِنَا بِاَنَّ تُهْمَةَ الْوَضْعِ جَاءَتْ لِتَاْيِيْدِ خُصُوْمِ الْحَمَلَاتِ الشِّيْعِيَّةِ۔

میسو دیمومبین نے حضرت علی علیہ السلام کے خطب ورسائل کے متعلق جو زمانہ دراز سے اسناد کے ساتھ شائع ورائج ہیں ان کی قدر وقیمت گھٹانے کے لیے یہ رائے ظاہر کی کہ کتاب نہج البلاغہ کے وضع کرنے والے شریف الرضی ہیں لیکن ہم کو اس مسئلہ میں وثوق کامل ہے کہ یہ مجموعہ حضرت علی علیہ السلام ہی کا ہے اس لیے کہ جاحظ کا یہ بیان ہے کہ علی علیہ السلام عمر وعثمان کے خطبے مختلف

مجموعوں میں مدون ومحفوظ ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام کے خطبے سید رضی کے بہت قبل زمانے سے مشہور ومعروف تھے۔ جو لوگ نہج البلاغہ کو سید رضی کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ شیعی اغراض کے لیے سید رضی نے ان خطبوں کو وضع کیا ہے، ان لوگوں سے جواب میں کیوں نہ یہ کہوں کہ یہ وضع کرنے کی تہمت صرف اس لیے تراشی گئی ہے کہ شیعوں کے دشمنوں کی اس سے تائید ہو۔[1]

سید رضی نے ان خطبوں کو "عَلٰی شُرُوْطِ الصِّحَۃِ" صحیح ماخذ واسناد سے جمع فرمایا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خود ان کے زمانے میں جبکہ بغداد میں اہلسنت کا غلبہ تھا، جہاں اہلسنت کے اجلہ علماء وحفاظ حدیث وراویان اخبار بکثرت موجود تھے فوراً سید رضی کو مورد الزام قرار دیتے اور سنی المذہب خلیفۂ وقت کی جانب سے مبتلائے عقاب وعذاب ہوتے حالانکہ معمولی باتوں پر حکومت سید رضی کو مورد عتاب قرار دے دیتی تھی جس کا تذکرہ آئندہ کے صفحات میں کیا جائے گا۔ علاوہ اس کے خود سید رضی کا تدین کب اس کی اجازت دے سکتا تھا کہ وہ موضوع یا مشکوک کلام کو حضرت علی علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیں، ایسا کرنے میں خود سید کے عقیدے کے لحاظ سے دنیا وآخرت ہر دو جگہ خطرہ مول لینا تھا، کیونکہ کوئی شیعہ اپنے امام معصوم کی طرف کسی کلام منحول وموضوع کو منسوب کر سکتا ہے جبکہ اس کو دنیا وآخرت میں نقصان ہی نقصان ہو، آخر سید رضی کے معاصرین علمائے اہلسنت نے کیوں نہیں اپنے مصنفات میں اس امر خاص میں سید رضی کا تعاقب کیا، بجائے اس کے یہ لوگ ان کے علم وفضل، زہد وورع، عفت واتقاء کی تعریف کرتے ہیں۔ خود سید رضی ناقد بصیر تھے، موصوف کا ادب وشعر میں بڑا مرتبہ ہے، وہ حضرت علی علیہ السلام کے کلام کو پرکھنے میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ کمال رکھتے تھے، انہوں نے نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کے اسی کلام کا انتخاب فرمایا جس کی صحت میں کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا تھا، جو حد تواتر وشہرت کو پہنچا ہوا تھا، اسی لئے کمال وثوق کے ساتھ بغیر ذکر اسناد وماخذ حضرتؑ کے کلام کو نہج البلاغہ میں جمع فرمایا۔ جس طرح ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں بغیر ذکر واسناد کے اپنے علم ووثوق وصحت کی بناء پر حضرت علی علیہ السلام ودیگر خلفاء کے خطبوں کو وارد کیا ہے۔ ہاں جہاں پر سید رضی نے یہ دیکھا کہ گنجائش کلام ہے وہاں پر اپنے ماخذ کا حوالہ بھی دے دیا یا بتلا دیا کہ یہ کلام دراصل امیر المومنین علیہ السلام ہی کا ہے دوسرے کی طرف غلط منسوب کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرتؑ کا یہ خطبہ جس کی ابتدا "اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّا قَدْ اَصْبَحْنَا فِیْ دَھْرٍ عَنُوْدٍ" سے ہے اس کو نقل کر کے متنبہ فرماتے ہیں:

---

[1] الفکر الفنی، ج ۱، ص ۶۸، طبع مصر۔

{اَقُوْلُ: هٰذِهِ الْخُطْبَةُ رُبَمَا نَسَبَهَا مَنْ لَّا عِلْمَ لَهُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ. وَ هِيَ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام الَّذِیْ لَا يُشَكُّ فِيْهِ وَ اَيْنَ الذَّهَبُ مِنَ الرَّغَامِ؟ وَ الْعَذْبُ مِنَ الْاُجَاجِ؟ وَ قَدْ دَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ الدَّلِيْلُ الْخِرِّيْتُ، وَ نَقَدَهُ النَّاقِدُ الْبَصِيْرُ عَمْرُو بْنُ بَحْرٍ الْجَاحِظُ. فَاِنَّهُ ذَكَرَ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ فِیْ كِتَابِ "الْبَيَانِ وَ التَّبْيِيْنِ" وَ ذَكَرَ مَنْ نَسَبَهَا اِلٰى مُعَاوِيَةَ. ثُمَّ قَالَ: هِيَ بِكَلَامِ عَلِيٍّ عليه السلام اَشْبَهُ. وَ بِمَذْهَبِهٖ فِیْ تَصْنِيْفِ النَّاسِ وَ بِالْاِخْبَارِ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْقَهْرِ وَ الْاِذْلَالِ وَ مِنَ التَّقِيَّةِ وَ الْخَوْفِ اَلْيَقُ. قَالَ: وَ مَتٰى وَجَدْنَا مُعَاوِيَةَ فِیْ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ يَسْلُكُ فِیْ كَلَامِهٖ مَسْلَكَ الزُّهَّادِ وَ مَذَاهِبَ الْعُبَّادِ؟!}

میں کہتا ہوں کہ "بعض" جاہل اس خطبہ کو معاویہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام ہے، بھلا سونے کا مقابلہ مٹی کرسکتی ہے؟ یا آب شیریں کا مقابلہ آب شور کرسکتا ہے؟ اس امر کا اعتراف واقرار راہنمائے ماہر، ناقد بصیر عمرو بن بحر جاحظ نے بھی کیا ہے۔ جاحظ نے اپنی کتاب بیان والتبیین میں اس خطبہ کو وارد کیا ہے اور ان کا ذکر کیا ہے جو اس کو معاویہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کے بعد جاحظ اصل حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ "یہ خطبہ علی علیہ السلام کے کلام سے بہت زیادہ مشابہ ہے اور آپؑ کے روش وطریقہ کے بالکل مطابق ہے، لوگوں کو مختلف اصناف میں تقسیم کرنے اور ان کے اوپر گزرنے والے حالات، مغلوبیت وقہر، ذلت وخواری، تقیہ وخوف کو بتلانے میں سزاوار تر ہے علی علیہ السلام ہی کے اسلوب وانداز بیان سے۔ اس کے بعد جاحظ نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے معاویہ کو کب ایسا پایا کہ وہ اپنے کلام میں زاہدوں کی سی چال چلیں اور خاص بندگان خدا کی سی رفتار اختیار کریں۔[1]

علامہ جاحظ کی پوری عبارت جو آج بھی کتاب البیان والتبیین میں موجود ہے، وہ یہ ہے:

وَفِیْ هٰذِهِ الْخُطْبَةِ. اَبْقَاكَ اللّٰهُ ضُرُوْبٌ مِنَ الْعَجَبِ مِنْهَا اَنَّ هٰذَا الْكَلَامَ لَا يَشْبَهُ السَّبَبَ الَّذِیْ مِنْ اَجْلِهٖ دَعَاهُمْ مُعَاوِيَةُ وَمِنْهَا اَنَّ هٰذَا الْمَذْهَبَ فِیْ تَصْنِيْفِ النَّاسِ وَفِی الْاِخْبَارِ عَنْهُمْ وَعَمَّاهُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْقَهْرِ وَ الْاِذْلَالِ وَمِنَ التَّقِيَّةِ وَالْخَوْفِ. اَشْبَهُ

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۳۲، ص ۱۹۸۔

بِكَلَامِ عَلِيٍّ وَبِمَعَانِيْهِ وَبِحَالِهِ مِنْهُ بِحَالِ مُعَاوِيَةَ. وَمِنْهَا اَنَّا لَمْ نَجِدْ مُعَاوِيَةَ فِيْ حَالٍ مِنَ الْحَالَاتِ يَسْلُكُ فِيْ كَلَامِهِ مَسْلَكَ الزُّهَادِ وَلَا يَذْهَبُ مَذَاهِبَ الْعُبَّادِ.

خدا تمہیں سلامت رکھے معاویہ کی طرف اس خطبہ کو منسوب کرنے سے چند قسم کی حیرانی پیدا ہو جاتی ہے ازانجملہ یہ کہ یہ کلام ان حالات واسباب کے مطابق ومشابہ نہیں ہے جس کے لیے معاویہ شامیوں سے یہ تقریر کریں، یہ خطبہ حضرت علی علیہ السلام کے کلام سے بہت زیادہ مشابہ اور آپؑ کے روش وطریقہ کے بالکل مطابق ہے، لوگوں کو مختلف اصناف میں تقسیم کرنے اور ان کے اوپر گذرنے والے حالات، مغلوبیت وقہر، ذلت وخواری، تقیہ وخوف کے بتلانے میں سزاوار تر ہے علی علیہ السلام ہی کے اسلوب وانداز بیان سے، اس کے علاوہ ہم نے معاویہ کو کب ایسا پایا کہ وہ زہاد وعباد کی روش اختیار کریں اور اپنے کلام میں ان لوگوں کا سا طریقہ برتیں۔[1]

اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام کے اس قول "اُخْبُرْ تَقْلِهٖ" کو نقل فرما کر سید رضی فرماتے ہیں:

{وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَرْوِيْ هٰذَا لِلرَّسُوْلِ. وَ مِمَّا يُقَوِّيْ اَنَّهٗ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام مَا حَكَاهُ ثَعْلَبٌ. قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْاَعْرَابِيِّ. قَالَ: قَالَ الْمَامُوْنُ: لَوْ لَا اَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: "اُخْبُرْ تَقْلِهٖ" لَقُلْتُ اَنَا: اُقْلِهٖ تَخْبُرْ.}۔

بعض لوگ اس کلمہ کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں لیکن قوی یہی ہے کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کے کلمات میں سے ہے جیسا کہ ثعلب نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے بیان کیا ابن اعرابی نے کہ خلیفہ مامون رشید نے کہا اگر حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد {اُخْبُرْ تَقْلِهٗ} نہ ہوتا تو میں اس کے بجائے "اُقْلِهٗ تَخْبُرْ" کہتا۔[2]

ایک دوسرے کلمہ {اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ} کو سید رضی نے نہج البلاغہ میں نقل فرما کر یہ لکھا ہے:

وَ هٰذَا الْقَوْلُ فِي الْاَشْهَرِ الْاَظْهَرِ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. وَ قَدْ رَوَاهُ قَوْمٌ لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام. وَ ذَكَرَ ذٰلِكَ الْمُبَرَّدُ فِيْ كِتَابِ "الْمُقْتَضَبِ" فِيْ بَابِ اللَّفْظِ بِالْحُرُوْفِ.

---

[1] البیان والتبیین، الجزء الثانی، ص ۸۴، مع شرح حسن السندوبی، طبع مصر۔
[2] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۳۴۴، ص ۹۶۱۔

دراصل یہ قول بنابراشہراظہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال سے ہے اور تحقیق کہ ایک قوم نے اس کلمہ کوامیرالمومنین علیہ السلام کے کلمات سے ہونا روایت کیا ہے اور مبرد نے بھی اپنی کتاب "المقتضب" کے باب "اللفظ بالحروف" میں اس کوامیرالمومنین علیہ السلام کا کلمہ ہونا بتلایا ہے۔[1]

قابل ملاحظہ ہے یہ امر کہ اگرچہ مبرد اور دوسرے راویان ادب اس قول کو حضرت علی علیہ السلام کا بتلاتے ہیں لیکن چونکہ خود سید رضی کی تحقیق اس کے خلاف ہے اس لیے اس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول قرار دیتے ہیں۔ صرف نہج البلاغہ ہی میں نہیں اس کی وضاحت فرمائی بلکہ اپنی دوسری کتاب "مجازات النبویہ" میں بھی اس قول کو بضمن کلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد فرما کر یہ لکھا ہے کہ اگرچہ اس کلمہ کو محمد بن یزید المبرد نے اپنی کتاب "المقتضب" کے باب اللفظ بالحروف میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اظہر اشہر یہی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے۔[2]

سید رضی کا یہ اسلوب تالیف اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ نے نہج البلاغہ میں جہاں پر ماخذ واسناد کا ذکر نہیں کیا ہے اس کے کلام امیرالمومنین علیہ السلام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے بلکہ ماخذ واسناد کا حوالہ دینا اسی مقام پر ضروری سمجھا ہے جہاں پر شک کیا جاسکتا تھا۔

مصادر وماخذ نہج البلاغہ جن کا ذکر سید رضی نے کیا ہے

اس بناء پر سید رضی نے نہج البلاغہ میں جہاں اس کی ضرورت سمجھی ہے مندرجہ ذیل مصادر وماخذ کا حوالہ دیا ہے:

۱۔ کتاب "البیان والتبیین" لعمرو بن بحر الجاحظ۔

۲۔ کتاب "المقتضب" للمبرد فی باب اللفظ بالحروف۔

۳۔ کتاب المغازی "سعید بن یحیی الاموی۔

۴۔ کتاب "الجمل" للواقدی۔

۵۔ کتاب "المقامات فی مناقب امیرالمومنین علیہ السلام" لابی جعفر الاسکافی۔

۶۔ "تاریخ" ابن جریر الطبری۔

۷۔ حکایت ابی جعفر محمد بن علی الباقر علیہما السلام

۸۔ روایۃ الیمانی عن ابن قتیبہ۔

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۲۶۴، ص ۹۲۹۔

[2] مجازات النبویہ، ص ۱۷۹، طبع بغداد۔

۹۔ ماوجد بخط ھشام الکلبی (یعنی مجموعہ خطب امیر المومنین علیہ السلام جس کو ہشام بن محمد السائب الکلبی نے جمع کیا تھا ، غالباً یہ مجموعہ خطب علی علیہ السلام خود اپنے جامع ہشام الکلبی کا لکھا ہوا تھا جس کا حوالہ سید رضی دے رہے ہیں۔)

۱۰۔ خبر ضرار بن حمزۃ الضیابی۔

۱۱۔ روایۃ ابی جحیفہ۔

۱۲۔ حکایت ثعلب۔

کتب مصادر نہج البلاغہ کہاں جمع تھے

دراصل نہج البلاغہ کے مصادر کتب زیادہ تر صاحب ثمانین سید مرتضیٰ متوفی ۴۳۶ھ کے کتب خانہ میں محفوظ رہے ہوں گے۔ اس خزینۃ الکتب میں ۸۰ ہزار کتابیں تھیں۔[۱] اس کتب خانہ کے نوادرات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ "وَكَانَتِ الْاُصُوْلُ الْاَرْبَعِمِائَةِ وَ الْكُتُبُ الْخَمْسَةُ اٰلَافٍ كُلُّهَا مَوْجُوْدَةٌ عِنْدَهٗ" چار سو کتب اصول اور پانچ ہزار دوسری کتابیں جو عہد ائمہ معصومین علیہم السلام (از امام اول تا امام یازدہم) میں تصنیف وتالیف ہوئی تھیں وہ سب موجود تھیں۔[۲]

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اصحاب ائمہ نے جو مجموعے خطب امیر المومنین علیہ السلام کے جمع کیے تھے وہ سب یہاں موجود تھے، ثعالبی نے یتیمہ الدھر میں لکھا ہے کہ سید مرتضیٰ کی وفات کے بعد زیادہ تر کتابیں امراء و وزراء نے حاصل کر لیں تھیں، اس کے بعد باقی ماندہ کتابوں کی قیمت کا اندازہ تیس ہزار اشرفی لگایا گیا تھا۔[۳] تنکابنی نے اس قیمت کا اندازہ اسی ہزار تومان بتلایا ہے۔[۴] بظاہر سید مرتضیٰ کے بعد بھی اس کتب خانہ کی کتابیں بغداد ہی میں محفوظ رہی ہوں گی۔

شیعی و اسلامی خزائن کتب کی تباہی

لیکن آج یہ مصادر و ماخذ سوائے چند کے محفوظ و موجود نہیں، جس طرح سے امیر المومنین علیہ السلام کے دوسرے مجموعہ خطب جن کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے نہیں پائے جاتے ہیں، اس کا سبب صاف ظاہر ہے۔ تاریخ اسلام سے دلچسپی رکھنے والے اس سے واقف ہیں کہ ہلاکو نے ۶۵۶ھ میں بغداد کو (جہاں سید مرتضیٰ کا خزینۃ الکتب تھا اور جہاں

---

[۱] یتیمۃ الدھر، ثعالبی۔ امل الآمل، شیخ الحر العاملی، ص ۴۸۷۔ منتہی المقال، ص ۲۲۳۔ مجالس المومنین قاضی نور اللہ شوستری مجلس پنجم۔

[۲] انوار النعمانیہ، علامہ نعمت اللہ الجزائری، ص ۳۹۴۔

[۳] امل الآمل، ص ۴۸۷۔

[۴] قصص العلماء، ص ۱۹۵، طبع ایران۔

سید رضی نے نہج البلاغہ کو مرتب کیا) تاراج کرنے کے بعد وہاں کے عظیم الشان کتب خانوں کو دجلہ میں پھینکوا دیا تھا۔ ان کتابوں کی مجموعی تعداد جو دجلہ میں غرق کی گئی ہیں، تقریباً چھ لاکھ بتلائی گئی ہے۔[۱] بعض کا بیان ہے کہ اس نے ان کتابوں کو اینٹ کی طرح چنوا کر گھوڑوں کے لیے اصطبل تیار کرایا تھا۔[۲] مولوی شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اسلامی کتب خانے" میں لکھا ہے کہ بغداد کے بعض مورخوں نے یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ تاتاریوں نے بغداد کے کتب خانے جب برباد کیے اور تمام کتابیں دریا میں ڈال دیں تو دجلہ کا پانی کالا ہو گیا۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس فتنہ میں بے شمار کتابوں کا نام ونشان جاتا رہا۔ تاتار کا سیلاب بغداد پر محدود نہ تھا بلکہ ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، بلاد جبل، فارس، عراق، جزیرہ، شام ان تمام مقامات سے گزرا اور جہاں گزرا تمام علمی یادگاروں کو مٹاتا گیا۔[۳]

۵۰۲ھ میں جب عیسائیوں نے طرابلس الشام پر قبضہ کیا ہے تو ان لوگوں نے یہاں کے کتب خانوں کو جلا ڈالا۔ دراصل صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے مصر، شام، اسپین اور دیگر ممالک اسلامی کے کتب خانوں کو بری طرح جلا کر تباہ و برباد کیا ہے۔ کاونٹ برٹرم سینٹ جیل کے حکم سے جب طرابلس الشام کا کتب خانہ جلایا گیا ہے تو اس میں علاوہ قرآن کے کثیر التعداد نسخوں کے خود عیسائیوں کے بیان کے مطابق تیس لاکھ کتابیں تھیں۔[۴] اسپین میں جب عیسائیوں کا غلبہ ہوا تو وہاں کے کتب خانے بری طرح جلائے گئے (ابن خلدون) کارڈی نل ازی، می نس، (CRADINAL XIMENES) نے تو انتہا کر دی، صرف ایک دن میں اسی ہزار کتابوں کو نذر آتش کیا۔[۵]

یہ تو عمومی حیثیت سے مسلمانوں کے کتب خانوں کی تباہی تھی لیکن خصوصی اعتبار سے شیعوں کے کتب خانے اور ذخائر جہاں کتب مجامیع خطب امیر المومنین علیہ السلام کے محفوظ ہونے کا زیادہ امکان تھا وہ اس سے بھی زیادہ بری طرح تباہ و برباد کیے گئے۔ تاتاری کفار و مسیحیوں نے اسلام دشمنی میں اگر ان کو تباہ کیا تو خود عام مسلمانوں نے ان کو تباہ و برباد کر کے اپنی شیعی دشمنی کا ثبوت دیا۔ فاطمیین مصر کا عظیم الشان کتب خانہ جس کا جواب دنیا میں نہ تھا اور جس کے متعلق مصری مورخ استاذ علی ابراہیم حسن نے مورخ ابن خلدون کے حوالہ سے لکھا ہے:

وَلَا غَرْوَ فَقَدِ الْفَاطِمِيُّوْنَ عِنَايَةً خَاصَّةً بِازْدِيَادِ عَدَدِ الْكُتُبِ فِي الْمَذْهَبِ الشِّيْعِيِّ، حَتّٰى كَانَتْ مَكْتَبَةُ الْقَصْرِ فِي الْقَاهِرَةِ تُنَافِسُ غَيْرَهَا مِنَ الْمَكَاتِبِ فِي الْعَالَمِ

---

[۱] تجلیات روح ایرانی، چاپ برلین، ص ۸۵۔ تاریخ ادبیات ایران، پروفیسر براؤن۔

[۲] ابن خلدون، ج ۲، ص ۵۴۷۔

[۳] رسائل شبلی، ص ۵۰، ۵۱، طبع امرتسر۔

[۴] تاریخ ابن الساعی، ص ۱۲۷، و تاریخ تمدن اسلام، جرجی زیدان ج ۳۔

[۵] مقدمہ ابن خلدون، باب طبیعۃ العمران و مایعرض فیہ۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ج ۳، جرجی زیدان، ص ۱۱۳، ۱۱۵ طبع مصر۔

الْاِسْلَامِیِّ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعی مذہب کی کتابوں کی زیادتی اور کثرت کے لیے فاطمی خلفاء نے خاص طور سے توجہ کی تھی جس کی وجہ سے قاہرہ کے قصر شاہی کا کتب خانہ تمام عالم اسلامی کے کتب خانوں پر سبقت لے گیا تھا۔[1]

یہ عدیم النظیر کتابخانہ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بری طرح تباہ و برباد ہوا۔[2] مورخ مقریزی نے صاف لکھا ہے کہ اس کے تباہ کرنے میں یہ جذبہ کام کر رہا تھا کہ "اِنَّ فِيْهَا كَلَامَ الْمَشَارِقَةِ[3] الَّذِيْ يُخَالِفُ مَذْهَبَهُمْ "۔اس میں شیعوں کی کتابیں ہیں جو کہ ان لوگوں کے مذہب کے مخالف ہیں۔ اسی طرح ۴۲۰ھ میں جب سلطان محمود غزنوی نے رے کو فتح کیا ہے تو وہاں کے شیعی کتب خانوں کو اس نے جلوا دیا۔[4] قاضی ابن عمار الشیعی نے طرابلس الشام میں ایک عالیشان کتب خانہ کی تاسیس کی تھی جس میں ایک لاکھ سے زائد کتابیں تھیں۔[5] یہ کتب خانہ صلیبی جنگ میں برباد ہو گیا۔[6] اسی طرح اسلامی دنیا کا سب سے پہلا عمومی کتب خانہ (پبلک لائبریری) جس کو ابو نصر شاپور شیعی وزیر بہاء الدولہ شیعی نے ۳۸۱ھ میں بغداد کے محلہ کرخ میں قائم کیا تھا، یہ کتب خانہ بہت ہی عظیم الشان تھا، اس میں دس ہزار ایسی کتابیں تھیں جو اپنے مصنفین یا مشہور خطاط کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تھیں، اس عہد کا ہر مصنف اپنی تصنیف یہاں ضرور بھیجتا تھا۔ یاقوت الحموی جس نے دنیائے اسلام کے ایک سے ایک بہتر کتاب خانے دیکھے تھے وہ اس کی توصیف میں کہتا ہے "لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا اَحْسَنَ مِنْهَا" دنیا میں اس سے بہتر اور کوئی نہ تھا۔ اس کتب خانہ کو مورخین نے دار العلم کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔[7] لیکن شیعوں کا یہ مایہ ناز کتاب خانہ ۴۵۱ھ میں مشہور سنی قائد طغرل بیگ سنجوکی کے بغداد آنے پر جلا دیا گیا۔[8] یہیں بغداد میں شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی (۳۸۵ھ۔۴۶۰ھ) کا کتاب خانہ کئی مرتبہ جلایا گیا۔[9] لیکن آخری مرتبہ ۴۴۸ھ میں اس بری طرح جلایا گیا کہ

---

[1] تاریخ جوہر الصقلی، ص ۲۷، طبع قاہرہ۔

[2] کتاب الخطط، المقریزی، ج ۱، ص ۲۵۴، طبع مصر۔

[3] مورخ ابن اثیر اپنی کتاب میں لکھتا ہے "وَكَانَتِ الشِّيْعَةُ تُسَمّٰى بِالْمَغْرِبِ الْمَشَارِقَةَ نِسْبَةً اِلٰى اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الشِّيْعِيِّ " عبداللہ الشیعی کی نسبت سے ممالک مغرب میں شیعہ "مشارقہ" کہلاتے تھے۔ (کامل ابن اثیر ج ۹، ص ۱۰۲ طبع مصر)

[4] معجم الادباء، یاقوت حموی، ج ۶، ص ۲۵۹، طبع مصر۔

[5] دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ص ۲۴۲، طبع مصر۔

[6] اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۳۲۳، ۵۴۹، طبع دمشق۔

[7] وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۰، طبع مصر۔

[8] تاریخ الکامل، ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۲۱ و ج ۱۰، ص ۳، طبع مصر۔

[9] الاعلام، الزرکلی، ج ۳، ص ۸۸۴، طبع مصر۔

بلکل تباہ وبرباد ہوگیا۔[۱] اسی طرح ۵۴۹ھ میں "اتراک غز" (مسلمان ترکوں کا ایک گروہ جو ماوراء النہر میں رہتا تھا ان ترکوں نے خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا۔)[۲] نے نیشاپور کے کتب خانوں کو جلا ڈالا۔[۳] اس کے علاوہ ۵۸۶ھ میں "ملک المؤید ایوبی" نے نیشاپور کے کتب خانوں کو تباہ وبرباد کیا۔[۴] مشہور علم دوست، معارف پرور وزیر صاحب بن عباد شیعی کا عظیم الشان کتب خانہ جو "دارالکتب رے" کے نام سے مشہور تھا اس کو سلطان محمود غزنوی نے اپنی عصبیت کے مظاہرے میں جلا کر تباہ وبرباد کر ڈالا۔[۵]

ہمارے خزائن کتب کا احیاء کر کے اس میں ماخذ نہج البلاغہ کو تلاش کرو

ان حالات میں نہج البلاغہ کے مصادر وماخذ اور کتب الجامع خطب امیر المومنین علیہ السلام جو سید رضی وسید مرتضیٰ سے پہلے مدون ومرتب کئے گئے تھے وہ سب کے سب کیونکر دستیاب ہو سکتے ہیں، ہاں ہمارے ان برباد شدہ کتاب خانوں کو واپس لاؤ پھر تم ہم سے سوال کرو یا کتب رجال وتاریخ شیعہ کا مطالعہ کر کے اطمینان حاصل کرو، لیکن اس کے باوجود بھی قدماء مورخین ومصنفین کی کتابیں جو ہمارے سامنے ہیں ان میں نہج البلاغہ کے مندرجات کا پتا چلتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں جتنا کہ نہج البلاغہ میں ہے بلکہ مندرجات نہج البلاغہ کے علاوہ بھی دوسرے خطب پائے جاتے ہیں جن کا اسلوب وانداز وہی ہے جو خطب نہج البلاغہ کا ہے اور جن میں الٰہیات ومابعد الطبیعات کے مسائل اسی حکیمانہ انداز میں بیان کیے گئے ہیں جیسے کہ نہج البلاغہ کے خطبہ اشباح وقاصعہ وتوحید میں بیان ہوئے ہیں۔

خلوصی صاحب نے ابوالفرج اموی کی کتاب میں چند خطبے دیکھے

خلوصی صاحب کا مزاج چونکہ اموی نواز واقع ہوا ہے اس لیے ابوالفرج مروانی اموی اصفہانی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب نگاہوں سے گذری جس میں حضرت علی علیہ السلام کے چند خطبے موصوف نے دیکھے۔ غالباً اس وجہ سے موصوف نے ابوالفرج کو کٹر شیعہ Strong Shi the vertre کا خطاب بھی دے دیا۔

---

[۱] کشف الظنون، ج ۲، ص ۳۱۲۔ طبقات السبکی، ج ۳، ص ۱۵۔ الاعلام، الزرکلی۔
[۲] تاریخ الکامل، ابن اثیر، ج ۱۱، ص ۲۶، طبع مصر۔
[۳] تاریخ الکامل، ابن اثیر، ج ۱۱، ص ۷۶ طبع مصر۔
[۴] تاریخ الکامل، ابن اثیر، ج ۱۱، ص ۱۰۲، طبع مصر۔
[۵] معجم الادباء، یاقوت الحموی، ج ۶، ص ۲۵۹، طبع مصر۔ گبن ہسٹری آف رومن امپائر، ج ۳۔

ابوالفرج اموی امامیہ اثناعشریہ نہیں ہے

خلوصی صاحب نے اسلامی تاریخ پر تحقیقات کی ہے اور "اثر التشیع فی الادب العربی" کے موضوع پر تحقیق بھی فرما رہے ہیں لیکن موصوف نے "شیعہ دینی" اور "شیعہ سیاسی" کے نازک فرق کو اب تک نہ سمجھا، شیعہ باعتبار دین ومذہب کے وہ ہے جو امامت وخلافت کو ایک رکن سمجھتا ہے ارکان ایمان میں سے، جو امامت کو داخل اصول دین سمجھتا ہے اور خلافت اور امامت کو ائمہ اثناعشریہ کے لیے بالنص سمجھتا ہے اور اپنے ائمہ کی عصمت پر اعتقاد رکھتا ہے۔ لیکن "متشیع سیاسی" ہر وہ شخص ہے جس کی ہمدردی علی علیہ السلام اور اولاد علی علیہ السلام کی طرف ہو اس لیے نہیں کہ ان کی محبت اجر رسالت ہے یا ان کی امامت ارکان ایمان میں سے ہے، بلکہ اس لیے کہ ان میں انسانی فضائل وکمالات پائے جاتے تھے اور بنی امیہ و بنی عباس نے ان پر بہت زیادہ ظلم ڈھایا تھا، فطری طور پر انسان مظلوم کی طرف جھک جاتا ہے، ابوالفرج اموی اپنے ذاتی دین وایمان کے اعتبار سے کوئی شک نہیں کہ وہ سواد اعظم کے مذہب پر تھا، عقیدۃً وہ وہی دین رکھتا تھا جو اس کے آباؤ اجداد کا تھا، وہ امامت کو اصول دین میں نہیں سمجھتا تھا، وہ نص اور ائمہ کی عصمت کا قائل نہیں تھا، لیکن چونکہ وہ وسیع النظر تھا اپنے آباؤ اجداد بنی امیہ اور بنی عباس کے ظلم وچیرہ دستیوں سے واقف تھا، زیادہ سے زیادہ اس کو زیدی المذہب سمجھا جا سکتا ہے جو خلفاء ثلثہ کی صحت خلافت کے قائل ہیں اور فقہ میں ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، زیدی فرقہ ومذہب اہلسنت میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ علامہ حسن بن احمد السندوبی المصری لکھتے ہیں:

> مِنْهُمُ الزَّيْدِيَّةُ وَهٰؤُلَآءِ يُنْسَبُوْنَ اِلٰى زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ وَهُمْ مِنْ اَفْضَلِ الشِّيْعَةِ وَاَنْظَفِهِمْ عَقِيْدَةً حَتّٰى اِنَّكَ لَا تَكَادُ تَرٰى فَرْقًا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اَهْلِ السُّنَّةِ۔
>
> زیدی فرقہ زید بن علی کی طرف منسوب ہے یہ فرقہ شیعہ مذہب سے افضل ہے اور ان لوگوں سے زیدیوں کا عقیدہ بہت زیادہ پاک وبہتر ہے یہاں تک کہ اہلسنت وزیدی فرقہ میں تم کو کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔[1]

اس لیے ابوالفرج اموی کا شمار فرقہ اہلسنت میں کیا جائے گا۔ ابوالفرج کا اصل دین ومذہب کتاب الاغانی سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو عقیدۃً امامیہ کے بالکل خلاف ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ابوالفرج کی نگاہوں میں علی علیہ السلام اور ان کی اولاد مظلوم دکھلائی دی، وہ اس سے متاثر ہوا، بلند حوصلہ تھا اس لیے اس نے مقاتل الطالبین کو تالیف کیا اور اس طرح اس نے باوجود اموی ہونے کے اپنی فطری ہمدردی کو مظلوم کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ اس کی یہ ہمدردی جس کو "التشیع

---

[1] ادب الجاحظ، حاشیہ ص ۹۵، تالیف علامہ حسن السندوبی، طبع رحمانیہ مصر۔

السیاسی" کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں ویسے ہی ہے جیسا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز مروانی اموی یا بعض دوسرے خلفاء بنی عباس میں تھا۔ ابوالفرج اموی کی طرح اور دوسرے ادباء و شعراء بھی تھے جو باوجود متدین بمذہب امامیہ نہ ہونے کے، شیعہ بتلائے جاتے ہیں۔ دکتور عمر فروخ اپنی کتاب "عبقریۃ العرب فی العلم والفلسفۃ" میں لکھتے ہیں:

اِنَّ كَثِيْرِيْنَ مِنَ الشُّعَرَاءِ وَالْاُدَبَاءِ لَمْ يَكُوْنُوْا شِيْعَةً قَطُّ وَمَعَ ذٰلِكَ لَمْ يَسْتَطِيْعُوْا اِلَّا اَنْ يَكُوْنُوْا مُتَشَيِّعِيْنَ يَحُسُّوْنَ بِهٰذَا الْاَلَمِ الَّذِىْ اَصَابَ اٰلَ الْبَيْتِ وَهٰذَا الظُّلْمُ الَّذِىْ نَزَلَ بِاَحْفَادِهِمْ. نَعُدُّ لَكَ مِنْ هٰؤُلَآءِ اَبَا تَمَامٍ وَابْنَ الرُّوْمِيِّ، عَلٰى شِدَّةِ صِلَتِهِمْ بِبَنِى الْعَبَّاسِ وَنُوْرِدُ لَكَ اسْتِغْرَابَ اَبِى الْعَلَاءِ الْمَعَرِّىْ حِيْنَمَا وَجَدَ اَهْلَ بَغْدَادٍ يَدَّعُوْنَ بِاَنَّ ابْنَ الرُّوْمِيِّ مُتَشَيِّعٌ فَقَالَ وَلٰكِنَّنِىْ مَا اَرَاهُ اِلَّا عَلٰى مَذْهَبِ غَيْرِهٖ مِنَ الشُّعَرَاءِ مِمَّا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ بَعْضَ خِصَائِصِ هٰذِهِ الْحَرْكَةِ قَدِ انْتَشَرَ بَيْنَ غَيْرِ اَهْلِهَا۔

بہت سے شعراء ادباء ایسے تھے جو دین و مذہب کے اعتبار سے شیعہ ہرگز نہیں تھے لیکن اس کے باوجود متشیع ہوئے بغیر ان کو کوئی چارہ کار نہ تھا وہ اس ظلم و الم کو محسوس کرتے تھے جو اہلبیتؑ پہ توڑے گئے تھے، ان لوگوں میں ابوتمام اور ابن رومی کا بھی شمار ہے باوجودیکہ ان کے تعلقات بنی عباس سے تھے، اس سلسلہ میں آپ ابوالعلاء معری کے اس حیرت و استعجاب کو ملاحظہ کیجیے جو انھیں اہل بغداد کے یہ کہنے پر ہوا تھا کہ ابن رومی شیعہ ہے، معری نے سن کر یہ کہا تھا کہ میں تو ابن رومی کو بھی اسی مذہب پر پاتا ہوں جس مذہب پر بغداد کے تمام شعراء ہیں یعنی سنی المذہب۔[1]

کتب قدماء جن میں مندرجات نہج البلاغہ کا وجود آج بھی ہے

یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ (اس عہد میں) شیعی تحریک کا اثر اتنا ہو گیا تھا کہ جو غیر شیعہ تھے ان کو بھی شیعہ سمجھ لیا جاتا تھا۔ یہی دکتور عمر فروخ اپنی دوسری تالیف ابن الرومی میں لکھتے ہیں:

فَاِنَّ ابْنَ الرُّوْمِيِّ كَانَ مُتَشَيِّعًا عَلٰى مَذْهَبِ اَكْثَرِ الشُّعَرَاءِ الْعَبَّاسِيِّيْنَ يَاْلَمُ لِمَصَائِبِ اٰلِ الْبَيْتِ وَلَمْ يَكُنْ شِيْعِيًّا يَقُوْلُ بِاَنَّ الْاِمَامَةَ الْخِلَافَةَ اِنَّمَا هِىَ فِىْ اَبْنَاءِ عَلِيٍّ بِالنَّصِّ۔

ابن رومی عہد بنی عباس کے اکثر شعرا کی طرح مصائب اہلبیت پر دردمند ہونے کی وجہ

[1] عبقریۃ العرب، ص ۴۳، طبع اول دمشق۔

سے متشیع معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل عقیدہ و دین کی بناء پر شیعہ نہ تھا جو اس کا قائل ہوتا کہ خلافت و امامت اولادِ علی علیہ السلام کے لیے منصوص ہے۔[1]

خلوصی صاحب کو "شیعہ دینی" و "متشیع سیاسی" میں فرق کرنا چاہیے۔ متشیع سیاسی عقیدہ و دین کے اعتبار سے شیعہ امامیہ نہ ہوگا بلکہ سنی المذہب ہوسکتا ہے۔

خیر بات کہاں سے کہاں آپڑی، "اَلْحَدِیْثُ ذُوْشُجُوْنٍ" (بات سے بات نکلتی ہے) میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خلوصی صاحب نے چند خطبے ابوالفرج اموی کی کتاب میں دیکھے، خلوصی صاحب اپنے مطالعہ کو جاری رکھیں وسعت نظر ہی کی خاطر سہی، لیکن مندرجہ ذیل مصنفین کی تصانیف بھی ضرور ملاحظہ کریں جو سید رضی سے مقدم یا ان کے معاصر ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد موصوف کو معلوم ہو جائے گا کہ مندرجات نہج البلاغہ کتبِ قدماء صدرِ اول کے ضائع ہو جانے کے بعد بھی کہاں کہاں پائے جاتے ہیں:

نصر بن مزاحم المنقری التمیمی الکوفی۔	کتاب الصفین۔
ابوالحسن علی ابن محمد المدائنی المتوفی ۲۱۵ھ۔	تاریخ الخلفاء و کتاب الاحداث والفتن
ابوجعفر محمد بن حبیب النحوی البغدادی المتوفی ۲۴۵ھ۔	کتاب المحبر فی تاریخ الخلفاء
عمرو بن بحر الجاحظ البصری المتوفی ۲۵۵ھ۔	کتاب البیان والتبیین
ابن قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶ھ۔	عیون الاخبار، غریب الحدیث، ادب الکاتب، الامامۃ والسیاسۃ
ابن واضح الیعقوبی الکاتب العباسی المتوفی ۲۷۸ھ۔	تاریخ
ابوحنیفہ الدینوری متوفی ۲۸۱ھ۔	اخبار الطوال
ابوالعباس المبرد المتوفی ۲۸۶ھ۔	کتاب المبرد
محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ۔	تاریخ الرسل والملوک
ابوبکر محمد بن حسن بن درید ازدی بصری متوفی ۳۲۱ھ۔	کتاب المجتنیٰ
ابن عبد ربہ اندلسی متوفی ۳۲۸ھ۔	عقد الفرید۔
محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ھ۔	اصول الکافی و فروع الکافی و روضۃ الکافی
ابومحمد حسن ابن علی بن شعبۃ الحلبی متوفی ۳۳۲ھ۔	تحف العقول عن آل الرسول

[1] ابن الرومی، ص ۱۰، طبع بیروت۔

ابوالحسن علی بن حسین المسعودی الہذلی متوفی ۳۴۶ھ۔ مروج الذہب

ابوعلی القالی متوفی ۳۵۶ھ۔ نوادر

ابوجعفر ابن بابویہ القمی متوفی ۳۸۱ھ۔ من لایحضر، کتاب التوحید، علل الشرائع، معانی الاخبار وغیر ذلک۔

ابوھلال العسکری متوفی ۳۹۵ھ۔ کتاب الاوائل، کتاب من احتکم من الخلفاء الی القضاء

محمد بن محمد بن النعمان الشیخ المفید متوفی ۴۱۳ھ۔ کتاب الارشاد و کتاب الجمل

ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ۔ تجارب الامم

حافظ ابونعیم متوفی ۴۳۰ھ۔ حلیۃ الاولیاء

ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی (۳۸۵ھ۔۴۶۰ھ)۔ کتاب التہذیب، کتاب الامالی

ابومنصور عبدالملک الثعالبی متوفی ۴۲۹ھ۔ کتاب الاعجاز والایجاز

قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ القضاعی متوفی ۴۵۳ھ۔ دستور معالم الحکم وماثور مکارم الشیم

یہ وہ مصنفین ہیں جو سید رضی سے قبل یا ان کے معاصر و قریب العہد ہیں، اسی سلسلہ میں حافظ ابن عساکر دمشقی متوفی ۵۷۰ھ کی تاریخ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی جمع الجوامع اور ملا علی متقی متوفی ۹۷۵ھ کی کنز العمال بھی ملاحظہ فرمالیں۔ اس مطالعہ کے بعد خلوصی صاحب مشککین میں سے نہ رہیں گے بایں شرط کہ اگر موصوف کو حضرت علی علیہ السلام سے طبعاً عناد نہیں ہے، بلکہ انہیں یہ یقین ہوجائے گا کہ نہج البلاغہ یقیناً امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے خطبے لوگوں کو حفظ تھے، آخر خود پیغمبرؐ اور دوسرے خلفاء کے خطب ومواعظ کیوں نہ حفظ ہوکر مدون ہوئے؟

علامہ جاحظ لکھتے ہیں:

وَهٰذِهٖ خُطَبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُدَوَّنَةٌ وَمُخَلَّدَةٌ مَشْهُوْرَةٌ وَهٰذِهٖ خُطَبُ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔

یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدون ومشہور اور باقی رہنے والے خطبے اور اسی طرح ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے مدون ومرتب خطبے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطب جاحظ سے پہلے اور اس کے بعد بھی جمع کیے گئے، چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی متوفی ۲۵۰ھ نے خطب النبیؐ کا ایک مجموعہ مرتب کیا، عبدالعزیز الجلودی الشیعی البصری متوفی ۳۳۰ھ نے کتاب خطب النبیؐ کو تالیف کیا اور جاحظ کے بعد بھی خطب النبیؐ کے مجموعے ابوالعباس جعفر بن محمد المستغفری متوفی ۴۳۲ھ اور ابوالعباس الخضر بن نصر بن عقیل بن نصر الاربلی الشافعی متوفی ۵۶۷ھ نے مدون ومرتب کیے۔ لیکن ہم کو خلفائے ثلثہ کے متعلق علم نہیں کہ ان حضرات میں سے کسی ایک کے خطبے کو مستقل مؤلفین اہلسنت نے کسی ایک کتاب میں مرتب ومدون کیا۔ فاضل چلپی نے کشف الظنون میں کتب اہلسنت کا استقصاء کیا ہے لیکن اس کتاب میں اس کا کہیں پتا نشان نہیں کہ خلفائے ثلثہ کے خطبوں کا کوئی مجموعہ مرتب کیا گیا یا اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب ہی لکھی گئی، یقیناً جاحظ نے اور ان کے بعد ابن عبدربہ نے "البیان والتبیین" اور "عقدالفرید" میں خلفائے ثلثہ کے چند خطبوں کو نقل کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطب ومواعظ واحتجاج کی جیسی حفاظت مسلمانوں کو کرنی چاہیے تھی نہیں کی، رسولؐ کے گردوپیش جن لوگوں کا مجمع رہتا تھا ان کو علوم ومعارف سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ وہ فوراً جمع وتدوین کی طرف متوجہ ہوتے، آنحضرتؐ کا کلام عرصہ کے بعد جمع کیا گیا۔ عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

---

[1] البیان والتبیین، الجاحظ، ج ۱، ص ۲۴۷، طبع رحمانیہ مصر۔

وَاَمَّا خُطَبٌ وَ اَدْعِيَةٌ وَ وَصَايَا وَ اَجْوِبَةٌ عَنْ اَسْئِلَةٍ كُتِبَتْ بَعْدَ حِيْنِهَا۔

آنحضرتؐ کے خطبے، دعائیں، وصیتیں، سوالات کے جواب وہ حضرتؐ کے کہیں بعد لکھے گئے۔[1]

اصحابِ رسولؐ جمع وتدوین کے مخالف تھے

بات یہ ہے کہ اصحاب رسولؐ جمع وتدوین کے مخالف تھے، ابتدا میں تو جمع قرآن کو بھی نہیں پسند کرتے تھے۔ ابوبکر نے صاف کہا تھا: ''كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللهِ ؟'' ہم وہ کام کیونکر کریں جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ یہ خیال تنہا خلیفہ اول ہی کا نہیں تھا بلکہ زید بن ثابت نے بھی یہی کہا تھا: ''كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللهِ '' آپ لوگ ایسی بات کیونکر کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کی ہے۔[2]

اگر چہ حضرت علی علیہ السلام نے اس فرض کو ادا کیا تھا اور رسولؐ کی حیات ہی میں آپؑ نے قرآن کو جمع و مرتب فرما دیا تھا جس کے شائع وعام ہونے میں بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تقدیر نے مدد نہیں کی۔[3] جمع قرآن کے متعلق مشہور تابعی محمد بن سیرین یہاں تک کہتے ہیں:

مَاتَ اَبُوْ بَكْرٍ وَلَمْ يُجْمَعِ الْقُرْاٰنُ وَقُتِلَ عُمَرُ وَلَمْ يُجْمَعِ الْقُرْاٰنُ۔

ابوبکر مر گئے اور قرآن نہیں جمع ہوا اور عمر قتل کر دیے گئے اور قرآن نہیں جمع ہو سکا۔[4]

احادیث وآثار رسولؐ کو مدون کرنے کی اجازت نہ تھی

بہر حال بہت بحث ومباحثہ کے بعد کسی نہ کسی طرح قرآن کو جمع کر دیا گیا لیکن حدیث وسنت کی جمع وتدوین تو درکنار اس کو روایت کرنے سے بھی روک دیا گیا، خلیفہ اول ابوبکر کا حکم تھا:

فَلَا تُحَدِّثُوْا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ شَيْئًا. فَمَنْ سَاَلَكُمْ فَقُوْلُوْا: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللهِ۔

تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار (حدیث، خطب، ادعیہ، وصایا اور جوابات) کو کچھ بیان نہ کرو، دیکھو اگر تم سے کوئی اس کو دریافت کرے تو اس سے کہہ دیا کرو ہمارے اور تمہارے

---

[1] عبقریۃ محمد، ص ۱۳۰، طبع مصر۔

[2] صحیح بخاری، باب جمع القرآن۔

[3] ازالۃ الخفاء، مقصد دوم، ص ۲۷۳۔

[4] اتقان، سیوطی، ص ۴۷، طبع مصر۔

درمیان قرآن موجود ہے۔[1]

ایک مرتبہ نہ معلوم کس خیال کے ماتحت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں کو جو تعداد میں پانچ سو تھیں جمع کیا اور اپنی بیٹی حضرت عائشہ کے سپرد فرما دیا لیکن شب کو موصوف اپنی اس غلطی پر متنبہ ہوئے اور صبح ہوتے ہی اپنی بیٹی کے پاس آئے اور کہنے لگے:

فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ: اَیْ بُنَیَّۃ ھَلُمِّی الْاَحَادِیْثَ الَّتِیْ عِنْدَكِ. فَجِئْتُهٗ بِهَا فَدَعَا بِنَارٍ فَحَرَّقَهَا۔

بیٹی میری وہ حدیثیں لاؤ جو تمہارے پاس ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب میں اس مجموعہ کو اپنے باپ کے پاس لائی تو انہوں نے آگ لگا کر سب کو جلا دیا۔[2]

صرف یہی نہیں بلکہ اپنے اس نظریہ کی تائید میں یہ لوگ ایک حدیث بھی روایت کرتے تھے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ وَمَنْ كَتَبَ عَنِّیْ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُهٗ۔

مجھ سے جو سنو اسے تحریر نہ کرو، اگر کسی نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ اور روایت کر کے قلم بند کیا ہو تو اس کو مٹا ڈالو۔[3]

حضرت عمر اپنے عمال کو روایت حدیث سے برابر منع کرتے رہتے تھے، چنانچہ قرظہ بن کعب کو جب عراق کا والی مقرر کیا ہے تو یہ حکم دیا تھا کہ

جَوِّدُوا الْقُرْاٰنَ، وَاَقِلُّوا الرِّوَایَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. وَاَنَا شَرِیْكُكُمْ. فَلَمَّا قَدِمَ قَرَظَةُ بْنُ كَعْبٍ قَالُوْا حَدِّثْنَا. فَقَالَ نَهَانَا عُمَرُ۔

قرآن کو نمایاں و ظاہر کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث کی روایت کم کرو، میں اس میں تمہارا شریک ہوں۔ جب قرظہ بن کعب عراق پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے احادیث رسولؐ بیان کرنے کی خواہش کی، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حدیثوں کے بیان کرنے سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، علامہ ذہبی، ج ۱، ص ۳، طبع ثانیہ حیدر آباد۔

[2] تذکرۃ الحفاظ، علامہ ذہبی، ج ۱، ص ۵، طبع حیدر آباد۔ ریاض النضرہ، فضائل ابوبکر، محب الطبری۔ کنز العمال، ملا علی متقی۔

[3] صحیح مسلم۔

روک دیا ہے۔[1]

اسی پر اکتفا نہیں بلکہ راویان حدیث پیغمبر کو سزا دی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ زمانہ حضرت عمر کے بعد ابو ہریرہ صحابی رسول سے "ابوسلمہ" نے یہ دریافت کیا کہ

اَكُنْتَ تُحَدِّثُ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ هٰكَذَا؟

کیا آپ عمر کے زمانے میں بھی یونہی حدیثوں کو روایت کرتے تھے؟

اس کے جواب میں موصوف نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ اُحَدِّثُ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ مِثْلَ مَا اُحَدِّثُكُمْ لَضَرَبَنِيْ بِمِخْفَقَتِهٖ۔

اگر میں اسی طرح سے عمر کے زمانے میں روایت حدیث کرتا جیسا کہ تم لوگوں سے کرتا ہوں تو وہ مجھ کو درے سے مارتے۔[2]

جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۲۱ میں ابو عمر سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ یہ کہا کرتے تھے:

لَقَدْ حَدَّثْتُكُمْ بِاَحَادِيْثَ. لَوْ حَدَّثْتُ بِهَا زَمَنَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابَ لَضَرَبَنِيْ عُمَرُ بِالدِّرَّةِ۔

میں تم لوگوں سے احادیث رسولؐ کو بیان کرتا ہوں اگر کہیں عمر بن خطاب کے زمانہ میں روایت احادیث کرتا تو وہ مجھ کو کوڑے سے مارتے۔[3]

خلیفہ دوم عمر بن خطاب نے ابو ہریرہ کو حکم دیا تھا: قَتَلَكَ

لَتَتْرُكَنَّ الْحَدِيْثَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ اَوْ لَاُلْحِقَنَّكَ بِاَرْضِ دَوْسٍ۔

احادیث رسولؐ کا بیان کرنا ترک کر دو ورنہ تم کو شہر بدر کر کے قبیلہ دوس کی زمین کی طرف بھیج دوں گا۔[4]

---

[1] سنن الدارمی، ج ۱، ص ۸۵۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۶۔ مستدرک امام حاکم، ج ۱، ص ۱۰۲۔ جامع بیان العلم، عبدالبر، ج ۲، ص ۱۲۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، ج ۱، ص ۳۔

[2] تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، ج ۱، ص ۷، طبع حیدرآباد۔

[3] جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۲۱۔

[4] اخرجہ ابن عساکر کما فی کنز العمال، ج ۵، ص ۲۳۹۔

خلیفۂ دوم نے روایت حدیث کے جرم میں صحابہ کبار کو مقید کیا

خلیفۂ دوم نے روایت حدیث کے جرم میں، ابن مسعود، ابودردا، ابومسعود انصاری اور حضرت ابوذر غفاری ایسے صحابہ کبار کو مقید بھی کر دیا تھا، ملاحظہ ہو:

وَاَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَنَّ عُمَرَ حَبَسَ ثَلَاثَةً: اِبْنَ مَسْعُوْدٍ، وَاَبَا الدَّرْدَاءَ، وَاَبَا مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیَّ، فَقَالَ: قَدْ اَکْثَرْتُمُ الْحَدِیْثَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، حَبَسَهُمْ بِالْمَدِیْنَةِ حَتّٰی اِسْتُشْهِدَ۔

محدث طبرانی نے ابراہیم بن عبدالرحمان سے اخراج کیا ہے کہ عمر نے ابن مسعود، ابودردا، ابومسعود انصاری کو قید کر دیا تھا اور ان سے یہ کہا تھا کہ تمہارا جرم یہ ہے کہ تم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ یہ لوگ مدینہ میں قید رہے یہاں تک کہ عمر قتل کیے گئے۔[1]

امام حاکم لکھتے ہیں:

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالَ لِابْنِ مَسْعُوْدٍ وَلِاَبِی الدَّرْدَاءِ وَلِاَبِیْ ذَرٍّ: مَا هٰذَا الْحَدِیْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، وَاَحْسِبُهٗ حَبَسَهُمْ بِالْمَدِیْنَةِ حَتّٰی اُصِیْبَ۔

عمر بن خطاب نے ابن مسعود، ابودرداء اور حضرت ابوذر سے کہا یہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں کیا بیان کرتے رہتے ہو اور اسی روایتِ حدیث کے جرم میں ان سب اصحاب رسولؐ کو مدینہ میں مقید کر دیا یہاں تک کہ خود عمر قتل ہو گئے۔[2]

جمال الدین الحنفی لکھتے ہیں:

اِنَّ عُمَرَ حَبَسَ اَبَا مَسْعُوْدٍ وَاَبَا الدَّرْدَاءِ وَاَبَا ذَرٍّ حَتّٰی اُصِیْبَ وَقَالَ، مَا هٰذَا الْحَدِیْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ وَمِمَّا رُوِیَ عَنْهُ اَیْضًا اَنَّ عُمَرَ قَالَ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ وَاَبِیْ ذَرٍّ، مَا هٰذَا الْحَدِیْثُ؟ قَالَ اَحْسِبُهٗ حَبَسَهُمْ حَتّٰی اُصِیْبَ۔

عمر نے ابومسعود، ابودرداء اور ابوذر کو قید کر دیا تھا اور اس وقت تک یہ لوگ مقید رہے کہ عمر قتل ہو گئے۔ عمر ان لوگوں سے یہ کہتے تھے کہ تم لوگ احادیث رسولؐ کیوں بیان کرتے ہو۔[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، ج ۱، ص ۷۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۴۹۔
[2] مستدرک امام حاکم، ج ۱، ص ۱۱۰۔
[3] المعتصر، ج ۱، ص ۴۵۹۔

اس شدت امتناع کا یہ نتیجہ تھا کہ

قَالَ الشَّعْبِيُّ. قَعَدْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ سَنَتَيْنِ اَوْ سَنَةً وَنِصْفًا فَمَا سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِلَّا حَدِيْثًا۔

شعبی یہ کہتے ہیں کہ میں دو ڈیڑھ سال عبداللہ بن عمر کے ساتھ ہمہ وقت رہا برابر رہا لیکن میں نے ان کو احادیث رسولؐ کو روایت کرتے کبھی نہیں سنا سوائے ایک حدیث کے۔[1]

وَقَالَ السَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ: صَحِبْتُ سَعْدَ بْنَ مَالِكٍ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ. فَمَا سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ بِحَدِيْثٍ وَاحِدٍ۔

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں سعد بن مالک کے ہمراہ مدینہ سے مکہ تک رہا ان کو ایک حدیث بھی بیان کرتے نہیں سنا۔[2]

جب روایت احادیث کی اجازت نہ تھی تو پھر آثار پیغمبرؐ کو مدون و محفوظ کیونکر کیا جاتا، علامہ جلال الدین السیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں:

كَانَ بَيْنَ السَّلَفِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اِخْتِلَافٌ كَثِيْرٌ فِىْ كِتَابَةِ الْعِلْمِ. فَكَرِهَهَا كَثِيْرُوْنَ مِنْهُمْ وَاَبَاحَهَا طَائِفَةٌ وَفَعَلُوْهَا مِنْهُمْ عَلِيٌّ وَابْنُهُ الْحَسَنُ۔

سلف صحابہ وتابعین میں تدوین وتالیف اور کتابت علوم کے متعلق سخت اختلاف تھا۔ صحابہ وتابعین کی اکثریت اس کو برا سمجھتی تھی سوائے چند لوگوں کے جن میں حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام ہیں جو اس کو نہ صرف مباح ہی سمجھتے تھے بلکہ خود ان حضرات نے تالیف وتدوین بھی کیا۔[3]

سیوطی تدریب الراوی میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وَكَانَتِ الْاٰثَارُ فِىْ عَصْرِ الصَّحَابَةِ وَكِبَارِ التَّابِعِيْنَ غَيْرَ مُدَوَّنَةٍ وَلَا مُرَتَّبَةٍ. لِسَيَلَانِ اَذْهَانِهِمْ وَسَعَةِ حِفْظِهِمْ وَلِاَنَّهُمْ كَانُوْا نُهُوْا اَوَّلًا عَنْ كِتَابَتِهَا كَمَا ثَبَتَ فِىْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ. خَشْيَةَ اخْتِلَاطِهَا بِالْقُرْاٰنِ وَلِاَنَّ اَكْثَرَهُمْ كَانَ لَا يُحْسِنُ الْكِتَابَةَ۔

صحابہ وتابعین کے زمانہ میں حدیث نبوی غیر مدون تھے کیونکہ انہوں نے اپنے حافظہ میں اس کو محفوظ کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ صحابہ اولاً کتابت حدیث سے روک دیے گئے تھے جیسا کہ صحیح

---

[1] سنن الدارمی، ج ۱، ص ۸۴۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۵۔

[2] سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۶۔

[3] تدریب الراوی، السیوطی۔

مسلم میں ہے، اس خوف سے کہ قرآن میں حدیث مخلوط نہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں صحابہ کی اکثریت تو کتابت کے فن سے واقف ہی نہ تھی۔ [1]

علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الکاتب الچلپی لکھتے ہیں:

كَانُوْا مُسْتَغْنِيْنَ عَنْ تَدْوِيْنِ عِلْمِ الشَّرَائِعِ وَالْاَحْكَامِ. حَتّٰى اِنَّ بَعْضَهُمْ كَرِهَ كِتَابَةَ الْعِلْمِ وَاسْتَدَلَّ بِمَا رَوٰى عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ: اَنَّهُ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ ﷺ فِيْ كِتَابَةِ الْعِلْمِ. فَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ.

صحابہ علوم شریعت واحکام کی تدوین سے بے پرواہ وغافل تھے، یہی نہیں بلکہ بعض اصحاب کتابت علوم کو برا سمجھتے تھے اور صحابی رسولؐ ابوسعید الخدری کی اس روایت سے استدلال کرتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے علوم کو تحریر کرنے کی اجازت چاہی لیکن حضرتؐ نے اجازت نہیں دی۔

وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ نَهٰى عَنِ الْكِتَابَةِ وَقَالَ اِنَّمَا ضَلَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْكِتَابَةِ.

اور ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے کتابت سے منع فرمایا اور یہ فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ کتابت وتحریر ہی کے سبب گمراہ ہوئے۔

وَجَاءَ رَجُلٌ اِلٰى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَقَالَ: اِنِّيْ كَتَبْتُ كِتَابًا. اُرِيْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَيْكَ. فَلَمَّا عَرَضَ عَلَيْهِ. اَخَذَ مِنْهُ وَمَحَا بِالْمَاءِ۔

ایک شخص عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے پیش کروں، جب اس نے پیش کیا تو عبداللہ بن عباس نے اس سے لے لیا اور پانی سے تحریر کو مٹا ڈالا۔ [2]

مورخ یافعی عروہ بن الزبیر کے متعلق لکھتے ہیں: کہ وہ کہا کرتے تھے:

قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ كُنَّا نَقُوْلُ لَا تَتَّخِذُ كِتَابًا مَعَ كِتَابِ اللهِ. فَمَحَوْتُ كُتُبِيْ۔

---

[1] تدریب الراوی، السیوطی۔

[2] کشف الظنون، ج ۱، المقدمہ، ص ۲۶ طبع مصر، وکتاب البستان فی الاحادیث، باب کتابۃ العلم، الشیخ الفقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی، المتوفی ۳۷۵ھ۔

ہم لوگوں کا یہ قول ہے کہ قرآن کے ساتھ کسی دوسری کتاب کو باقی نہ رکھیں اسی لیے میں نے اپنی تمام کتابوں کو برباد کردیا۔[1]

مشہور تابعی سعید بن جبیر سے ایک شخص نے تفسیر قرآن لکھنے کی فرمائش کی تو آپ غضب ناک ہوئے اور انکار کردیا۔

فَغَضِبَ وَ قَالَ لِاَنْ یَسْقُطَ شِقِّیْ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ ذٰلِکَ۔[2]

امام التابعین ابن شہاب الزہری اس امر کے متعلق اپنے عقیدے کو ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں:

کُنَّا نَکْرَہُ کِتَابَۃَ الْعِلْمِ۔

ہم مطالب علمیہ کو قید تحریر میں لانے کو بری نگاہ سے دیکھتے تھے۔[3]

ان حالات میں سواد اعظم میں کون تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبوں کو مدون کرتا بلکہ روایت کرتا؟ یہی سبب ہے جس کی وجہ سے رسولؐ کے خطب و وصایا و احتجاج و جوابات عامۂ اسلام کو جس طرح محفوظ کرنا چاہیے تھا محفوظ نہ کرسکے حالانکہ حضرتؐ مسجد مدینہ میں برابر رشد و ہدایت کے لیے خطبے ارشاد فرماتے رہتے تھے۔ آپؐ کی خدمت میں علمائے یہود و نصاریٰ آئے ہیں ان لوگوں نے مباحثے کیے ہیں اور حضرتؐ نے جوابات عطا فرمائے ہیں، آپؐ مواعظ و وصایا بھی فرماتے رہتے تھے، مختلف موقعوں پر حضرتؐ نے بہت طولانی خطبے ارشاد کیے مثلاً خطبۂ حجۃ الوداع، خطبۂ غدیر خم۔ مگر کتب عامہ میں دیکھیے کہ وہ ان تمام چیزوں سے خالی ہے، حجۃ الوداع کے خطبہ کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے۔ حد ہے کہ اس خطبہ کو نہ معلوم کس مصلحت سے موضوعات میں شمار کیا جاتا ہے:

قَالَ الصَّنْعَانِیُّ اِنَّ مِنَ الْکُتُبِ الْمُوْضُوْعَۃِ خُطْبَۃَ الْوَدَاعِ الْمَنْسُوْبَۃَ اِلَی النَّبِیِّ۔

صنعانی کہتے ہیں کہ کتب موضوعہ میں حجۃ الوداع والا پیغمبرؐ کا خطبہ بھی ہے جو حضرتؐ کی طرف منسوب ہے۔[4]

غدیر خم کے مکمل و تمام خطبہ کو عامہ نے نقل ہی نہیں کیا، ہاں پیغمبرؐ کے یہ آثار جو بروایت صحیحہ اہلبیتؑ ہم تک پہنچے ہیں وہ کتب شیعہ میں آج تک محفوظ ہیں، کتاب الاحتجاج الطبرسی، کتاب النبوۃ، بحار الانوار مجلسی ملاحظہ کی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار علمیہ، خطب و مواعظ کے محافظ ان کے اہلبیتؑ تھے۔ ان کتابوں کو دیکھا جائے جو

---

[1] تاریخ مراۃ الجنان، یافعی بذکر عروہ بن زبیر، طبع مصر۔

[2] وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۵، طبع مصر۔

[3] حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۳، ص ۳۶۳، طبع مصر۔ الطبقات الکبیر، ابن سعد، الجزء الرابع، ص ۲۰۰، طبع قاہرہ۔

[4] کشف الظنون، باب الخاء، ج ۱، ص ۶۹۳، طبع مصر۔

روایات اہلبیتؑ کی حامل ہیں، ان سے معلوم ہوجائے گا کہ پیغمبرؐ کے کلام کی حفاظت کرنے والوں نے کیوں کر حفاظت کی ہے۔ وہ اکثریت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو مدون و مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے میں بھی نہیں شریک ہوئی؟

خلفاء کے خطبے کیوں نہیں مدون کئے گئے جبکہ علی علیہ السلام کے خطب واقوال کی جمع وتدوین ہوئی

رہا یہ امر کہ خلفاء ثلاثہ کے خطب و مواعظ کو لوگوں نے کیوں نہ یاد رکھا اور ان کو کیوں نہ محفوظ رکھا جبکہ علی علیہ السلام کے کلام کو یاد رکھنے اور محفوظ رکھنے میں لوگوں نے دلچسپی لی؟ یہ بات تو اس وقت کہی جا سکتی تھی جبکہ خلفاء ثلثہ بھی خطابت وبلاغت کے مرد میدا ہوتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی غیر عالم بدوی عرب صحابی رسولؐ کے متعلق یہ تمنا ظاہر کی جاتی۔ دراصل خلفاء ثلثہ اس میدان کے مرد نہ تھے، وَلِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ (ہر فن کے ماہرین ہوتے ہیں)۔

علامہ جاحظ لکھتے ہیں کہ عثمان جب خلیفہ ہوئے اور سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے کے لیے گئے تو:

صَعِدَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ الْمِنْبَرَ فَاُرْتِجَ عَلَيْهِ. فَقَالَ اِنَّ اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ كَانَا يُعِدَّانِ لِهٰذَا الْمَقَامِ مَقَالًا وَ اَنْتُمْ اِلٰى اِمَامٍ عَادِلٍ اَحْوَجُ مِنْكُمْ اِلٰى اِمَامٍ خَطِيْبٍ۔

منبر پر پہنچنے کے بعد عثمان کی زبان بند ہوگئی اور خطبہ نہ کہہ سکے۔ اس وقت آپ نے فرمایا ابوبکر وعمر یہ دونوں حضرات پہلے سے خطبہ تیار کر کے ازبر کر لیتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ امام عادل کے زیادہ محتاج ہو بہ نسبت ایسے امام کے جو خطیب ہو۔[1]

ابن عبد ربہ اندلسی نے نقل کیا ہے کہ یہ بھی کہا تھا:

لوگو پہلے پہل کی ہر سواری بڑی دشوار ہوتی ہے اگر زندہ رہا تو خطبہ تیار کر کے لاؤں گا اور خدا ہر دشواری کے بعد آسانی پیدا کرتا ہے۔[2]

بہر حال خلیفہ سوم کے اس عجز و اقرار سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود خطیب نہ تھے بلکہ ان کے پیش رو خلفاء ابوبکر وعمر بھی خطابت پر قدرت نہیں رکھتے تھے، جبھی تو وہ حضرات پہلے سے خطبہ تیار کر کے رٹتے اور پھر منبر پر جاتے۔

علامہ جاحظ مشہور و معروف ماہر لسانیات واخبار عرب محمد بن سلام الجمحی البصری متوفی ۲۳۲ھ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

[1] البیان والتبیین، ج ۱، ص ۱۸۶ و ج ۲، ص ۱۲۹، مطبوعہ مطبعۃ الفتوح الادبیہ قاہرہ ۱۳۳۲ء۔ الصناعتین، ابی ہلال الحسن بن عبد اللہ بن سہل العسکری، المتوفی ۳۹۵ھ، باب اول، فصل سوم، ص ۲۲، مطبوعہ مصر۔

[2] عقد الفرید، ج ۲، ص ۲۶۳، طبع مصر۔

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ الْجُمَحِیُّ: كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْهُ اِذَا رَاٰی الرَّجُلَ یَتَلَجْلَجُ فِیْ كَلَامِهٖ۔[1]

عمر رضی اللہ عنہ (تقریر کے وقت) جب کسی کو دیکھ لیتے تو ان کی زبان لڑکھڑانے لگتی۔

خود خلیفہ ثانی کا یہ قول تھا کہ ''مَا یَتَصَعَّدُنِیْ كَلَامٌ كَمَا تَتَصَعَّدُنِیْ خُطَبِ النِّكَاحِ'' مجھے اور باتوں میں اتنی دشواری و پریشانی نہیں ہوتی جتنی خطبۂ نکاح پڑھتے وقت ہوتی ہے۔[2] ظاہر ہے کہ خطبہ نکاح مختصر اور عموماً زیادہ بلیغ نہیں ہوتا، بہ نسبت دوسرے خطبوں کے جن کی شان علمی و ادبی ہوا کرتی ہے۔ ابن المقفع مشہور بلیغ و ادیب سے لوگوں نے اس کا سبب پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی، انہوں نے جواب دیا ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ خطبۂ نکاح میں سننے والے بالکل قریب ہوتے ہیں اور لوگوں سے نگاہیں چار ہوتی ہیں لیکن منبر پر جانے سے یہ بات نہیں بلکہ حاکمانہ شان اور رعب و دبدبہ پیدا ہوتا ہے، جو کچھ بھی کہہ جاؤ کوئی چون و چرا کرنے والا نہیں، یہ بھی تاویل کی ہے کہ خطبۂ نکاح میں مدح بھی کرتے ہیں چونکہ اس میں غیر مستحق کی مدح کا خیال رہتا ہے اس لیے دشواری ہوتی تھی لیکن جاحظ کہتے ہیں:

وَلَعَمْرِیْ اِنَّ هٰذَا التَّاْوِیْلَ لَیَجُوْزُ اِذَا كَانَ الْخَطِیْبُ مَوْقُوْفًا عَلَی الْخِطَابَةِ. فَاَمَّا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ وَاَشْبَاهُهٗ مِنَ الْاَئِمَّةِ الرَّاشِدِیْنَ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ فَلَمْ یَكُوْنُوْا لِیَتَكَلَّفُوْا ذٰلِكَ اِلَّا فِیْمَنْ یَسْتَحِقُّ الْمَدْحَ۔

اپنی جان کی قسم یہ تاویل رکیک اس وقت درست ہوتی جبکہ کوئی پیشہ ور خطیب ہو، جو مدح کرنے کے لیے مجبور ہے، لیکن عمر بن خطاب یا مثل ان کے دوسرے ائمہ راشدین رضوان اللہ علیہم۔ پس یہ حضرات غیر مستحق کی مدح کرنے کے لیے کب مجبور ہیں کہ مدح کرنے کے لیے دل آمادہ نہیں لیکن کرنی پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے خطابت میں دشواری ہوتی ہے۔[3]

کسی ماہر خطیب و مقرر کے لیے بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر خطبہ دینا یا تقریر کرنا یکساں ہے اس کے کمال کا مظاہرہ ہر حالت میں ہوگا، اسی مقام پر جاحظ نے امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

رَوٰی اَبُوْ مِخْنَفٍ عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ وَاللّٰہِ فَقَدْ رَاَیْتُ عَلِیًّا وَ اَنَّهٗ لَیَخْطُبُ قَاعِدًا كَقَائِمٍ وَمُحَارِبًا كَمُسَالِمٍ. یُرِیْدُ بِقَوْلِهٖ قَاعِدًا خُطْبَةَ النِّكَاحِ۔

---

[1] البیان والتبیین ج ۱، ص ۲۳۔
[2] البیان والتبیین، ج ۱، ص ۶۵۔
[3] البیان والتبیین، ج ۱، ص ۶۵۔

ابومخنف، حارث اعور ہمدانی سے روایت کرتے ہیں کہ حارث کہتے ہیں کہ بخدا میں نے علی علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر اسی شان سے خطبہ دیتے تھے جیسے کہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور جنگ کی حالت میں بھی اسی جلالت وجزالت سے خطبہ فرماتے تھے جس طرح کہ امن واطمینان کی حالت میں خطبہ فرماتے تھے۔ جاحظ کہتے ہیں کہ بیٹھ کر خطبہ دینے سے مراد خطبہ نکاح ہے۔[1]

خلیفہ عمر میں تقریر کرنے کی فطری صلاحیت نہ تھی، صحیح تلفظ پر بھی قادر نہ تھے

عباس محمود العقاد عبقریہ عمر میں لکھتے ہیں کہ عمر کی خطابت صفات ذہن سے متعلق نہ تھی بلکہ ایسا تھا جس طرح کہ خلقی باتونی لوگ ہوتے ہیں، بس اسی طرح ان کی بھی حالت تھی، ''فَکَانَ لَهٗ فَمٌ یَمْتَلِیْ بِالْکَلَامِ ''بغیر سوچے سمجھے ہر وقت بات کرنے پر آمادہ گویا دہن باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا انسان باکمال خطیب بلیغ کیونکر ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ ان میں یہ عیب بھی تھا:

اِنَّهٗ کَانَ یَنْطِقُ بِبَعْضِ الْحُرُوْفِ کَالصَّادِ مِنْ کِلَا شِدْقَیْهِ وَهِیَ تُنْطَقُ فِی الْاَغْلَبِ مِنْ شِدْقٍ وَاحِدٍ۔

بعض حروف کو وہ دہن کے دونوں گوشوں سے ادا کرتے تھے جیسے حرف صاد کو حالانکہ یہ حرف زیادہ تر ایک ہی گوشہ دہن سے ادا کیا جاتا ہے۔[2]

خلیفہ اول کو بھی ملکہ تقریر حاصل نہ تھا

اسی طرح خلیفہ اول ابوبکر بھی خطابت پر قدرت تامہ نہیں رکھتے تھے جیسا کہ حضرت عثمان کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے۔ دراصل ان حضرات کی نشوونما اور زندگی کا ماحول ایسا نہ تھا جس سے ان میں ملکہ خطابت پیدا ہوتا، بغیر سوچے سمجھے جو منہ میں آتا کہہ دیتے تھے جس کی وجہ سے بعض موقعوں پر ذلت اور شرمندگی کا سامنا ہوتا تھا اور ایسے موقعوں پر یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے تھے:

اِنَّ الْبَلَاءَ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ۔

بات کرنی بھی سخت آفت ہے۔[3]

---

[1] البیان والتبیین، ج ۱، ص ۹۵، طبع قاہرہ ۱۳۳۲ھ۔

[2] عبقریہ عمر، ص ۳۰۲، طبع مصر۔

[3] کتاب مجمع الامثال، المیدانی، جز اول، ص ۱۲، طبع مصر، و کتاب الامثال۔

دراصل یہ نتیجہ تھا ان کے ذاتی پیشہ کا جس میں انسان فضول باتیں کرتا ہے اور صحیح خطابت سے کام نہیں لیتا۔ مورخ ابن جریر الطبری ابوبکر کے پیشہ کے متعلق لکھتا ہے:

كَانَ اَبُوْ بَكْرٍ قَبْلَ اَنْ يَشْتَغِلَ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ تَاجِرًا. فَكَانَ يَغْدُوْ كُلَّ يَوْمٍ اِلَى السُّوْقِ فَيَبِيْعُ وَيَبْتَاعُ۔۔۔ وَكَانَتْ لَهٗ قِطْعَةُ غَنَمٍ تَرُوْحُ عَلَيْهِ وَرُبَّمَا خَرَجَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فِيْهَا وَرُبَّمَا كُفِيَهَا فَرُعِيَتْ لَهٗ وَكَانَ يَحْلِبُ لِلْحَيِّ اَغْنَامَهُمْ۔

ابوبکر خلیفہ ہونے سے قبل تجارت کرتے تھے اور ہر روز صبح کو اپنے جائے قیام سُخ (جو مدینہ سے باہر فاصلہ پر تھا) سے مدینہ کے بازار بیچنے کے لیے آتے تھے، چند بھیڑ بکریاں بھی تھیں، کبھی خود چراتے اور کبھی کوئی دوسرا چرادیا کرتا اور قبیلہ کی بھیڑ بکریوں کا دودھ بھی دوہا کرتے تھے۔[1]

اسی طرح خلیفہ دوم اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ اَرْعٰى اِبِلَ الْخَطَّابِ بِهٰذَا الْوَادِيْ فِيْ مِدْرَعَةِ صُوْفٍ وَكَانَ فَظًّا يُتْعِبُنِيْ اِذَا عَمِلْتُ وَيَضْرِبُنِيْ اِذَا قَصَّرْتُ وَقَدْ اَمْسَيْتُ وَلَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اللّٰهِ اَحَدٌ۔

میں اس وادی ضجنان میں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور کمبل کا کرتا پہنے رہا کرتا تھا اور خطاب مجھ پر بہت سخت تھے جب میں ان کا کام کرتا تھا تو وہ میری کھوج میں رہتے تھے کہ دیکھوں یہ ٹالتا تو نہیں اور اگر کام میں کوتاہی کرتا تو مجھے مارتے تھے اور اب تو میں اس حال میں ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان کوئی حاکم نہیں خلیفہ وقت ہوں۔[2]

خطاب کے زمانے میں یہ کام کرتے تھے اس کے بعد پیشہ ور دلال ہو گئے تھے، چنانچہ علامہ دمیری لکھتے ہیں:

وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ دَلَّالًا بَيْنَ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ۔

عمر بن خطاب خریدار اور بیچنے والے کے درمیان دلالی کیا کرتے تھے۔[3]

ظاہر ہے کہ ایک دلال اور ادنیٰ درجہ کا پھیری کا بیوپاری اپنے روزمرہ کے معمولات کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ بات چیت کرنے پر ضرور قدرت رکھتا ہے، لیکن فصیح وبلیغ عالمانہ خطبے وتقریریں نہیں کرسکتا ہے اور نہ ان میں کوئی فنی وادبی شان پیدا ہوسکتی ہے، جس کی بنا پر لوگ اس کو یاد رکھیں یا محفوظ ومدون کرنے کی فکر کریں۔ اسی نقص کو دیکھ کر خلفاء

---

[1] تاریخ الطبری، ج ۲، ص ۲۲۰، ۲۲۱، طبع مصر۔

[2] تاریخ الطبری، ج ۴، ص ۳۹، طبع مصر۔

[3] حیوۃ الحیوان، علامہ دمیری۔ انوار اللغۃ، مولانا وحید الزماں حیدرآبادی، پارہ ۴، ص ۳۳۔

کے ماننے والوں نے یہ کوشش کی کہ ان کی طرف کچھ خطبے اور حکیمانہ اقوال و مواعظ کو منسوب کریں، چنانچہ یہی معاویہ نے چاہا جیسا کہ خود اس کا بیان ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

قَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ الثَّقَفِيُّ فَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ سَيْفٍ عَنْ اَصْحَابِهٖ اَنَّ عَلِيًّا لَمَّا كَتَبَ اِلٰى مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ هٰذَا الْكِتَابَ كَانَ يَنْظُرُ فِيْهِ وَ يَتَاَدَّبُ بِاَدَبِهٖ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ وَ قَتَلَهٗ، اَخَذَ كُتُبَهٗ اَجْمَعَ فَبَعَثَ بِهَا اِلٰى مُعَاوِيَةَ فَكَانَ مُعَاوِيَةُ يَنْظُرُ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ وَ يَتَعَجَّبُ مِنْهُ فَقَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ عُقْبَةَ وَ هُوَ عِنْدَ مُعَاوِيَةَ وَ قَدْ رَاٰى اِعْجَابَهٗ بِهٖ. مُرْ بِهٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ اَنْ تُحْرَقَ۔ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ مَهْ لَا رَاْيَ لَكَ۔ فَقَالَ الْوَلِيْدُ اَ فَمِنَ الرَّاْيِ اَنْ يَعْلَمَ النَّاسُ اَنَّ اَحَادِيْثَ اَبِيْ تُرَابٍ عِنْدَكَ تَتَعَلَّمُ مِنْهَا۔ فَقَالَ وَيْحَكَ اَ تَاْمُرُنِيْ اَنْ اُحْرِقَ عِلْمًا مِثْلَ هٰذَا؟ وَ اللهِ مَا سَمِعْتُ بِعِلْمٍ هُوَ اَجْمَعُ مِنْهُ وَ لَا اَحْكَمُ۔ فَقَالَ الْوَلِيْدُ اِنْ كُنْتَ تَعْجَبُ مِنْ عِلْمِهٖ وَ قَضَائِهٖ فَعَلَامَ تُقَاتِلُهٗ؟ فَقَالَ لَوْ لَا اَنَّ اَبَا تُرَابٍ قَتَلَ عُثْمَانَ ثُمَّ اَفْتَانَا لَاَخَذْنَا عَنْهُ، ثُمَّ سَكَتَ هُنَيْهَةً، ثُمَّ نَظَرَ اِلٰى جُلَسَائِهٖ فَقَالَ اِنَّا لَا نَقُوْلُ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ كُتُبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَ لٰكِنْ نَقُوْلُ هٰذِهٖ مِنْ كُتُبِ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ كَانَتْ عِنْدَ ابْنِهٖ مُحَمَّدٍ فَنَحْنُ نَنْظُرُ فِيْهَا وَ نَاْخُذُ مِنْهَا۔

ابراہیم بن سعد ثقفی کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبداللہ ابن ابی سیف نے اپنے اصحاب کے سلسلہ اسناد سے بیان کیا کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے محمد بن ابوبکر کو سنت و تعلیمات نبوی و آداب حکومت کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب لکھ بھیجی تو محمد اس کو برابر پڑھا کرتے اور اس سے علم و ادب حاصل کرتے رہتے تھے، لیکن جب عمرو عاص نے محمد پر غلبہ حاصل کر کے ان کو مصر میں قتل کر دیا تو اس نے ان تمام رسائل و کتابوں کو محمد کے سامان میں سے ضبط کر کے معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ معاویہ اس کتاب کو عظمت کی نگاہ سے دیکھنے لگا، ایک روز جبکہ معاویہ اس کو بہ نگاہ عظمت دیکھ رہا تھا، ولید بن عقبہ بھی اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا وہ معاویہ کے اس تاثر کو دیکھ کر کہنے لگا، ان احادیث کو جلا دینے کا حکم دے دیجیے۔ یہ سن کر معاویہ نے کہا، خاموش! تمہاری یہ رائے بہتر نہیں ہے۔ ولید نے کہا تو کیا یہ رائے مناسب ہے کہ لوگ یہ جان لیں کہ ابوتراب کی

احادیث آپ کے پاس ہیں جس سے آپ علم حاصل کرتے رہتے ہیں؟ معاویہ نے جواب دیا وائے ہو تجھ پر ایسے علوم کو جلا دینے کا مشورہ دیتا ہے، بخدا میں نے آج تک اس سے زیادہ مفید ومحکم علم کو سنا ہی نہیں۔ ولید نے جواب دیا کہ جب آپ علی علیہ السلام کے علم وحکمت کے قائل ہیں اور آپ ان کی اس بزرگی کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان سے برسر پیکار کیوں ہیں؟ معاویہ نے جواب دیا اگر ابوتراب عثمان کو نہ قتل کرتے اور ہمارے معاملہ میں دخل دے کر فتنہ میں نہ مبتلا کرتے تو ہم ہرگز نہ لڑتے، یہ کہہ کر تھوڑی دیر کے لیے معاویہ خاموش ہو گئے پھر کچھ سوچ کر اپنے مصاحبین سے کہنے لگے۔ میں یہ نہ کہوں گا کہ یہ علی علیہ السلام کی تحریریں ہیں بلکہ یہ کہوں گا کہ یہ ابوبکر صدیق کے نوشتہ جات ہیں جو ان کے بیٹے محمد کے پاس تھیں جن کو ہم پڑھتے اور مستفید ہوتے ہیں۔[1]

معاویہ نے اس سلسلہ میں بڑا پروپیگنڈا کیا، جس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ابوالحسن المدائنی نے کتاب "الاحداث" میں کیا ہے، معاویہ نے تمام ممالک محروسہ کے گورنروں کو یہ حکم بھیجا تھا:

فَاِذَا جَاءَكُمْ كِتَابِيْ هٰذَا فَادْعُوا النَّاسَ اِلَى الرِّوَايَةِ فِيْ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ وَ الْخُلَفَاءِ الْاَوَّلِيْنَ وَ لَا تَتْرُكُوْا خَبَرًا يَرْوِيْهِ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ اَبِيْ تُرَابٍ اِلَّا وَ تَأْتُوْنِيْ بِمُنَاقِضٍ لَهٗ فِي الصَّحَابَةِ فَاِنَّ هٰذَا اَحَبُّ اِلَيَّ وَ اَقَرُّ لِعَيْنِيْ وَ اَدْحَضُ لِحُجَّةِ اَبِيْ تُرَابٍ وَ شِيْعَتِهٖ۔

میرے اس حکم کے پاتے ہی تم لوگ فوراً راویوں اور واعظوں کو بلا کر حکم عام دے دو کہ اب فضائل صحابہ وخلفاء سابقین کے متعلق احادیث فضیلت بیان کریں، دیکھو جب کوئی شخص امت اسلامی میں کوئی حدیث یا روایت ابوتراب (علی علیہ السلام) کی شان میں بیان کرے تو اسی وقت اس کی مناقض حدیث صحابہ کی شان میں تیار کر لی جائے کیونکہ یہ امر مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے اور علی علیہ السلام وان کے شیعوں کے حجت ودلائل کو توڑنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

پھر کیا تھا اس حکم کے پہنچتے ہی یہ نتیجہ ہوا کہ

فَرُوِيَتْ اَخْبَارٌ كَثِيْرَةٌ فِيْ مَنَاقِبِ الصَّحَابَةِ مُفْتَعَلَةٌ لَا حَقِيْقَةَ لَهَا وَ جَدَّ النَّاسُ فِيْ رِوَايَةِ مَا يَجْرِيْ هٰذَا الْمَجْرٰى حَتّٰى اَشَادُوْا بِذِكْرِ ذٰلِكَ عَلَى الْمَنَابِرِ وَ اُلْقِيَ اِلٰى مُعَلِّمِي الْكَتَاتِيْبِ فَعَلَّمُوْا صِبْيَانَهُمْ وَ غِلْمَانَهُمْ مِنْ ذٰلِكَ الْكَثِيْرِ الْوَاسِعِ حَتّٰى رَوَوْهُ وَ

[1] شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۸، طبع مصر۔

تَعَلَّمُوْهُ كَمَا يَتَعَلَّمُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ حَتّٰى عَلَّمُوْهُ بَنَاتِهِمْ وَ نِسَاءَهُمْ وَ خَدَمَهُمْ وَ حَشَمَهُمْ فَلَبِثُوا بِذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ۔

لوگوں نے کثرت سے فضائل صحابہ میں ایسی ایسی خبروں کو روایت کیا جن کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی، انہیں اخبار واحادیث کو لوگوں نے گذرگاہوں پر چلتے پھرتے مشہور کیا، یہاں تک کہ مسجد کے منبروں پر یہ اخبار وجعلی احادیث بیان کیے گئے، خودساختہ معلموں نے ان کو کتابوں میں لکھ کر لڑکوں اور جوانوں کو پڑھایا اور ازبر کرایا، پھر تو اس تعلیم کی اتنی ترقی ہوئی کہ یہ قرآن مجید کے تعلیم کے برابر ہوگئی اور مسلمانوں کی تمام لڑکیوں، عورتوں اور گھر کی لونڈی غلاموں تک کو پڑھایا اور یاد کرایا گیا اور ایک عرصہ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔[1]

ابوحیان توحیدی نے شیخین کے لیے کلام فصیح وضع کیا

اسی اموی پروپیگنڈہ کا نتیجہ تھا کہ ابوحیان التوحیدی المتوفی ۴۱۴ھ نے شیخین کی کمال بلاغت وفصاحت کو ظاہر کرنے کے لیے بسلسلۂ حدیث سقیفہ ابوبکر کی زبانی ایک مفصل پیغام اور بزبان عمر ایک گفتگو وضع کر کے شیخین کی طرف منسوب کرنا اپنا ایک مذہبی فریضہ سمجھا اور ظاہر کیا:

لَا اَعْرِفُ فِي الْاَرْضِ رِسَالَةً اَعْقَلَ مِنْهَا وَ لَا اَبْيَنَ وَ اِنَّهَا لَتَدُلُّ عَلٰى عِلْمٍ وَ حِكَمٍ وَ فَصَاحَةٍ وَ فَقَاهَةٍ فِيْ دِيْنٍ وَ دَهَاءٍ وَ بُعْدِ غَوْرٍ وَ شِدَّةِ غَوْصٍ۔

زمین پر میں اس حکیمانہ ومدلل پیغام سے بہتر کوئی پیغام نہیں جانتا جو اپنے متکلم کے علم وحکمت، فصاحت فقاہت، تدبیر وسیاست اور انتہائے غور وفکر پر دلالت کرتا ہو۔[2]

لیکن ابوحیان کی اس موضوع ومنحول (من گھڑت) تقریر وگفتار کو خود اہلسنت نے بھی شیخین کا کلام نہیں تسلیم کیا اور نہ متکلمین اہلسنت عام اس سے کہ معتزلہ ہوں یا اشاعرہ کسی نے بھی اس سے استدلال نہیں کیا، بلکہ ابن ابی الحدید جو شیخین کی خلافت وامامت کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے، اس نے اس کلام کے وضعی وجعلی ہونے پر اپنی شرح میں دلائل پیش کئے ہیں اور صاف کہا ہے:

اِنَّ هٰذِهِ الْمُرَاسَلَاتِ وَ الْمُحَاوَرَاتِ وَ الْكَلَامَ كُلَّهٗ مَصْنُوْعٌ مَوْضُوْعٌ وَ اَنَّهٗ مِنْ كَلَامِ اَبِيْ حَيَّانَ التَّوْحِيْدِيِّ لِاَنَّهٗ بِكَلَامِهٖ وَ مَذْهَبِهٖ فِي الْخِطَابَةِ وَ الْبَلَاغَةِ اِشْتَبَهَ وَ قَدْ حَفِظْنَا

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۵، ۱۶ طبع مصر۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۰، ص ۲۷۱۔

كَلَامَ عُمَرَ وَ رِسَائِلَهُ وَ كَلَامَ اَبِيْ بَكْرٍ وَ خُطَبَهُ فَلَمْ نَجِدْهُمَا يَذْهَبَانِ هٰذَا الْمَذْهَبَ وَ لَا يَسْلُكَانِ هٰذَا السَّبِيْلَ فِيْ كَلَامِهِمَا وَ هٰذَا كَلَامٌ عَلَيْهِ اَثَرُ التَّوْلِيْدِ لَيْسَ يَخْفٰى وَ اَيْنَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ مِنَ الْبَدِيْعِ وَ صَنَاعَةِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَ مَنْ تَاَمَّلَ كَلَامَ اَبِيْ حَيَّانَ عُرِفَ اَنَّ هٰذَا الْكَلَامَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَعْدِنِ خَرَجَ۔

یہ تحریریں، بات چیت اور کلام سب کا سب وضعی اور خود ساختہ ہے۔ دراصل یہ ابو حیان توحیدی ہی کا کلام ہے کیونکہ یہ توحیدی کے سبک تحریر و انداز نگارش و طرز کلام اور اس کی خطابت و بلاغت سے بالکل مشابہ ہے۔ ہم نے عمر کے کلام اور ان کے خطوط کو اور ابوبکر کے کلام اور ان کے خطبوں کو دیکھا، سمجھا اور یاد رکھا ہے ان دونوں خلفاء کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت اور لگاؤ ہی نہیں ہے۔ اس کلام میں "تولید" کے آثار ہیں جو پوشیدہ نہیں، بھلا ابوبکر و عمر کو ان صنائع و بدائع سے کیا تعلق جو بعد میں ایجاد ہوئیں۔ جو شخص ابو حیان کے کلام پر ذرا گہری نظر ڈالے تو یہ سمجھ لے گا کہ یہ کلام بھی جو دونوں خلفاء کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اسی معدن سے نکلا ہے۔[1]

ابن ابی الحدید اس کے جعلی و وضعی ہونے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ كَانَ ابْنُ الْبَاقِلَانِيِّ شَدِيْدًا عَلَى الشِّيْعَةِ عَظِيْمَ الْعَصَبِيَّةِ عَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَوْ ظَفَرَ بِكَلِمَةٍ مِنْ كَلَامِ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَمَلَاَ الْكُتُبَ وَ التَّصَانِيْفَ بِهَا وَ جَعَلَهَا هَجِيْرَاهُ وَ دَابَهُ. وَ الْاَمْرُ فِيْمَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ وَضْعِ هٰذِهِ الْقِصَّةِ ظَاهِرٌ لِمَنْ عِنْدَهُ اَدْنٰى ذَوْقٍ مِنْ عِلْمِ الْبَيَانِ وَ مَعْرِفَةِ كَلَامِ الرِّجَالِ وَ لِمَنْ عِنْدَهُ اَدْنٰى مَعْرِفَةٍ بِعِلْمِ السِّيَرِ وَ اَقَلَّ اُنْسٍ بِالتَّوَارِيْخِ۔

ابوبکر باقلانی جو شیعوں کے سخت مخالف تھے اور حضرت علی علیہ السلام سے ان کو بہت زیادہ تعصب تھا، اگر ابوبکر و عمر کا یہ کلام ان کو مل جاتا تو وہ اپنی کتابوں کو اس سے بھر دیتے اور اس کی آڑ لے کر (شیعوں کے خلاف) بڑا زور لگاتے اور حقیقت تو یہی ہے جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں کہ یہ سب کلام فرضی و جعلی ہے اور یہ امر ہر اس شخص پر صاف و روشن ہے جس کو کچھ بھی علم بیان کا ذوق ہے اور لوگوں کے کلام کو سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا سیر و تاریخ سے اس کو کچھ بھی انس ہے۔[2]

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۰، ص ۲۸۵۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۵۹۷، طبع مصر۔

استاد احمد زکی صفوت، اس کے موضوع و مصنوع ہونے کے متعلق اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں:

فَيَشْهَدُ اللهُ اَنَّا بَدَأْنَا قِرَأتَهَا حَتّٰى سَاوَرَتْنَا مِنْهَا رِيْبَةٌ. وَلَمْ نَأْتِ عَلَيْهَا حَتّٰى تَجَسَّمَتْ فِيْ نَظَرِنَا تِلْكَ الرِّيْبَةُ. وَاسْتَيْقَنَّا اَنَّهَا قِصَّةٌ مَوْضُوْعَةٌ مَنْحُوْلَةٌ. لِمَا غَلَبَ عَلَيْهَا مِنَ الصُّنْعَةِ الْبَدِيْعِيَّةِ الْبَيِّنَةِ الْاَثَرُ فِيْ اُسْلُوْبِهَا مِمَّا لَمْ يُعْرَفْ فِيْ رِسَائِلِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَخُطَبِهِمَا وَلَا فِيْ كَلَامِ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ هٰذَا الْعَصْرِ فَضْلًا عَمَّا فِيْهَا مِنْ اِسْهَابٍ مَدِيْدٍ لَمْ يَعْهَدْ مِنْهُمْ. وَاِنَّ مَا تَرَاهُ فِيْهَا مِنَ الْفِقَرِ الْقَصِيْرَةِ الْمَسْجُوْعَةِ الْمُجَنَّسَةِ لَيَحْمِلُكَ عَلَى الْاِعْتِقَادِ بِاَنَّهَا شَبِيْهَةٌ بِنَسْجِ الْبَدِيْعِ الْهَمَدَانِيِّ وَاَضْرَابِهٖ مِنْ كِتَابِ الْعَصْرِ الَّذِيْ نَشَأَ فِيْهِ اَبُوْ حَيَّانَ۔

خدا گواہ ہے کہ ہم نے اس کلام کو پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ مجھے شک ہونے لگا کہ یہ شیخین کا کلام نہیں ہے اور ابھی ختم بھی نہیں کر چکا تھا کہ اس شک نے یقین کی صورت اختیار کر لی کہ یہ بالکل موضوع، خودساختہ اور گڑھا ہوا کلام ہے کیونکہ اس عبارت میں صنائع بدائع کا اتنا غلبہ ہے جو ابوبکر و عمر کے رسائل و خطب میں پایا ہی نہیں جاتا اور نہ ان کے اسلوب سے یہ ملتا ہے، بلکہ اس کا طرز اسلوب ابوبکر و عمر کے زمانے کے کسی شخص سے بھی نہیں ملتا جلتا۔ مزید برآں اس میں اس قسم کی طوالت اور پھیلاؤ ہے جو اس عہد کا طور طریقہ نہیں ہے، علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں میں صنعتِ سجع و جناس کا استعمال اس طرح ہوا ہے جس طرح چوتھی صدی ہجری کے لکھنے والے بدیع الزماں ہمدانی اور ان کے امثال استعمال کرتے تھے، جس عہد میں کہ خود ابوحیان توحیدی کی نشوونما ہوئی۔[1]

اسی طرح دکتور زکی مبارک نے اپنی کتاب "النثر الفنی فی القران الرابع" جلد اول میں زیرعنوان "اخبار التوحیدی" اس کے موضوع ہونے پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ یہ توحیدی کا خودساختہ ہے۔[2] دکتور احمد فرید رفاعی نے بھی اس کے موضوع ہونے پر اشارہ کیا ہے۔[3] الاستاذ حسن السندوبی نے بھی اپنی کتاب "اعیان البیان" اور "حیاۃ ابوحیان التوحیدی وا ثارہ و مرویاتہ" صفحہ بصفحہ ۴۰، ۴۱ اس کو موضوع اور جعلی ثابت کیا ہے۔[4]

---

[1] ترجمہ علی بن ابی طالب، ص ۹، طبع مصر۔

[2] النثر الفنی، ج ۱، ص ۲۸۳، ۲۸۵، طبع قاہرہ۔

[3] الوقت من ذھب، المقدمہ، ص ۵۴، مطبوعہ المعارف مصر۔

[4] حیاۃ ابوحیان التوحیدی، مطبوعہ بضمن المقابسات التوحیدی، محقق و شروح الاستاذ حسن السندوبی، ص ۴۰، ۴۱، مطبوعہ رحمانیہ مصر۔

بہر حال چند خطبات ورسائل، مواعظ واقوال جو خلفائے ثلثہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ عقد الفرید ابن عبدربہ، البیان والتبیین جاحظ اور دوسرے کتب اہلسنت میں موجود ہیں یہ اور بات ہے کہ اگر تحقیق کی نظر ڈالی جائے تو اس میں سے اکثر ان حضرات کا نہ ثابت ہوسکے گا اور ممکن ہے کہ ایسا اکثر حصہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی کا ہو، جس طرح سے حضرتؑ کا بعض کلام، معاویہ اموی، قطری بن الفجاۃ خارجی، عبداللہ بن المقفع پارسی، سحبان وائل متوفی ۵۴ھ بہ عہد معاویہ ومجہول الاسم اعرابی سے منسوب کرکے نقل کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود علی علیہ السلام کے آثار علمی وادبی باوجود یکہ صدیوں وقرنوں مسلسل ظلم وجور، قہر وغلبہ کے ساتھ ان کو مٹانے کی انتھک کوششیں کی گئیں پھر بھی وہ آج تمام عالم پر چھاچکا ہے۔

نہج البلاغہ معجزات کلام اور ادب عربی کا بہترین سرمایہ ہے

نہج البلاغہ اخت القرآن کی حیثیت سے ادب عربی میں قرآن کے بعد دوسری کتاب ہے جس کا جواب لانے سے ادباء عرب عاجز وقاصر ہیں بلکہ وہ اس کو "معجزات اللسان العربی" اور "بدائع العقل البشری" سمجھتے ہیں۔[1] اسی وجہ سے اس کو ادب عربی کا مایہ ناز گرانبہا خزانہ قرار دیتے ہیں، استاذ احمد زکی صفوت لکھتے ہیں:

> وَحَسْبُكَ اَنَّهُ لَمْ يُدَوَّنْ لِاَحَدٍ مِنْ فُصَحَاءِ الصَّحَابَةِ مَا دُوِنَ لَهُ وَلَحَسْبُكَ اَنَّ كَلَامَهُ اَنْفَسُ عُدَّةِ الْاُدَبَاءِ وَخَيْرُ زَادِ الْخُطَبَاءِ. عَلٰى اَمْثِلَتِهٖ يَحْذُوْا كُلُّ قَائِلٍ خَطِيْبٍ وَ بِهٖ يَسْتَعِيْنُ كُلُّ وَاعِظٍ بَلِيْغٍ وَمِلَاكُ مِلَاكِ الْقَوْلِ اِنَّهُ خَلَفَ لِلْاَدَبِ الْعَرَبِيِّ اَثْمَنَ كَنْزٍ وَ اَنْفَسَ تُرَاثٍ۔
>
> فصحاء صحابہ میں سے کسی ایک کا بھی اتنا ذخیرہ وگرانقدر مجموعہ کلام نہیں مدون کیا جاسکا جتنا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ہے، ادباء کے لیے حضرتؑ کا کلام بہترین ذخیرہ اور خطباء کے لیے بہت اچھا زاد اور سرمایہ ہے اور آپؑ کے مثال پر ہر بولنے والا خطیب چلنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر واعظ بلیغ آپؑ کے کلام سے مدد چاہتا ہے۔ مختصر یہ کہ حضرتؑ نے ادب عربی کے لیے بہت قیمتی وبیش بہا خزانہ چھوڑا ہے اور عربوں کو نفیس ترین میراث کا مالک بنایا ہے۔[2]

---

[1] تاریخ الادب العربی، احمد حسن الزیات، ص ۱۰۰، طبع مصر۔

[2] ترجمہ علی ابن ابی طالب، ص ۱۰۸، طبع مصر۔

علی علیہ السلام نے اولین معلم اسلام کی حیثیت سے اشاعت علوم کے لیے سعی فرمائی

اس سے تو انکار کیا ہی نہیں جا سکتا کہ پیغمبر اسلامؐ نے علی علیہ السلام کو تعلیم و تربیت دے کر اپنے بعد کے لیے منصب رشد و ہدایت میں اپنا قائم مقام بنایا تھا، علی علیہ السلام نے اپنی اس ذمہ داری کا احساس پوری طرح سے کیا، حکومت ظاہری جس کا کہ وہ اپنے کو احق سمجھتے تھے نہ ملی اس پر خاموش رہے لیکن نیابت نبوت کا جو فریضہ آپؑ پر عائد ہوتا تھا اس کو آپؑ برابر انجام دیتے رہے اور عربوں میں اس روح کو پیدا کرنے کی کوشش کی جو دنیا کو حیات جاودانی بخشنے والی تھی، اس عہد میں جبکہ آپؑ حکومت کی ذمہ داریوں سے بالکل الگ رہے اس میں کافی موقع تھا کہ آپؑ اپنی تحریک علمی کو آسانی سے آگے بڑھاتے، لیکن حجازی ماحول اس کے لیے کچھ سازگار نہ تھا، ہو سکتا تھا کہ کسی دوسری جگہ کو اس کے لیے انتخاب فرماتے لیکن اس طولانی عہد میں علی علیہ السلام کہیں باہر نہ جا سکے۔ تاریخ اس کا سبب بتلانے میں خاموش ہے کہ علی علیہ السلام کیوں مجبور و معذور رہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ علی علیہ السلام اشرافیت، طبقات، اختلاف قوم و قبیلہ و ملک و نسل کے امتیازات کے بالکل مخالف تھے، علی علیہ السلام کا مدینے سے باہر جانا اشرافیت کے لیے عظیم خطرہ تھا، ہو سکتا ہے کہ اسی سبب سے علی علیہ السلام کو مدینے سے باہر نکلنے کا موقع نہ دیا گیا ہو، لیکن علی علیہ السلام کو یہ تمنا تھی کہ ایسے حوزہ علمیہ کی تاسیس فرمائیں جہاں مختلف ملک و نسل و قوم و قبیلہ کے ہوش مند ایک ساتھ اکتساب علم و فضل کر سکیں اور یہ لوگ آپؑ کے فکر و ادب کے امین ہو کر اس کو تمام دنیا تک پہنچا دیں، اس کے لیے آپؑ عقل و ہوش رکھنے والے بلند حوصلہ ساتھیوں کو چاہتے تھے، عام اس سے کہ وہ کسی زمین کے رہنے والے کیوں نہ ہوں، اسی لیے جیسا کہ بتلا چکا ہوں، علی علیہ السلام نے اپنی حکومت میں حجاز کو چھوڑ کر عراق کو نہ صرف دار الحکومت بلکہ اس کو دار العلم بھی بنایا۔ اگرچہ وہاں بھی آپؑ کو اطمینان نہ حاصل ہو سکا اور آپؑ کو داخلی شورشوں و بغاوتوں کے ذریعہ جنگ میں الجھا دیا گیا مگر

فِيْ تَقَلُّبِ الْاَحْوَالِ عِلْمُ جَوَاهِرِ الرِّجَالِ.

(حالات کے پلٹوں ہی میں مردوں کے جوہر کھلتے ہیں۔)[1]

یہ علی علیہ السلام ہی کا کام تھا کہ آپؑ نے اپنی پرزور خطابت کے ذریعہ جس کا موقع نہ صرف مسجد کوفہ بلکہ میدان جنگ میں بھی پڑتا تھا، عوام میں صحیح تعلیمات قرآنی، و روح اسلامی کو پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار اسلامی، حکمت ۲۱۷، ص ۸۸۹۔

علی علیہ السلام نے خطب نہج البلاغہ کے ذریعہ صحیح تعلیمات اسلام کو پیش فرمایا

موجودہ عربی دنیا کا ماہر فلسفہ و تاریخ اور نفسیات قوم پر بحث کرنے والے عالم الاستاد العلامہ شیخ عبد اللہ العلائلی نے اس حقیقت کو اپنے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

وَلَدَتْ هٰذِهِ الْمُشَاهِدُ فِيْ نَفْسِ عَلِيٍّ اَسًى مَرِيْرًا ظَهَرَ جَلِيًّا فِيْ خُطَبِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. هٰذِهِ الظَّاهِرَةُ لَا تَدَعُ شَكًّا فِيْ صِحَّةِ نِسْبَةِ النَّهْجِ. الَّذِيْ يُعَبِّرُ اَحْسَنَ تَعْبِيْرٍ عَمَّا يَنْبَغِيْ اَنْ يَخْتَلِجَ وَ يَصْدُرَ مِنْ فُؤَادِ عَلِيٍّ وَسْطَ هٰذِهِ الزَّوْبَعَةِ الْعَاصِفَةِ حَزَّتْ عَلٰى نَفْسِهٖ هٰذِهِ الْفَرَطَاتُ الْمُؤْلِمَةُ. وَ لَذَعَتْهُ كَثِيْرًا فَانْصَرَفَ اِلٰى تَثْقِيْفِ الْجُمْهُوْرِ وَ اِلٰى اَنْ يُبَصِّرَهُمْ بِرُوْحِ الْاِسْلَامِ مِنْ جَدِيْدٍ وَتَقْدِيْمِ الْمَثَلِ الْاَعْلٰى لِلْمُسْلِمِ الصَّحِيْحِ فِيْ شَخْصِهٖ. وَمَا فَتِئَ يَضْرِبُ عَلٰى هٰذِهِ النَّغْمَةِ حَتّٰى خَرَّ صَرِيْعًا وَهُوَ يُنَادِي النَّاسَ اِلَى الصَّلَاةِ اِلَى الْفَلَاحِ فِيْ غَلَسِ اللَّيْلِ۔

ان مشاہدات نے علی علیہ السلام کو انتہا سے زیادہ متاثر کیا اور آپؑ کا جگر خون ہو گیا، جس کے اثرات نہج البلاغہ کے خطبوں میں صاف طور سے ظاہر ہیں۔ نہج البلاغہ علی علیہ السلام کے تاثرات کا مظہر اور پرتو ہونے کی وجہ سے یہ یقین دلاتا ہے کہ یہ حضرتؑ ہی کا کلام ہے اور اس کی نسبت حضرتؑ ہی کی طرف بالکل صحیح ہے، اس لیے کہ نہج البلاغہ کی عبارتوں میں آپؑ کا سوزِ دروں اور دردِ دل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان دردناک حالات نے علی علیہ السلام کے دل میں پیچ و تاب پیدا کر کے اس امر پر آمادہ کر دیا کہ آپؑ ازسرنو اپنی صحیح تعلیمات سے جمہور عرب کی تربیت کر کے ان میں روح اسلام کو پیدا کریں اور صحیح و بلند مثال (آئیڈیل) مسلمان دنیا کے سامنے پیش کریں اور آپؑ اسی طرح (روح پرور، حیات بخش اسلامی) نغمے برابر سناتے رہے یہاں تک کہ آپؑ مسجد کوفہ میں اپنے خون میں غلطاں ہوئے اس حالت میں کہ آپؑ تاریک رات میں لوگوں کو عبادت و نجات کے لیے بلا رہے تھے۔[1]

بیشک علی علیہ السلام اپنے پاک مقصد میں کامیاب ہوئے اور جہاں آپؑ نے میثم بن یحیی، حجر بن عدی، عمرو الحمق وغیرہ وغیرہ کے سے بلند مثال شخصیتوں کو پیش کیا، وہاں آپؑ نے ابن عباس، ابوالاسود، کمیل، حارث، اصبغ، زید، سلیم،

---

[1] تاریخ الحسین نقد و تحلیل، ص ۲۰۷، طبع بیروت۔

عبیداللہ وغیرہ وغیرہ کے سے قوی الحافظہ، صحیح الفکر، ذہین اور گہری فکر ونظر رکھنے والے علم وادب کے شیدائی بھی پیدا کر دیے۔ صرف عرب ہی نہیں بلکہ غیر عرب موالی، عجمی، نبطی، بھی آپؑ کے فیض علم سے ایسا مستفید ہوئے کہ بالآخر یہی غیر عرب گوئے سبقت لے کر جولان علم میں آگے بڑھ گئے۔ اب آپؑ نے عربوں میں بلوغ نظر پیدا کر کے ان کو اتنا روادار بنا دیا تھا کہ علم وادب کو قرشی وعربی عصبیت سے کچلا نہیں جا سکتا تھا۔ اب ہر عربی بولنے والا اس فکر میں رہتا تھا کہ اپنے میراث ادب کی حفاظت کرے۔ جن کو علی علیہ السلام سے سیاسی اختلاف تھا وہ بھی علی علیہ السلام کے ادب کی حفاظت ضروری سمجھتے تھے، کیونکہ عربی بولنے والوں کی یہ گراں مایہ دولت تھی، جس کو وہ برباد نہیں کر سکتے تھے۔

علی علیہ السلام کے بعد جتنے فصیح وبلیغ ادیب پیدا ہوئے چاہے وہ نسلاً عرب ہوں یا غیر عرب وہ سب کے سب اس سے فائدہ حاصل کرتے رہے کیونکہ بغیر اس کے ان میں وہ کمال نہیں پیدا ہو سکتا تھا جس کو وہ چاہتے تھے۔ وہ علی علیہ السلام کے خطبوں کو زبانی یاد رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے روایت کرتے تھے۔ علی علیہ السلام سے اختلاف رکھنے والے، زیاد ناصبی ،قطری بن الفجاۃ خارجی، حجاج ناصبی، کون ایسا بلند مرتبہ خطیب ہے جو حضرتؑ کے خطبوں سے متاثر نہیں ہوا۔ اسی طرح عبدالحمید بن یحیی الکاتب الاموی، عبداللہ بن المقفع الکاتب العباسی، ابن نباتہ الخطیب المشہور وغیرہ وغیرہ سبھی تو ہیں، جو مستفید ومستفیض ہوئے۔ یہ لوگ علی علیہ السلام کے خطب ورسائل کو یاد کر کے اپنے خطابت وکتابت کے قدرتی چشموں میں جوش وروانی پیدا کرتے تھے، اگرچہ اس سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ غلط فہمی سے علی علیہ السلام کے بعض خطبوں ومقالوں کو دوسروں کا سمجھ لیا گیا یا اموی ذہنیت ایسا سمجھانے کی کوشش کرتی رہی، لیکن حقیقت پر پردے نہ پڑ سکے اور یہ معلوم ہو کے رہا کہ یہ جوہر کس معدن کا ہے۔

یہ ہیں وہ تاریخی ونفسیاتی اسباب جن کی بنا پر حضرتؑ کے خطبے لوگوں میں مشہور رہے اور ان کو مدون ومحفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی۔

تیسرے شبہ کا جواب

یہ کہا جاتا ہے کہ نہج البلاغہ میں بعض خطب وعبارات ایسے ہیں خصوصاً خطبہ شقشقیہ جس میں اصحاب کو برے الفاظ وسب وشتم سے یاد کیا گیا ہے، اس لیے یہ کلام حضرتؑ کا نہیں ہوسکتا۔ خلوصی صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"The abusive language, Cursings and revilings of the companions, especially in the famous Shiqshiqiya (Shaqshaqiyya) are not attributable to a pious and God fearing Imam like Ali".

معترفین ومشککین جس وقت یہ اعتراض یا شک ظاہر کرتے ہیں غالباً وہ اس وقت نہ صرف تاریخی حقائق بلکہ فلسفۂ اخلاق سے اپنی لاعلمی کا ثبوت پیش کرتے ہیں، حالانکہ باطل کو مٹانے اور حق کو ظاہر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ نقد کی اجازت دی جائے تاکہ عیوب پوشیدہ نہ ہونے پائیں بلکہ دنیا ان عیوب کو سمجھ لے اور جان لے۔ یہی وجہ تھی جس کی بنا پر صاحب خلق عظیم حضرت پیغمبرؐ نے اپنے درباری شاعر حسان بن ثابت انصاری کو خصوصیت سے اس کام کے لیے متعین فرمایا کہ وہ اپنی نظموں میں باطل پر قائم رہنے والے ظالم وجابر شخصیتوں کی ہجو کریں اور ان کی برائیوں کو صاف اور کھل کر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ امام راغب اصفہانی اپنی کتاب المحاضرات میں لکھتے ہیں:

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِحَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ اُهْجُهُمْ وَرُوْحُ الْقُدُسِ مَعَكَ۔

آنحضرتؐ نے حسان بن ثابت کو حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی ہجو کرو، روح القدس (جبرائیل) کی تائید تمہارے ساتھ ہے۔[1]

صرف یہی نہیں بلکہ آپؐ نے حسان کو معائب قوم کو معلوم کرنے کا حکم دیا تھا؛

سَلْ اَبَابَكْرٍ عَنْ مَعَائِبِ الْقَوْمِ۔

ابوبکر سے قریش کی فضیحت وعیب کو معلوم کرلو کیونکہ وہ زیادہ واقف ہیں۔[2]

حسان کا دیوان موجود ہے اس میں حکم رسولؐ سے قریش کی کیسی فضیحت کی ہے، ان اشعار کو وہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] محاضرات، راغب اصفہانی، مخطوط، کتب خانہ ناصریہ۔

[2] شرح دیوان حسان بن ثابت الانصاری، محمد العنانی، ص ۱۳۴، طبع مصر۔

کے سامنے پڑھتے تھے اور آپؑ ان کو سن کر خوش ہوتے اور ان کو دعائیں دیتے۔ میں چند اشعار کی طرف اشارہ کرتا ہوں، آپ ان کو دیوان میں مکمل مع ان دوسرے اشعار کے جن کو نقل نہیں کیا گیا ہے، پڑھیے۔ ابوسفیان و ہند، معاویہ کے والدین کے لیے کہتے ہیں:

اَشِرَتْ لَكَاعِ وَكَانَ عَادَتَهَا	لُؤْمٌ اِذَا اَشِرَتْ مَعَ الْكُفْرِ
لَعَنَ الْاِلٰهُ وَزَوْجَهَا مَعَهَا	هِنْدَ الْهُنُوْدُ طَوِيْلَةَ الْبَظْرِ
فَمَا مَنَعَ الْعَيْرَ الضَّرُوْطَ ذِمَارُهُ	وَمَا مَنَعَتْ مَخْزَاةَ وَالِدِهَاهِنْدُ
وَلٰكِنْ هَجِيْنٌ مَنُوْطٌ بِهِمْ	كَمَا نُوطَتْ حَلْقَةُ الْمِحْمَلِ
هَلَّا اَمَرْتُمْ حِيْنَ خَانَ هَجِيْنُكُمْ	بِشَتْمِ سِوٰى حَسَّانَ اِنْ كَانَ شَاتِمَا
ثَكِلَتْ ابْنَتِيْ اِنْ لَمْ يُقْطِعْكَ مَاجِدٌ	حُسَامٌ يَرُدُّ الْعَيْرَ مِثْلَكَ وَاجِمَا
عَضَضْتَ بِاَيْرٍ مِنْ اَبِيْكَ وَخَالِدْ	وَعَضَّتْ بَنُو النَّجَّارِ بِالسُّكَّرِ الرَّطْبِ
فَلَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ اَبِيْكَ وَخَالِدْ	وَلَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ مُعَاظَلَةِ الْكَلْبِ
وَلَسْتَ بِذِيْ دِيْنٍ وَلَاذِيْ اَمَانَةٍ	وَلَسْتَ بِحُرٍّ مِنْ لُؤَيٍّ وَلَا كَعْبِ
وَلٰكِنْ هَجِيْنٌ ذُوْدَنَاةٍ لِمُقْرِفٍ	مُجَاجَةَ مِلْحٍ غَيْرِ صَافٍ وَلَا عَذْبِ

ہند مادر معاویہ کی ہجو

لِمَنِ الصَّبِيُّ بِجَانِبِ الْبَطْحَاءِ	وَفِي التُّرْبِ مُلْقًى غَيْرَ ذِيْ مَهْدِ
نَجَلَتْ بِهٖ بَيْضَاءُ اٰنِسَةٌ	مِنْ عَبْدِ شَمْسٍ صَلْتُهُ الْخَدِّ
تَسْعٰى اِلَى الصَّبَّاحِ مُعْوِلَةً	يَا هِنْدُ اِنَّكِ صُلْبَةُ الْهَرْدِ
فَاِذَا تَشَاءُ دَعَتْ بِمِقْطَرَةٍ	تُذْكٰى لَهَا بِاَلْوَةِ الْهِنْدِ
غَلَبَتْ عَلٰى شَبَهِ الْغُلَامِ وَقَدْ	بَانَ السَّوَادُ لِحَالِكٍ جَعْدِ
اَشِرَتْ لَكَاعِ وَكَانَ عَادَتَهَا.	دَقَّ الْمُشَاشِ بِنَاجِذٍ جَلْدِ
لِمَنْ سَوَاقِطُ صِبْيَانٍ مُنَبَّذَةٍ	بَاتَتْ تَفَحَّصُ فِيْ بَطْحَاءِ اَجْيَادِ
بَاتَتْ تَمَخَّضُ مَا كَانَتْ قَوَابِلُهَا	اِلَّا الْوُحُوْشَ وَاِلَّا جِنَّةَ الْوَادِيْ
فِيْهِمْ صَبِيٌّ لَهٗ اُمٌّ لَهَا نَسَبٌ	فِيْ ذُرْوَةٍ مِنْ ذُرَى الْاَحْسَابِ اَبَّادِ
تَقُوْلُ وَهْنًا وَقَدْ جَدَّ الْمَخَاضُ بِهَا	يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ اَرْعَى الشَّوْلَ لِلْغَادِيْ
قَدْ غَادَرُوْهُ لِحُرِّ الْوَجْهِ مُنْعَفِرًا	وَخَالُهَا وَاَبُوْهَا سَيِّدُ النَّادِيْ

عمرو بن العاص کی ہجو (جو معاویہ کا وزیر باتدبیر تھا اور جس کو امیر المومنین علیہ السلام نے "ابن النابغہ" کہہ کر خطاب کیا ہے)

زَعَمَ ابْنُ نَابِغَةَ اللَّئِيمُ بِأَنَّنَا — لَا نَجْعَلُ الْأَحْسَابَ دُوْنَ مُحَمَّدِ

قَوْمُ ابْنُ نَابِغَةَ اللِّئَامُ اَذِلَّةٌ — لَا يُقْبَلُوْنَ عَلٰى صَفِيْرِ الْمُرْعِدِ

وَبَنٰى لَهُمْ بَيْتًا اَبُوْكَ مُقَصِّرًا — كُفْرًا وَلُؤْمًا بِئْسَ بَيْتُ الْمَحْتِدِ

اَمَّا ابْنُ نَابِغَةَ الْعَبْدُ الْهَجِيْنُ فَقَدْ — اُنْحِيْ عَلَيْهِ لِسَانًا صَارِمًا ذَكَرًا

مَا بَالُ اُمِّكَ زَاغَتْ عِنْدَ ذِيْ شَرَفٍ — اِلٰى جَذِيْمَةَ لَمَّا عَفَّتِ الْاَثَرَا

ظَلَّتْ ثَلَاثًا وَمِلْحَانٌ مُعَانِقُهَا — عِنْدَ الْحَجُوْنِ فَمَامَلَّا وَمَا فَتَرَا

بہر حال رسولؐ کے قابل احترام صحابی کا پورا دیوان مثالب ومعائب کے تفصیلات سے پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مثالب ومعائب کو بہت کشادہ پیشانی سے سنتے تھے اور شاعر کو دعائیں دیتے تھے، اگر معائب کا بیان کرنا برا ہوتا تو کیا صاحب خلق عظیم، معلم مکارم الاخلاق اس کو بہ نظر استحسان ملاحظہ فرماتے؟ اچھا قرآن حکیم کو ملاحظہ فرمایئے اس میں بھی حضرت احدیت نے بروں کو نہ صرف نہایت سخت و درشت الفاظ سے یاد کیا ہے بلکہ آپ کے الفاظ میں سب وشتم سے بھی کام لیا ہے، ملاحظہ ہو:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ستیاناس ہو جائے۔[1]

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔

ہر طعنہ دینے والے چغل خور کی خرابی و بربادی ہو۔[2]

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ، نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ۔

ہم پیشانی کے پٹے پکڑ کر گھسیٹیں گے، جھوٹے، خطا کار کی پیشانی کے پٹے۔[3]

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى، الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى۔

(جہنم میں) بس وہی داخل ہوگا جو بڑا بد بخت ہے۔[4]

اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا۔

جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا جب ان میں کا بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا۔[5]

---

[1] سورۂ لہب، آیہ ۱۔

[2] سورۂ ھمزہ، آیہ ۱۔

[3] سورۂ علق، آیہ ۱۵، ۱۶۔

[4] سورۂ لیل، آیہ ۱۵، ۱۶۔

[5] سورۂ شمس، آیہ ۱۲۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

تمہارا دشمن ہی بے اولاد اور منحوس ہے۔[1]

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ . هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ . مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ . عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ . اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ۔

تم ایسے کی اطاعت نہ کرنا جو بہت قسمیں کھاتا ہو ذلیل اوقات، عیب جو، اعلیٰ درجہ کا چغل خور، مال کا بہت بخیل، حد سے بڑھنے والا گنہگار، تندمزاج اور اس کے علاوہ بدذات اور حرام زادہ ہے۔ چونکہ مال اور بہت سے بیٹے رکھتا ہے (اس لیے اکڑتا ہے)۔[2]

کیا معاذ اللہ قرآن مجید کے ان آیات پر بھی شک کیا جائے گا کہ یہ کلام الٰہی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اشد معائب واقبح قبائح کا بیان ہوا ہے جس کا اقرار مفسرین کرتے ہیں۔[3]

معالم التنزیل البغوی میں ابن قتیبہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

قَالَ ابْنُ قُتَيْبَةَ لَا نَعْلَمُ اَنَّ اللهَ وَصَفَ اَحَدًا وَلَا ذَكَرَ مِنْ عُيُوْبِهٖ مَا ذَكَرَ مِنْ عُيُوْبِ الْوَلِيْدِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ فَاَلْحَقَ بِهٖ عَارًا لَا يُفَارِقُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

خداوند عالم نے کسی کے بھی عیب کو اس طرح نہیں بیان کیا جیسا کہ ولید بن مغیرہ کی برائی کو اس نے بیان کیا ہے جس سے اس کو ایسی رسوائی حاصل ہوئی کہ دنیا و آخرت میں کہیں بھی نہیں مٹ سکتی۔[4]

نہج البلاغہ میں جن مقامات پر سب وشتم بتلایا جاتا ہے وہ قرآن کے مندرجہ بالا "بیان مثالب" سے زیادہ سخت نہیں ہیں، قرآن نے ولید بن مغیرہ میں جو اکابر صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں انہیں معائب ومثالب کا ہونا بیان کیا ہے جن کو علی بن ابی طالب علیہ السلام نے ذرا کچھ وضاحت سے عمرو بن عاص ومعاویہ وغیرہم میں بتلا رہے ہیں، احمد زکی صفوت جو نہج البلاغہ کے بعض مقامات کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں، وہ بھی ایسے کلام کو امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام سمجھتے ہیں، جیسا کہ لکھتے ہیں:

---

[1] سورۂ کوثر، آیہ ۳۔

[2] سورۂ قلم، آیہ ۱۰، ۱۴۔

[3] تفسیر فخر رازی، ج ۸، ص ۲۲۵، ۲۲۶۔ تفسیر ابن السعود برحاشیہ تفسیر فخر رازی، ج ۸، ص ۲۶۴۔

[4] معالم التنزیل، البغوی۔

نَقُوْلُ اَمَّا هٰذَا الْكَلَامُ وَاَشْبَاهُهٗ فَاِنَّا نَلْتَمِسُ لِعَلِيٍّ فِيْهِ الْعُذْرَ ؑ. وَاِنْ هُوَ اِلَّا نَفْثَةُ مَصْدُوْرٍ مِنْ دَهَاءِ عَمْرٍو وَمَا نَصَبَ لَهٗ مِنْ حَبَائِلِ الْكَيْدِ وَمَا نَالَهٗ مِنْ مُعَاوِيَةَ مِمَّا تَنْفَطِرُ مِنْهُ الْقُلُوْبُ عَلٰى اَنَّهٗ لَيْسَ بِغَرِيْبٍ وَلَا مُسْتَنْكَرٍ عَلٰى عَلِيٍّ وَقَدْ جَرَّدَ عَلٰى عَمْرٍو وَمُعَاوِيَةَ وَاَشْيَاعِهِمَا سَيْفَهٗ وَخَاضَ مَعَهُمْ مَعْمَعَانِ الْقِتَالِ اَنْ يَصُبَّ عَلَيْهِمْ مِنْ لِسَانِهٖ وَابِلًا مِنَ اللَّعْنَاتِ. تِلْكَ سَجِيَّةٌ بَشَرِيَّةٌ لَا يَقْوٰى عَلٰى مُغَالَبَتِهَا الصَّلَاحُ مُهِمَّةٌ كَانَ كَامِلًا. وَهَلْ يَبْقٰى لِلْعَدُوِّ حُرْمَةٌ بَعْدَ اَنْ اِزْهَاقِ الْاَرْوَاحِ وَاِرَاقِ الدِّمَاءِ؟۔

میں کہتا ہوں کہ علی علیہ السلام اس قسم کے سخت و درشت کلام فرمانے میں معذور ہیں، کیونکہ یہ تو ستائے ہوئے مصیبت زدہ دل کی ایسی بھڑاس تھی جو عمروعاص کی غداری ومکاری، فریب ودھوکا اور معاویہ کے وہ مظالم جن کا تحمل قلب نہ کر سکے بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے ان سب کو برداشت کرنے کے بعد علی علیہ السلام کے دل سے نکلی تھی اس بنا پر اس قسم کے کلام کا علی علیہ السلام سے سرزد ہونا بعید نہیں ہے، معاویہ وعمروعاص اور ان کے ساتھیوں پر جب علی علیہ السلام کی تلوار نیام سے نکل آئی اور میدانِ قتال میں ان سے مقابلہ ہوگیا تو پھر اب کیا رہ گیا اگر آپؑ نے زبان سے بھی ان لوگوں پر لعن وطعن فرمایا، جانوں کے تلف ہونے اور خون کے بہنے کے بعد پھر دشمن کا احترام کب رہ جاتا ہے؟[۱]

امیر المومنین علیہ السلام نے معاویہ اور عمروعاص کے خلاف جو سخت ودرشت الفاظ استعمال فرمائے اس کو علامہ احمد زکی صفوت اس لیے حق بجانب سمجھ رہے ہیں کہ ان لوگوں نے حضرتؑ کو ستایا اور آپؑ ان لوگوں کے مقابلہ میں مظلوم تھے، بیشک قرآن نے بھی مظلوم کو ظالم کی برائیاں علانیہ بیان کرنے سے نہیں روکا جیسا کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا۔﴾

خدا کسی کے علانیہ برا کہنے کو پسند نہیں کرتا مگر مظلوم (ظالم کی برائیاں بیان کرسکتا ہے) اور خدا سب کی سنتا اور ہر ایک کو جانتا ہے۔[۲]

اس آیت کا مفہوم صاف ہے کہ خدا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ مظلوم ظالم کی برائیوں کا اعلان کرے، اس آیت کی روشنی میں خطبہ شقشقیہ کو دیکھیے، وہ کیا ہے؟ ایک مظلوم کے دل کی بھڑاس! جیسا کہ خود حضرتؑ ہی نے ابن عباس سے

---

[۱] ترجمہ علی ابن ابی طالب، احمد زکی صفوت، ص ۱۴۲، طبع مصر۔

[۲] سورۂ نساء، آیت ۱۴۸۔

فرمایا تھا:

تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ۔

یہ (ایک ٹوٹے ہوئے دل کی) آواز تھی، (جو دفعتاً فضائے دہر میں) گونجی اور خاموش ہوگئی۔

رہا یہ امر کہ خلفاء ثلثہ نے آپؑ کو ستایا یا نہیں، اس کا فیصلہ معاویہ کا وہ خط کرتا ہے جو انہوں نے محمد بن ابی بکر کے خط کے جواب میں لکھا تھا، واقعہ یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر نے معاویہ کو اس مضمون کا ایک خط لکھا تھا کہ تو نے علی علیہ السلام پر ظلم کیا ہے اور علی علیہ السلام کے حق خلافت کو غصب کرنے والا ہے، اس کا جواب معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو دیا تھا، اس خط و کتابت کو مورخین نے نقل کیا ہے۔ میں مورخ مسعودی کے حوالہ سے نقل کرتا ہوں، معاویہ نے محمد ابن ابی بکر کو جواب میں لکھا:

مِنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَخْرٍ اِلَى الزَّارِيْ عَلٰى اَبِيْهِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ۔

اَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ اَتَانِيْ كِتَابُكَ تَذْكُرُ فِيْهِ مَا اللّٰهُ اَهْلُهُ فِيْ عَظْمَتِهٖ وَقُدْرَتِه وسُلْطَانِهٖ وَمَا اصْطَفٰى بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَعَ كَلَامٍ كَثِيْرٍ لَكَ فِيْهِ تَضْعِيْفٌ وَلِاَبِيْكَ فِيْهِ تَعْنِيْفٌ ذَكَرْتَ فِيْهِ فَضْلَ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَقَدِيْمَ سَوَابِقِهٖ وَقَرَابَتِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَمُوَاسَاتَهٗ اِيَّاهُ فِيْ كُلِّ هَوْلٍ وَخَوْفٍ فَكَانَ احْتِجَاجُكَ عَلَيَّ وَعَيْبُكَ لِيْ بِفَضْلِ غَيْرِكَ لَا بِفَضْلِكَ فَاَحْمَدُ رَبًّا صَرَفَ هٰذَا الْفَضْلَ عَنْكَ وَجَعَلَهٗ لِغَيْرِكَ۔

معاویہ بن صخر کی جانب سے اپنے باپ کو رسوا کرنے والے محمد بن ابی بکر کی طرف۔

امابعد مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے خدا کی عظمت وقدرت وسلطنت کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ صفتیں بیان کی ہیں جن کی وجہ سے خدا نے ان کو برگزیدہ قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس خط میں وہ کلام بھی ہے جس سے تمہاری تضعیف اور جس سے تمہارے باپ کی رسوائی ہے، اس خط میں تم نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل وسوابقات وقرابت رسولؐ کا ذکر کیا ہے نیز بیان کیا ہے کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام نے رسول خداؐ کے ساتھ ہر خطرہ وجنگ میں مواسات کی۔ پس تم میرے خلاف احتجاج کرتے ہو اور میرے عیب بیان کرتے ہو لیکن اپنے فضائل کی وجہ سے نہیں بلکہ ان فضائل کے مقابلہ میں جو تمہارے سوائے دوسرے میں یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں ہیں۔ پس میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ فضائل اس نے تم کو نہیں دیے اور تمہارے دوسرے یعنی علی کو دیے ہیں۔

فَقَدْ كُنَّا وَاَبُوْكَ فِيْنَا نَعْرِفُ فَضْلَ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَ حَقَّهٗ لَازِمًا لَنَا مَبْرُوْرًا عَلَيْنَا۔

فَلَمَّا اخْتَارَ اللّٰہُ لِنَبِیِّہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَا عِنْدَہٗ وَاَتَمَّ لَہٗ مَا وَعَدَہٗ وَاَظْھَرَ دَعْوَتَہٗ وَاَبْلَجَ حُجَّتَہٗ وَقَبَضَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ صَلٰوۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فَکَانَ اَبُوْکَ وَفَارُوْقُہٗ اَوَّلَ مَنِ انْتَزَعَ حَقَّہٗ وَخَالَفَہٗ عَنْ اَمْرِہٖ ۔عَلٰی ذٰلِکَ اتَّفَقَا وَاتَّسَقَا ثُمَّ اِنَّھُمَا دَعَوَاہُ اِلٰی بَیْعَتِھِمَا فَاَبْطَأَ عَنْھُمَا وَتَلَکَّأَ عَلَیْھِمَا فَھَمَّا بِہِ الْھُمُوْمَ وَاَرَادَا بِہِ الْعَظِیْمَ ثُمَّ اِنَّہٗ بَایَعَ لَھُمَا وَسَلَّمَ لَھُمَا فَاَقَامَا لَا یُشْرِکَانِہٖ فِیْ اَمْرِھِمَا وَلَا یُطْلِعَانِہٖ عَلٰی سِرِّھِمَا حَتّٰی قَبَضَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی۔

تمہارے باپ اور ہم سب علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل اور ان کی حقیت سے اچھی طرح واقف تھے، پس جب خداوند عالم نے اپنے نبی کو وہ انعامات واکرامات دیے جن کا اس نے وعدہ کیا تھا اور اس کے نبی کی دعوت ظاہر ومکمل ہوئی اور پھر ان کی وفات ہوگئی تو تمہارے باپ (ابوبکر) اور ان کا دوست (عمر) فاروق یہ سب سے پہلے تھے جنہوں نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کا حق غصب کرلیا اور ان دونوں نے علی علیہ السلام کی مخالفت اس خلافت کے بارے میں کی، ان دونوں نے مل کر خلافت علی علیہ السلام سے چھین لی اور اس میں وہ دونوں آپس میں متفق رہے اور پھر ان دونوں نے علی علیہ السلام کو اپنی بیعت کی طرف بلایا، لیکن علی علیہ السلام نے ان دونوں کی بیعت سے انکار کیا تو ان دونوں نے علی علیہ السلام پر بہت ظلم وزیادتیں کیں اور ان کے خلاف بڑی سازش تیار کی، آخر کار مجبور ہوکر علی علیہ السلام نے ان کی بیعت کرلی اور ان کی حکومت کو ان کے لیے تسلیم کرلیا لیکن اس پر بھی وہ دونوں علی علیہ السلام کو اپنے کام میں شریک نہیں کرتے تھے اور اپنے بھیدوں سے علی علیہ السلام کو مطلع نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

ثُمَّ قَامَ ثَالِثُھُمَا عُثْمَانُ فَھَدٰی بِھَدْیِھِمَا وَسَارَ بِسَیْرِھِمَا فَعِبْتَہٗ اَنْتَ وَصَاحِبُکَ حَتّٰی طَمَعَ فِیْہِ الْاَقَاصِیُ مِنْ اَھْلِ الْمَعَاصِیْ فَطَلَبْتُمَا لَہُ الْغَوَائِلَ وَاَظْھَرْتُمَا عَدَاوَتَکُمَا فِیْہِ حَتّٰی بَلَغْتُمَا فِیْہِ مُنَاکُمَا فَخُذْ حَذْرَکَ یَا بْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَقِسْ شِبْرَکَ بِفِتْرِکَ یَقْصُرُ عَنْ اَنْ تُوَازِیَ وَتُسَاوِیَ مَنْ یَزِنُ الْجِبَالَ بِحِلْمِہٖ لَا یَلِیْنُ عَنْ قَسْرٍ قَنَاتِہٖ وَلَا یَدْرُکُ ذُوْ مَقَالٍ اَنَاتَہٗ اَبُوْکَ مَھَدَ مَھَادَہٗ وَ بَنَا لِمُلْکِہٖ وَسَادَۃً فَاِنْ یَکُ مَا نَحْنُ فِیْہِ صَوَابًا فَاَبُوْکَ اسْتَبَدَّ وَ نَحْنُ شُرَکَاؤُہٗ لَوْلَا مَا فَعَلَ اَبُوْکَ مِنْ قَبْلٍ مَا خَالَفْنَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ وَلَسَلَّمْنَا اِلَیْہِ وَلٰکِنَّا رَاَیْنَا اَبَاکَ فَعَلَ ذٰلِکَ بِہٖ مِنْ قَبْلِنَا فَاَخَذْنَا بِمِثْلِہٖ فَعِبْ اَبَاکَ بِمَا بَدَا لَکَ اَوْ دَعْ ذٰلِکَ ۔وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَنَابَ۔

پھرانہی کی جماعت کا تیسرا عثمان کھڑا ہوااور وہ بھی ان دونوں کے طریقہ پر چلا اور ان دونوں کے طرزِ عمل کی پیروی کی، لیکن تم نے اور تمہارے ساتھی نے ان میں عیب نکالنا شروع کیا، یہاں تک کہ دور دور تک کے گناہگاروں نے اس کے زمانہ حکومت میں لالچ کیا اور ناجائز فائدہ اٹھانے کی فکر میں لگ گئے۔ پس تم دونوں نے اس کے لیے اپنے دل میں کینہ کو راہ دی اور اس سے اپنی عداوت کو ظاہر کیا یہاں تک کہ اس امر میں تم نے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ پس اے ابوبکر کے بیٹے دل میں ڈر اور قیاس کر اپنے بالشت کو اپنے انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیانی فاصلہ پر (یعنی اپنی حد سے آگے نہ بڑھو اور اپنے بزرگوں کے منہ نہ آؤ) تمہارا بالشت قاصر ہے اس بات سے کہ وہ برابری کر سکے اس شخص کی جو اپنے حلم میں پہاڑوں کے وزن کو تول دیتا ہے، نہیں نرم بنا سکے گا اس کے نیزہ کو جبر و قہر سے اور نہیں پا سکتا ہے کوئی بہت بولنے والا اس کے وقار وحلم کو۔ پس اگر ہماری بحث درست ہے تو تمہارے باپ نے علی علیہ السلام کے اوپر بہت ظلم کیا اور ہم تمہارے باپ کے اس میں شریک ہیں، اگر اس سے پہلے تمہارا باپ وہ نہ کرتا جو اس نے کیا تو ہم بھی علی بن ابی طالب علیہما السلام کی مخالفت نہ کرتے اور خلافت ان کے سپرد کر دیتے۔ پس چونکہ ہم نے تمہارے باپ کو ان کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کرتے ہوئے دیکھا لہذا ہم نے بھی ویسا ہی کیا۔ پس اب جو کچھ ہوا اس پر اپنے باپ ہی کو ملامت کرو اور الزام دو یا چپ ہو کر بیٹھ جاؤ، سلام ہو اس پر جو حق کی طرف پلٹا۔[1]

علی علیہ السلام اور اہل بیتِ رسولؐ پر جو ظلم بعد رسولؐ کیا گیا ہے اس کو تاریخ الطبری جلد سوم، تاریخ ابوالفداء جلد اول، عقد الفرید ابن عبدربہ جلد دوم، تاریخ روض المناظر ابن شحنہ بر حاشیہ جلد یازدہم تاریخ الکامل، کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ جلد اول، کتاب الملل والنحل شہرستانی جلد اول، ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ محدث دہلوی در مقصد دوم مآثر ابوبکر، استیعاب عبدالبر جلد اول اور اس کے علاوہ دوسری کتبِ اہلسنت میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ان مظالم کے تفصیلات سے دل کانپتا ہے۔

---

[1] مروج الذہب، علامہ مسعودی، ج ۲، ص ۴۳، طبع اول مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۳ھ۔

علی علیہ السلام سے جبریہ بیعت لینے کے سلسلے میں جو ظلم کیے گئے

ایک مرتبہ خود معاویہ نے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں یہ لکھ کر بھیجا، "وَابْطَائِكَ عَلَى الْخُلَفَاءِ وَاَنْتَ فِیْ كُلِّ ذٰلِكَ" اے علی علیہ السلام! آپؑ ہی وہ ہیں جو خلفاء کی بیعت کرنے سے کنارہ کش رہے "تُقَادُ كَمَا يُقَادُ الْبَعِيْرُ الْمَخْشُوْشُ حَتّٰى تُبَايِعَ وَاَنْتَ كَارِهٌ" اور ہر مرتبہ اسی سرکش اونٹ کی طرح جس کی ناک میں خاردار نکیل ڈال کر گھسیٹا جاتا ہے خلفاء کی بیعت کے لیے زبردستی لائے گئے اور تم نے بہ جبر کراہت سے بیعت کی۔[1]

اس کا جو جواب حضرتؑ نے دیا تھا وہ نہج البلاغہ میں موجود ہے۔ شیخ ابوالعباس احمد القلقشندی واحمد زکی صفوت لکھتے ہیں کہ حضرتؑ نے معاویہ کے جواب میں تحریر فرمایا:

وَقُلْتَ اِنِّیْ كُنْتُ اُقَادُ كَمَا يُقَادُ الْجَمَلُ الْمَخْشُوْشُ حَتّٰى اُبَايِعَ. وَلَعَمْرُ اللهِ لَقَدْ اَرَدْتَ اَنْ تَذُمَّ فَمَدَحْتَ وَ اَنْ تَفْضَحَ فَافْتَضَحْتَ! وَمَا عَلَى الْمُسْلِمِ مِنْ غَضَاضَةٍ فِیْ اَنْ يَكُوْنَ مَظْلُوْمًا مَا لَمْ يَكُنْ شَاكًّا فِیْ دِيْنِهٖ. وَلَا مُرْتَابًا بِيَقِيْنِهٖ. وَهٰذِهٖ حُجَّتِیْ اِلٰى غَيْرِكَ قَصْدُهَا۔

اے معاویہ! تو جو یہ لکھتا ہے کہ مجھ کو قہر وغلبہ سے کھینچتے ہوئے بیعت کے لیے لے گئے جیسا کہ سرکش اونٹ کی ناک میں خاردار نکیل ڈال کر لے جاتے ہیں، خدا کی قسم تو چاہتا تھا کہ اس طرح میری مذمت کرے لیکن تو نے یہ میری مدح کی ہے، تو مجھ کو ذلیل کرنا چاہتا تھا لیکن خود رسوا ہو گیا، مردِ مسلمان کے لیے مظلوم ہونا ذلت کی بات نہیں ہے جبکہ اس کو اپنے دین میں شک نہ ہو اور یقین میں اس کو شبہ نہ ہو اور یہی ہماری حجت ودلیل ہے تیرے غیر پر میرے حق کو غصب کر لینے میں۔[2]

وداد سکاکینی مصری اپنی کتاب "امہات المومنین واخوات الشہداء" میں لکھتے ہیں:

وَاُكْرِهَ عَلِیٌّ علیہ السلام عَلَى الْبَيْعَةِ. فَسِيْقَ قَسْرًا اِلَى الْخَلِيْفَةِ. بَعْدَ اَنْ لَقِیَ ضُرُوْبَ الشِّدَّةِ مِنْ عُمَرَ. فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ۔

علی علیہ السلام کو ابوبکر کی بیعت ناگوار تھی اس بنا پر ان کو بظلم وستم کھینچتے ہوئے زبردستی خلیفہ کی طرف لے جایا گیا، بعد اس کے کہ عمر نے آپؑ پر مختلف قسم کی سختیاں وزیادتیاں کی تھیں۔[3]

---

[1] ترجمہ علی بن ابی طالب، احمد زکی صفوت، ص ۴۵، طبع مصر۔ صبح الاعشی، الجزء الاول، الشیخ ابی العباس احمد القلقشندی، ص ۲۲۸، طبع دار الکتب المصریہ ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۲ء۔

[2] صبح الاعشی، الجزء الاول، ص ۲۳۰، طبع مصر۔ ترجمہ علی بن ابی طالب، احمد زکی صفوت، ص ۴۶ طبع مصر۔ نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خط ۲۸، ص ۷۰۲۔

[3] امہات المومنین، ص ۳۴، مطبوعات دار الفکر العربی قاہرہ۔

"شہیرات النساء فی العالم الاسلامی" میں بھی یہی الفاظ ہیں:

وَاَخَذَا مِنْ بِعْدِہٖ عَلِیًّا لِلْمُبَایَعَۃِ وَ لَمَّا رَاَتِ السَّیِّدَۃُ فَاطِمَۃُ زَوْجَھَا یُسَاقُ قَسْرًا فَوَلْوَلَتْ۔

اس کے بعد علی علیہ السلام کو بیعت کرنے کے لیے گرفتار کرلیا گیا، جب جناب فاطمہ علیہا السلام نے دیکھا کہ ان کے شوہر حضرت علی علیہ السلام کو زبردستی گھسیٹے لیے جا رہے ہیں تو آپؑ نے فریاد کی۔[1]

اس زبردستی کے بعد کیا ہوا اس کو مورخ ابن قتیبہ الدینوری یوں بیان کرتا ہے:

ثُمَّ اَنَّ عَلِیًّا کَرَّمَ اللہُ وَجْھَہٗ اُتِیَ بِہٖ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَھُوَ یَقُوْلُ: وَاَنَا عَبْدُ اللہِ وَاَخُوْ رَسُوْلِ اللہِ. فَقِیْلَ لَہٗ بَایِعْ اَبَابَکْرٍ فَقَالَ اَنَا اَحَقُّ بِھٰذَا الْاَمْرِ مِنْکُمْ. لَا اُبَایِعُکُمْ وَ اَنْتُمْ اَوْلٰی بِالْبَیْعَۃِ لِیْ. اَخَذْتُمْ ھٰذَا الْاَمْرَ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ احْتَجَجْتُمْ عَلَیْھِمْ بِالْقَرَابَۃِ مِنَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. وَ تَاْخُذُوْنَہٗ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ غَصْبًا۔ اَلَسْتُمْ زَعَمْتُمْ لِلْاَنْصَارِ اَنَّکُمْ اَوْلٰی بِھٰذَا الْاَمْرِ مِنْھُمْ لِمَا کَانَ مُحَمَّدٌ مِنْکُمْ. فَاَعْطَوْکُمُ الْمَقَادَۃَ. وَ سَلَّمُوْا اِلَیْکُمُ الْاِمَارَۃَ. وَ اَنَا اَحْتَجُّ عَلَیْکُمْ بِمِثْلِ مَا احْتَجَجْتُمْ بِہٖ عَلَی الْاَنْصَارِ۔ نَحْنُ اَوْلٰی بِرَسُوْلِ اللہِ حَیًّا وَ مَیِّتًا فَاَنْصِفُوْنَا اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ. وَ اِلَّا فَبُوْءُوْا بِالظُّلْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ اِنَّکَ لَسْتَ مَتْرُوْکًا حَتّٰی تُبَایِعَ فَقَالَ لَہٗ اِحْلِبْ حَلْبًا لَکَ شَطْرُہٗ وَ شُدَّ لَہُ الْیَوْمَ یَرْدُدْہُ عَلَیْکَ غَدًا۔

حضرت علی علیہ السلام کو گرفتار کر کے خلیفہ ابوبکر کے پاس لائے، اس حالت میں کہ حضرتؑ یہ کہتے جاتے تھے: میں خدا کا بندۂ مطیع اور اس کے رسول کا بھائی ہوں۔ آپؑ سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو۔ جواب دیا کہ بیعت لینے کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں، میں تمہاری ہرگز بیعت نہ کروں گا، خود تم کو چاہیے کہ میری بیعت کرو۔ تم نے انصار سے خلافت اس دلیل سے لی ہے کہ تم کو رسول خداؐ سے قرابت ہے جو ان کو حاصل نہیں تھی اور اب ہم اہلبیتؑ سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیے لے رہے ہو۔ کیا تم نے انصار سے بحث میں یہ نہیں کہا تھا کہ تم بہ نسبت ان کے خلافت کے زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے تھے۔ اس دلیل کو مان کر انہوں نے امر خلافت تمہارے سپرد کر دیا۔ اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو تم نے انصار پر حجت

[1] شہیرات النساء، ج ۲، ص ۳۰۲، طبع مصر۔

قائم کی تھی۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں۔ پس اگر تم ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو ورنہ ظلم کرنے والوں کا جو انجام ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ یہ سن کر عمر نے کہا ہم تو تمہیں نہیں چھوڑیں گے جب تک بیعت نہیں کرلو گے۔ حضرتؑ نے جواب دیا: تم دونوں ناقۂ خلافت کے تھن سے اپنے اپنے حصے کا دودھ نچوڑ لو، آج تم ان کے لیے امر خلافت مضبوط کرو وہ کل تمہارے لیے مضبوط کرجائیں گے۔[1]

خود خلیفۂ دوم عمر بن خطاب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ علی علیہ السلام پر ظلم ہوا، جیسا کہ ابن ابی الحدید نے کتاب "الموفقیات" لابی عبداللہ الزبیر بن بکار الزبیری قاضی مکہ (۱۷۲۔۲۵۶) کے حوالہ سے لکھا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اِنِّیْ لَاُمَاشِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِیْ سِکَّةٍ مِنْ سِکَكِ الْمَدِیْنَةِ اِذْ قَالَ لِیْ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ مَا اَرٰی صَاحِبَكَ اِلَّا مَظْلُوْمًا فَقُلْتُ فِیْ نَفْسِیْ وَاللهِ لَا یَسْبِقُنِیْ بِهَا فَقُلْتُ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَارْدُدْ اِلَیْهِ ظُلَامَتَهٗ فَانْتَزَعَ یَدَهٗ مِنْ یَدِیْ وَ مَضٰی یُهَمْهِمُ۔

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور حضرت عمر مدینہ کے ایک کوچہ میں جا رہے تھے کہ موصوف نے اس طرح گفتگو شروع کی۔ اے ابن عباس میرا خیال واقعی یہی ہے کہ تمہارے ساتھی (ابن عم) علی علیہ السلام پر ظلم ہوا۔ یہ سن کر عبداللہ ابن عباس نے دل میں کہا اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دوں گا، اس کے بعد زبان سے بولے، اے امیر المومنین پھر آپ وہ شے جو بظلم علی علیہ السلام سے چھینی گئی ہے وہ واپس کردیں۔ یہ سن کر عمر نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال لیا جو پہلے سے دیے ہوئے تھے اور تھوڑی دور کچھ گنگناتے ہوئے چلے۔[2]

صرف یہی نہیں بلکہ خلیفہ عمر کو اس کا بھی اقرار ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ان کو اور ابوبکر دونوں کو کاذب، آثم، غادر، خائن سمجھتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم جلد دوم، کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفئ، ص ۹۱، مطبوعہ انصاری دہلی میں موجود ہے۔[3]

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ، ص ۹، ۱۰، طبع قاہرہ۔

[2] ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۰۵ طبع مصر۔

[3] صحیح مسلم، ج ۲، کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفئ، ص ۹۱، مطبوعہ انصاری دہلی۔

خطبہ شقشقیہ کو محققین اہلسنت قبول کرتے ہیں

غصب خلافت کی یہی وہ داستان ہے جس کو امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ میں بیان فرمایا ہے۔اس خطبہ کو محققین اہلسنت قبول کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ علی علیہ السلام ہی کا کلام ہے۔علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے استاد شیخ ابوالخیر مصدق بن شبیب واسطی نے ۶۰۳ھ میں بیان کیا کہ انہوں نے جب اپنے استاد شیخ ابو محمد عبداللہ بن احمد معروف بہ ابن خشاب[1] کے سامنے خطبہ شقشقیہ پڑھا تو ان سے دریافت کیا: اَتَقُوْلُ اَنَّهَا مَنْحُوْلَةٌ۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ خطبہ صحیح نہیں ہے اور گڑھا ہوا ہے؟"۔ابن خشاب نے کہا: لَا وَاللّٰهِ وَاِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّهَا كَلَامُهٗ كَمَا اَعْلَمُ اَنَّكَ مُصَدِّقٌ۔ "لا واللہ! ایسا ہرگز نہیں ہے میں یقیناً یہ جانتا ہوں کہ یہ علی بن ابی طالب علیہ السلام ہی کا کلام ہے، اس کا یقین مجھے اتنا ہی ہے جتنا اس بات کا کہ تم مصدق ہو"۔مصدق نے کہا: اِنَّ كَثِيْرًا مِنَ النَّاسِ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهَا مِنْ كَلَامِ الرَّضِيِّ۔ "لیکن بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ خود سید رضی کا خود ساختہ انہی کا کلام ہے"۔

ابن خشاب نے جواب دیا:

اَنّٰى لِلرَّضِيِّ وَلِغَيْرِ الرَّضِيِّ هٰذَا النَّفَسُ وَهٰذَا الْاُسْلُوْبُ! وَ قَدْ وَقَفْنَا عَلٰى رِسَائِلِ الرَّضِيِّ. وَعَرَفْنَا طَرِيْقَتَهٗ وَفَنَّهٗ فِي الْكَلَامِ الْمَنْثُوْرِ. وَمَا يَقَعُ مَعَ هٰذَا الْكَلَامِ فِيْ خَلٍّ وَلَا خَمْرٍ. ثُمَّ قَالَ: وَاللّٰهِ لَقَدْ وَقَفْتُ عَلٰى هٰذِهِ الْخُطْبَةِ فِيْ كُتُبٍ صُنِّفَتْ قَبْلَ اَنْ يُّخْلَقَ الرَّضِيُّ بِمِائَتَيْ سَنَةٍ وَلَقَدْ وَجَدْتُّهَا مَسْطُوْرَةً بِخُطُوْطٍ اَعْرِفُهَا وَاَعْرِفُ خُطُوْطَ مَنْ هُوَ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَاَهْلِ الْاَدَبِ قَبْلَ اَنْ يُّخْلَقَ النَّقِيْبُ اَبُوْ اَحْمَدَ وَالِدُ الرَّضِيِّ۔

بھلا رضی یا رضی کے علاوہ کسی اور کو کہاں یہ قدرت اور یہ طرز بیان میسر، میں نے سید رضی کے رسائل و مصنفات کو دیکھا ہے ان کے طرز نگارش کو اچھی طرح پہچانتا اور ان کے کلام منثور اور جو کچھ بھی اس میں اچھائی برائی ہے سب کو جانچ چکا ہوں، رضی کے کلام کو اس کلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔خدا کی قسم میں نے اس خطبہ شقشقیہ کو ان کتابوں میں دیکھا ہے جو رضی کے پیدا ہونے سے دو سو برس پہلے لکھی اور تصنیف کی گئی ہیں اور میں نے اس کو ایسے علماء اور ادباء کے خطوط سے لکھا پایا ہے جن کی تحریر کو میں پہچانتا ہوں۔علماء و ادباء کے ہاتھوں سے لکھا ہوا یہ خطبہ شقشقیہ اتنا

---

[1] اگرچہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر بن خشاب بغدادی مشہور بہ ابن خشاب متوفی ۵۶۷ھ کا شمار محدثین ومفسرین و ادباء کے طبقے میں کیا جاتا ہے لیکن ان پر فنون ادبیہ کا بہت زیادہ غلبہ تھا جس کی بنا پر ان کا شمار اعاظم ادباء میں کیا گیا ہے اور اس موضوع پر ان کے بہت سے مصنفات ہیں منجملہ ان کے، المرتجل شرح الجمل، شرح اللمع، رد شرح جمل ابن بابشاذ، رد تہذیب اصلاح المنطق خطیب تبریزی، رد مقامات حریری وغیر ذلک۔

قدیم العہد ہے کہ علامہ سید رضی تو کیا اس وقت ان کے باپ نقیب ابو احمد بھی نہیں پیدا ہوئے تھے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد خود ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

قُلْتُ وَقَدْ وَجَدْتُ اَنَا كَثِيْرًا مِنْ هٰذِهِ الْخُطْبَةِ فِيْ تَصَانِيْفِ شَيْخِنَا اَبِي الْقَاسِمِ الْبَلْخِيِّ اِمَامِ الْبَغْدَادِيِّيْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ. وَكَانَ فِيْ دَوْلَةِ الْمُقْتَدِرِ قَبْلَ اَنْ يُخْلَقَ الرَّضِيُّ بِمُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ. وَوَجَدْتُ اَيْضًا كَثِيْرًا مِنْهَا فِيْ كِتَابِ اَبِيْ جَعْفَرِ بْنِ قِبَةٍ اَحَدُ مُتَكَلِّمِيْنَ الْاِمَامِيَّةِ وَهُوَ الْكِتَابُ الْمَشْهُوْرُ الْمَعْرُوْفُ بِكِتَابِ "اَلْاِنْصَافُ". وَكَانَ اَبُوْ جَعْفَرٍ هٰذَا مِنْ تَلَامِذَةِ الشَّيْخِ اَبِي الْقَاسِمِ الْبَلْخِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى. وَمَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ يَكُوْنَ الرَّضِيُّ مَوْجُوْدًا۔

میں نے اس خطبہ کے اکثر حصے کو اپنے شیخ ابو القاسم البلخی کی تصانیف میں دیکھا ہے جو سید رضی کی پیدائش سے بہت پہلے مقتدر باللہ العباسی کے عہد میں تھے اور معتزلہ بغداد کے امام تھے، نیز اس خطبے کے اکثر اجزاء کو ابوجعفر ابن قبہ کی کتاب "الانصاف" میں دیکھا ہے، یہ ابوجعفر فرقہ امامیہ کے متکلم تھے اور شیخ ابو القاسم بلخی کے شاگردوں میں سے تھے اور سید رضی کے عالمِ وجود میں آنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو چکا تھا۔[1]

علامہ شیخ کمال الدین ابن میثم اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

لَقَدْ وَجَدْتُ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ فِيْ مَوْضِعَيْنِ تَارِيْخُهُمَا قَبْلَ مَوْلِدِ الرَّضِيِّ بِمُدَّةٍ: اَحَدُهُمَا اَنَّهَا مُضَمَّنَةٌ كِتَابَ الْاِنْصَافِ لِاَبِيْ جَعْفَرِ بْنِ قِبَةٍ تِلْمِيْذِ اَبِي الْقَاسِمِ الْكَعْبِيِّ اَحَدِ شُيُوْخِ الْمُعْتَزِلَةِ وَكَانَتْ وَفَاتُهُ قَبْلَ مَوْلِدِ الرَّضِيِّ. اَلثَّانِيْ وَجَدْتُهَا بِنُسْخَةٍ عَلَيْهَا خَطُّ الْوَزِيْرِ اَبِي الْحَسَنِ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفُرَاتِ وَكَانَ وَزِيْرَ الْمُقْتَدِرِ بِاللّٰهِ وَ ذٰلِكَ قَبْلَ مَوْلِدِ الرَّضِيِّ بِنَيِّفٍ وَ سِتِّيْنَ سَنَةً. قَالَ وَ الَّذِيْ يَغْلِبُ عَلٰى ظَنِّيْ اَنَّ تِلْكَ النُّسْخَةَ كَانَتْ كُتِبَتْ قَبْلَ وُجُوْدِ ابْنِ الْفُرَاتِ بِمُدَّةٍ۔

میں نے خطبہ شقشقیہ کو دو جگہوں پر پایا جن کی تاریخ کتابت سید رضی کی ولادت سے بہت پہلے کی تھی۔ ایک تو کتاب "الانصاف" ابوجعفر بن قبہ میں جو ابو القاسم بلخی شیخ المعتزلہ کے شاگرد تھے اور جن کی وفات سید رضی کی ولادت سے پہلے ہو چکی تھی، دوسرے میں نے ایک ایسے نسخہ میں دیکھا جس پر ابن الفرات وزیر مقتدر باللہ خلیفہ عباسی کا خط تھا جو کچھ اوپر ساٹھ برس قبل سید رضی کے لکھا ہوا تھا اور گمان

---

[1] معانی الاخبار کا ایک قلمی نسخہ حقیر کے پاس ہے جو ۱۰۹۵ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کا کاتب محمد معصوم بن محمد صالح دماوندی، اس نسخہ کے ورق ۱۲۶ سے ورق ۱۲۸ تک خطبہ شقشقیہ بروایت عکرمہ عن ابن عباس مع شرح بعض لغات موجود ہے۔ سبط الحسن

غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ ابن فرات کے وجود سے ایک مدت پیشتر کا لکھا ہوا تھا۔[1]

شیخ ابو جعفر ابن بابویہ القمی المتوفی ۳۸۱ھ نے کتاب علل الشرائع "بَابُ الْعِلَّةِ الَّتِیْ مِنْ اَجْلِهَا تَرَكَ النَّاسُ عَلِيًّا" میں اور کتاب "معانی الاخبار باب معانی خطبۃ امیر المومنین علیہ السلام" میں دو مختلف اسناد سے جو عکرمہ عن ابن عباس تک منتہی ہوتا ہے خطبہ شقشقیہ کو روایت فرمایا ہے۔ آخر الذکر کتاب معانی الاخبار کا ایک نسخہ جو بحیات مصنف ۳۲۱ھ کا لکھا ہوا تھا جناب سید علی بن طاؤس صاحب کتاب "الطرائف" کی نظروں سے گزرا ہے[2] اور سید علی بن طاؤس نے خطبہ شقشقیہ کو اپنی کتاب "الطرائف" میں جو ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سعید بن بلال الثقفی کی کتاب "الغارات" سے نقل کیا ہے۔

علامہ ابو ہلال العسکری متوفی ۳۸۲ھ نے بھی اپنی کتاب "مواعظ وزواجر" میں خطبہ شقشقیہ کو نقل کر کے اس کی شرح کی ہے یہاں تک کہ خود سید رضی کے عہد کے مشہور متکلمِ اہلسنت قاضی القضاۃ عبد الجبار صاحب "المغنی" معاصر شریفین مرتضیٰ و رضی نے خطبہ شقشقیہ کو قبول کر کے اس کے معنوں میں تاویل کی ہے جس کا جواب سید مرتضیٰ نے کتاب "شافی" میں دیا ہے جو کتاب المغنی کی رد ہے۔[3] ابو سعید منصور بن الحسین الابی الوزیر المتوفی ۴۲۲ھ نے اپنے مصنفات "نثر الدر و نزہۃ الادب" میں خطبہ شقشقیہ کو نقل کیا ہے۔

ابو الفضل احمد بن محمد بن ابراہیم الادیب النیشاپوری المتوفی ۵۳۹ھ نے کتاب "مجمع الامثال" میں خطبہ شقشقیہ کا اعتراف کیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے۔

ابو السعادت مبارک مجد الدین ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ نے کتاب "النہایہ فی غریب الحدیث" میں پندرہ مقامات پر مندرجۂ ذیل لغات کے ضمن میں خطبہ شقشقیہ کا اعتراف کیا ہے:

(۱) جذ (۲) جذذ (۳) شنق (۴) سفف (۵) نفج (۶) غضم (۷) ربض (۸) حلا (۹) زبرج (۱۰) خلق (۱۱) نسم (۱۲) عفط (۱۳) عفط (۱۴) شقشق (۱۵) ثمل۔

علامہ سبط ابن الجوزی الحنفی المتوفی ۶۵۴ھ نے اپنی کتاب "خواص الامہ" میں ابو القاسم الانباری کے اسناد سے

---

[1] معانی الاخبار کا ایک قلمی نسخہ حقیر کے پاس ہے جو ۱۰۹۵ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کا کاتب محمد معصوم بن محمد صالح دماوندی، اس نسخہ کے ورق ۱۲۶ سے ورق ۱۲۸ تک خطبہ شقشقیہ بروایت عکرمہ عن ابن عباس مع شرح بعض لغات موجود ہے۔ سبط الحسن

[2] معانی الاخبار کا ایک قلمی نسخہ حقیر کے پاس ہے جو ۱۰۹۵ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کا کاتب محمد معصوم بن محمد صالح دماوندی، اس نسخہ کے ورق ۱۲۶ سے ورق ۱۲۸ تک خطبہ شقشقیہ بروایت عکرمہ عن ابن عباس مع شرح بعض لغات موجود ہے۔ سبط الحسن

[3] معانی الاخبار کا ایک قلمی نسخہ حقیر کے پاس ہے جو ۱۰۹۵ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کا کاتب محمد معصوم بن محمد صالح دماوندی، اس نسخہ کے ورق ۱۲۶ سے ورق ۱۲۸ تک خطبہ شقشقیہ بروایت عکرمہ عن ابن عباس مع شرح بعض لغات موجود ہے۔ سبط الحسن

جو عکرمہ عن بن عباس تک منتہی ہوتا ہے خطبۂ شقشقیہ کو بتمام وکمال نقل کیا ہے۔[1]

علاء الدولہ علاء الدین ابوالمکارم احمد بن محمد السمنانی المتوفی ۷۳۶ھ نے بھی اپنی کتاب "عروۃ الوثقیٰ" میں خطبۂ شقشقیہ کا اعتراف کیا ہے۔

محدث لغوی مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۶ھ نے کتاب "قاموس" میں بضمن لغت شقشقیہ اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ خطبہ امیر المومنین علیہ السلام کا ہے۔

شِقْشِقَةٌ. بِالْكَسْرِ: شَيْءٌ كَالرِّيَةِ يُخْرِجُهُ الْبَعِيْرُ مِنْ فِيْهِ اِذَا هَاجَ. وَالْخُطْبَةُ الشِّقْشِقِيَّةُ الْعَلَوِيَّةُ. لِقَوْلِهٖ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا قَالَ لَهٗ لَوِ اطَّرَدَتْ مَقَالَتُكَ مِنْ حَيْثُ اَفْضَيْتَ. يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! هَيْهَاتَ. تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ.

شقشقیہ ایک شے ہے جو غصہ و ہیجان کے وقت اونٹ کے منہ سے باہر آتی ہے اور حضرت علی علیہ السلام کا خطبۂ شقشقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب ابن عباس نے آپؑ سے خواہش کی ہے کہ آپؑ اپنے کلام کو جاری کیجیے اس مقام پر سے جہاں تک پہنچا تھا تو آپؑ نے ابن عباس سے فرمایا تھا، اب کہاں اے ابن عباس وہ تو ایک شقشقہ یعنی جوش کا نتیجہ تھا، جو بلند ہوا اور اب ختم ہوگیا۔

علامہ محمد طاہر فتنی حنفی گجراتی متوفی ۹۸۶ھ نے بھی اپنی کتاب "مجمع البحار" میں بضمن لغات متذکرہ نہایہ ابن اثیر جن کو ابھی درج کر چکا ہوں اس خطبہ کو کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

قاضی القضات شہاب الدین احمد الخفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ خطبۂ شقشقیہ کو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام تسلیم کرتے ہوئے اس کی عبارت کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں، چنانچہ موصوف نے شرح "درۃ الغواص" میں حریری کے اس اعتراض کو کہ "بَيْنَا" کے ساتھ "اِذَا" "وَاِذْ" کا استعمال صحیح نہیں ہے، علم نحو ومحاورات عرب سے غلط ثابت کیا ہے اور اپنی تائید میں شعراء وفصحاءِ عرب وحدیث بلکہ خود معترض کے کلام "مقامات" سے شواہد پیش کیے ہیں، اسی ضمن مین علامہ خفاجی نے خطبۂ شقشقیہ کے ایک جملہ کو بھی مقام استشہاد میں پیش کیا ہے جس میں "اذ" جواب "بینا" کی حیثیت سے وارد ہوا ہے، خفاجی لکھتے ہیں:

وَفِي الْحَدِيْثِ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذْ اَتَانَا رَجُلٌ. وَفِيْ كَلَامِ

---

[1] معانی الاخبار کا ایک قلمی نسخہ حقیر کے پاس ہے جو ۱۰۹۵ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کا کاتب محمد معصوم بن محمد صالح رماوندی، اس نسخہ کے ورق ۱۲۶ سے ورق ۱۲۸ تک خطبۂ شقشقیہ بروایت عکرمہ عن ابن عباس مع شرح بعض لغات موجود ہے۔ سبط الحسن

اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَيْنَا هُوَ يَسْتَقِيْلُهَا فِيْ حَيَاتِهٖ اِذْ عَقَدَهَا لِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ۔[1]

علامہ خفاجی کہتے ہیں اور حدیث میں یہ فقرہ موجود ہے: ''بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اِذْ اَتَانَا رَجُلٌ'' اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں یہ جملہ بھی موجود ہے: ''بَيْنَا هُوَ يَسْتَقِيْلُهَا فِيْ حَيَاتِهٖ اِذْ عَقَدَهَا لِاٰخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ''۔

خفاجی جس کلام امیر المومنین علیہ السلام میں اس جملہ کا وارد ہونا بتلا رہے ہیں، وہ خطبہ شقشقیہ ہے، چنانچہ اس خطبہ میں یہ جملہ انہیں لفظوں میں موجود ہے، ملاحظہ ہو نہج البلاغہ خطبۂ مذکورہ ترجمہ اس جملہ کا یہ ہے، یا تو وہ (خلیفۂ اول) اپنی زندگی ہی میں اپنی لغزشوں سے سنبھلنے کے لیے دوسروں کی مدد چاہتے تھے یا یہ ہوا کہ وہ خلافت کو اپنی موت کے بعد دوسرے شخص (عمر) کے لیے مضبوط کر گئے۔

تمام شارحین اہلسنت قبول کرتے ہیں کسی نے انکار نہیں کیا

کہاں تک شواہد پیش کیے جائیں، مختصر یہ کہ متذکرہ بالا علمائے اہلسنت کے علاوہ تمام وہ شارحین نہج البلاغہ جو علمائے اہلسنت سے ہیں وہ سب خطبۂ شقشقیہ کو قبول کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام بلاغت نظام ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے معنوں میں توجیہ و تاویل کریں یا بغیر کچھ اظہار رائے کیے ہوئے ناظرین کے ذمہ چھوڑیں کہ وہ اخبار و تاریخ کی روشنی میں باصول درایت خود صحیح نتیجہ اخذ کریں جیسا کہ مفتی محمد عبدہ مصری نے کیا ہے، چنانچہ وہ اپنی شرح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وَلَمْ اَتَعَرَّضْ لِتَعْدِيْلِ مَا رُوِيَ عَنِ الْاِمَامِ فِيْ مَسْاَلَةِ الْاِمَامَةِ اَوْ تَجْرِيْحِهٖ. بَلْ تَرَكْتُ لِلْمُطَالِعِ بِحِكَمِ فِيْهِ بَعْدَ الْاِلْتِفَاتِ اِلٰى اُصُوْلِ الْمَذَاهِبِ الْمَعْلُوْمَةِ فِيْهَا وَالْاَخْبَارِ الْمَاْثُوْرَةِ الشَّاهِدَةِ عَلَيْهَا۔

اور امام علیہ السلام سے مسئلہ امامت و خلافت کے سلسلہ میں جو کچھ نہج البلاغہ میں ہے اس کی جرح و تعدیل کی طرف میں نہیں متوجہ ہوا ہوں بلکہ اس کا فیصلہ ناظرین پر محول کرتا ہوں، وہ خود ہی اصل موضوع کے مسلمات و طرق و اصول کی روشنی میں اور احادیث و تاریخ کی شہادت پر اس کا صحیح فیصلہ کریں۔[2]

---

[1] شرح درۃ الغواص فی اوہام الخواص، ص ۹۷، مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۲۹۹ھ۔
[2] شرح محمد عبدہ، مقدمہ شارح، ص ۴، طبع مصر۔

ملا یعقوب لاہوری شرح تہذیب الکلام میں لکھتے ہیں:

وَلَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يُنْسَبَ هٰذَا الْكَلَامُ اِلٰى رَجُلٍ شِيْعِيٍّ وَمَا ذُكِرَ فِيْهِ مِنْ بَعْضِ الْاَلْفَاظِ الْمُوْهِمَةِ بِخِلَافِ اَهْلِ السُّنَّةِ فَعَلٰى تَقْدِيْرِ ثُبُوْتِهٖ لَهٗ مَحَامِلُ وَ تَاْوِيْلَاتٌ۔

کسی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسے کلام کو کسی شیعہ کی جانب نسبت دے دے، رہا یہ امر کہ اس میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو سنی عقائد کے خلاف ہیں اور ان سے مذہب اہلسنت کی مخالفت کا وہم پیدا ہوتا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام نہیں ہے ان کو بر تقدیر تسلیم مختلف توجیہات و تاویلات سے درست ثابت کیا جا سکتا ہے۔[1]

علامہ محمد محی الدین عبد الحمید الاستاذ فی کلیۃ العربیہ بالجامع الازہر نے بھی اپنی شرح نہج البلاغہ (مطبوعہ مطبعۃ استقامۃ مصر) کے مقدمہ میں ان تعریضات اور سخت الفاظ و فقرات کو جو خلفاء ثلثہ اور دوسرے اصحاب کے خلاف آپؑ کے خطب میں وارد ہوئے ہیں صراحت کے ساتھ نہ صرف ان کو قبول فرمایا ہے بلکہ یہ ثابت کیا ہے کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام ہے۔ موصوف کی اصل تقریر کو ناظرین آئندہ کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

[1] شرح تہذیب الکلام۔

چوتھا شبہ

نہج البلاغہ کے خطبوں میں ایسے بلند افکار ومضامین فلسفیانہ وعلم کی بحثیں ہیں جن کا وجود اس عہد میں نہ تھا خصوصاً عہد نامہ مالک اشتر۔ اس عہد نامہ کا ایک نسخہ جو ۸۵۸ھ کا لکھا ہوا ہے اور جو سلطان بایزید دوم (متوفی ۱۲۰۱ھ) کے پاس تھا دستیاب ہوا ہے۔ یہ نسخہ نہج البلاغہ والے عہد نامہ مالک اشتر سے مختصر ومختلف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید رضی نے عہد نامہ میں اضافہ کر دیا ہے۔ درحقیقت ان دونوں نسخوں کی اصل کو اگر ہم اس کو حضرت علی علیہ السلام سے تسلیم بھی کریں تو وہ بہت مختصر اور چند سطروں میں ہوگا۔

مضمون کے اعتبار سے طاہر بن الحسین نے جو عہد نامہ اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا یہ عہد نامہ مالک اشتر کے مطابق ہے اس لیے یہ دونوں ایک ہی زمانہ کے معلوم ہوتے ہیں نہ کہ حضرت علی علیہ السلام کے عہد کا۔

جواب

معترض کا یہ اعتراض اسلام ناشناسی کی دلیل ہے، اسلام نے غور وفکر کی دعوت دی ہے، تدبر وتفکر کرنے کو وہ عبادت بتلاتا ہے، وہ عقل ہی کو صداقت مذہب کا معیار بتلاتا ہے۔

مفکر مکان وزمان کے قید وبند سے آزاد ہوتا ہے اور نہ فطرت کی بخششیں اس کو فیض پہنچانے میں بخل کرتی ہیں، یہ فلسفہ وحکمت کیا ہے؟ غور وفکر کرنے والے انسان کا ایک فطری کمال ہے۔ علامہ ابن خلدون نے فلسفہ کی یہی تعریف کی ہے:

هِيَ طَبِيعَةٌ لِلْاِنْسَانِ مِنْ حَيْثُ اِنَّهٗ ذُوْ فِكْرٍ۔

بحیثیت اس کے کہ انسان صاحب فکر ہے فلسفہ اس کی فطرت میں داخل ہے۔[1]

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام سب سے پہلے مفکر اسلام تھے، ایک مفکر میں جن فطری خصوصیات وصلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں، پھر پیغمبر اسلامؐ کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ہی ساتھ ان کے علم کے آپؑ حامل ومحافظ بھی تھے جس کا اقرار تمام مسلمانوں کو ہے، اس لیے امیر المومنین علی علیہ السلام کے آثار فکر وعلم پر شک کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ جبران خلیل جبران مسیحی عرب مفکر نے جن الفاظ میں علی علیہ السلام کی عظمتِ فکر وعلم کا اعتراف کیا ہے اس کو کسی دوسری جگہ پر نقل کر چکا ہوں، لیکن اس مسیحی مفکر کے چند

---

[1] تاریخ ابن خلدون، ج ا، ص ۸۷۴۔

جملوں کو پھر دہرادوں۔ وہ کہتا ہے:

كَانَ اَوَّلَ عَرَبِيٍّ لَازَمَ الرُّوحِ الْكُلِّيَّةِ وَجَاوَرَهَا وَسَامَرَهَا وَهُوَ اَوَّلُ عَرَبِيٍّ تَنَاوَلَتْ شَفَتَاهُ صَدٰى اَغَانِيْهَا عَلٰى مُسْمِعِ قَوْمٍ لَمْ يَسْمَعُوْا بِهَا مِنْ ذِيْ قَبْلٍ. وَلَمْ يَعْرِفِ الْعَرَبُ حَقِيْقَةَ مَقَامِهِ وَمِقْدَارِهِ حَتّٰى قَامَ مِنْ جِيْرَانِهِمُ الْفَرَسُ يُدْرِكُوْنَ الْفَارِقَ بَيْنَ الْجَوَاهِرِ وَالْحَصٰى مَاتَ قَبْلَ اَنْ يُبَلِّغَ الْعَالَمَ رِسَالَتَهٗ كَامِلَةً وَافِيَةً. مَاتَ شَاْنَ جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ الْبَاصِرِيْنَ الَّذِيْنَ يَاْتُوْنَ اِلٰى بَلَدٍ لَيْسَ بِبَلَدِهِمْ وَاِلٰى قَوْمٍ لَيْسَ بِقَوْمِهِمْ فِيْ زَمَنٍ لَيْسَ بِزَمَنِهِمْ۔

حضرتؑ سب سے پہلے وہ عرب ہیں جن میں روح اعظم پائی جاتی ہے اور سب سے پہلے عربی ہیں جن کے لب ودہن سے ایسے پاکیزہ روحانی نغمے سنے گئے کہ اس سے پہلے عربوں نے ان نغموں کو کبھی نہیں سنا تھا، عرب آپؑ کی حقیقی منزلت اور مرتبہ کو نہ جان سکے جب تک کہ عربوں کی ہم جوار قوم ایرانیوں نے بڑھ کر جواہرات اور کنکر پتھر میں امتیاز نہ پیدا کر دیا، قبل اس کے کہ علی علیہ السلام کی تعلیمات دنیا میں ہمہ گیر ہوتیں آپؑ کو موت آ گئی، علی علیہ السلام پیغمبروں کی شان سے موت سے بغل گیر ہوئے، جو بظاہر کسی ایسے شہر، قوم اور زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جو ان کے لیے نہ تھا۔[1]

اسلام کے سب سے پہلے مفکر علی علیہ السلام نے استدلال عقلی سے کام لیا

علی علیہ السلام کے خطبات میں اگر حکیمانہ خیالات وعلم کلام کی بحثیں ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے، علی بن ابی طالب علیہما السلام خود ایک زبردست حکیم ومفکر تھے، جو اسلامی عقائد کو دلائل عقلیہ کی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش فرماتے تھے، یہ کلام کیا ہے؟ ابن خلدون مغربی بتلاتے ہیں کہ علم کلام "اَلْحِجَاجُ عَنِ الْعَقَائِدِ الْاِيْمَانِيَّةِ بِالْاَدِلَّةِ الْعَقْلِيَّةِ" کا نام ہے، عربوں کی علمی وادبی تاریخ کو پڑھیے، اس سے معلوم ہو جائے گا کہ علی بن ابی طالب علیہما السلام ہی کی وہ ذات ہے جس نے سب سے پہلے عقائد اسلامی کا دفاع دلائل عقل سے فرمایا ہے، لیکن اموی ذہنیت رکھنے والے علی علیہ السلام کے مخالفین جب یہ دیکھتے ہیں کہ اس سے علی علیہ السلام کی بلند شخصیت بحیثیت محافظ اسلام سب سے بلند وبرتر نظر آتی ہے تو وہ انکار کرنے کے لیے مختلف گوشے پیدا کرتے ہیں اور کبھی کبھی مخالف اسلام یورپ کے بل بوتے پر فرضی دلائل

---

[1] ملحمہ عربیہ عید الغدیر، بولس سلامہ، ص ۲۲، طبع بیروت۔

کی ایک عمارت بنالیتے ہیں، چنانچہ اسی علم کلام کے لیے یہ ادعا کیا جاتا ہے کہ دراصل یہ عربوں و مسلمانوں کے ابتکارات میں سے نہیں ہے۔ دکتور فی الفلسفہ عمر فروخ اپنی کتاب "عبقریۃ العرب فی العلم والفلسفہ" میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ تَعُوْدُ نَفَرٌ مِنَ الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ اَنْ تَضِيْقَ صُدُوْرُهُمْ كُلَّمَا رَاَوْا لِلْعَرَبِ فَضْلًا اَوْ فَضِيْلَةً. فَكَانُوْا اِذَا اَلْفَوْا لِلْعَرَبِ ابْتِكَارًا اَوْ عَبْقَرِيَّةً نَسَبُوْهَا اِلَى الْاُمَمِ السَّالِفَةِ اَوِ الشُّعُوْبِ الْمُجَاوِرَةِ. وَكَذٰلِكَ فَعَلُوْا بِعِلْمِ الْكَلَامِ. فَزَعَمُوْا مَرَّةً اَنَّ لَفْظَ كَلَامٍ مَاْخُوْذَةٌ مِنَ اللَّفْظِ الْيُوْنَانِيِّ الْمَسِيْحِيِّ "لُوْغُوْسٍ" بِمَعْنَى الْكَلِمَةِ۔ وَاَنَّ التَّرْكِيْبَ الْاِضَافِيَّ عِلْمُ الْكَلَامِ مَاْخُوْذٌ مِنْ تَعْبِيْرٍ وَرَدَ عِنْدَ اَفْلَاطُوْنَ هُوَ دِيَالِكْتِيْكَهْ بِمَعْنَى الْمُسَاجِلَةِ وَ الْجَدَلِ. ثُمَّ زَعَمُوْا اُخْرٰى اَنَّ عِلْمَ الْكَلَامِ نَشَاَ مِنِ احْتِكَاكِ الْمُسْلِمِيْنَ بِنَصَارٰى سُوْرِيَّةَ وَبِمَا كَانَ عِنْدَهُمْ مِنْ عِلْمِ اللَّاهُوْتِ۔

بعض شرق و غرب کے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب وہ عرب کی کسی فضیلت و فضل کو دیکھتے ہیں تو ان کا سینہ اس سے تنگی کرنے لگتا ہے، اسی لیے وہ عربوں کی علمی و فنی عبقریت و ابتکار کو گذشتہ امتوں یا جو عربوں کی قرب و جوار میں قومیں آباد ہیں ان کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہیں، ایسے ہی ان لوگوں نے علم کلام کے لیے بھی کیا، کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ لفظ "کلام" یونانی و مسیحی لفظ "لوگوس" سے ماخوذ ہے اور "علم الکلام" میں جو ترکیب اضافی ہے وہ ماخوذ ہے، لفظ ڈائی لاگ سے جس کو افلاطون نے مساجلہ و جدل کے معنوں میں استعمال کیا ہے، کبھی یہ ادعا کرتے ہیں کہ شامی عیسائیوں سے جب مسلمانوں کا میل جول ہوا اس وقت مسلمانوں میں علم کلام عالم وجود میں آیا کیونکہ ان عیسائیوں میں علم لاہوت کا وجود تھا۔[1]

غرض کہ ان خیالات و مذعومات کی آڑ لے کر منکرین و مشککین "علی بن ابی طالب علیہ السلام" کی اس عظمت کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، جو نہج البلاغہ سے پیدا ہوئی ہے لیکن یہ مزعومات محققین کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتے ہیں۔ خود "دکتور عمر فروخ" نے بھی اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ علم کلام خالص عربوں کا علم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی میں اس کا بیج بویا گیا۔ وہ لکھتے ہیں:

اَمَّا نَشْاَةُ عِلْمِ الْكَلَامِ نَفْسِهَا فَكَانَتْ نَشْاَةً اِسْلَامِيَّةً خَالِصَةً وَكَانَتْ مَظْهَرًا مِنْ عَبْقَرِيَّةِ الْعَرَبِ يَجِبُ اَنْ يُشَارَ اِلَيْهَا فِيْ كُلِّ حِيْنٍ۔ وَمِنَ الْبُذُوْرِ الْاُوْلَى الَّتِيْ يَرْجِعُ

---

[1] عبقریۃ العرب، ص ۲۹، مطبوعہ مطبعۃ دار الیقظہ دمشق۔

اِلَيْهَا عِلْمُ الْكَلَامِ مَا رَوَاهُ الطَّبَرِيُّ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ (۱۳ : ۷۳-۷۴) مِنْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرْسَلَ يَدْعُوْ رَجُلًا مِنْ فَرَاعِنَةِ الْعَرَبِ فَقَالَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ : اَرَسُوْلُ اللّٰهِ ! وَمَا اللّٰهُ. اَمِنْ ذَهَبٍ هُوَ اَوْ مِنْ فِضَّةٍ اَوْ مِنْ نُحَاسٍ؟ وَ ذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ الْاِسْلَامُ مِنْ شِبْهِ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَقَبْلَ اَنْ يَحْتَكَّ بِالْاُمَمِ الْمُجَاوِرَةِ. بَلْ قَبْلَ اَنْ يَسْمَحَ لَهٗ اَوْ يَخْطُرَ لَهٗ اَنْ يَحْتَكَّ بِغَيْرِهٖ. ثُمَّ اِنَّنَا نَجِدُ فِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ جَمِيْعَ الْقَضَايَا الَّتِيْ تَاَلَّفَ مِنْهَا عِلْمُ الْكَلَامِ فِيْمَا بَعْدُ. كَالْقَضَاءِ وَالْقَدْرِ وَرُؤْيَةِ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ كَلَامُ اللّٰهِ. وَ تَعْدَادِ صِفَاتِ اللّٰهِ. مِمَّا يَقْطَعُ بِاَنَّ هٰذِهِ الْقَضَايَا عُرِضَتْ لِلْعَرَبِ مُنْذُ اَوَّلِ عَهْدِهِمْ بِالْاِسْلَامِ. وَ اَنَّ الْاٰيَاتِ الَّتِيْ وَرَدَتْ فِيْهَا هٰذِهِ الْقَضَايَا كَانَتْ رَدًّا عَلٰى اَسْئِلَةٍ وَجَّهَهَا الْعَرَبُ فِيْ اَثْنَاءِ حَيَاةِ الرَّسُوْلِ اِلَى الرَّسُوْلِ نَفْسِهٖ اَوْ تَحَدَّثُوْا بِهَا فِيْمَا بَيْنَهُمْ۔

دراصل علم کلام کی پیدائش خالص اسلامی ہے اور یہ علم عربوں کی عبقریت کا ایک مظہر ہے جس کی طرف ہر زمانہ میں متوجہ کرنا ضروری ہے اور ابتدائی بیج جو اس علم کی تولید کا باعث ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی میں پڑا جیسا کہ طبری نے اپنی تفسیر (جلد سیزدہم صفحہ ۷۳، ۷۴) میں روایت کی ہے کہ حضرت پیغمبرؐ نے اپنی دعوت اسلام ایک ایسے شخص تک پہنچائی جو فراعنہ عرب سے تھا، اس نے پیام اسلام کو سن کر کہا: خدا کا رسول کیسا؟ اور یہ اللہ کیا ہے؟ سونے کا، چاندی کا، پیتل کا، آخر کا ہے کا ہے؟ آپؐ نے اس سوال و جرح کو دیکھا، یہ سوال اس وقت کیا گیا ہے جب اسلام کے قدم جزیرہ نمائے عرب سے باہر نہیں نکلے تھے اور ابھی قرب و جوار کی قوموں سے اس کا میل ملاپ نہیں ہونے پایا تھا بلکہ ابھی اس کے لیے یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ اس کے دوسری قوموں سے تعلقات ہوں گے۔ اس کے علاوہ ہم علم کلام کے تمام وہ مسائل جن سے اس علم کی تدوین ہوئی ہے جیسے قضا و قدر، رویت باری، قرآن کا کلام خدا ہونا، تعداد صفات خدا، یہ سب قرآن میں پائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ ہی میں عربوں کو ان مسائل سے مقابلہ پڑا تھا اور وہ آیات جن میں ان مسائل کا ذکر ہے دراصل یہ جوابات ہیں ان سوالات کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں خود آنحضرتؐ سے کیے گئے تھے۔ یا خود ان عربوں میں یہ مسائل معرض بحث میں تھے اور قرآن نے اس پر روشنی ڈال کر

صاف وواضح کیا۔

وَالْاِسْلَامُ دِيْنٌ يَدْعُوْ اِلَى الْاِسْتِدْلَالِ بِالْعَقْلِ. عَلٰى اَنَّ كَثِيْرًا مِمَّا وَرَدَ فِيْهِ وَرَدَ مُجْمَلًا يَحْتَاجُ اِلٰى تَفْصِيْلٍ فَفَصَّلَهُ الْحَدِيْثُ وَ السُّنَّةُ. ثُمَّ اَنَّ الْقُرْاٰنَ الْكَرِيْمَ نَفْسَهٗ نُزِّلَ بِاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ فَجَرٰى عَلٰى اَسَالِيْبِ الْعَرَبِ فِي الْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ وَالتَّشْبِيْهِ وَالْاِسْتِعَارَةِ وَ فِيْ سَائِرِ اَوْجُهِ الْبَلَاغَةِ. فَرُبَّ لَفْظٍ لَوْ عَدَلَ بِهٖ قَارِئُهٗ عَنْ ظَاهِرِهٖ لَبَطَلَ مَعْنَاهُ۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو استدلال عقلی کی دعوت دیتا ہے اور اسی طرح قرآن میں بہت کچھ اجمال سے کام لیا گیا ہے جس کی تفسیر وتفصیل حدیث وسنت سے ہوتی ہے، علاوہ ازیں قرآن زبان عرب میں انہی اسالیب کلام ووجوہ بلاغت کی پابندی کے ساتھ نازل ہوا ہے جو عربوں میں موجود تھا۔ مثلاً مجاز وکنایہ، تشبیہ واستعارہ، سب کچھ اس میں پایا جاتا ہے۔ بہت سے ایسے الفاظ ہیں کہ اگر ان کے ظاہری مدلول سے تجاوز کیا جائے تو معنی غلط ہو جائیں۔

اَلَا اَنَّ هُنَالِكَ اٰيَاتٍ يَجِبُ فِيْهَا التَّاْوِيْلُ. يَجِبُ اَلَّا يَاْخُذَ الْقَارِئُ بِظَاهِرِهَا ، وَاِلَّا لَاَخْطَأَ الْمُرَادَ مِنْهَا وَخَرَجَ بِهٖ ذٰلِكَ اِلَى الْبِدْعَةِ وَالْفِسْقِ وَالْكُفْرِ. هٰذِهِ الْاٰيَاتُ لَيْسَتْ قَلَائِلَ فِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ، مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ اٰيَةُ الْاِسْتِوَاءِ : ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾. اَوْ كَمَا وَرَدَتْ فِيْ صِيْغَةٍ اَوْضَحَ : ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾. فَلَوْ اِنَّنَا اعْتَبَرْنَا الْاِسْتِوَاءَ هُنَا عَلَى الْعَرْشِ كَاسْتِوَاءِ الْمُلُوْكِ عَلٰى عُرُوْشِهَا لَخَرَجْنَا اِلٰى تَشْبِيْهِ اللهِ بِالنَّاسِ وَ اِلٰى اَنَّ الْعَرْشَ يَحْتَوِي اللهَ وَ لَقَدْ اَشَارَ الْاِمَامُ عَلِيٌّ اِلٰى ذٰلِكَ صَرَاحَةً فِيْ اَثْنَاءِ خُطْبَتِهِ الْاُوْلٰى فِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ عِنْدَ الْكَلَامِ عَلٰى تَنْزِيْهِ اللهِ . فَقَالَ : { ... وَمَنْ قَالَ عَلَامَ ؟ فَقَدْ اَخْلٰى مِنْهُ }. وَ مَعْنٰى ذٰلِكَ اِنَّنَا اِذَا قَبِلْنَا ظَاهِرَ الْمَعْنٰى مِنَ الْاٰيَةِ لَزِمَنَا اَنْ نَعْتَقِدَ اَنَّ اللهَ فَوْقَ الْعَرْشِ فَقَطْ وَ لَيْسَ اَيْضًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَيَسَارِهٖ وَتَحْتِهٖ۔

لیکن بہت سے ایسے بھی مقامات ہیں جہاں ظاہر معنی سے تجاوز کر کے تاویل کرنا ضروری ہے ورنہ مراد قرآن کے سمجھنے میں صرف خطا ہی نہیں بلکہ بدعت وکفر وفسق کی حد تک پہنچنا پڑے گا، اس قسم کے آیات قرآن میں کم نہیں ہیں جن میں تاویل ضروری ہے من جملہ ان کے آیات استواء ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ یا ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ کیونکہ

اگر ہم یہاں پر "استوی" کے وہی معنی لیں جس طرح ملوک اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں، "کَاسْتِوَاءِ الْمُلُوْكِ عَلٰى عُرُوْشِهَا" تو ہم خدائے پاک و برتر کو انسانوں کے مشابہ کردیں گے اور یہ کہ عرش خدا کو گھیرے ہوئے ہے، اسی امر کی طرف حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں اشارہ فرمایا ہے جس میں آپؑ نے خدا کی تنزیہ کو بیان فرمایا ہے "اور جس نے کہا کہ خدا کس چیز پر ہے تو اس نے گویا اس جگہ کے علاوہ دوسرے مقام کو اس سے خالی کردیا"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اگر آیہ استوی کے ظاہر معنی کو مراد لیں تو پھر خدا عرش ہی پر رہ گیا اور اس کے سوا کہیں نہیں۔

علی علیہ السلام بالطبع منطقی تھے ارسطو کی منطق کے محتاج نہ تھے

عمر فروخ دکتور فی الفلسفہ کی تقریر سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ علم کلام کی پیدائش عہد اول میں ہو چکی تھی اور امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے خطبات میں علم کلام کی بحثیں موجود ہیں۔ وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ نہج البلاغہ میں جو پہلا خطبہ تنزیہ باری و خلقت زمین و آسمان کے متعلق ہے وہ حضرتؑ ہی کا خطبہ ہے اور یہی اصل مطلوب ہے جس کو اس محل پر میں ثابت کر رہا ہوں۔ اسی خطبہ کے متعلق مشککین یہ وہم کرتے ہیں کہ اس میں منطقیانہ انداز استدلال ہے اور اس میں علم کلام کے مسائل ہیں، یہ مشککین اس کو تو دیکھتے ہیں لیکن اس طرف نہیں متوجہ ہوتے کہ خود علم منطق کی ایجاد سے پہلے ایک مفکر صحیح استدلال کرتا تھا اور انہی اصول کو دیکھ کر جو صاحبان فکر استعمال کرتے تھے علم منطق اس قابل ہوا ہے کہ صحیح استدلال کے شرائط مقرر کرے۔ ترتیب مقدمات جو اصطلاح میں صغری و کبری کہلاتے ہیں اور اس سے نتیجہ اخذ کرنا، یہ فطرت مستقیمہ و فکر صحیح رکھنے والا انسان برابر کرتا رہتا ہے، اس کا تعلق اکتساب فن سے نہیں ہے، محتاج فن تو وہ ہیں جو استخراج نتائج کی فطری صلاحیت نہ رکھتے ہوں لیکن جو فطری صلاحیت کی بنا پر بالطبع منطقی واقع ہوئے ہیں وہ اس فن کے محتاج نہیں ہوتے۔ یورپ کے مشہور مفکر و بلند مرتبہ مصنف لاک (Locke) نے کیا خوب بات کہی ہے کہ "ایسا بھی کیا غضب ہے کہ خدا انسان کو فقط دو پیر والا جانور بنا کر چھوڑ دیتا اور ان کو دانش مند بنانے کا کام ارسطو (موجد منطق) کے سپرد کرتا"۔

سب سے پہلے علی علیہ السلام ہی نے مسائل توحید کو علمی انداز میں بیان فرمایا

علی بن ابی طالب علیہ السلام کے خطبات و اقوال پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک ایسے مفکر ہیں جو اپنی فطرت مستقیمہ سے بالطبع منطقی واقع ہوئے ہیں۔ علی علیہ السلام کے ہر کلام میں منطقیانہ استدلال پایا جاتا ہے عام اس سے کہ آپؑ کا کلام کسی

موضوع سے کیوں نہ متعلق ہو۔ دراصل یہ علی بن ابی طالب علیہ السلام ہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسائل توحید کو علمی انداز سے دلائل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

خلفاء نے مطالب قرآن پر غور وفکر سے روکا

دکتور عمر فروخ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں تاویل بہت ضروری ہے، لیکن اس کے باوجود اصحاب وتابعین میں بکثرت ایسے لوگ ملتے ہیں جو تاویل ودرایت وعقل سے کنارہ کش ہو کر ظاہر معنی کو مراد لیتے ہیں اور خدا کی تجسیم اور اس کی رویت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ دراصل یہ نتیجہ ہے اس کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو سختی کے ساتھ قرآن کے معانی ومطالب کو سمجھنے سے روکا گیا تھا۔

جو قرآن کے مطالب کو سمجھنا چاہتا تھا اس کو سزا دی جاتی

چنانچہ خلیفہ دوم کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص صبیغ نامی مدینہ آیا اور آیاتِ متشابہاتِ قرآنی کے متعلق معلومات بہم پہنچانا چاہیں۔ یہ خبر جب حضرت عمر کو ہوئی تو آپ نے اسے بلا بھیجا اور پہلے سے اس کے لیے سنٹیاں فراہم کر لی تھیں۔ اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا خدا کا بندہ صبیغ ہوں۔ یہ سنتے ہی آپ نے سنٹی اٹھائی اور دھڑا دھڑ مارنا شروع کیا اور فرماتے جاتے تھے کہ تو خدا کا بندہ صبیغ ہے اور میں خدا کا بندہ عمر ہوں۔ اسے اتنا مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون جاری ہوگیا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین بس کیجیے اپنی سزا کو پہنچ گیا۔ اسی روایت کو دوسرے عنوان سے نافع مولی عبداللہ نے بیان کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ اتنا مارا کہ صبیغ کی پشت لہولہان ہوگئی، پھر اسے چھوڑ دیا اور اتنے دنوں انتظار کیا کہ زخم پشت اچھے ہو جائیں اور پھر بلا کے مارنا شروع کیا، پھر پیٹھ زخمی ہوئی پھر چھوڑا، پھر زخم اچھے ہوئے پھر بلایا تو صبیغ نے کہلا بھیجا کہ اگر مجھے آپ قتل ہی کرنا چاہتے ہیں تو قتل جمیل کا حکم دیجیے اس روز روز کی زدوکوب سے نجات پاؤں اور اگر بلا کے میرے زخم دیکھنے ہیں تو اب میں اچھا ہو گیا ہوں۔ خیر حضرت عمر نے درگزر کیا اور اسے اس کے وطن جانے کی اجازت دے دی مگر ابوموسیٰ اشعری کو جو اس سرزمین کے گورنر تھے حکم بھیج دیا کہ اس شخص کا جس کا نام صبیغ ہے بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی شخص اس کے پاس نہ اٹھے بیٹھے اور نہ اس سے راہ ورسم رکھی جائے۔

سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ صبیغ کے متعلق لوگوں نے خلیفہ عمر کو اطلاع دی کہ وہ بصرہ سے آیا ہے اور تفسیر قرآن لوگوں سے پوچھا کرتا ہے۔ آپ نے بہ غیض وغضب فرمایا: اے اللہ ایسا کر کہ صبیغ میرے ہاتھ لگے اور میں اس پر قابو پا جاؤں، چنانچہ ایک روز صبیغ عمامہ وعبا پہنے ہوئے آ گیا۔ اس وقت لوگ کھانا کھا رہے تھے یہ بھی

دسترخوان پر بیٹھ گیا، جب کھانے سے فارغ ہوا تو حضرت عمر کے مہمان صبیغ نے کہا اے امیر المومنین یہ تو بتلایئے قرآن میں ﴿وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا۔ فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا﴾[1] کے کیا معنی ہیں اور اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا وائے ہو تجھ پر تو وہی ہے (اچھا لے بتائے دیتا ہوں) یہ کہہ کر آپ نے آستین چڑھائی اور اس پر کوڑوں کا مینہ برسانے لگے، یہاں تک کہ اس کا عمامہ سر سے اتر گیا اور اس کی دو زلفیں لہرانے لگیں، آپ نے کہا کہ اگر تیرا سر منڈا ہوتا تو تجھے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ جب وہ ادھ مرا ہو گیا تو اسے ایک مکان میں بند کرا دیا اور روزانہ اس کو نکال کر سو کوڑے مارا کرتے تھے پھر اسے پالان شتر پر بٹھا کے بصرہ بھیج دیا اور ابو موسیٰ کو حکم دیا کہ اس سے کوئی بات چیت نہ کرے اور اس کا بائیکاٹ کیا جائے اور کبھی یہ کوئی خطبہ کسی مجمع میں نہ پڑھنے پائے چنانچہ یہی کیا گیا باوجودیکہ وہ سردار قبیلہ تھا لیکن کسمپرسی میں مرا۔[2]

ابو العدیس بیان کرتے ہیں کہ ہم خلیفۂ دوم عمر بن خطاب کی خدمت میں تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا یہ ﴿اَلْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾[3] کیا ہے یہ سن کر عمر نے اس تیر کو جوان کے ہاتھ میں تھا سائل کے عمامہ میں اس طرح چبھویا کہ اس کا عمامہ سر سے گر پڑا اور یہ کہنے لگے کہ کیا تو "حروری" ہے؟

وَالَّذِیْ نَفْسُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِیَدِهٖ لَوْوَجَدْتُكَ مَحْلُوْقًا لَاَنْحَیْتُ الْقَمْلَ عَنْ رَاْسِكَ۔[4]

حضرت عمر کا یہ عام حکم تھا کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو، جیسا کہ کتب اہلسنت میں ہے:

عَنْ عُمَرَ اِنَّهٗ قَرَاَ قَوْلَهٗ تَعَالٰی ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰی﴾ اِلٰی قَوْلِهٖ ﴿فَاكِهَةً وَّ اَبًّا﴾[5] ثُمَّ قَالَ مَالْاَبُّ؟ ثُمَّ قَالَ هٰذَا لَعَمْرِیْ هُوَالتَّكَلُّفُ فَخُذُوْا اَیُّهَا النَّاسُ مَا اُبَیِّنَ لَكُمْ. فَمَا عَرَفْتُمْ فَاعْمَلُوْا مَالَمْ تَعْرِفُوْا فَكِلُوْا عِلْمَهٗ اِلَی اللهِ۔

حضرت عمر نے ایک روز یہ آیت عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ۔۔۔ وَ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا تک پڑھی پھر فرمایا کہ

---

[1] سورۂ ذاریات، آیہ: ۱، ۲۔

[2] سنن دارمی، ج ۱، ص ۵۴، ۵۵۔ تاریخ ابن عساکر۔ اتقان، السیوطی، ج ۲، ص ۵۔ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۲۸، ۲۲۹ نقلاً عن الدارمی ونصر المقدسی و الاصبہانی وابن الانباری والاسکافی وابن عساکر۔ در المنثور، ج ۶، ص ۱۱۱۔ فتح الباری، ج ۸، ص ۱۷۰۔ فتوحات الاسلامیہ، ج ۲، ص ۴۴۵۔ ازالۃ الخفاء، شاہ ولی اللہ، مقصد دوم، ص ۸۴، ۱۹۹۔

[3] سورۂ التکویر، آیہ ۱۶۔

[4] کنز العمال، ج ۱، ص ۲۲۹۔ در المنثور، ج ۶، ص ۳۲۱۔

[5] سورۂ عبس، آیہ ۱۔ ۳۱۔

یہ "اَبًّا" کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا: اپنی زندگی کی قسم یہ تکلف ہے (یعنی سمجھنے کی زحمت میں کون پڑے)۔ پھر حکم دیتے ہیں، لوگو جو کچھ تمہیں قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور جس کو تم نے جان لیا ہے اس پر تم عمل کرو اور جس کو نہیں سمجھے اس کو خدا کے علم کے حوالہ کرو، (سمجھنے کی کوشش نہ کرو)۔[1]

خلیفۂ دوم کی یہ حالت تھی کہ جو کوئی موصوف سے "فَاکِھَۃً وَّ اَبًّا" کے معنی پوچھتا تھا آپ اس پر کوڑا اٹھاتے تھے۔[2]

ان حالات میں تدبر و تفکر سے کون کام لیتا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ تو غور و فکر کی صلاحیت ہی کھو بیٹھے اور کچھ لوگ مبتلائے شکوک و اوہام ہو گئے، یہ حالت عموماً مدینہ کے باشندوں کی تھی جہاں اصحاب و تابعین کی اکثریت تھی۔ امام غزالی نے صاف الفاظ میں حضرت عمر کے متعلق یہ لکھا ہے:

وَعُمَرُ ھُوَ الَّذِیْ سَدَّ بَابَ الْکَلَامِ وَالْجَدَلِ۔

عمر ہی وہ ہیں جنہوں نے کلام و جدل کے دروازہ کو بند کر دیا۔[3]

علی علیہ السلام نے فہم قرآن کی طرف بلایا

لیکن امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام نے اپنے زمانہ میں عقل و فکر پر جو پہرہ بٹھایا گیا تھا اس کو ہٹایا اور آپؑ نے اعلان فرمایا:

{اِنَّمَا مَثَلِیْ بَیْنَکُمْ مَثَلُ السِّرَاجِ فِی الظُّلْمَۃِ. یَسْتَضِیْءُ بِہٖ مَنْ وَّلَجَھَا. فَاسْمَعُوْا اَیُّھَا النَّاسُ وَعُوْا. وَاَحْضِرُوْٓا اٰذَانَ قُلُوْبِکُمْ تَفْھَمُوْا.}۔

تم لوگوں میں میری مثال تاریکی میں روشن ہونے والے چراغ کی سی ہے، تاریکی کا راہرو چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے، پس اے لوگو! جو کچھ میں کہوں اس کو غور سے سنو اور محفوظ رکھو، دیکھو ہر

---

[1] مستدرک، امام حاکم، جلد ۲، ص ۵۱۴۔ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، جلد ۱۱، ص ۴۶۸۔ تفسیر کشاف، زمخشری، ج ۳، ص ۲۵۳۔ ریاض النضرہ، محب الطبری، ج ۲، ص ۴۹۔ سیرت عمر بن الخطاب، ابن الجوزی، ص ۱۲۰۔ الموافقات، الشاطبی، ج ۱، ص ۲۱، ۲۵۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۷۳۔ تفسیر خازن، ج ۴، ص ۳۷۴۔ در المنثور، السیوطی، ج ۶، ص ۳۱۷۔ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۲۷۔ تفسیر ابو السعود برحاشیہ تفسیر الرازی، ج ۸، ص ۳۸۹۔ ازالۃ الخفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

[2] فتح الباری، ج ۱۳، ص ۲۳۔ احیاء العلوم، ج ۱، ص ۳۰۔

[3] فتح الباری، ج ۱۳، ص ۲۳۔ در المنثور، سیوطی ج ۶، ص ۳۱۷۔

وقت اپنے گوش وہوش کو وارکھنا تا کہ سمجھ سکو۔[1]

آپؑ نے قرآن مجید کے متعلق ارشاد فرمایا:

{ وَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اِنَّمَا هُوَ خَطٌّ مَسْتُوْرٌ بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ. لَا يَنْطِقُ بِلِسَانٍ، وَ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ تَرْجُمَانٍ. وَ اِنَّمَا يَنْطِقُ عَنْهُ الرِّجَالُ. }۔

یہ قرآن دو دفتیوں کے درمیان چھپی ہوئی تحریر ہے جو بولنے کے لیے زبان نہیں رکھتا اس کے لیے ایک ترجمان کی ضرورت ہے قرآن کی طرف سے کچھ لوگ ہیں جو کلام کرتے ہیں۔[2]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"وحضرت مرتضیٰ فرمود کہ ایں قرآن قرآن صامت است، و من قرآن ناطقم"۔[3]

یہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہی ہیں جو ترجمان قرآن و قرآن ناطق کی حیثیت سے قرآن صامت کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت کرتے رہتے تھے اور تفسیر و تاویل و قرآن پر روشنی ڈالتے تھے۔ حضرت کے بتلائے ہوئے علوم و معارف سے انکار کرنا اصل قرآن سے انکار ہے، جمہوریت ہندوستان کے وزیر معارف مشہور مفسر و عالم اہلسنت مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:

اگر یہ سچ ہے کہ جناب امیرؑ نے خوارج و منکرین کے مقابلہ میں فرمایا تھا کہ میں قرآن ناطق ہوں تو میں اس کی تصدیق کے لیے تیار ہوں۔ اگرچہ حقیقت ناشناس طبیعتیں سمجھتی ہیں کہ یہ بہت بڑا دعوی تھا، یقیناً یہ بڑا دعوی تھا جو کوئی انسان نہیں کرسکتا ہے لیکن اگر حضرت امیرؑ نے کیا تھا تو غلط نہ تھا۔ اگر ان کی مقدس زندگی آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کا ایک کامل عکس تھا اور ان کے اعمال کی روشنی سراج منیر رسالت ہی سے ماخوذ تھی تو کیوں انہیں یہ حق نہ تھا کہ وہ اپنے تئیں "قرآن ناطق" کہیں؟ جو کتاب الٰہی مابین الدفتین حروف و نقوش کے شکل میں تھی اس کی ہستی ناطق تھی جو اعمال حضرت مرتضوی کے اندر سے پکارتی تھی کہ یہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی آواز نہیں ہے بلکہ "القرآن الحکیم" کی صدائے الٰہی ہے اور چونکہ "القرآن" کی آواز ہے اس لیے یقیناً خود منزل القرآن کی آواز ہے: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَلِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ۔[4] الصحیح البخاری

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۵، ص ۵۲۸۔

[2] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۲۳، ص ۳۷۶۔

[3] ازالۃ الخفاء، ج ۱، ص ۱۰۳۔

[4] لمعات صداقت، حصہ اول مجموعہ مضامین ابوالکلام آزاد، ص ۱۳، طبع لاہور ۱۳۴۰ھ۔

سرزمین عراق "علی علیہ السلام" کے مقاصد کے لیے بہترین جگہ تھی

لیکن اصحاب وتابعین اور جماعت قریش اپنے اقتدار وحکومت کی فکروں وسازشوں میں ایسے مبتلا تھے کہ وہ علوم ومعارف کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں پاتے تھے بلکہ بعض حیثیتوں سے علی علیہ السلام کی دعوت فکر وتدبر فی القرآن ان کے سیاسی مصالح کے خلاف تھی، اس کے لیے آپؑ کو عراق کی سرزمین موافق وہموار نظر آئی، کیونکہ متمدن ومہذب قوموں کا یہ محل ورود ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگ علم شناس وتمدن وحضارت سے قریب تر تھے۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

وَقَدْ كَانَتْ عَاصِمَةُ الْإِمَامِ فِي الْكُوْفَةِ . وَكَانَتْ مَثَابَةَ الْغَادِيْنَ وَالرَّائِحِيْنَ، مِنْ آبْنَاءِ الْحُضَارَاتِ الْمَعْرُوْفَةِ فِي الْعَالَمِ بِأَسَرِهِ وَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ عَاشُوْا بِهَا أَوْ بِجِوَارِهَا أُنَاسٌ كَانُوْا يَنْظُرُوْنَ فِيْ كُتُبِ الْفَرَسِ وَيَعْجَبُوْنَ بِحِكْمَتِهَا۔

حضرتؑ کا دار الحکومت کوفہ ایسا مرکز تھا جہاں تمام مہذب ومتمدن دنیا کے آنے جانے والوں کا اجتماع رہا کرتا تھا اور جو مسلمان کوفہ یا اس کے قرب وجوار میں رہا کرتے تھے وہ ایسے تھے جو ایران کی کتابوں کو پڑھتے تھے اور اس کے مضامین حکمیہ کی قدر کرتے تھے۔[1]

غرض کہ یہ مقام تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہ چکا تھا اور جس کے تعلقات نہ صرف ایران بلکہ دنیا کے دوسرے مہذب ومتمدن اقوام سے رہ چکے تھے۔ مورخ مسعودی نے اس کی تشریح کی ہے کہ

كَانَتْ تَقَدَّمَ هُنَاكَ سُفُنُ الصِّيْنِ وَالْهِنْدِ تُرَدُّ اِلٰى مُلُوْكِ الْحِيْرَةِ۔

ملوک حیرہ کے پاس بندرگاہ حیرہ (جو پشت نجف میں تھا) پر چین وہندوستان کے جہاز برابر آیا جایا کرتے تھے۔[2]

علی علیہ السلام کو خدا کی طرف سے حکمت وفصل خطاب عطا کیا گیا

اب حضرتؑ جن لوگوں کو خطاب کرتے تھے وہ بہ نسبت حجاز والوں کے زیادہ ہوش مند وفہیم تھے۔ یہ لوگ اصول اسلام کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے حضرتؑ سے مختلف قسم کے سوالات کرتے رہتے تھے، مختلف مذاہب واقوام کے علماء ومفکر، اسلام پر ایراد کرتے تھے اور آپؑ ہر ایک کو جواب شافی دیتے تھے، مسلمانوں کے اندر کی وہ جماعتیں جو

---

[1] عبقریۃ الامام، ص ۱۸۷، طبع مصر۔
[2] مروج الذہب، ج ۱، ص ۴۹، طبع مصر۔

آپؑ کی مخالف تھیں اور جو مختلف آراء ور جحانات رکھتی تھیں ان کے خیالات کی اصلاح وتردید بھی آپؑ فرماتے رہتے تھے، عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

فَكُلُّ نَمَطٍ مِنْ اَنْمَاطِ كَلَامِهٖ شَاهِدٌ لَهٗ بِالْمَلَكَةِ الْمَوْهُوْبَةِ فِيْ قُدْرَةِ الْوَعْيِ ﷺ وَقُدْرَةِ التَّعْبِيْرِ. فَهُوَ لَا شَكَّ مِنْ اَبْنَاءِ آدَمَ الَّذِيْنَ عَلِمُوا الْاَسْمَاءَ وَاُوْتُوا الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔

حضرتؑ کے اصناف کلام کی ہر صنف اس امر کا ثبوت ہے کہ خدا نے آپؑ کو ایسا ملکہ عطا کیا تھا جس کی وجہ سے آپؑ کسی امر کو سمجھانے اور اس کو بیان کرنے میں اچھی طرح سے قادر تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؑ ان فرزندان آدم میں سے ہیں جن کو خدا نے اسماء کی تعلیم اور حکمت وفصل الخطاب عطا کیا ہے۔[1]

علی علیہ السلام کے کلام میں پیغمبرانہ شان پائی جاتی ہے

حضرتؑ کے کلام میں صرف حکیمانہ انداز ہی نہیں ہے بلکہ پیغمبرانہ شان بھی موجود ہے۔ الاستاذ العقاد لکھتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ علیہ السلام : عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ. فَهٰذَا الْحَدِيْثُ الشَّرِيْفُ اَصْدَقُ مَا يَكُوْنُ عَلَى الْاِمَامِ عَلِيٍّ فِيْ حِكْمَتِهٖ تُقَارِنُ بِحِكَمِ اُوْلٰئِكَ الْاَنْبِيَاءِ. فَهِيَ مِنْ طِرَازِ الْحِكَمِ الْمَاْثُوْرَةِ عَنْ اَشْهَرِ اُوْلٰئِكَ الْاَنْبِيَاءِ بِالْمَثَلِ السَّائِرِ وَهُوَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوٗدَ. وَيَزِيْدُ عَلَيْهَا اَنَّهَا اَبْدَعُ فِي التَّعْبِيْرِ وَاَوْفَرُ نَصِيْبًا مِنْ ذَوْقِ الْجَمَالِ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری امت کے علماء بنی اسرائیل کی مثال ہیں۔ اس حدیث شریف کی صداقت یوں ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام علم وحکمت میں ان پیغمبروں کے مقابلہ میں نظر آتے ہیں۔ آپؑ کا حکمیہ کلام سلیمان بن داؤد کے ماثورہ کلمات حکمیہ کے شان وانداز کا ہے جو پیغمبروں میں سب سے زیادہ اس امر خاص میں شہرت رکھتے ہیں، بلکہ دراصل حضرتؑ کا کلام ندرت ومعنویت وتادیہ تعبیر کے لحاظ سے سلیمانؑ پیغمبر کے کلام سے بھی زیادہ بلند وارفع ہے۔[2]

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بھی جو حضرتؑ کے منصب کو مثل منصب نبوت کے نہیں سمجھتے ہیں وہ بھی آپؑ کو امامت کے اس بلند مرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں جہاں تک کسی دوسرے کی رسائی نہیں ہے۔ الاستاذ العقاد کہتے ہیں:

---

[1] عبقریۃ الامام، ص ۱۹۱، طبع مصر۔
[2] عبقریۃ الامام، ص ۱۸۹۔

وَخَاصَّةٌ أُخْرٰى مِنْ خَوَاصِّ الْإِمَامَةِ. يَنْفَرِدُ بِهَا عَلِيٌّ وَلَا يُجَارِيهِ فِيهَا إِمَامٌ غَيْرُهُ، وَهِيَ اِتِّصَالُهُ بِكُلِّ مَذْهَبٍ مِنْ مَذَاهِبِ الْفِرَقِ الْإِسْلَامِيَّةِ مُنْذُ وُجِدَتْ فِي صَدْرِ الْإِسْلَامِ. فَهُوَ مُنْشِئُ. هٰذِهِ الْفِرَقِ أَوْ قُطْبُهَا الَّذِي تَدُوْرُ عَلَيْهِ. وَنَدِرَتْ فِرْقَةٌ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يَكُنْ عَلِيٌّ مُعَلِّمًا لَهَا مُنْذُ نَشْأَتِهَا، أَوْ لَمْ يَكُنْ مَوْضُوْعًا وَمِحْوَرًا لِمَبَاحِثِهَا. تَقُوْلُ وَتَرُدُّ عَلٰى قَائِلِيْنَ۔وَقَدْ اتَّصَلَتِ الْحَلَقَاتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عُلَمَاءِ الْكَلَامِ وَالتَّوْحِيْدِ كَمَا اتَّصَلَتِ الْحَلَقَاتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عُلَمَاءِ الْفِقْهِ وَالشَّرِيْعَةِ وَعُلَمَاءِ الْأَدَبِ وَالْبَلَاغَةِفَهُوَ أُسْتَاذُ هٰؤُلَاءِ جَمِيْعًا بِالسَّنَدِ الْمَوْصُوْلِ.فَالْإِمَامُ أَحَقُّ لُقِّبَ بِهِ. وَهُوَ أَحَقُّ الْأَئِمَّةِ بِلَقَبِ الْإِمَامِ۔

خصوصیات امامت میں سے ایک خصوصیت ایسی بھی ہے جو صرف امیر المومنین علی علیہ السلام کی ذات والاصفات میں پائی جاتی ہے کوئی دوسرا اس میں آپؑ کا شریک نہیں ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ صدر الاسلام سے آج تک کوئی اسلامی فرقہ اور مذہب ایسا نہیں ہے جس کا اتصال آپؑ کی ذات سے نہ ہو۔ دراصل حضرتؑ کی ذات ہی وہ منبع ہے جن سے یہ مذاہب نکلے اور مثل قطب کے ہیں جس کے گرد آسیہ اسلام گردش کرتا ہے۔ کوئی ایسا اسلامی فرقہ نہیں ہے جس کے معلم اول حضرتؑ نہ ہوں اور مباحث اسلام کا کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جس کا تعلق آپؑ کے ذات سے نہ ہو۔ علمائے متکلمین اور توحید و عدل پر بحث کرنے والوں کے جس قدر بھی گروہ ہیں ان سب کا سلسلہ آپؑ کی ذات پر ختم ہوتا ہے، جس طرح فقہا و علمائے شریعت اور علمائے ادب و بلاغت کا سلسلہ آپؑ کی ذات سے متصل ہوتا ہے، دراصل حضرتؑ ہی ان سب کے استاذ ہیں۔ پس آپ کی ذات سب سے زیادہ احق ہے امام کہلانے کی۔[1]

عالمِ اسلام میں سب سے پہلے علی علیہ السلام ہیں جو معلم حکمت و فلسفہ ہیں

بہر حال متکلمین نے علم کلام کو آپؑ ہی سے سیکھا ہے اور یہ سب کے سب آپؑ ہی کے خوشہ چیں ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

وَ اَمَّا الْحِكْمَةُ وَ الْبَحْثُ فِي الْأُمُوْرِ الْإِلٰهِيَّةِ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ فَنِّ أَحَدٍ مِنَ الْعَرَبِ وَ لَا نُقِلَ فِيْ جِهَادِ أَكَابِرِهِمْ وَ أَصَاغِرِهِمْ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ أَصْلًا وَ هٰذَا فَنٌّ كَانَتِ الْيُوْنَانُ وَ

---

[1] عبقریۃ الامام، ص ۱۷۵، ۱۷۶۔

اَوَائِلُ الْحُکَمَاءِ وَ اَسَاطِیْنُ الْحِکْمَةِ یَنْفَرِدُوْنَ بِهٖ وَ اَوَّلُ مَنْ خَاضَ فِیْهِ مِنَ الْعَرَبِ عَلِیٌّ علیه السلام وَ لِهٰذَا تَجِدُ الْمَبَاحِثَ الدَّقِیْقَةَ فِی التَّوْحِیْدِ وَ الْعَدْلِ مَبْثُوْثَةً عَنْهُ فِیْ فُرُشِ كَلَامِهٖ وَ خُطَبِهٖ وَ لَا تَجِدُ فِیْ كَلَامِ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِیْنَ كَلِمَةً وَاحِدَةً مِنْ ذٰلِكَ وَ لَا یَتَصَوَّرُوْنَهٗ وَ لَوْ فَهِمُوْهُ لَمْ یُفْهِمُوْهُ وَ اَنّٰی لِلْعَرَبِ ذٰلِكَ۔

حکمت وفلسفہ اور مسائل الہیات پر بحث ونظر کرنا یہ عربوں کا فن نہ تھا اور نہ ان کے بڑوں اور چھوٹوں سے اس موضوع پر کچھ منقول ہے، یہ فن تو مخصوص تھا یونانیوں اور اوائل حکماء سے اور ایسے اگلے لوگوں سے جو حکمت کے ستون تھے۔ ہاں عربوں میں جو سب سے پہلے حکمت وفلسفہ میں ور آیا وہ علی علیہ السلام ہیں، اسی لیے توحید وعدل کے دقیق مسائل آپؑ کے بساط کلام وخطب میں پھیلے ہوئے ہیں اور صحابہ وتابعین کے یہاں اس موضوع پر ایک کلمہ بھی نہیں پایا جاتا اور نہ ان لوگوں کے کلام میں اس کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے، اگر وہ اس کو کچھ سمجھے بھی ہوں تو سمجھا نہیں سکتے، عربوں کو اس سے کیا تعلق۔

وَلِهٰذَا انْتَسَبَ الْمُتَكَلِّمُوْنَ الَّذِیْنَ لَجُّوْا فِیْ بِحَارِ الْمَعْقُوْلَاتِ اِلَیْهِ خَاصَّةً دُوْنَ غَیْرِهٖ وَ سَمُّوْهُ اُسْتَاذَهُمْ وَ رَئِیْسَهُمْ وَ اجْتَذَبَتْهُ كُلُّ فِرْقَةٍ مِنَ الْفِرَقِ اِلٰی نَفْسِهَا۔ اَلَا تَرٰی اَنَّ اَصْحَابَنَا یَنْتَمُوْنَ اِلٰی وَاصِلِ بْنِ عَطَاءٍ وَ وَاصِلٌ تِلْمِیْذُ اَبِیْ هَاشِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِیَّةِ وَ اَبُوْ هَاشِمٍ تِلْمِیْذُ اَبِیْهِ مُحَمَّدٍ وَ مُحَمَّدٌ تِلْمِیْذُ اَبِیْهِ عَلِیٍّ علیه السلام. فَاَمَّا الشِّیْعَةُ مِنَ الْاِمَامِیَّةِ وَ الزَّیْدِیَّةِ وَ الْكَیْسَانِیَّةِ فَانْتِهَاؤُهُمْ اِلَیْهِ ظَاهِرٌ۔

اسی بنا پر وہ متکلمین جو بحار معقولات کی شناوری کرنے والے ہیں وہ خصوصیت سے حضرتؑ ہی کی طرف منسوب ہوئے نہ آپؑ کے غیر کی طرف اور ان متکلمین نے حضرتؑ کو اپنا استاد ورئیس ہونا تسلیم کیا ہے اور متکلمین کے ہر فرقہ نے حضرتؑ کو اپنی طرف کھینچا ہے (یعنی یہ کہ اس فرقہ کو حضرتؑ سے خاص تعلق ہے نہ کہ اس کے غیر کو)۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ہمارے اصحاب معتزلہ منسوب ہیں واصل بن عطا کی طرف اور واصل شاگرد ہیں ابو ہاشم بن محمد حنفیہ کے اور ابو ہاشم شاگرد ہیں اپنے باپ محمد حنفیہ کے اور محمد حنفیہ شاگرد ہیں اپنے پدر بزرگوار علی علیہ السلام کے۔ لیکن شیعہ امامیہ، زیدیہ، کیسانیہ ان فرقوں کی حضرتؑ تک انتہا ہونا وہ بالکل ظاہر ہے۔

وَ اَمَّا الْاَشْعَرِیَّةُ فَاِنَّهُمْ بِاٰخِرَةٍ یَنْتَمُوْنَ اِلَیْهِ اَیْضًا لِاَنَّ اَبَا الْحَسَنِ الْاَشْعَرِیَّ تِلْمِیْذُ

شَیْخِنَا اَبِیْ عَلِیٍّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ اَبُوْ عَلِیٍّ تَلْمِیْذُ اَبِیْ یَعْقُوْبَ الشَّحَامِ وَ اَبُوْ یَعْقُوْبَ تَلْمِیْذُ اَبِی الْهُذَیْلِ وَ اَبُو الْهُذَیْلِ تَلْمِیْذُ اَبِیْ عُثْمَانِ الطَّوِیْلِ وَ اَبُوْ عُثْمَانِ الطَّوِیْلُ تِلْمِیْذُ وَاصِلِ بْنِ عَطَاءٍ فَعَادَ الْاَمْرُ اِلٰی اِنْتِهَاءِ الْاَشْعَرِیَّةِ اِلٰی عَلِیٍّ علیہ السلام۔

رہے اشاعرہ پس اشعری فرقہ بھی بالاخر حضرتؑ ہی تک منتہی ہوتا ہے اس لیے کہ ابوالحسن اشعری شاگرد ہیں ہمارے شیخ ابوعلی کے اور ابوعلی شاگرد ہیں ابویعقوب شحام کے اور ابویعقوب شحام شاگرد ہیں ابوہذیل کے اور ابوہذیل شاگرد ہیں ابوعثمان طویل کے اور ابوعثمان طویل شاگرد ہیں واصل بن عطا کے تو اس سلسلہ سے اشعریہ فرقہ بھی حضرت علی علیہ السلام تک منتہی ہو جاتا ہے۔

وَ اَمَّا الْکَرَّامِیَّةُ فَاِنَّ ابْنَ الْهَیْصَمِ ذَکَرَ فِیْ کِتَابِ الْمَقَالَاتِ اَنَّ اَصْلَ مَقَالَتِهِمْ وَ عَقِیْدَتِهِمْ تَنْتَهِیْ اِلٰی عَلِیٍّ علیہ السلام مِنْ طَرِیْقَیْنِ: اَحَدُهُمَا اَنَّهُمْ یَسْنُدُوْنَ اِعْتِقَادَهُمْ عَنْ شَیْخٍ بَعْدَ شَیْخٍ اِلٰی اَنْ یَنْتَهِیَ اِلٰی سُفْیَانِ الثَّوْرِیِّ ثُمَّ قَالَ وَ سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ مِنَ الزَّیْدِیَّةِ ثُمَّ سَاَلَ نَفْسَهٗ فَقَالَ اِذَا شَیْخُکُمُ الْاَکْبَرُ الَّذِیْ تَنْتَمُوْنَ اِلَیْهِ کَانَ زَیْدِیًّا فَمَا بَالُکُمْ لَا تَکُوْنُوْنَ زَیْدِیَّةً وَ اَجَابَ بِاَنَّ سُفْیَانَ الثَّوْرِیَّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ اِنِ اشْتَهَرَ عَنْهُ الزَّیْدِیَّةُ اِلَّا اَنَّ تَزَیُّدَهٗ اِنَّمَا کَانَ عِبَارَةً عَنْ مُوَالَاةِ اَهْلِ الْبَیْتِ وَ اِنْکَارِ مَا کَانَ بَنُوْ اُمَیَّةَ عَلَیْهِ مِنَ الظُّلْمِ وَ اِجْلَالِ زَیْدِ بْنِ عَلِیٍّ وَ تَعْظِیْمِهٖ وَ تَصْوِیْبِهٖ فِیْ اَحْکَامِهٖ وَ اَحْوَالِهٖ وَ لَمْ یَنْقُلْ عَنْ سُفْیَانِ الثَّوْرِیِّ اَنَّهٗ طَعَنَ فِیْ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ۔

لیکن ”کرامیہ“ تو اس فرقہ کے متعلق ابن ہیصم نے کتاب ”المقالات“ میں ذکر کیا ہے کہ ان کے اصل عقائد و مقالات دو طریقوں سے حضرتؑ تک منتہی ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ لوگ سند دیتے ہیں اپنے اعتقادات کی ایک شیخ سے دوسرے شیخ کی طرف یہاں تک کہ یہ سند منتہی ہوتی ہے سفیان ثوری تک اور سفیان ثوری زیدی تھے۔ اس کے بعد ابن ہیصم نے اپنے نفس سے ایک سوال کیا ہے کہ جب تمہارا شیخ اکبر زیدی ہے تو تم سب کیوں نہ زیدی سمجھے جاؤ۔ پھر اس سوال کا جواب خود یہ دیا ہے کہ سفیان ثوری خدا ان پر رحمت کرے اگرچہ مشہور بہ حیثیت زیدی ہونے کے ہیں لیکن ان کا زیدی ہونے سے مراد موالی اہلبیت ہونا، بنی امیہ کے مظالم کی وجہ سے بنی امیہ سے مخالف ہونا اور زید بن علی کی تعظیم و احترام اور احکامات و احوالات شریعت میں زید کا محفوظ و مصئون سمجھنا ہے، سفیان ثوری کے متعلق کہیں نہیں پایا جاتا کہ کسی ایک صحابی پر بھی طعن کیا ہو۔

اَلطَّرِیْقُ الثَّانِیْ اَنَّهٗ عَدَّ مَشَایِخَهُمْ وَاحِدًا فَوَاحِدًا حَتّٰی انْتَهٰی اِلٰی عُلَمَاءِ الْكُوْفَةِ مِنْ اَصْحَابِ عَلِیٍّ كَسَلَمَةِ بْنِ كُهَیْلٍ وَ حَبَّةِ الْعُرَنِیِّ وَ سَالِمِ بْنِ الْجُعْدِ وَ الْفَضْلِ بْنِ دُكَیْنَ وَ شُعْبَةَ وَ الْاَعْمَشِ وَ عَلْقَمَةَ وَ هُبَیْرَةَ بْنِ مَرْیَمَ وَ اَبِیْ اِسْحَاقَ الشَّعْبِیِّ وَغَیْرِهِمْ ثُمَّ قَالَ وَ هٰؤُلَاءِ اَخَذُوا الْعِلْمَ مِنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ علیہ السلام فَهُوَ رَئِیْسُ الْجَمَاعَةِ یَعْنِیْ اَصْحَابَهٗ وَاَقْوَالُهُمْ مَنْقُوْلَةٌ عَنْهُ وَ مَاْخُوْذَةٌ مِنْهُ۔

دوسرے یہ کہ ابن ہیصم نے مشائخ کرامیہ کو ایک کے بعد ایک کر کے گنایا ہے یہاں تک کہ ان علماء کوفہ تک پہنچے ہیں جو اصحاب امیر المومنین علی علیہ السلام سے تھے جیسے سلمہ بن کہیل، حبۃ العرنی، سالم بن ابی جعد، فضل بن دکین، شعبہ، اعمش، علقمہ، ہبیرہ بن مریم، ابواسحق شعبی وغیرہم۔ اس کے بعد یہ کہا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے براہ راست علوم کو حاصل کیا۔ پس حضرتؑ ہی رئیس جماعت علماء ہیں اور ان علماء کے اقوال حضرتؑ ہی سے منقول وماخوذ ہیں۔

وَ اَمَّا الْخَوَارِجُ فَانْتِمَاؤُهُمْ اِلَیْهِ ظَاهِرٌ اَیْضًا مَعَ طَعْنِهِمْ فِیْهِ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اَصْحَابَهٗ وَ عَنْهُ مَرَقُوْا بَعْدَ اَنْ تَعَلَّمُوْا عَنْهُ وَ اقْتَبَسُوْا مِنْهُ وَ هُمْ شِیْعَتُهٗ وَ اَنْصَارُهٗ بِالْجَمَلِ وَ صِفِّیْنَ وَ لٰكِنَّ الشَّیْطَانَ رَانَ قُلُوْبَهُمْ وَ اَعْمٰی بَصَائِرَهُمْ۔

لیکن خوارج ان کی نسبت بھی حضرتؑ کی طرف ظاہر ہے، اگر چہ ان لوگوں نے حضرتؑ پر طعن کیا پہلے یہ لوگ حضرتؑ کے اصحاب میں تھے حضرتؑ سے علم حاصل کرنے کے بعد دین سے نکل گئے اور شیطان نے ان کے دل پر قبضہ کرلیا اور یہ اپنی بصیرت کھو بیٹھے۔[1]

ان حقائق کے بعد کیونکر یہ کہنے کی جرأت ہوتی ہے کہ علی علیہ السلام کے بعض خطبات میں مضامین علم کلام ہیں اس لیے ان کی نسبت حضرتؑ کی طرف مشکوک ہے۔

جس وقت عالم اسلام میں علوم کا فقدان تھا علی علیہ السلام اس کی اشاعت کرتے تھے

درصل آپؑ ہی سے علم کلام کی ابتدا ہوتی ہے، جب دوسرے سلطنت ومملکت کی خواہشات میں مبتلا تھے، آپؑ دنیا کے سامنے اپنے سرمایۂ عقل وفکر کو لٹانے کی فکر میں تھے۔ عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

وَقَدْ لَبِثَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ زُهَاءَ ثَلَاثِیْنَ سَنَةً مُنْقَطِعًا. اَوْ یَكَادُ یَنْقَطِعُ عَنْ جِهَادِ

[1] شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۱۲۸، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر۔

الْحَکَمِ وَالسِّیَاسَةِ. مُتَفَرِّغًا اَوْ یَکَادُ یَتَفَرَّغُ لِفُنُوْنِ الْبَحْثِ وَالدِّرَاسَةِ یَتَاَمَّلُ کُلَّ مَا سَمِعَ، وَیُرَاجِعُ کُلَّ مَا قَرَاَ. وَیَعْرِفُ کُلَّ مَا یَعْرِفُ. مِمَّنْ یَلْقَاهُ. وَتَسْتَطْلِعُ اَنْبَاءَهُ وَاٰرَاءَهُ وَقَضَایَاهُ. فَمَهْمَا یَکُنْ قِسْطُ الثَّقَافَةِ الْعَالَمِیَّةِ قَلِیْلاً فِیْ بِلَادِ الْاِسْلَامِ عَلٰی تِلْكَ الْاَیَّامِ فَقِیْهٌ وَلَا رَیْبَ الْکِفَایَةُ لِلْعَقْلِ الْیَقْظَانِ وَالْبَصِیْرَةِ الْوَاعِیَةِ اَنْ تَفْهَمَ مَا قَدْ فَهِمَهُ الْاِمَامُ. وَاَنْ یَثْبُتَ مَا اَثْبَتَهُ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ مِنَ الْخَوَاطِرِ وَالْاَحْکَامِ۔

تیس سال تک علی بن ابی طالب علیہ السلام حکومت وسیاست سے الگ رہے اور مختلف علوم وفنون کی تعلیم وتدریس اور بحث ونظر میں مشغول رہے۔ جو سنتے تھے اس پر غور کرتے تھے اور جو پڑھتے تھے اس پر تدبر کرتے تھے اور درک حقائق کی طرف برابر متوجہ رہتے تھے اور ہر قسم کے خیالات ورجحانات وقضایا پر مطلع رہا کرتے تھے۔ اگرچہ اس زمانہ میں ممالک اسلامیہ میں علوم ومعارف کی کمی تھی بیشک عقل بیدار وبصیرتِ تام کی رہبری اور اس کو سمجھنے کے لیے اتنا بہت کافی ہے جو امامؑ نے اپنے فہم وہوشمندی سے سمجھا اور جو کچھ کہ نہج البلاغہ کے ذریعہ حضرتؑ کے ان افکار وعلوم کو دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔[1]

استاذ العقاد دوسری جگہ لکھتے ہیں:

فَفِیْ کِتَابِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. فَیْضٌ مِنْ اٰیَاتِ التَّوْحِیْدِ وَ الْحِکْمَةِ الْاِلٰهِیَّةِ تَتَّسِعُ بِهٖ دِرَاسَةُ کُلِّ مُشْتَغِلٍ بِالْعَقَائِدِ وَاُصُوْلِ التَّاَلِیَّةِ وَحِکْمَةِ التَّوْحِیْدِ۔ وَ رُبَّمَا تَشَکَّكَ الْبَاحِثُ فِیْ نِسْبَةِ بَعْضِهَا اِلَی الْاِمَامِ لِغَلَبَةِ الصِّیْغَةِ الْفَلْسَفِیَّةِ عَلَیْهَا وَامْتِزَاجِهَا بِالْاٰرَاءِ وَالْمُصْطَلَحَاتِ الَّتِیْ اُقْتُبِسَتْ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْ تَرْجَمَةِ الْکُتُبِ الْاَغْرِیْقِیَّةِ وَالْاَعْجَمِیَّةِ. وَلَاسِیَّمَا الْکَلَامُ عَلَی الْاَضْدَادِ وَالطَّبَائِعِ وَالْعَدَمِ وَالْحُدُوْدِ وَالصِّفَاتِ وَالْمَوْصُوْفَاتِ. وَلٰکِنَّ الَّذِیْ یَقْرَؤُهُ الْبَاحِثُ وَلَا یَشُكُّ فِیْ نِسْبَتِهٖ اِلَی الْاِمَامِ اَوْ فِیْ جَوَازِ نِسْبَتِهٖ اِلَیْهِ. قِسْطٌ وَافٍ لِتَحْقِیْقِ رَاْیِ الْقَائِلِیْنَ بِسَبْقِ الْاِمَامِ فِیْ مِضْمَارِ عِلْمِ الْکَلَامِ. وَاعْتِرَافِ الْمُعْتَرِفِیْنَ لَهٗ بِالْاُسْتَاذِیَّةِ الرَّشِیْدَةِ لِکُلِّ مَنْ لَحِقَ بِهٖ مِنْ اَصْحَابِ الْاٰرَاءِ وَالْمَقُوْلَاتِ. وَهُوَ عَلٰی جُمْلَتِهٖ خَیْرُ مَا یَعْرِفُ الْمُؤْمِنُ رَبَّهٗ وَیُنَزِّهُ بِهِ الْخَالِقَ فِیْ کَمَالِهٖ۔

نہج البلاغہ میں علم توحید وحکمت الٰہی کے چشمے جاری ہیں، الٰہیات وحکمت، توحید وعقائد کے طالب

---

[1] عبقریۃ الامام، ص ۱۸۷۔۱۸۸۔

علم کے لیے معلومات کا اس میں ایک وسیع میدان ہے۔ نہج البلاغہ کے بعض خطبوں کے متعلق کچھ لوگوں کو اس لیے شک ہوتا ہے کہ اس میں فلسفیانہ انداز وخیالات ومصطلحات ہیں جو کہ یونانی وعجمی کتابوں کے ترجمہ کے بعد رائج ہوئے، خصوصاً اس خطبہ میں (پہلا خطبہ) جس میں اضداد، طبائع، عدم، حدود، صفت، موصوف کی بحث ہے، لیکن ایک محقق ان خطبوں کے نسبت میں کلام نہیں کرسکتا اور نہ اس کو شک کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ یہ امر متحقق ہے کہ امامؑ کو علم کلام میں سب پر سبقت حاصل ہے اور اس کا اعتراف سبھی کو ہے کہ آپؑ اصحاب آراء ومقولات، متکلمین وائمہ مذہب کلامیہ کے استاد رشید ہیں اور آپؑ ہی سے لوگوں نے اس فن کو سیکھا ہے، المختصر یہ خطبہ ایسا ہے جس کے ذریعہ مومن خدا کی بہتر معرفت حاصل کرسکتا ہے اور اس کے ذریعہ خدا کے کمال کی تقدیس وتنزیہ کرسکتا ہے۔[۱]

خدا کے متعلق اسلامی نظریہ کی سب سے اعلیٰ مثال علی علیہ السلام کا خطبہ ہے

الاستاذ عباس محمود العقاد المصری نے فلسفۂ الٰہیات اور تاریخ خدا شناسی کے موضوع پر ایک قابل قدر کتاب لکھی ہے جس کا نام "اللہ" ہے جس میں دنیا کی مختلف اقوام ومذاہب میں خدا کے متعلق جو مختلف تصورات ونظریات ہیں اس پر فلسفیانہ انداز سے ایک تاریخی بحث کی ہے۔ اسی مہتم بالشان کتاب میں موصوف نے خدا کے متعلق اسلام کا جو بلند نظریہ ہے اس کی مثال میں امیر المومنین علیہ السلام کے اس مشہور ومعروف خطبہ کو جو نہج البلاغہ میں خطبۂ اول کی حیثیت سے موجود ہے پیش کیا ہے۔

عقاد مصری لکھتے ہیں:

وَمِنَ الْاَمْثِلَةِ الْعَالِيَةِ لِلْفِكْرَةِ الْاِلٰهِيَّةِ فِي الْاِسْلَامِ خُطْبَةٌ وَرَدَتْ فِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ ذُكِرَتْ فِيْهَا بِمَعْنَى الصِّفَةُ التَّمْثِيْلِ لِذَاتِ اللهِ لَا بِمَعْنَى الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰى. فَاِنَّ الْاَسْمَاءَ الْحُسْنٰى ثَابِتَةٌ فِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ لَا يُنْكِرُهَا مُسْلِمٌ. وَهٰذَا بَعْضُ مَا جَاءَ فِيْ تِلْكَ الْخُطْبَةِ الْمَنْسُوْبَةِ اِلَى الْاِمَامِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ـــــ اِلٰی ـــــ عَارِفًا بِقَرَآئِنِهَا وَ اَحْنَآئِهَا} ـــــ وَلَنَا اَنْ نَقُوْلَ عَلَى الْجُمْلَةِ اِنَّ هٰذِهِ الْفِكْرَةَ الْاِلٰهِيَّةَ فِيْ فِكْرَةِ الْاِجْمَاعِ فِي الْمُسْلِمِيْنَ۔

---

[۱] عبقریۃ الامام، ص ۱۸۱۔

خداوند عالم کے متعلق اسلامی نظریہ کی بلند و برتر مثال نہج البلاغہ کا وہ خطبہ ہے جس میں صفات کو بمعنی تمثیل (Represention) ذات خداوندی نہ بمعنی اسماء حسنیٰ بیان کیا گیا ہے اس لیے کہ اسماء حسنیٰ قرآن میں موجود ہیں جس کا منکر مسلمانوں میں کوئی نہیں ہے۔ اب میں اس مقام پر حضرت رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کا کچھ حصہ پیش کرتا ہوں: {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ــــ اِلٰی ــــ عَارِفًا بِقَرَآئِنِهَا وَ اَحْنَآئِهَا اِلٰی اٰخِرِ الْخُطْبَةِ}

طویل ہونے کے خیال سے پورا خطبہ میں نے نہیں نقل کیا ہے، اس خطبہ کے بعد مجھ کو اس کا حق ہے کہ میں یہ کہوں کہ خدا کے متعلق یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔[1][2]

یہی وہ خطبہ ہے جس کو دیکھ کر منکرین، متحیر و مضطرب ہو کر شک کرنے لگتے ہیں، لیکن عقاد سا ناقد و ادیب، مورخ و محقق، حکیم، فیلسوف اس میں شک کی گنجائش نہیں پاتا بلکہ اس کو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہونے کی حیثیت سے تمام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ خداوند عالم کے متعلق اسلامی نظریہ کی یہ ایک سب سے اعلیٰ مثال ہے۔

مسلمانانِ عہدِ رسالت کے دلوں میں شکوک تھے جن کو علی علیہ السلام نے اپنی تقریروں و خطبوں سے دور کیا

جو لوگ بعد عہد رسالت کی تاریخ پر دقیق نظر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگرچہ عربوں میں ظاہری اسلام تھا لیکن دراصل وہ اصول وعقائد میں مستحکم نہ تھے۔ وہ اسلام کے خلاف ہر شک اور اعتراض کو اپنے دل میں جگہ دینے کو تیار تھے۔ وہ اسلام کے خلاف ہر مخالف آواز کو نہ صرف سننے ہی کے لیے آمادہ تھے بلکہ اس کو قبول کرتے تھے۔ اس نازک موقع پر برخلاف خلفاء ماسبق کے کہ وہ لوگوں کو سوچنے، سمجھنے اور چون و چرا کرنے پر ان کا گلا گھونٹتے تھے، حضرتؑ نے عقلی استدلال سے معترضین کے ایرادو مستضعفین کے شکوک کو رفع فرمایا۔

استاذ الشیخ عبداللہ العلائلی لکھتے ہیں:

وَيَحْسُنُ بِنَا اَنْ نُّشِيْرَ هُنَا اِلٰى اَنَّ كِتَابَ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ. اِذَا دَرَسْنَاهُ دِرَاسَةً نَقْدِيَّةً. نَقَعُ فِيْهِ عَلٰى مَا يُؤَكِّدُ هٰذَا الظَّنَّ. فَفِيْهِ خُطَبٌ كَثِيْرَةٌ وَمَجَالِسُ كَثِيْرَةٌ تَدُوْرُ عَلٰى مَسَائِلَ مِنْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ. كَانَ النَّاسُ لَا يَفْتَؤُوْنَ يَسْاَلُوْنَهٗ عَنْهَا. اَوْ يَتَسَاءَلُوْنَ

---

[1] "اللہ" باب ادیان بعد الفلسفہ، عباس العقاد، ص ۱۸۲، ۱۸۷، طبع ثانی دار المعارف مصر۔

[2] ترجمہ فارسی "خدا" ص ۲۶۲ تا ۲۶۸، چاپ اقبال طہران۔

عَنهَا فِيمَا بَينَهُم مِنْ مَسَائِلَ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ الاِلٰهِيَّةِ فِيْ اَغْلَبِ الاَحْيَانِ. كَمِثْلِ خُطْبَةِ الاَشْبَاحِ. وَهِيَ مِنْ جَلَائِلِ خُطَبِهٖ. وَكَانَ سَاَلَهٗ سَائِلٌ اَنْ يَصِفَ اللهَ حَتّٰى كَاَنَّهٗ يَرَاهُ عِيَانًا. فَغَضِبَ الاِمَامُ وَعَرَّفَهُمْ كَيفَ يُنَزِّهُ اللهُ. وَخُطْبَتِهٖ فِيْ اِبْتِدَاءِ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالاَرْضِ. وَخُطْبَتُهٗ فِيْ تَنْزِيهِ اللهِ. وَاَجْوِبَتُهٗ فِي الْحُرِّيَّةِ الاَدَبِيَّةِ. اَوِ الاِرَادَةِ الْجُزْئِيَّةِ (مُعْضِلَةُ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ)۔

مِمَّا يَدُلُّنَا عَلٰى مَا هُوَ مُتَمَلِّكُهُمْ مِنْ حَيْرَةٍ خَفِيَّةٍ. فَاِنَّ الاِسْلَامَ. بِزُعْمِ اَنَّهٗ وَضَعَ حَدًّا لِهٰذِهِ الْحَيْرَةِ بِمَا فَرَضَ مِنْ مُثُلٍ وَتَعَالِيمَ. عَادَتْ فَظَهَرَتْ عَلٰى اَشْكَالٍ اِسْلَامِيَّةٍ. وَبِالاَخَصِّ بَعْدَ عَمَلِيَّةِ التَّمَازُجِ الْكُبْرٰى الَّتِيْ اَدّٰى اِلَيهَا الْفَتْحُ السَّرِيْعُ. فَدُخُولُ ذَوِي الدِّيَانَاتِ الاُخْرٰى فِي الاِسْلَامِ۔ وَالاُمَمُ لَا تُغَيِّرُ دِيَانَاتِهَا كَمَا تُغَيِّرُ اَثْوَابَهَا۔ ثَبَّتَ هٰذِهِ الْحَيْرَةَ اَوْ اَنْمَاهَا. وَلٰكِنَّهٗ اَعْطَاهَا شَكْلَ الاِجْتِهَادِ الدِّيْنِيِّ۔

مناسب ہے کہ ہم اس طرف بھی اشارہ کردیں کہ نہج البلاغہ کا مطالعہ اگر ہم ذرادقت نظر سے کریں تو اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے اور ہمارا مقصود حاصل ہوتا ہے (کہ اس وقت کے لوگ اپنے عقائد میں پختہ نہ تھے)، اس لیے کہ نہج البلاغہ میں بہت سے خطبے اور تقریریں ایسی ہیں جن میں اصول دین کے مسائل پر بحث کی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ لوگ امیر المومنین علیہ السلام سے برابر ان مسائل کو دریافت کرتے رہتے تھے یا خود آپس میں اس زمانہ کے لوگ ان مضامین پر بحث ومباحثہ کیا کرتے تھے۔ یہ مسائل زیادہ تر ذات الٰہی سے متعلق ہیں، مثل خطبہ اشباح کے جو حضرتؑ کے جلائل خطب میں سے ہے۔ ایک مرتبہ ایک سائل نے حضرتؑ سے عرض کیا کہ خدا کے صفات اس طرح بیان فرمائیے کہ گویا اسے آنکھ سے دیکھا۔ یہ سن کر آپؑ غضب ناک ہوئے اور خدا کی تنزیہ کو آپؑ نے بیان فرما کر اس کو پہچنوایا۔ اسی طرح آپؑ کا وہ خطبہ جو زمین وآسمان کی خلقت کے متعلق ہے، وہ خطبہ جو خدا کی تنزیہ کے متعلق ہے (یعنی خطبہ توحید) اور آپ کا وہ جواب جو حریت اخلاق وارادۂ جزیہ (یعنی مسئلہ مشکلہ قضاوقدر) کے متعلق ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے یہ سب خطبے اور جوابات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے دلوں کے اندر عقائد کے متعلق ایک پوشیدہ حیرانی (تذبذب) موجود تھی اور وہ ثابت العقیدہ نہ تھے۔ اگرچہ اسلام نے اپنی تعلیمات سے اس حیرانی وتذبذب کی روک تھام کی، لیکن یہی تذبذب

وشک ایک اسلامی شکل میں دوبارہ ظاہر ہوا، خاص کر سرعت فتوحات کے بعد جب دوسری قوموں سے زبردست میل جول ہوا اور دوسرے دین ومذہب کے لوگ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کیونکہ قومیں اپنے دینی عقائد یوں آسانی سے نہیں بدلتی ہیں جس آسانی سے وہ اپنا لباس تبدیل کرتی ہیں، اس لیے یہ تذبذب دینی اور عقائد کا شک باقی رہا بلکہ اس میں ترقی ہوئی لیکن اب یہ اجتہادِ دینی کی شکل میں ظاہر ہوا۔[1] (یہ اشارہ ہے خوارج، مرجعہ، وجبریہ عقائد ورجحانات کی طرف)۔

بہر حال نہج البلاغہ کے خطبات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی عجیب اعتراض ہے کہ خطبہ خفاش، خطبہ نملہ، خطبہ طاؤس میں جن جانوروں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان میں بہت ہی دقت نظر سے کام لیا ہے اور کمال مصوری کا مظاہرہ ہے اس لیے یہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔

اس اعتراض پر معترض کی سکئ عقل پر ہنسی معلوم ہوتی ہے۔ علی علیہ السلام سا دقیق النظر و خائر الفکر، جو نبض شناسِ فطرت ہو وہ ان جانوروں کے ظاہر حالات پر غور کرکے ان کی صحیح تصویر کو اپنے الفاظ میں نہیں بیان کرسکتا ہے؟ عربوں کے کمسن اور ناسمجھ بچوں میں بھی یہ صلاحیت موجود تھی کہ وہ اپنے الفاظ میں صفات کو اس طرح بیان کردیتے تھے کہ اصل موصوف کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی تھی۔ شاعر مخضرم حسان بن ثابت انصاری کے صغیر السن بچے کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بھڑ نے اس کو کاٹ لیا، وہ روتا ہوا باپ کے پاس آیا کہ مجھ کو ایک جانور نے کاٹ لیا ہے، حسان نے جانور کا نام پوچھا، بچہ نام سے واقف نہ تھا۔ حسان نے پوچھا اس کی صورت کیا تھی؟ بچے نے بتلایا: كَاَنَّهٗ مُلْتَفٌّ بِبُرْدَىْ حِبَرَةٍ۔ "یعنی گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخطط چادر میں لپٹا ہوا ہے"۔ حسان کے نگاہوں کے سامنے بھڑ کی تصویر آگئی اور وہ یہ سمجھ گئے کہ بھڑ نے کاٹ لیا ہے۔ بچے کی باریک بینی اور الفاظ کے ذریعہ تصویر کشی کرنے پر وہ خوش ہوکر کہنے لگے: وَاللّٰهِ صَارَ ابْنِى الشَّاعِرَ "بخدا میرا بیٹا شاعر ہوگیا"۔

وہ علی علیہ السلام جو بنابر روایات اہلسنت جانوروں کی بولیوں کو سمجھنے والے تھے وہ جانوروں کے ظاہر حالات وکیفیات کی مصوری اپنے الفاظ میں نہیں کرسکتے تھے؟ علامہ ثعلبی نے اپنی کتاب "العرائس" میں بضمن تذکرۂ اصحاب کہف یہ لکھا ہے کہ خلیفہ دوم کے دربار میں علماء یہود کا ایک گروہ آیا تھا جس نے خلیفۂ وقت سے چند سوالات کیے اور یہ کہا تھا کہ اگر صحیح جواب دوگے تو ہم اسلام قبول کرلیں گے خلیفہ تو جواب دینے سے عاجز ہوگئے تھے اور حضرت علی علیہ السلام سے یہ کہہ کر

---

[1] تاریخ الحسین نقد وتحلیل، ص ۱۱۵، ۱۱۶، طبع بیروت۔

ٹل گئے: يَا اَبَا الْحَسَنِ اَنْتَ لِكُلِّ ذِيْ مُعْضِلَةٍ وَشِدَّةٍ تُدْعٰى "اے علی علیہ السلام! آپؑ ہر مشکل مسئلہ ومصیبت کے وقت پکارے جاتے ہیں"۔ اس وقت امیرالمومنین علیہ السلام نے علماء یہود کے ہر سوال کا جواب عنایت فرمایا تھا۔ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا:

وَاَخْبِرْنَا مَا يَقُوْلُ الدُّرَّاجُ فِيْ صِيَاحِهٖ. وَمَا يَقُوْلُ الدِّيْكُ فِيْ صُرَاخِهٖ. وَمَا يَقُوْلُ الْفَرَسُ فِيْ صَهِيْلِهٖ. وَمَا يَقُوْلُ الضِّفْدَعُ فِيْ نَعِيْقِهٖ. وَمَا يَقُوْلُ الْحِمَارُ فِيْ نَهِيْقِهٖ. وَمَا يَقُوْلُ الْقُبَّرَةُ فِيْ صَفِيْرِهٖ؟

یہ بتلایئے: تیتر، مرغ، گھوڑا، مینڈک، گدھا اور چنڈال اپنی اپنی بولیوں میں کیا کہتے ہیں؟

حضرتؑ نے اس سوال کا جواب بھی دیا تھا جن کو سن کر علمائے یہود نے یہ تسلیم کیا تھا کہ یہ صحیح جواب ہے اور اسلام لائے تھے۔[1]

اس صورت میں اگر امیرالمومنین علیہ السلام نے بعض حیوانات کے اوصاف بیان کرنے میں دقیق النظری سے کام لیا تو کیا حیرت ہے۔

علی علیہ السلام نے طاؤس کو کہاں دیکھا؟

یہ بھی ایراد کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے طاؤس کو کہاں دیکھا تھا اور وہ بھی اس کے جوڑے کو؟ اس کا جواب ابن ابی الحدید نے دیا ہے:

قُلْتُ لَمْ يُشَاهِدْ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام الطَّوَاوِيْسَ بِالْمَدِيْنَةِ بَلْ بِالْكُوْفَةِ وَ كَانَتْ يَوْمَئِذٍ تُجِيْءُ اِلَيْهَا ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ تَاْتِيْ اِلَيْهَا هَدَايَا الْمُلُوْكِ مِنَ الْاٰفَاقِ وَ رُؤْيَةُ الْمُسَافَدَةِ مَعَ وُجُوْدِ الذَّكَرِ وَ الْاُنْثٰى غَيْرُ مُسْتَبْعَدَةٍ۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے طاؤس کو مدینہ میں نہیں ملاحظہ فرمایا بلکہ کوفہ میں دیکھا تھا، کوفہ میں اس زمانہ میں تمام دنیا سے ہر ایک چیز آتی اور خود آپؑ کی خدمت میں شاہان عالم کی طرف سے ہدایا آتے رہتے تھے اور نر و مادہ کی موجودگی میں اس کا جوڑہ کھاتے دیکھنا کچھ بعید نہیں ہے۔[2]

میں عرض کرتا ہوں کہ ابن ابی الحدید کی تائید مورخ مسعودی کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ چین و ہندوستان کے جہاز حیرہ کے بندرگاہوں پر لنگر انداز ہوتے رہتے تھے اور عباس محمود العقاد نے بھی یہی بتلایا ہے کہ حضرتؑ کے عہد میں

---

[1] العرائس، علامہ ثعلبی، بضمن تذکرہ اصحاب کہف، ص ۲۵۸، ۲۵۹، مطبوعہ مصر۔

[2] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۴۸۳، طبع مصر۔

کوفہ میں غیر ممالک کے آنے والوں کا اجتماع رہتا تھا۔ خود امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں ہندوستان کے جاٹوں کا باریاب ہونا بھی پایا جاتا ہے۔[1]

صرف یہی نہیں بلکہ عراق میں قدیم زمانے سے ایک ایسے فرقہ کا وجود بھی پایا جاتا ہے جو شیطان و طاؤس کی پرستش کیا کرتا تھا۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ فرقہ جو طاؤس کی پرستش کرتا ہو اس نے اس پرندے کی نسل کی حفاظت نہ کی ہو۔ کیا تعجب ہے کہ دجلہ کے کنارے پر جو مشہور دیر الطواویس تھا اس کی شہرت اس نام پر صرف اسی بنا پر ہوئی کہ وہاں طاؤس کثرت سے پائے جاتے ہوں۔

طویل خطبے بھی ہوا کرتے تھے

شک کا تو علاج نہیں، کبھی کبھی تو انسان اس حد تک مشکوک مزاج ہو جاتا ہے کہ خود اپنے اوپر شک کرنے لگتا ہے۔ یہی حالت علی علیہ السلام کے مخالفین کی بھی ہے، کچھ نہیں تو پھر یہ کہنے لگے کہ یہ خطبے بہ نسبت خلفاء کے خطبوں کے طویل ہیں اس لیے یہ خطبے حضرت علی علیہ السلام کے نہیں ہو سکتے کیونکہ اس عہد میں طویل خطبے نہیں ہوا کرتے تھے۔

یہ ایراد بھی انتہائی پوچ و لچر ہے۔ طویل خطبے وہ دے گا جس کو علم و ادب پر قدرت حاصل ہوگی اور مضامین عالیہ کو بیان کرے گا۔ خلفاء ماسبق کو یہ بات کہاں نصیب تھی۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے خطبے ارشاد کیے مثلاً خطبۃ الوداع، خطبۃ الغدیر اس قسم کے آپؐ کے دوسرے خطبے بھی ہیں، لیکن قوم نے ان کی جیسی حفاظت کرنی چاہیے تھی نہ کی، مشہور خطیب سحبان وائل جو زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہوا اور معاویہ کے زمانے میں ۵۴ھ میں مرا، اس کے خطبے عموماً طویل ہی ہوا کرتے تھے، خود عمر کے بھی طویل خطبے کا پتا ابن ابی الحدید نے دیا ہے، وہ لکھتا ہے:

> وَ قَالَ الْجَاحِظُ فِیْ کِتَابِ الْبَیَانِ وَ التَّبْیِیْنِ لَمْ یَکُنْ عُمَرُ مِنْ اَھْلِ الْخُطَبِ الطِّوَالِ وَ کَانَ کَلَامُہٗ قَصِیْرًا وَ اِنَّمَا صَاحِبُ الْخُطَبِ الطِّوَالِ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ علیہ السلام. وَ قَدْ وَجَدْتُ اَنَا لِعُمَرَ خُطَبًا فِیْھَا بَعْضُ الطُّوْلِ. ذَکَرَھَا اَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ جَرِیْرٍ الطَّبَرِیُّ فِی التَّارِیْخِ.
>
> جاحظ کتاب البیان والتبیین میں لکھتے ہیں کہ عمر ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے طولانی خطبے ہوتے ہیں بلکہ ان کا کلام مختصر و قصیر ہوتا ہے، ہاں طولانی خطبے ارشاد کرنے والے علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ (جاحظ کی عبارت نقل کرنے کے بعد) ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے عمر کے

---

[1] الرجال، الکشی۔

بعض ایسے خطبوں کو دیکھا ہے جو طویل ہیں جن کو مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔[1]

اس کے بعد ابن ابی الحدید نے ان خطبوں کو نقل کیا ہے۔ یہ خطبے تاریخ طبری جلد سوم مطبوعہ مصر کے صفحات ۲۸۲۔ ۲۸۴ پر موجود ہیں۔

ابن ابی الحدید نے جو حوالہ دیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

اِنَّمَا صَاحِبُ الْخُطَبِ الطِّوَالِ عَلِيُّ بْنُ اَبِي طَالِبٍ علیہ السلام۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام طویل خطبے ارشاد فرمانے میں شہرت و امتیاز رکھتے تھے، جس کا اقرار علامہ جاحظ سے ناقد بصیر کو بھی ہے۔ جاحظ اپنی ایک دوسری تالیف "کتاب فضل ہاشم علی عبد شمس" میں امیر المومنین علیہ السلام کی اس خصوصیت و امتیاز کو ان الفاظ میں لکھتا ہے:

وَاِنْ كَانَ اِلَى الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ بِالتَّاْوِيْلِ وَمَعْرِفَةِ التَّنْزِيْلِ. وَاِلَى الْقِيَاسِ السَّدِيْدِ وَاِلَى الْاَلْسِنَةِ الْحِدَادِ وَالْخُطَبِ الطِّوَالِ. فَمَنْ مِثْلُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

فقہ، تنزیل و تاویل قرآن کا علم، مستحکم دلائل، فصاحت و طلاقت لسانی اور طولانی خطبوں کے ارشاد کرنے میں کون ہے جو علی بن ابی طالب علیہ السلام کا مقابلہ کر سکتا ہے۔[2]

دراصل خطب و رسائل، مقتضائے حال کی بناء پر ہوا کرتے ہیں، کبھی حالات کا تقاضا ایسا ہوتا ہے کہ طول دیا جائے اور کبھی اختصار ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا ہر کلام اسی مناسبت سے ہے۔ ڈکتور زکی مبارک اپنی کتاب "النثر الفنی فی القرن الرابع" میں لکھتے ہیں:

اَنَّ مَسْاَلَةَ الْاِيْجَازِ وَالْاِطْنَابِ كَانَتْ تَجْرِيْ فِي الْغَالِبِ عَلٰى مُقْتَضَى الْحَالِ. فَكَانَ الْكَاتِبُ يُوْجِزُ تَارَةً وَيُطْنِبُ اُخْرٰى وِفْقًا لِلظُّرُوْفِ الَّتِيْ يَكْتُبُ فِيْهَا رِسَالَتَهُ. وَكَانَ مِنَ الْخُطَبَاءِ مَنْ يُطِيْلُ. وَكَانَ مِنْهُمْ يُوْجِزُ. وَلَا يَرْجِعُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ اِلٰى قَاعِدَةٍ غَيْرِ الْمُنَاسِبِ الَّتِيْ تُوْجِبُ الْكَلَامَ. فَتَقْتَضِيْ مَرَّةً بِالْاِطْنَابِ وَتَقْتَضِيْ حِيْنًا بِالْاِيْجَازِ. وَسَحْبَانُ وَائِلِ الَّذِيْ عُرِفَ بِالتَّطْوِيْلِ وَبِاَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ اَحْيَانًا نِصْفَ يَوْمٍ اُثِرَتْ عَنْهُ الْخُطَبُ الْقَصِيْرَةُ الْمُوْجَزَةُ. وَذٰلِكَ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْفِطْرَةَ كَانَتْ غَالِبَةً عَلٰى ذٰلِكَ الْعَصْرِ. وَاَنَّ الْقَاعِدَةَ الْمُطَّرِدَةَ لَمْ تَكُنْ شَيْئًا اٰخَرَ غَيْرَ مُرَاعَاةِ الظُّرُوْفِ۔

---

[1] ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۲۳، طبع مصر۔

[2] مجموعہ رسائل الجاحظ رسالہ فضل ہاشم، ص ۸۴، مرتبہ علامہ حسن السندوبی طبع اول مصر۔

طول واختصار کا مسئلہ ایسا ہے جس کا تعلق مقتضائے حال سے ہے، کاتب جس چیز پر لکھتا ہے اس کو خیال کرتے ہوئے ایجاز سے کام لیتا ہے اور کبھی اطناب سے۔ خطباء میں بھی بعض خطیب طولانی خطبے دیتے ہیں اور بعض مختصر۔ اس کے لیے کوئی خاص قانون نہیں مقرر تھا جس کی طرف وہ رجوع کرے یا اس پر وہ پابند ہو، سوائے مناسبت حال کے، اس لیے خطبے کبھی طولانی ہوتے تھے اور کبھی مختصر۔ سحبان وائل جو طولانی خطبہ دینے میں مشہور ہے اور جو آدھے آدھے دن تک خطبے دیا کرتا تھا اس کے مختصر اور چھوٹے خطبے بھی ملتے ہیں، یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ اصول فطرت کی پابندی کا زیادہ لحاظ اس زمانہ میں کیا جاتا تھا کوئی خاص قاعدہ نہ تھا۔ ہاں کتابت میں جس چیز پر لکھتے تھے اس کی رعایت ضرور ملحوظ ہوا کرتی تھی۔

وَ رَسَائِلُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَخُطَبُهٗ وَوَصَايَاهُ وَعُهُوْدُهٗ اِلٰى وُلَاتِهٖ تَجْرِيْ عَلٰى هٰذَا النَّمَطِ. فَهُوَ يَطِيْلُ حِيْنَ يَكْتُبُ عَهْدًا يُبَيِّنُ فِيْهِ مَا يَجِبُ عَلَى الْحَاكِمِ فِيْ سِيَاسَةِ الْقُطْرِ الَّذِيْ يَرْعَاهُ وَيُوْجِزُ حِيْنَ يَكْتُبُ اِلٰى بَعْضِ خَوَاصِهٖ فِيْ شَانٍ مُعَيَّنٍ لَا يَقْتَضِي التَّطْوِيْلَ۔

حضرت علی علیہ السلام کے رسائل و مکتوبات، خطبے و وصایا اور گورنروں کے نام فرامین و عہود بھی اسی اصول پر تھے۔ پس کبھی حضرتؑ اپنے فرامین اور عہدناموں کو اس لیے طول دیتے تھے کہ حاکم متعینہ تفصیل کے ساتھ سیاست و حکومت کے اصول و قواعد سے واقف ہو جائے جس کی اس کو اپنی ولایت میں ضرورت ہے اور کبھی اپنے خواص عمال کو اختصار سے ہدایت قلم بند فرماتے ہیں کیونکہ وہاں طول واطناب کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

عہد نامہ مالک اشتر بھی مقتضائے حال کی بنا پر طویل ہے

حضرتؑ کا وہ مشہور و معروف عہد نامہ جو مالک اشتر کے نام ہے اس کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ طولانی ہے۔ دکتور زکی مبارک کی تقریر سے یہ ایراد بھی برطرف ہو رہا ہے، یہ عہد نامہ نہج البلاغہ میں موجود ہے اور سید رضی سے پیشتر کے مصنفات میں بھی یہ پایا جاتا ہے، چنانچہ اس کو شیخ اجل محمد بن حسن بن علی بن شعبۃ الحلبی المتوفی ۳۳۲ھ نے بہ تمام و کمال اپنی کتاب "تحف العقول" میں درج کیا ہے۔

---

[1] النثر الفنی، الجزء الاول، ص ۵۸، ۵۹، طبع مصر۔

عہد نامہ کے مضامین علی علیہ السلام کے زمانہ سے ارفع و بلند ہیں۔

اس اعتراض کا شیخ عبداللہ علائلی کی طرف سے جواب

رہا یہ امر کہ ایسا مہتم بالشان دستور سیاسی امیر المومنین علیہ السلام کی طرف کیونکر منسوب ہو سکتا ہے، جبکہ اس کے مضامین عالیہ علی علیہ السلام کے عہد سے ارفع و اعلیٰ ہیں؟ اس کا جواب شیخ عبداللہ العلائلی کی زبان سے سنیے:

وَهٰذَا يُوْصِلُنَا اِلٰى اَنَّ التَّنْظِيْمَ الْكَامِلَ لَمْ يَتِمَّ فِيْ عَهْدِ الْخُلَفَاءِ. لِاَنَّهُمْ لَمْ يَسْتَقِرُّوْا فِيْ حَيَاةٍ مَدَنِيَّةٍ خَالِصَةٍ تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ عَلٰى اَنَّهُمْ قَطَعُوْا اَشْوَاطًا فِيْ سَبِيْلِ التَّنْظِيْمِ الْعَامِّ. وَلَا يَتَوَهَّمَنَّ مُتَوَهِّمٌ حِيْنَمَا نَتَكَلَّمُ عَنِ النِّظَامِ اَنَّنَا نَعْنِي النَّاحِيَةَ التَّشْرِيْعِيَّةَ الَّتِيْ كَمَلَتْ بِالْقُرْاٰنِ. وَاِنَّمَا نَعْنِيْهِ مِنَ النَّاحِيَةِ الْعِلْمِيَّةِ الْاِجْرَائِيَّةِ. اَيْ مِنْ نَاحِيَةِ التَّشْكِيْلَاتِ وَالتَّرَاتُبِيَّةِ خَاصَّةً۔ وَاِنَّ الْوَاقِفَ عَلَى الْكُتُبِ الَّتِيْ عُنِيَتْ بِهٰذِهِ النَّاحِيَةِ مِنَ الدَّرْسِ. كَكِتَابِ الْمَاوَرْدِيِّ الْمَوْسُوْمِ بِالْاَحْكَامِ السُّلْطَانِيَّةِ يَقَعُ عَلٰى تَجْرِبَاتٍ تِقْنِيَّةٍ وَمُحَاوَلَاتٍ تَنْظِيْمِيَّةٍ تَمَّتْ فِيْ عَهْدِ الْخُلَفَاءِ. اِلَّا اَنَّهَا لَمْ تُجَاوِزْ هٰذِهِ الصِّفَةَ. اَيْ لَمْ تُنَسَّقْ عَلٰى وَجْهٍ يَسْمَحُ لَنَا بِاِطْلَاقِ اسْمِ النِّظَامِ عَلَيْهَا اِلَّا فِيْ تَوَسُّعٍ وَمَجَازِيَّةٍ. وَ هٰذِهِ الْمُحَاوَلَاتُ وَالتَّجْرِبَاتُ اَلْهَمَتْ ذَوِي الْعَقْلِيَّاتِ الْقَضَائِيَّةِ الْعَمِيْقَةِ اَنْ يُقَدِّمُوْا دُسْتُوْرَ النِّظَامِ الْعَامِّ بِكَافَّةِ مَا يَلْزَمُ فِيْهِ.

اس امر سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ خلفاء ثلٰثہ کے دور میں امور سلطنت کی کامل تنظیم نہیں ہو سکی تھی، چونکہ ان لوگوں کی حیات مدنی (شہری زندگانی) میں استحکام و قرار نہ تھا اس لیے اس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی، ہاں عمومی انتظامات کے لیے ان لوگوں نے اپنے قدم اٹھائے۔ میرے اس بیان سے کوئی یہ غلط نہ سمجھے کہ نظام مدنی سے میری مراد قانون شریعت ہے جس کو قرآن نے مکمل کیا ہے بلکہ میری مراد یہاں پر اجراء قانون و تشکیلات مدنی سے ہے۔ میں اسی امر کو کہہ رہا ہوں کہ خلفاء اس طرف نہیں متوجہ ہوئے۔ جو شخص کہ اس موضوع کی مصنفات جیسے علامہ ماوردی کی کتاب "احکام السلطانیہ" کو پڑھے تو اس کے سامنے عہد خلفاء کے انتظامات اداری و تدبیر مملکت کا خاکہ نگاہوں کے سامنے آجائے گا، لیکن ناقص صورت میں جس کو مکمل نظام سلطنت نہیں کہہ سکتے، لیکن اتنے زمانہ کے تجربات و انتظامات نے گہری فکر و نظر رکھنے والے مدبران حکومت کو اس طرف متوجہ کر دیا تھا کہ وہ ایک مکمل دستور حکومت و نظام سلطنت کو لکھ کر پیش کریں۔

وَمِمَّا لَا رَيْبَ فِيْهِ اَنَّ عَلِيًّا كَانَ صَاحِبَ اَكْبَرِ عَقْلِيَّةٍ. قَضَائِيَّةٍ نِظَامِيَّةٍ فِيْ هٰذَا الْعَهْدِ، فَهُوَ قَدِ اسْتَفَادَ مِنْ كُلِّ مَا مَرَّ بِالْحُكْمِ الْعَرَبِيِّ الْاِسْلَامِيِّ مِنْ اَشْكَالٍ. وَاَيْضًا لَمَسَ حَاجَةَ الْمُجْتَمَعِ مِنْ وَجْهٍ. وَمَحَاسِنَ وَ مَسَاوِئَ الْمُحَاوَلَاتِ الَّتِيْ حَاوَلَهَا الْخُلَفَاءُ قَبْلَهٗ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ. فَقَدَّمَ دُسْتُوْرَهُ التَّنْظِيْمِيَّ الْعَظِيْمَ فِيْ عَهْدِهٖ اِلَى الْاَشْتَرِ النَّخْعِيِّ بَعْدَ الْاِخْتِبَارِ وَالْاِمْتِحَانِ الْوَاقِعِيِّ۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عہد میں علی علیہ السلام سب سے بڑے مقنن ودستور حکومت کے ماہر تھے، اس لیے کہ آپؑ نے حکومت اسلامیہ عربیہ کی ہر شکل کو دیکھا اور سمجھا تھا اور عوام کے مطالبات وضروریات کو اچھی طرح جانتے تھے اور اپنے ماسبق کے خلفاء کی طرز حکومت کی اچھائی وبرائی نگاہوں کے سامنے تھی، اس بنا پر ملت اسلامیہ کے ہر قسم کے امتحانات وتجربات کے بعد آپؑ نے ایک مکمل، جامع ومانع دستور سلطنت ونظام حکومت کو عہد نامہ مالک اشتر کے نام سے امت اسلامیہ کے سامنے پیش کر دیا۔

وَهٰذَا الْعَهْدُ يَشُكُّ فِيْهِ بَعْضُ الْبَاحِثِيْنَ. مُسْتَنِدِيْنَ اِلٰى اَنَّ الْاَفْكَارَ النِّظَامِيَّةَ الَّتِيْ يَحْتَوِيْ عَلَيْهَا لَا تَسْمَحُ بِاِضَافَتِهَا اِلٰى عَصْرِ عَلِيٍّ. وَمِمَّا ذَكَرْنَا نَتَبَيَّنُ بِاَنَّهٗ لَا مَحَلَّ لِلشَّكِّ، لِاَنَّ عَلِيًّا مَوْهُوْبٌ فِي الْقَضَاءِ وَالْاِدَارَةِ. مَا فِيْ ذٰلِكَ شَكٌّ. حَتّٰى قِيْلَ " قَضِيَّةٌ وَلَا اَبَا حَسَنٍ لَهَا۔"

بعض لوگوں کو اس امر میں شک ہے کہ یہ عہد حضرتؑ ہی کا ہے، اس لیے کہ اس میں جو نظام ودستور مندرج ہے، وہ عہد حضرتؑ کے سطح فکر سے بلند ہے، لیکن یہ شک درست نہیں ہے اور یہ دلیل بہت ہی کمزور ہے۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام میں انتظام سلطنت وتدبیر حکومت وتشکیل ادارہ کا علم خداداد ووہبی تھا، قانون ودستور کے علم میں آپؑ محتاج تعلیم نہیں تھے، آپؑ ہی کے لیے یہ مثل مشہور ہوگئی ہے "قَضِيَّةٌ وَلَا اَبَا حَسَنٍ لَهَا"۔

وَقَدِ اهْتَمَّ الْمُشْتَرِعُوْنَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِجَمْعِ اَقْضِيَتِهٖ، وَاَحْكَامِهٖ وَتَنْظِيْمَاتِهٖ. فَاَلَّفَ التِّرْمِذِيُّ كِتَابًا فِيْ مُجَلَّدَيْنِ دَعَاهُ اَقْضِيَةُ عَلِيٍّ. وَاَلَّفَ ابْنُ قَيِّمِ الْجَوْزِيَّةِ كِتَابًا فِيْ "السِّيَاسَةِ الشَّرْعِيَّةِ" مَلَاَهٗ بِاَقْضِيَتِهٖ. فَهٰذَا يَدُلُّنَا عَلٰى اَنَّ عَلِيًّا كَانَ يَمْتَازُ بِعَقْلِيَّةٍ نَادِرَةٍ فِي الْقَضَاءِ الْمُتَّصِلِ بِالتَّنْظِيْمِ. وَلِاَنَّ الْمُحَاوَلَاتِ الَّتِيْ صَدَرَتْ مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ جَاءَ عُمَرُ فَحَوَّرَ فِيْهَا وَعُمَرُ كَانَ اَكْثَرَ تَشَبُّثًا بِالتَّنْظِيْمِ وَمَيْلًا اِلَيْهِ. فَكَثُرَتْ فِيْ

عَهْدِهِ التَّشْكِيْلَاتُ نَوْعًا مَا. ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانُ فَأَقَرَّ نُظُمًا وَغَيَّرَ نُظُمًا وَاسْتَحْدَثَ مِثْلَ ذٰلِكَ. وَعَلِيٌّ يَرْقُبُ كُلَّ هٰذَا التَّطَوُّرِ النِّظَامِيِّ وَهُوَ مُتَّصِلٌ بِالشَّعْبِ يَرٰى مِقْدَارَ رِضَاهُ عَنْ هٰذِهِ التَّرْتِيْبَاتِ. فَاسْتَفَادَ مِنْ هٰذِهِ الْمُحَاوَلَاتِ الَّتِيْ مَرَّتْ بِهٖ إِلٰى مَا عِنْدَهٗ مِنْ فِطْرَةٍ قَضَائِيَّةٍ خَارِقَةٍ. وَبِذٰلِكَ اسْتَطَاعَ أَنْ يُطَابِقَ بَيْنَ أَمَانِي النَّاسِ وَبَيْنَ النُّظُمِ الَّتِيْ تَحْكُمُهُمْ وَأَنْ يُعْطِيَ أَيْضًا تَشْرِيْعَاتٍ إِصْلَاحِيَّةً تَتَّصِلُ بِالْاِجْتِمَاعِ وَالسِّيَاسَةِ وَالنِّظَامِ الْعَامِّ. فَإِذَا كَانَ النَّبِيُّ هُوَ الْمُشَرِّعَ الْقَانُوْنِيَّ. فَإِنَّ عَلِيًّا هُوَ الْمُشَرِّعُ النِّظَامِيُّ.

اور بڑے بڑے علمائے شریعت نے آپؑ کے قضایا و دستورات کو جمع کر کے کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ مثلاً ترمذی نے دو جلدوں میں کتاب "اقضیۂ علی علیہ السلام" لکھی اور علامہ ابن قیم جوزی نے کتاب "السیاستہ الشرعیہ" لکھی جو حضرتؑ کے قضایا سے بھری ہوئی ہے۔ یہ دلیل ہے اس امر پر کہ حضرت علی علیہ السلام علم نظام حکومت و قانون ریاست و احکام سلطنت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ خصوصاً ابوبکر و عمر کی حکومت کی پالیسی اور عثمان کی منظم و غیر منظم سلطنت کو آپؑ اچھی طرح ملاحظہ فرما چکے تھے۔ چونکہ آپؑ کو جمہور امت سے اتصال تھا اس لیے ان حکومتوں میں عوام کی رضا و عدم رضا کے اسباب کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے، اس لیے آپؑ نے سیاسی و معاشی حالات سے اچھی طرح مطلع ہو کر اپنے خداداد علم و مافوق العادۃ فطری قابلیت سے مفاد امت کے لیے ایک مکمل دستور لکھ دیا جو تدبیر حکومت و سلطنت و معاشرتی و سیاسی اصلاحات و ضروریات پر حاوی ہو۔ پس اگر پیغمبر اکرمؐ شارع شریعت اسلام ہیں تو پھر علی علیہ السلام قانون ساز حکومت اسلامی ہیں۔

فَعَهْدُ عَلِيٍّ إِلَى الْأَشْتَرِ النَّخَعِيِّ لَيْسَ فِيْهِ مَا يَدْعُوْنَا إِلَى الشَّكِّ فِيْهِ أَوِ اسْتِبْعَادِهٖ عَنْهُ. وَهُوَ أَوَّلُ دُسْتُوْرٍ حُكُوْمِيٍّ صَدَرَ كَمَرْسُوْمٍ فِي الْإِسْلَامِ. وَيَظْهَرُ مِنْ هٰذَا الْعَهْدِ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ يَرْمِيْ. فِيْ مُدَّةِ خِلَافَتِهٖ إِلٰى أَخْذِ الشَّعْبِ الْإِسْلَامِيِّ الَّذِيْ تَرَكَّبَ بِمَا شَمَلَ مِنَ الْأُمَمِ الْمُخْتَلِفَةِ بِعَمَلٍ تَشْيِيْدِيٍّ عَظِيْمٍ. وَكَانَ عَمَلًا مُوَفَّقًا جِدًّا وَنِظَامِيًّا جِدًّا. لِأَنَّهُ الطِّبُّ بِأَدْوَاءِ الْمُجْتَمَعَاتِ مِنَ النَّوَاحِي التَّشْرِيْعِيَّةِ. وَلٰكِنَّ الثَّوْرَةَ الدَّاخِلِيَّةَ الَّتِيْ أُثِيْرَتْ عَلَيْهِ وَدَارَتْ حَوْلَ شَخْصِهٖ. أَعْجَلَتْهُ وَأَوْقَفَتْ حَرَكَاتُهُ الْإِصْلَاحِيَّةُ الَّتِي ابْتَدَأَهَا بِحَزْمٍ وَشِدَّةٍ.

عہد نامہ مالک اشتر میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بیشک وہ امیر المومنین

علی علیہ السلام ہی کا خودنوشتہ سب سے پہلا اسلامی دستورحکومت ہے جوفرمان شاہی کی حیثیت سے ایک گورنر کے نام صادر کیا گیا۔ اس فرمان سے یہ بات اچھی طرح ظاہرہوتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے زمانۂ خلافت میں مختلف قوموں ونسلوں سے ترکیب پائی ہوئی امت اسلامیہ کی اصلاح وفلاح واستحکام کے لیے ایک زبردست اسکیم عمل میں لانا چاہتے تھے۔ حضرتؑ کا یہ معاشرتی وسیاسی پروگرام اجراء ہوتا تو بہت ہی مفید ہوتا۔ اس میں ملت کے ہر درد کا درماں تھا لیکن اندرونی شورش وبغاوت نے (حکیم ملت ومصلح اعظم کے) ان اصلاحات کے نفاذ کا موقع ہی نہ آنے دیا۔[1]

"عہدنامہ" کی سبکِ تحریرعلی علیہ السلام ہی کے اسلوب وطرز پر ہے

علاوہ ازیں عہدنامہ مالک اشتر کا اسلوب، انداز بیان، سبک تحریر وطرز عبارت خود اپنے مقام پر ایک زبردست ثبوت ہے کہ اس کا لکھنے والا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اسی بنا پر دکتور رفاعی اپنے "المقدمہ" میں اس کو نقل کرنے سے پہلے اس کی طرف ان الفاظ میں متوجہ کرتے ہیں:

وَاِلَیْكَ عَهْدُ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْاِمَامِ عَلِیٍّ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهٗ وَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ لِلْاَشْتَرِ النَّخْعِیِّ وَ اُرْجُوْا اَنْ تَذْكُرَ اُسْلُوْبَ عَلِیٍّ وَ اَثَرَهٗ۔

اور یہ تمہارے سامنے امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کا وہ عہد ہے جس کو حضرتؑ نے مالک اشتر کے لیے تحریر فرمایا تھا، امید ہے کہ تم اس سے حضرتؑ کے اسلوب وطرز کو معلوم کرلو گے۔[2]

صاحب حماۃ الاسلام علامہ مصطفٰی بک حنفی مصری اس عہدنامہ کو حضرتؑ ہی کا کلام سمجھتے ہیں

علامہ مصطفٰی بک نجیب حنفی مصری، حماۃ الاسلام میں لکھتے ہیں:

لَوْ اَصْلَحَتْ دَعْوَةً مِنَ النُّفُوْسِ فَاسِدَهَا وَ دَاوَتْ مَرَضَهَا لَكَانَ دَعْوَتُهٗ ﷺ فِیْ صَلَاحِ حَالِ الْمُسْلِمِیْنَ جَمِیْلَ الْاَثَرِ. وَلَوْ سَاعَدَ الدَّهْرُ لَارْتَقَتِ الْاُمَّةُ الْعَرَبِیَّةُ فِیْ عَهْدِهٖ حَتّٰی شَقَّتِ الْفُلْكَ بِارْتِقَائِهَا وَ نَافَسَتْ بِوَاسِطَتِهِ الْاُمَمَ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ وَ نَاهِیْكَ بِمَنْ جَمَعَتْ بَعْضَ حِكَمِهٖ. فَفَاقَتْ بِهَا الْاَسْفَارُ وَتُلِیَتْ بَعْضُ مُعْجِزَاتِ بَلَاغَتِهٖ. فَزَلْزَلَتْ

---

[1] تاریخ الحسین نقد وتحلیل، ص ۱۳۰ تا ۱۳۲، طبع بیروت۔

[2] المقدمہ، ص ۸۶، مطبعۃ المعارف مصر۔

عَلٰی لِیْنِهَا مَا اسْتَحْجَرَ مِنَ الْاَرْوَاحِ. اَیْ وِجْدَانٌ لَطِیْفٌ یُخَاطِبُ النَّاسَ بِمَا یُعِیْنُهُمْ وَیُنْعِشُهُمْ وَیَرْقٰی بِهِمْ بِسُلَّمِ الْبُرْهَانِ اِلَی الْکَمَالِ. تَتَعَلَّقُ بِالْاَفْکَارِ دُوْنَ الْاِتْیَانِ بِمِثْلِ عَهْدِهٖ رضی اللہ عنہ لِلْاَشْتَرِ النَّخْعِیِّ الَّذِیْ مَلَاَهٗ بِالْاَوَامِرِ الصَّادِعَةِ وَالزَّوَاجِرِ الرَّادِعَةِ. وَطَالَبَ النَّاسَ بِالطَّاعَةِ عَلَیْهِ وَحَمَلَهُمْ بِاتِّبَاعِ مَا فِیْهِ. هُوَ اَوَّلُ قَانُوْنٍ لِسَیْرِ الْعُمَّالِ فِی الْاُمَّةِ الْاِسْلَامِیَّةِ۔

اگر کوئی پیغام فسادِ نفس کی اصلاح اور اس کے مرض کا علاج بن سکتا ہے تو حضرتؑ کا پیغام (جو آپؑ کے خطب وکلام میں پایا جاتا ہے) مسلمانوں کے صلاح حال کے لیے بہترین عنوان سے اثر انداز ہوسکتا ہے۔ اگر کہیں زمانہ مساعد ہوتا تو حضرتؑ کے عہد میں قوم عرب انتہائے اوج تک ترقی کرتی اور اقوام عالم پر سبقت حاصل کر کے ہر امر میں تفاخر کرتی، کافی ہے تمہارے لیے یہ امر کہ جس نے حضرتؑ کے کثیر کلام میں سے بعض کلمات کو جمع کیا تو اس تدوین وجمع کے باعث یہ مجموعہ بڑے بڑے اسفار پر سبقت لے گیا اور جس پر پڑھ دیا گیا آپؑ کا کلامِ معجز نظام تو اس سے روحوں میں گداز اور پتھر ایسے دلوں میں نرمی پیدا ہوگئی۔ حضرتؑ کس باطنی اور روحانی طاقت سے لوگوں کو خطاب کر کے ان کو پستی سے بلندی کی طرف جانے میں اعانت کرتے، ان میں امنگ وولولہ پیدا کر کے دلائل وبرہان کی نردبان سے کمال کی بلندی پر پہنچا دیتے ہیں۔ آپؑ کے بے مثال حکیمانہ کلام کا تعلق تعقل وتدبر اور انسانی غور وفکر سے ہے، جیسا کہ آپؑ کا وہ عہد نامہ جو مالک اشتر کے نام ہے جو حیات انسانی میں کام آنے والے اور دلوں میں سمو جانے والے اور امر ونواہی کا گنجینہ ہے جس پر عامل اور کاربند ہونے کے لیے نوع انسانی کو دعوت دی گئی ہے۔ دراصل امت اسلامیہ میں کارگزاران حکومت کے لیے یہ سب سے پہلا دستور وقانون ہے۔ [1]

الاستاذ عمر ابوالنصر، بیروت یونیورسٹی

"حیات علی بن ابی طالب علیہ السلام" کی فصل سی ام (۳۰) میں بضمن آثار ادبی امیر المومنین علیہ السلام لکھتے ہیں:

خطب امیر المومنین علیہ السلام در برانگیختن مردم وتوصیف اطوار مختلفہ زندگانی آن عصر وہمچنین نامہ ہائے

---

[1] حماۃ الاسلام، ج ۱، ص ۱۳۵، طبع مصر۔

او بمعاویہ و دستور ادارہ کردن امور کشور بمالک اشتر از معجزات ادبی عرب محسوب می شود۔

امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے لوگوں میں عمل و فعلیت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور وہ خطبے آپؑ کے عہد کے مختلف طور و طریقے اور حالات زندگی کا آئینہ ہیں۔ اسی طرح آپؑ کے خطوط جو معاویہ کے نام ہیں اور وہ دستور جو اصلاح ملک و انتظام سلطنت کے لیے آپؑ نے مالک اشتر کو عطا کیا یہ سب کے سب معجزات ادب عربی میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

الاستاذ احمد حسن الزیات نے تاریخ الادب العربی میں لکھا ہے:

وَخُطَبُهُ فِی الْحِثِّ عَلَی الْجِهَادِ وَرَسَائِلُهُ اِلٰی مُعَاوِیَۃَ وَوَصْفُهُ الطَّاوُوْسَ وَالْخَفَّاشَ وَالدُّنْیَا وَعَهْدُهٗ لِلْاَشْتَرِ النَّخْعِیِّ اِنْ صَحَّ تُعَدُّ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ اللِّسَانِ الْعَرَبِیِّ وَبَدَائِعِ الْعَقْلِ الْبَشَرِیِّ۔

جہاد پر ابھارنے والے حضرتؑ کے خطبے اور آپؑ کے وہ مکتوب و رسائل جو معاویہ کے نام ہیں اور طاؤس، شپرہ چشم، دنیا کی صفت جس طرح سے آپؑ نے بیان فرمائی اور آپؑ کا وہ عہد جو مالک اشتر کے نام ہے شرط صحت کی بنا پر معجزات زبان عربی و بدائع عقل بشری میں شمار ہوتے ہیں۔[2]

الاستاذ العلامہ السید احمد الہاشمی بک المصری نے اپنی کتاب "جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب" میں اس عہد نامہ کو امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کی حیثیت سے قبول کر کے بہ تمام و کمال وارد کیا ہے۔[3]

مسیحی علماء و ادباء بھی عہد نامہ کا اعتراف کرتے ہیں

یہاں تک کہ غیر مسلم مسیحی ادباء بھی اس عہد کو امیر المومنین علیہ السلام کے آثار میں سمجھتے ہیں اور اس کی عظمت کے معترف ہیں، چنانچہ عبد المسیح الانطاکی مدیر جریدہ العمران مصر لکھتا ہے:

وَفِیْ هٰذَا الْعَهْدِ مِنْ ضُرُوْبِ السِّیَاسَةِ وَفُنُوْنِ الْحِکْمَةِ مِنْ سِیَاسَةِ الرَّعِیَّةِ مَا یَخْلُقُ بِهٖ اَنْ یَکْتُبَ بِهٖ عَلٰی اَلْوَاحِ الذَّهَبِ وَیُعَلَّقُ عَلٰی جُدْرَانِ دَوْرِ الْحُکَّامِ لِیَتَاَدَّبُوْا بِاَدَبِهٖ وَیَعْلَمُوْا بِهٖ لِتَسْعَدَ الرَّعِیَّةَ وَتُعَمِّرَ الْبِلَادَ وَهُوَ وَحْدُهٗ یُشْهِدُ لِسَیِّدِنَا اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ

[1] ترجمہ فارسی زندگانی علی بن ابی طالبؑ، عمر ابو النصر، ص ۲۵۰۔
[2] تاریخ الادب العربی، استاذ احمد حسن الزیات، ص ۱۰۱، طبع مصر۔
[3] جواہر الادب، الفصل الحادی عشر، علامہ السید ہاشمی بک، صفحات ۱۰۴، ۱۰۵، طبع مصر۔

بِاَنَّهٗ اَفْضَلُ مَنْ حَكَمَ النَّاسَ وَخَيْرُ مَنْ جَاءَ لِلْحُكْمِ بِالْقِسْطَاسِ وَاَحْكَمُ مَنْ سَطَرَ السِّيَاسَةَ الْحَكَمِيَّةَ عَلٰى صَفَحَاتِ الْقِرْطَاسِ۔

اس عہدنامہ میں اقسام سیاست، فنون حکمت اور وہ سیاست جس کا تعلق راعی ورعایا سے ہے سب کچھ موجود ہے یہ اس قابل ہے کہ سونے کی تختیوں پر لکھا جائے اور حکماء فلاسفہ کے مکانات میں آویزاں کیا جائے تاکہ اس سے وہ حکمت وادب حاصل کرتے رہیں اور اس سے علم حاصل کرکے رعایا کی مدد اور ملک کو آباد رکھ سکیں، صرف یہی ایک عہدنامہ اس ثبوت کے لیے کافی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام تمام ایسے لوگوں سے افضل ہیں جنھوں نے لوگوں پر حکومت کی اور تمام ان لوگوں سے بہتر ہیں جنھوں نے عدل کی بنیاد پر فرمانروائی کی اور ان سب سے برتر ہیں جنھوں نے سیاست حکمیہ کو ضبط تحریر کیا۔[1]

وہ علماء اہل سنت جنھوں نے عہدنامہ کی مستقل شرح کی

صرف یہی نہیں بلکہ بعض علماء نے عہد مالک اشتر کی مستقل شرحیں لکھی ہیں جو ان عمومی شروح کے علاوہ ہیں جو بضمن نہج البلاغہ کی گئی ہیں، ان مخصوص شرحوں میں علمائے اہل سنت کی یہ شرحیں خاص اہمیت رکھتی ہیں: شیخ محمد عبدہ کی شرح "مقتبس السیاسہ" جو ۱۳۱۷ھ میں مصر سے طبع ہوئی اور الاستاذ توفیق الفلکی کی شرح "الراعی والرعیۃ"۔

تدبیر مملکت وسیاست کے متعلق حضرتؑ کی دوسری تحریریں

امیر المومنین علیہ السلام کا صرف یہی ایک سیاسی "صحیفہ" نہیں ہے جس میں اصول جہانبانی کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ حضرتؑ نے جس قدر رسائل وفرامین اپنے گورنروں کو تحریر فرمائے ہیں وہ سب کے سب تدبیر مملکت وسیاست کی تعلیمات سے پُر ہیں۔ اسی قسم کا عہد حضرتؑ نے محمد بن ابی بکر کو بھی تحریر فرمایا تھا جس کو عمرو بن عاص نے محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کے بعد ان کے سامان سے حاصل کرلیا تھا اور اس کو معاویہ کے پاس بھیج دیا تھا۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اس واقعہ کو لکھا ہے، ملاحظہ ہو۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

اَنْ يَكُوْنَ الْكِتَابُ الَّذِىْ كَانَ مُعَاوِيَةُ يَنْظُرُ فِيْهِ وَ يَعْجِبُ مِنْهُ وَ يَفْتِىْ بِهٖ وَ يَقْضِىْ بِقَضَايَاهُ وَ اَحْكَامِهٖ وَ هُوَ عَهْدُ عَلِىٍّ علیہ السلام اِلَى الْاَشْتَرِ فَاِنَّهٗ نَسِيْجٌ وَحْدَهٗ وَ مِنْهُ تَعَلَّمَ

---

[1] القصیدۃ العلویہ، عبدالمسیح الانطاکی، ص ۳۷۹، مطبوع رعمیس فجالہ مصر۔

النَّاسُ الْاٰدَابَ وَ الْقَضَايَا وَ الْاَحْكَامَ وَ السِّيَاسَةَ وَ هٰذَا الْعَهْدُ صَارَ اِلٰى مُعَاوِيَةَ لَمَّا سَمَّ الْاَشْتَرَ وَ مَاتَ قَبْلَ وُصُوْلِهٖ اِلٰى مِصْرَ فَكَانَ يَنْظُرُ فِيْهِ وَ يَعْجِبُ مِنْهُ وَ حَقِيْقٌ مِثْلُهٗ اَنْ يَقْتَنٰى فِيْ خَزَائِنِ الْمُلُوْكِ۔

وہ کتاب جس کو معاویہ حیرت وعظمت کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا اور جس کے مطابق احکامات اور فیصلے صادر کرتا تھا اور فتوے دیتا تھا وہ امیر المومنین علیہ السلام کا وہ عہد نامہ ہے جس کو آپؑ نے اشتر نخعی کے لیے تحریر فرمایا تھا کیونکہ اس کا اسلوب وطرز ایک ہی ہے۔ دراصل حضرتؑ ہی سے لوگوں نے آداب سلطنت، قضایائے حکومت واحکام سیاست کی تعلیم حاصل کی ہے اور یہ عہد نامہ معاویہ کو اس وقت ملا ہے جبکہ اشتر نخعی کو مصر پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں زہر سے ہلاک کر دیا گیا ہے اور ان کے سامان سے یہ عہد نامہ لے کر معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا ہے۔ یہ عہد نامہ اس قابل ہے کہ سلاطین کے خزانوں میں اس کو محفوظ کر دیا جائے۔[1]

اس مقام پر ابن ابی الحدید کو دھوکہ ہو رہا ہے، اس لیے کہ جب مقام عریش میں معاویہ کی خفیہ سازش سے مالک اشتر کو زہر دیا گیا ہے تو اُن کا سامان لوٹا نہیں گیا وہاں تو معاویہ کا مقصود صرف یہ تھا کہ خفیہ طریقے سے علی علیہ السلام کے سپہ سالار کو زہر سے ختم کر دیا جائے تاکہ دنیا یہ سمجھے کہ وہ اپنی طبعی موت سے مرے، اس لیے ان کے سامان سے تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ اس سے افشائے راز کا خوف تھا۔ علاوہ ازیں عہد مالک اشتر ضائع نہیں ہوا بلکہ حضرتؑ کے صحابی اصبغ بن نباتہ مجاشعی کے پاس مدون ومحفوظ تھا[2] ہاں حضرتؑ کا وہ فرمان جو آپؑ کے اصحاب کے پاس محفوظ نہ رہا اور ضائع ہوا وہ وہی ہے جو آپؑ نے محمد بن ابی بکر کے نام لکھا تھا جس کے متعلق حضرتؑ نے محمد کی شہادت کے بعد ارشاد فرمایا تھا:

اِنِّیْ اِسْتَعْمَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِیْ بَکْرٍ عَلٰى مِصْرَ فَكَتَبَ اِلَيَّ اَنَّهٗ لَا عِلْمَ لِیْ بِالسُّنَّةِ فَكَتَبْتُ اِلَيْهِ كِتَابًا فِيْهِ اَدَبٌ وَ سُنَّةٌ فَقُتِلَ وَ اُخِذَ الْكِتَابُ۔

جب میں نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کیا تو انہوں نے مجھ کو لکھا کہ مجھ کو سنت (تعلیمات نبوی واسلامی طریق حکومت) کا علم نہیں ہے پس میں نے ان کو آداب حکومت وتعلیمات پیغمبرؐ کو لکھ بھیجا مگر دشمنوں نے ان کو قتل کر کے اس کتاب کو ضبط کر لیا۔[3]

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۸، طبع مصر۔
[2] منہج المقال۔
[3] ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۸۔

یہ محمد بن ابراہیم الثقفی کی روایت ہے جس کو کہ اس نے عبداللہ بن محمد المدائنی سے نقل کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فرمان وہ نہیں ہے جو مالک اشتر کے نام لکھا گیا تھا۔ دراصل جب محمد بن ابی بکر فسطاط مصر میں عمرو عاص کی فوج سے شکست کھا کر قتل کیے گئے تو ان کے سامان کو بھی دشمنوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جس میں حضرت کا یہ مکتوب بھی تھا جو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا تھا اور جس کے لیے معاویہ نے ولید بن عقبہ سے کہا تھا کہ میں لوگوں سے یہ کہوں گا کہ یہ ابوبکر صدیق کی تحریر ہے جو ان کے بیٹے محمد کے پاس تھی۔ امیرالمومنین علیہ السلام کو اس گرانقدر تحریر کے ضائع جانے کا افسوس بھی تھا جیسا کہ محمد بن ابراہیم الثقفی بیان کرتا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ عَلِيًّا عليه السلام اَنَّ ذٰلِكَ الْكِتَابَ صَارَ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اشْتَدَّ عَلَيْهِ حُزْنًا۔

جب حضرت کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کتاب معاویہ کے پاس پہنچ گئی تو آپ کو اس پر بہت افسوس ہوا۔[1]

تاریخ کی اس شہادت کے بعد اب معترض کا یہ اعتراض کیا وقعت رکھتا ہے کہ آپؑ نے مالک اشتر ہی کو ایسا دستور کیوں عطا فرمایا، محمد بن ابی بکر کو جبکہ وہ مصر کے گورنر تھے کیوں نہیں عطا کیا گیا تھا۔

رسالہ المقتطف کا فریب کہ ۸۵۸ھ کے بعد عہد نامہ مالک اشتر کا اضافہ ہوا

لیکن ان حقائق و دلائل کے بعد اسکول آف اورنٹیل اسٹیڈیز لندن یونیورسٹی کے پروفیسر خلوصی ایک متعصب مسیحی رسالہ "المقتطف" ماہ مارچ ۱۹۱۳ء مطابق ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ جلد ۴۲ پر ایمان لے آئے ہیں اور آپ اس کے صفحہ ۲۴۸ کو دلیل و حجت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں "عہد الامام علی وکتاب السلطان بایزید الثانی" کے زیر عنوان یہ لکھا گیا ہے کہ سلطان بایزید ثانی متوفی ۱۵۱۲ء کا نسخہ عہد نامۂ مالک اشتر جس کی کتابت ۸۵۸ھ ہے وہ بہت مختصر ہے بمقابلہ اس عہد نامہ مالک اشتر کے جو نہج البلاغہ میں درج ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ زیادتی ۸۵۸ھ سے زمانہ طبع نہج البلاغہ مطبوعہ مصر و بیروت ۱۳۰۷ھ کے درمیان واقع ہوئی۔ یہ دلیل ایسی ہے جس سے بچوں کو بھی ہنسی آئے کہ لندن یونیورسٹی کا پروفیسر اتنا سادہ لوح ہے لیکن ایک ہوشمند اس پر روئے گا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اس لیے کہ

گر ہمیں مکتب است و این ملا کار طفلاں خراب خواہد شد

---

[1] ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۸۔

سلطان بایزید ثانی سے تقریباً ساڑھے چارسو برس پہلے نہج البلاغہ کی تدوین ہوئی جس کے تمام نسخوں میں عہدنامہ موجود ہے

دنیا جانتی ہے کہ سیدرضی نہج البلاغہ کی تالیف سے رجب ۴۰۰ھ میں فارغ ہوئے ہیں جیسا کہ آخر کتاب میں سیدرضی نے خود اختتام سال تالیف کو درج فرمایا ہے، جو مطبوعہ ومخطوطہ نہج البلاغہ کے ہر نسخہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد علماء وادباء میں یہ کتاب برابر متداول ومشہور رہی، شارحین اس کی شرح کرتے رہے، اگر بعد میں زیادتی ہوتی تو کوئی شارح اس پر ضرور تنبیہ کرتا۔ نہج البلاغہ کے مخطوطات بھی بہ کثرت محفوظ وموجود ہیں۔[1] ۸۵۸ھ سے پہلے ۶۰۷ھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ نہج البلاغہ نجف میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک نادر مخطوط شہر موصل کے مدرسہ "حسن پاشا" میں ہے جو محلہ "رابعیہ" میں واقع ہے، یہ نسخہ ورق حریر پر قدیم رسم الخط میں نہایت خوشخط قلمی ہے جس کے حواشی مختلف رنگوں سے مزین ہیں، ان رنگوں میں لاجوردی رنگ کو خاص خصوصیت ہے جلد سیاہ ہے اور اس پر نقش ونگار بنائے گئے ہیں، خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ نسخہ دولت بنی عباس کے مشہور کاتب "یاقوت المستعصمی" کا لکھا ہوا ہے، کاتب نے ان الفاظ کے ساتھ اپنے نام کو لکھا ہے: "كَتَبَهُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ اِلٰى رَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰى يَاقُوْتُ بْنُ عَبْدِاللهِ الْكَاتِبُ النُّوْرِيُّ"۔ یہ امر ضرور قابل توجہ ہے کہ کاتب نے اپنی عادت کے مطابق اپنے کو "خلیفہ مستعصم باللہ العباسی" کی طرف منسوب نہیں کیا ہے بلکہ بجائے "مستعصمی" کے "نوری" لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے:

> قَدْ صَحَّ النَّقْلُ عَنْ بَعْضِ الثِّقَاةِ اِنَّ قُدْوَةَ الْكُتَّابِ يَاقُوْتُ الْمَنْسُوْبَ اِلَى الْمُسْتَعْصِمِ بِاللهِ اٰخِرُ الْخُلَفَاءِ الْعَبَّاسِيَّةِ بَعْدَ اَنْ قُتِلَ الْمُسْتَعْصِمُ لَمْ يُنْسَبْ نَفْسَهُ اِلَيْهِ حَذَرًا وَ اِحْتِيَاطًا بَلْ كَتَبَ بَدَلَ الْمُسْتَعْصِمِيُّ "النُّوْرِيُّ"۔ نِسْبَةُ اِرَادَتِهِ وَ اِرْتِبَاطِهِ اِلٰى اَبِي الْحَسَنِ النُّوْرِيِّ الَّذِيْ هُوَ مِنْ خُلَفَاءِ الْجُنَيْدِ الْبَغْدَادِيِّ قُدِّسَ سِرُّهٗ۔
>
> یاقوت المستعصمی نے خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل کے بعد بسبب خوف واحتیاط کے اپنے نام کے ساتھ مستعصمی لکھنا ترک کردیا تھا اور ابوالحسین النوری جو جنید بغدادی کے خلفاء میں سے تھے کے ساتھ ارادت وعقیدت رکھنے کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ نوری لکھنے لگا تھا۔[2]

---

[1] ایک نسخہ بغداد کے میوزیم میں ۵۶۵ھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ ایک نسخہ دکتر نصیری کے ذخیرہ میں ۷ صفر ۶۰۸ھ کا موجود ہے جس کا کاتب علی ابن طاہر ابن ابی اسعد ہے۔ ایک قدیمی نسخہ مکتبہ طلعت میں ۶۸۲ھ کا لکھا ہوا موجود ہے جس کا کاتب حسین بن محمد الحسنی ہے (مجلہ معہد مخطوطات العربیہ) مؤلف

[2] مخطوطات الموصل، تالیف دکتور داؤد الچلبی، الموصلی، ص ۱۲۸، ۱۲۹، طبع مطبع فرات بغداد ۱۳۴۶ھ۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ یاقوت نے صفر ۶۵۶ھ کے بعد اس نسخہ کی کتابت کی ہے[1] اس لیے کہ ۱۴ صفر ۶۵۶ھ کو مستعصم قتل ہوا ہے۔ ۶۷۴ھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ خطی بخط عرب کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے جس کی کتابت محمد بن حسین معروف بہ برھان نظامی کجی نے کی ہے جو علمائے اہلسنت سے ہیں، موصوف نے صرف کتابت ہی نہیں فرمائی ہے بلکہ حاشیہ، حل لغات اور تشریحات وافادات کا اضافہ بھی فرمایا ہے، جس کی حیثیت ایک مستقل شرح کی ہوگئی ہے، اس نسخہ میں از ورق ۱۰۱ تا ورق ۱۰۶ بہ تمام وکمال عہدنامہ مالک اشتر موجود ہے، ورق ۱۰۶ کے حاشیہ پر نفس عہدنامہ کے متعلق یہ افادہ فرمایا ہے:

فَائِدَةٌ: هٰذَا الْعَهْدُ كَانَتْ عَامَّةً شَايِعَةً لِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِنْ لَمْ يَكُنِ الْاَشْتَرُ عَمِلَ بِهٖ فَاِنَّهٗ تُوُفِّيَ بِهٖ عَنْ قَلِيْلٍ بَعْدَ ذٰلِكَ۔

یہ عہدنامہ تمام مسلمانوں میں عام طور سے رائج وشائع رہا ہے اگرچہ مالک اشتر اس پر عامل نہ ہوسکے کیونکہ صدور عہدنامہ کے بعد ہی ان کی وفات واقع ہوئی۔

ورق ۱۳۰ پر تاریخ کتابت ان لفظوں میں درج ہے:

وَقَعَ الْفَرَاغُ مِنْ نُسْخَةٍ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ الرَّابِعِ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ وَهُوَ يَوْمُ الْمُبَاهَلَةِ وَنِعْمَ مَا وَافَقَ اِتْمَامَ الْمُخْتَارِ كَلَامَ الْاِمَامِ الْمُقَدَّمِ لِلْمُنَاصَلَةِ وَالْمَدْعُوِّ لِلْمُبَاهَلَةِ يَوْمَ الْمُبَاهَلَةِ سَنَةَ اَرْبَعٍ وَسَبْعِيْنَ وَسِتَّمِائَةٍ هِجْرِيَّةٍ بِخَطِّ الْعَبْدِ الْمُذْنِبِ الضَّعِيْفِ وَ الْمُجْرِمِ النَّحِيْفِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ الْمَعْرُوْفِ بِبُرْهَانِ النِّظَامِيِّ الْكَجِيِّ حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا۔

اس نسخہ کی کتابت سے سہ شنبہ کے دن ۲۴ ذی الحجہ کو فارغ ہوا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ایسے امام کا منتخب کلام جو فصاحت وخطابت میں سب سے مقدم اور جو یوم مباہلہ (رسولؐ کے ہمراہ اہل کتاب کے مقابلہ میں) مباہلہ کے لیے طلب کیا گیا، روز مباہلہ ۶۷۴ھ میں اس کے کلام کی کتابت کو ختم کیا، بخط بندہ گنہگار وضعیف ومجرم ونحیف محمد بن حسین معروف بہ برہان نظامی کجی، حمد ہے خدا کی اور اس کے رسولؐ پر درود وسلام۔

اس سے قدیمی نسخہ جو ۵۱۰ھ کا لکھا ہوا ہے ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب کے کتب خانہ شہر لکھنؤ میں موجود ہے، جس کا خط بہت ہی پاکیزہ ہے۔ ایک دوسرا قدیمی مخطوط نہج البلاغہ جو ۵۳۸ھ کا تحریر کیا ہوا ہے[2] لیٹن لائبریری مسلم

---

[1] ایک نسخہ بخط یعقوب مستعصمی کا ذکر مجلہ معہد المخطوطات، مجلد ثالث، جزء اول، ص ۷ پر بھی ہے۔ مؤلف

[2] اس نسخہ کی ترقیمہ عبارت یہ ہے: وَ فَرَغَ مِنْ تَحْرِيْرِهِ الْفَقِيْرُ اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى الْعَبْدُ الْمُذْنِبُ عَلِيُّ بْنِ اَبِي الْقَاسِمِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَاجِّ فِي الْمُنْتَصِفِ مِنْ شَعْبَانَ عَظَّمَ اللّٰهُ مِنْ بَرَكَاتِهٖ مِنْ شُهُوْرِ سَنَةِ ثَمَانٍ وَ ثَلٰثِيْنَ وَ خَمْسِمِائَةِ الْهِجْرِيَّةِ السَّنَةِ الَّذِيْ حَجَّ فِيْهِ الْكَاتِبُ۔

یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے جو بضمن کتب ادب نمبر ۴ پر محفوظ ہے، لیکن ان میں سب سے قدیم ترین نسخہ کو میں نے ۲۹ ستمبر ۱۹۴۵ء مطابق ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ یوم دوشنبہ کو طہران میں ڈاکٹر سید صدرالدین نصیری کے محفوظات مخطوطات میں دیکھا ہے یہ نسخہ ۴۹۴ھ کا لکھا ہوا ہے جو علامہ سید رضی متوفی ۴۰۶ھ کے انتقال کے ۸۸ سال بعد کا تحریر کردہ ہے، اس کے کاتب نے اپنے نام اور سال کتابت کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

فَرَغَ مِنْ كِتَابَتِهٖ فَضْلُ اللهِ بْنُ طَاهِرِ بْنِ مُطَهَّرِ الْحُسَيْنِيُّ فِي الرَّابِعِ مِنْ رَجَبٍ سَنَةَ اَرْبَعٍ وَ تِسْعِيْنَ وَ اَرْبَعِمِائَةٍ۔

اس کی کتابت سے فضل اللہ بن طاہر بن مطہر حسینی نے چوتھی ماہ رجب ۴۹۴ھ میں فراغت حاصل کی۔[1]

اس نسخہ پر الاستاذ الامام ابویوسف بن احمد نے اپنے خط سے یہ اشعار لکھے ہیں:

نَهْجُ الْبَلَاغَةِ نَهْجٌ مَهْيَعٌ جُدَدٌ ... لِمَنْ يُرِيدُ عُلُوًّا مَالَهٗ اَمَدٌ

يَا عَادِلًا عَنْهُ تَبْغِيْ بِالْهَوٰى رَشَدًا ... اِعْدِلْ اِلَيْهِ فَفِيْهِ الْخَيْرُ وَالرَّشَدُ

وَاللهِ وَاللهِ اِنَّ التَّارِكِيْهِ عَمُوْا ... عَنْ شَافِيَاتٍ عِظَاتٍ كُلُّهَا سَدَدُ

كَاَنَّهَا الْعِقْدُ مَنْظُوْمًا جَوَاهِرُهَا ... صَلّٰى عَلٰى نَاظِمِيْهَا رَبُّنَا الصَّمَدُ

مَا حَالُهُمْ دُوْنَهَا اِنْ كُنْتَ تُنْصِفُنِيْ ... اِلَّا الْعُنُوْدُ وَاِلَّا الْبَغْيُ وَالْحَسَدُ

اس کے بعد علامہ مذکور کے خلف الصدق الاستاذ الامام ابوبکر الحسن بن یعقوب نے یہ اشعار لکھے ہیں:

نَهْجُ الْبَلَاغَةِ دُرْجٌ ضِمْنُهٗ دُرَرٌ۔ ... نَهْجُ الْبَلَاغَةِ رَوْضٌ جَادَهٗ دِرَرٌ

نَهْجُ الْبَلَاغَةِ وَشْيٌ حَاكَهٗ صَنَعٌ ... مِنْ دُوْنِ مَوْشِيَّةِ الدِّيْبَاجِ وَالْحِبَرُ

اَوْ جُوْنَةٌ مُلِئَتْ عِطْرًا اِذَا فُتِحَتْ ... خَيْشُوْمُنَا فَغَمَتْ رِيْحٌ لَهَا ذَفَرُ

صَدَقْتُكُمْ سَادَتِيْ وَ الصِّدْقُ مِنْ عَادَتِنَا ... وَ اِنَّهٗ خَصْلَةٌ مَا عَابَهَا بَشَرٌ

صَلَّى الْاِلٰهُ عَلٰى بَحْرٍ عَوَارِبُهٗ ... رَمَتْ بِهٖ نَحْوَنَا مَا لَا لَا الْقَمَرُ

ان تمام نسخوں میں عہد مالک اشتر بغیر کسی فرق کے موجود ہے جو مطبوعہ نسخہ میں پایا جاتا ہے۔ پروفیسر خلوصی مزید "مطالعہ" کے لیے یونیورسٹی سے رخصت لے کر ان مقامات پر جائیں وملاحظہ کریں، اس مطالعہ میں آپ کو علامہ عبدالحسین احمد الامینی النجفی سے بھی کافی مدد ملے گی جن کی کتاب الغدیر کو دیکھ کر آپ اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ "اِنَّ

---

[1] اس قدیمی مخطوطہ کا ذکر مجلہ معہد المخطوطات العربیۃ کے مجلد سوم جزء اول ص ۷۳ پر بھی موجود ہے۔ مجلد سوم جزء اول ماہ شوال ۱۹۵۷ء، ۱۳۸۷ھ

قَضِيَّةَ الْغَدِيْرِ لَا شَكَّ فِيْ صِحَّتِهَا"۔[1] نہج البلاغہ کے قدیمی مخطوطات کو ملاحظہ فرمانے کے علاوہ اگر اس کی شروح پر نظر فرمایئے تو اس وقت بھی مسئلہ صاف ہوجاتا ہے۔

شرح ابن ابی الحدید عبدالحمید المتوفی ۶۵۵ھ اور شرح علامہ ابن میثم المتوفی ۶۷۹ھ ملاحظہ فرمایئے ان شروح کے مخطوطات ومطبوعات میں آپ دیکھیں گے کہ نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت ومصر میں جو عہد نامہ مالک اشتر ہے بعینہ وہی ان شرحوں میں بھی بغیر کسی فرق کے پایا جاتا ہے۔ نسخہ سلطان بایزید دوم تو ۸۵۸ھ کا لکھا ہوا ہے بقول "المقتطف" جب ۸۵۸ھ کے بعد سے اضافہ کیا گیا تو ان قدیمی نسخوں میں کیونکر اضافہ ہوگیا، بایزید ثانی کے نسخہ کو دیکھ کر یہ خیالی عمارت قائم کرنا کہ اگر اس سے قدیمی کوئی اور نسخہ عہد مالک اشتر کا ملے تو وہ اس سے بھی مختصر ہوگا، یہاں تک کہ آخری نسخہ چند سطروں کا رہ جائے گا کس قدر مضحک ہے۔ بایزید ثانی والا نسخہ تو ۸۵۸ھ کا لکھا ہوا ہے، لیجیے نہج البلاغہ جس کا سال تالیف ۴۰۰ھ ہے میں اس سے بھی قدیم کتاب میں وہی عہد نامہ مالک اشتر جو نہج البلاغہ میں ہے اسی اطناب وتنوع مضامین کے ساتھ دکھلا دوں، چنانچہ محمد بن حسن بن علی بن شعبۃ الحلبی المتوفی ۳۳۲ھ نے اسی شرح وبسط کے ساتھ عہد نامہ مالک اشتر کو اپنی کتاب تحف العقول میں وارد فرمایا ہے۔ تحف العقول کے مخطوطات عراق وایران وہندوستان کے کتاب خانوں میں موجود ہیں اس کے علاوہ یہ کتاب عرصہ ہوا ایران میں طبع بھی ہوچکی ہے۔

سلطان بایزید دوم کا نسخہ عہد نامہ مالک اشتر اصل عہد نامہ کا خلاصہ ہے جس کو کسی صوفی نے کیا ہے

آخر اس امر کو تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے کہ سلطان بایزید دوم والا نسخہ جس کو ۸۵۸ھ میں "محمد نامی کاتب" نے لکھا ہے، وہ نہج البلاغہ یا تحف العقول سے اخذ کیا ہوا ہے۔ دراصل معلوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص نے جو مذاق تصوف رکھتا تھا اس نے عہد مالک اشتر کا خلاصہ کیا ہے، اپنے مذاق تصوف کی بنا پر جن چیزوں کو وہ ضروری سمجھتا تھا اس نے ایک سلسلہ سے نقل کیا اور بقیہ مضامین کو حذف کردیا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی نسخہ کے پہلے صفحہ پر پیشانی کے اوپر اصل عبارت کو شروع کرنے سے پہلے یہ لکھا ہوا ہے:

كِتَابُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ اِلٰى مَالِكِ بْنِ الْاَشْتَرِ فِي النَّصِيْحَةِ مِنْ قِبَلِ التَّصَوُّفِ۔

مکتوب امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بنام مالک اشتر مشتمل بمضامین تصوف ونصائح

اب بتایئے کیا عہد مالک اشتر کا موضوع تصوف ہے؟ یہ تو احکام سلطنت وتدبیر مملکت کا ایک دستور ہے۔ بات یہ

[1] الغدیر، ج ۵، دیباچہ، ص و، ھ۔

ہے کہ خود سلطان بایزید بن محمد خان کا مذاق بھی تصوف کا تھا اور مشہور صوفی محمد الاسکلیبی متوفی ۹۲۰ھ کا مرید تھا، سلطان بایزید کی ارادت کی وجہ سے صوفی "شیخ السلطان" کے لقب سے مشہور تھا اور سلطان بہت زیادہ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔[۱]

سلطان بایزید ۸۸۶ھ میں تخت پر بیٹھا ہے، سلطان کو اپنے پیر سے عقیدت ولی عہدی ہی کے زمانہ سے تھی جبکہ وہ اماسیہ کا حاکم تھا، کیا تعجب ہے کہ یہ نسخہ خود ان کے پیر کا عطیہ ہو اور خود ان کے پیر ہی کا لکھا ہوا ہو، کیونکہ لکھنے والے نے صرف آخر میں یہی لکھا ہے "محمد الکاتب" اور اسی وجہ سے سلطان اس نسخہ کو متبرک و پیر کا عطیہ سمجھ کر اپنے پاس رکھتا ہو۔

خلوصی صاحب کو ایک مشورہ

خلوصی صاحب کو اگر صرف مابعد کے ایک مختصر و موجز نسخہ کے وجود سے یونہی استدلال کرنے کی عادت ہے تو میں موصوف کے مذاق طبع کو ملحوظ کر کے اس طرف متوجہ کردوں کہ کسی موقع پر اس پر بھی قلم اٹھایئے اور یونہی رائے قائم فرمایئے:

Rev. Alphonse Mingana, D. D. Agens Smith Lewis
D.D.L.L.D.Litt.
D.P.H.D.

ریونڈر الفانسو میگنا، ڈی، ڈی
اگینس اسمتھ لویس، ڈی، ال، ال ڈی لٹریچر ڈی، پی، ایچ، ڈی

اساتذۂ ادبیات عربی والسنہ سامیہ نے سورہائے اعراف، توبہ، ہود، الرعد، ابراہیم، الحجر، النحل، الاسریٰ، النور، القصص، العنکبوت، المومن، فصلت، الدخان، الجاثیہ کے اجزاء بعنوان ''نَبَذٌ ثَمِینَةٌ وَقَدِیمَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ الشَّرِیفِ'' شائع کیا ہے، متذکرہ بالا سوروں کے یہ اجزاء ایسے تین قدیمی قرآن سے تعلق رکھتے ہیں جو مصحف عثمانی کی تدوین سے پہلے مدون ہوئے تھے، اس کے علاوہ ان قدیمی صفحات قرآن کے عکس (فوٹو) بھی دیے گئے ہیں، یہ سورے خط کوفی میں ہیں ان سوروں میں اور مصحف عثمانی میں جو سورے درج ہیں اختلاف ہے، تفصیل کے لیے اصل کتاب ملاحظہ ہو اس کا نام یہ ہے:

Leaves from three ancient Qurans, Possibly pre-othmanic
with a list of their variants.

یہ کتاب ۱۹۱۴ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شائع ہوئی ہے۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ اس مخطوط قرآن کو بھی ملاحظہ

---

[۱] الشقائق النعمانیہ برحاشیہ وفیات الاعیان، ج ۱، ص ۳۸۳، طبع مصر۔

کیجیے جو ہندوستان کے مشہور اورنٹیل لائبریری بانکی پور پٹنہ میں ہے، اس قرآن کا نمبر ۱۲۰۴ ہے۔اس قرآن کی ترتیب عثمانی ترتیب کے مطابق نہیں ہے، بلکہ تنزیل کے اعتبار سے سوروں کی ترتیب یوں ہے:

فاتحہ، علق، قلم، مزمل، مدثر، ابی لہب، تکویر، الاعلیٰ، اللیل، الفجر، الضحیٰ، انشراح، العصر، العادیات، الکوثر، التکاثر، الماعون، الکافرون، الفیل، الفلق، الناس، الاخلاص، النجم، عبس، القدر، الشمس، البروج، التین، قریش، قارعہ، القیٰمۃ، الہمزۃ، المرسلات، ق، البلد، الطارق، القمر، ص، الاعراف، الجن، یٰسین، فرقان، الملئکۃ، مریم، طٰہ، ہود، یوسف، حجر، انعام، صافات، لقمان، السبا، الزمر، المومن، السجدہ، الشوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، ذاریات، انبیاء، غاشیہ، کہف، نحل، نوح، ابراہیم، مومنون، الم سجدہ، طور، ملک، الحاقہ، معارج، النباء، النازعات، انشقاق، انفطار، محمد، رعد، رحمن، ہل اتی، طلاق، بینہ، حشر، نصر، نور، حج، منافقین، مجادلہ، حجرات، تحریم، الصف، جمعہ، التغابن، الفتح، التوبہ، المائدۃ، النورین، الولایۃ۔

خاص خصوصیت یہ ہے کہ سب کے آخر میں دو سورے "سورۃ النورین" اور "سورۃ الولایۃ" زیادہ ہے جس میں اہل بیت کا تذکرہ اور حضرت علیؑ کی خلافت کا ذکر نام کے ساتھ ہے۔

Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Oriental Public Library at Bankipore Patna India vol XVIII, Quranic Science part 1 by

مولوی معین الدین ندوی طبع بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۴۳ نمبر قرآن ۱۲۰۴

متذکرہ مخطوطات قرآن کے بعد کیا پروفیسر خلوصی اسلامک ریویو لندن میں ایک مضمون اس موضوع پر لکھنے کے لیے تیار ہیں کہ موجودہ و متداول مصحف عثمان ناقص، محرف اور مشکوک ہے، کیونکہ جو ثبوت آپ نے عہد مالک اشتر کے سلسلہ میں دیا ہے اس سے زیادہ قوی دلائل آپ کو یہاں مل جائیں گے اور مزید ثبوت محدثین صحاح ستہ اور مفسرین و مورخین اہلسنت کے یہاں سے آپ کو فراہم ہو جائے گا۔

خلوصی صاحب کا ایک ضمنی شبہ کہ علی علیہ السلام کے عہد میں کاغذ کا وجود نہ تھا

خلوصی صاحب نے اپنے سلسلہ کلام میں ایک شبہ یہ بھی وارد کیا ہے کہ اوائل اسلام میں عرب میں کاغذ کا وجود نہ تھا بلکہ ۷۰۴ء مطابق ۸۵ھ میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے کاغذ کا استعمال کیا، اس لیے حضرت علی علیہ السلام اپنے اس طول طویل عہد کو جو مالک اشتر کے نام ہے کیونکر لکھ سکتے تھے۔

جواب

پروفیسر خلوصی کے اس شبہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف قرآن، حدیث، تاریخ اسلام ان سب سے بے خبر ہیں۔ اگر موصوف کا مطالعہ وسیع ہوتا تو یہ اشتباہ نہ وارد کرتے۔ قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت عربوں میں ایسی چیزیں موجود تھیں جن پر وہ لکھا کرتے تھے۔ سورۂ بقرہ کی ۲۸۲ آیت ملاحظہ ہو:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾۔

اے ایماندارو! جب ایک میعاد مقرر تک کے لیے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اس معاملہ کو لکھ لیا کرو۔[1]

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ کے عہد میں لکھنے پڑھنے سے لوگ واقف تھے اور از قسم کاغذ ایسی چیزیں موجود تھیں جن پر لکھا جاتا تھا، اگر ایسا نہ ہوتو یہ حکم مہمل ہوجائے گا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اس حکم کی پابندی ایک مختصر یادداشت سے ہوسکتی ہے اور ایسی یادداشت کسی چیز پر بھی تحریر ہوسکتی ہے، یہ ایراد تو طویل عبارات سے متعلق ہے۔ قرآن اس شبہ کو بھی یوں دفع کرتا ہے:

﴿وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾۔

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اگلوں کے قصے ہیں جس کو آنحضرتؐ نے لکھوادیا اور صبح وشام لوگ آپ سے لکھتے اور پھر سناتے ہیں۔[2]

کیا اس آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اس عہد میں کوئی ایسی چیز موجود تھی جس پر قرآن ایسی ضخیم کتاب جس میں سورہ بقرہ کا سا طولانی سورہ بھی موجود ہو تحریر کیا جاسکتا تھا، جبھی تو کفار یہ طنز کرتے تھے؟ رہا یہ امر کہ آخر وہ کون سی چیزیں تھیں جس پر وہ لکھا کرتے تھے، قرآن نے اس میں سے ایک شے کو بتلایا ہے، جس کو وہ قرطاس (PAPER) کہتے تھے۔

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ﴾۔

اے رسول اگر ہم قرطاس (کاغذ) پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کرتے۔[3]

دوسری جگہ ہے ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ﴾۔ جسے تم متفرق کاغذوں کی شکل میں رکھتے ہو۔[4]

---

[1] سورۂ بقرہ، آیہ ۲۸۲۔

[2] سورۂ فرقان، آیہ ۵۔

[3] سورہ انعام، آیہ ۷۔

[4] سورۂ انعام، آیہ ۹۱۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت عرب میں "قرطاس" کا وجود تھا جس پر لکھا جاتا تھا۔ قرآن میں خصوصیت کے ساتھ قرطاس کا ذکر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جن چیزوں پر لکھا جاتا تھا ان میں قرطاس کا استعمال عام تھا جس سے عرب اچھی طرح سے واقف تھے۔ قرطاس ہے کیا؟ اس کے لیے لغات ملاحظہ کیجیے:

"اَلْقِرْطَاسُ: مَا يُكْتَبُ فِيْهِ"۔[1] "اَلْقِرْطَاسُ: اَلصَّحِيْفَةُ الَّتِيْ يُكْتَبُ فِيْهَا"۔[2] "اَلْقِرْطَاسُ: اَلْكَاغَذُ۔۔۔ وَالصَّحِيْفَةُ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ كَانَتْ"۔[3] "اَلصَّحِيْفَةُ الَّتِيْ يُكْتَبُ فِيْهَا. اَلصَّحِيْفَةُ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ كَانَتْ"۔[4] اس سے یہ معلوم ہوا کہ اہل عرب کے نزدیک جس پر لکھا جائے خواہ وہ کاغذ ہو یا کپڑا یا چمڑا یا کوئی اور چیز جس پر وہ لکھ سکیں اس کو وہ قرطاس کہتے تھے، چنانچہ اوائل عرب مندرجہ ذیل چیزوں پر لکھا کرتے تھے:

"عَسِيْبٌ" (کھجور کی شاخ) "لَخِفَةٌ" (پتھر کی پتلی تختیاں یعنی سلیٹ) "كَتِفٌ" (اونٹ یا بکری وغیرہ کے شانے کی چوڑی ہڈیاں) "قَتِبٌ" (پالان کی لکڑی) "رَقٌّ" (باریک کھال، جھلی) "مُهْرَقٌ" (سفید ریشمی کپڑا جس کو لکھنے کے لیے درست کرتے تھے)، لیکن ان سب چیزوں میں زیادہ تر لوگ رق یا مہرق پر لکھا کرتے تھے، عموماً یہی دو چیزیں لکھنے کے کام میں آتی تھیں، "رق" ایسی باریک کھال اور چمڑے کو کہتے ہیں جو کاغذ کی طرح بنائی جاتی تھی۔ یہ لفظ قرآن میں بھی اسی معنوں میں آیا ہے، "لسان العرب" میں ہے:

﴿اَلرَّقُّ بِالْفَتْحِ: مَا يُكْتَبُ فِيْهِ وَهُوَ جِلْدٌ رَقِيْقٌ. وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى: فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ۔﴾
رق زبر کے ساتھ، جس پر لکھا جائے اور یہ باریک کھال ہوتی تھی اور اسی معنی میں قرآن میں ہے
﴿وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ﴾ وہ کتاب جو کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔[5]

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وَكَانَتِ السِّجِلَّاتُ اَوَّلًا لِانْتِسَاخِ الْعُلُوْمِ وَكُتُبِ الرَّسَائِلِ السُّلْطَانِيَّةِ وَالْاِقْطَاعَاتِ وَالصُّكُوْكِ فِي الرُّقُوْقِ الْمُهَيَّاَةِ بِالصِّنَاعَةِ مِنَ الْجِلْدِ. لِكَثْرَةِ الرَّفْهِ وَقِلَّةِ التَّاْلِيْفِ صَدْرَ الْمِلَّةِ كَمَا نَذْكُرُهٗ. وَقِلَّةِ الرَّسَائِلِ السُّلْطَانِيَّةِ وَالصُّكُوْكِ مَعَ ذٰلِكَ. فَاقْتَصَرُوْا عَلَى الْكِتَابِ فِي الرَّقِّ تَشْرِيْفًا لِلْمَكْتُوْبَاتِ وَمَيْلًا بِهَا اِلَى الصِّحَّةِ وَالْاِتْقَانِ۔

---

[1] مصباح المنیر۔
[2] اقرب الموارد۔
[3] قاموس۔
[4] المنجد۔
[5] لسان العرب، لفظ رق۔ سورۂ طور، آیہ ۲۔ ۳۔

اوائل اسلام میں اہم تحریریں، دستاویزات، فیصلے، فرمان شاہی اور علوم وغیرہ کو باریک کھال پر لکھتے تھے اور یہ کھال خاص اسی کام کے لیے تیار رکھی جاتی تھی کیونکہ اس وقت تالیف وتصنیف زیادہ نہ تھی اس لیے متذکرہ بالا چیزوں کی اہمیت ووقعت کی وجہ سے اس کی صحت وحفاظت کے لیے ایسی کھال پر تحریر کرتے تھے۔[1]

"مہرق" اس سفید ریشمی کپڑے کو کہتے تھے جس پر گوندلیس کر خوب گھوٹتے اور چکنا کر لیتے تھے یہاں تک کہ وہ لکھنے کے قابل ہو جاتا تھا۔ "لسان العرب" میں ہے:

اَلْمُهْرَقُ: اَلصَّحِيْفَةُ الْبَيْضَاءُ يُكْتَبُ فِيْهَا. وَقِيْلَ اَلْمُهْرَقُ ثَوْبُ حَرِيْرٍ اَبْيَضِ يُسْقَى الصَّمْغَ وَيُصَقَّلُ ثُمَّ يُكْتَبُ فِيْهِ۔

مہرق سفید رنگ کا صحیفہ جس پر لکھا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ سفید ریشمی کپڑا ہے جس کو گوند پلا کر خوب صیقل کرنے کے بعد لکھنے کے کام میں استعمال کرتے تھے۔

فاضل نوفل مسیحی "صناجۃ الطرب" میں لکھتا ہے:

قَالَ الزَّوْزَنِيُّ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَأْخُذُوْنَ الْخِرْقَةَ وَ يَطْلُوْنَهَا بِشَيْءٍ ثُمَّ يُصَقِّلُوْنَهَا وَيَكْتُبُوْنَ عَلَيْهَا وَ يُسَمُّوْنَهَا الْمُهْرَقَ۔

زوزنی نے کہا ہے کہ اہل عرب پہلے ایسے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھا کرتے تھے جسے وہ روغن دے کر گھوٹتے اور چکنا کر لیتے تھے اس کو وہ "مہرق" کہتے تھے۔

"قرطاس" عموماً عرب میں پایا جاتا تھا، اسی بنا پر آنحضرتؐ نے مرض الموت میں اپنی ایسی وصیت تحریر فرمانے کے لیے جس کے بعد آپؐ کی امت گمراہ نہ ہو سکے اصحاب سے اس کو طلب فرمایا تھا۔ علامہ محمد عبدالکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ کتاب "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں:

فَاَوَّلُ تَنَازُعٍ وَقَعَ فِيْ مَرَضِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيْمَا رَوَاهُ الْاِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيُّ بِاِسْنَادِهٖ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ مَرَضُهُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ قَالَ: اِئْتُوْنِيْ بِدَوَاةٍ وَقِرْطَاسٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدِيْ۔ فَقَالَ عُمَرُ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجَعُ. حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ وَكَثُرَ اللَّغَطُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: قُوْمُوْا عَنِّيْ. لَا يَنْبَغِيْ عِنْدِيْ التَّنَازُعُ۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص ۴۶۲، طبع مصر۔

پہلا جھگڑا، جو حالت مرض رسولؐ میں خود آنحضرتؐ کے سامنے ہوا وہ یہ تھا جس کو بخاری نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض کی شدت ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، قرطاس (کاغذ) و دوات لاؤ میں تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوسکو، عمر نے کہا (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہے (اس لیے حواس درست نہیں ہے) ہمارے لیے بس قرآن کافی ہے اس پر آپس میں بحث ہونے لگی تو حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میرے پاس تم کو شور و شغب اور جھگڑا کرنا درست نہیں ہے۔[1]

یہ حدیث عالم اسلام میں "حدیث قرطاس" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرطاس عام طور سے پایا جاتا تھا، جبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو طلب فرماتے ہیں، اصحاب میں سے بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ قرطاس (کاغذ) کا وجود ہمارے یہاں کہاں ہے، یہ تو ملتا ہی نہیں کہاں سے لائیں، بلکہ اس تحریری وصیت رسولؐ سے یہ کہہ کر انکار کیا جاتا ہے کہ اس وصیت نامہ کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔ بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر تھے ان میں سے بعض یہ کہتے تھے:

مِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ. وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ مَا قَالَ عُمَرُ۔

ان چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دو تا کہ حضرتؐ ایسی تحریر لکھ دیں کہ جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوسکو۔ لیکن ان میں سے بعض ایسے لوگ تھے جو عمر کی طرح یہی کہہ رہے تھے کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہے۔[2]

اس حدیث کو محمد بن اسمٰعیل البخاری نے اپنی کتاب الصحیح میں سات مقامات پر وارد کیا ہے۔

بہرحال عربوں میں قرطاس کا وجود عام طور سے تھا جس پر وہ لکھا کرتے تھے، اسی بنا پر توریت و انجیل کے نسخے عربوں کے درمیان موجود تھے۔ مشہور قصائد سبعہ معلقہ کو لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا۔[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد حضرت عبدالمطلبؑ نے ایک دستاویز تحریر فرمائی تھی جس کو مامون عباسی نے اپنے "متحف" (میوزیم، بیت الحکمت) میں آثار قدیمہ کی حیثیت سے محفوظ کیا تھا۔[4] یہ تحریر ساتویں صدی ہجری تک محفوظ رہی جس کو علامہ ابن ابی صبیعہ مصنف عیون الانباء فی

---

[1] الملل والنحل، ص ۹، طبع بمبئی۔
[2] صحیح بخاری، ج ۴، باب قول المریض قوموا عنی، ص ۵، طبع میمنہ مصر۔
[3] صناجۃ الطرب، ص ۹۷۔
[4] دائرۃ المعارف القرون الرابع عشر، علامہ فرید وجدی، ج ۹، ص ۶۷، طبع مصر۔

طبقات الاطباء نے بھی بہ چشم خود دیکھا تھا۔ کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف صحیفہ ملعونہ میں ایک معاہدہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکایا۔[۱] حدیبیہ میں آنحضرتؐ و کفار مکہ کے درمیان صلح نامہ لکھا گیا اور خود آنحضرتؐ نے مختلف خطوط، معاہدے، فرامین لکھوائے جس کا تذکرہ تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ صاحب مفتاح الافکار نے آپؐ کے خطوط سے چھتیس خطوط نقل کئے اور آپؐ کے تمام معاہدات کو دکتور محمد حمید اللہ نے "مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العھد النبوی" کے نام سے قاہرہ سے شائع کیا ہے۔

صحاح ودیگر کتب اہلسنت سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے زمانہ رسولؐ میں قرآن مجید اور ایک ایسے صحیفے کو جس میں احادیث واحکام تھے تحریر فرمایا تھا۔[۲] کتب اہلسنت اس کی بھی شہادت دیتی ہیں کہ خلیفہ اول ابوبکر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قرآن لکھوایا۔ بی بی عائشہ کے پاس بھی قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔[۳] عبداللہ بن عمرو بی بی حفصہ بنت عمر کے پاس بھی تھا۔[۴] رسول خداؐ نے کچھ مصاحف لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمایا تمہیں یہ فریب نہ دیں خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے قرآن یاد ہو۔[۵] حنظلہ کہتے ہیں کہ میں طاؤس کے ہمراہ اس قوم پر گذرا جو قرآنوں کو بیچتے تھے اس پر طاؤس نے انا للہ پڑھا۔[۶] خلیفہ عمر کے پاس بھی قرآن تھا۔[۷] ناجیۃ الطفاوی صحابی کا یہی کام تھا کہ وہ مصحف لکھا کریں۔[۸] ایک شخص نے قرآن میں آیات کے ساتھ اس کی تفسیر لکھی، خلیفہ دوم عمر نے اس کو ضائع کرا دیا۔ عقبہ بن عامر صحابی کا لکھا ہوا قرآن ابن یونس نے مصر میں دیکھا۔[۹] عبداللہ بن مسعود نے ایک مصحف مطلا دیکھا تو کہا قرآن کی بہتر زینت تلاوت ہے۔[۱۰] امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا مصحف کو باریک قلم سے لکھ کر چھوٹا نہ کرو۔[۱۱] عبداللہ بن نافع سے ام المومنین بی بی ام سلمہ نے قرآن لکھوایا۔[۱۲] خلافت دوم میں ابودرداء صحابی کے ہمراہ خلیفہ عمر کے

---

[۱] سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۱۵، طبع مصر۔

[۲] الصحیح البخاری، باب کتابۃ العلم، کتاب الجہاد باب فکاک الاسیر، کتاب الدیات باب العاقلہ، باب لایقتل المسلم بکافر، کتاب الفرائض باب اثم من تبرا عن موالیہ، کتاب الاعتصام بالکتاب السنۃ، باب مایکرہ من التعمق والتنازع، کتاب فرض الخمس۔ الصحیح المسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ وغیرذلک۔ فتح الباری۔ عمدۃ القاری۔ مشکوۃ۔ مرقات۔ اشعۃ اللمعات۔ صواعق المحرقہ۔

[۳] الصحیح البخاری کتاب الاذان وفضائل القرآن۔

[۴] طبقات ابن سعد، قسم دوم، ج ۴، ص ۱۱ وقسم دوم، ج ۵، ص ۲۲۔

[۵] کنز العمال، ج ۱، ص ۲۳۲، طبع حیدرآباد۔

[۶] طبقات، ابن سعد، قسم دوم، ج ۴، ص ۳۱۳۔

[۷] استیعاب، ج ۱، ص ۲۸۸۔

[۸] استیعاب، ج ۱، ص ۳۱۷۔

[۹] ذہبی، جلد ۱، ص ۳۶۔

[۱۰] کنز العمال، ج ۱، صفحہ ۳۳۔

[۱۱] کنز العمال، ج ۱، ص ۲۳۲۔

[۱۲] کنز العمال، ج ۱، ص ۲۳۷۔

پاس دمشق سے ایک گروہ آیا تھا تاکہ وہ اپنا اپنا لکھا ہوا قرآن اُبَی، زید اور امیر المومنین علی علیہ السلام کو دکھائیں۔[1] ۲۵ھ میں خلیفہ سوم عثمان نے تمام مروجہ قرآن کو تلف کر کے خلیفہ اول ابوبکر والے نسخۂ قرآن کی سات نقلیں کرائیں (بنابر بعض روایات ۵ نقلیں) جس میں ایک نسخہ اپنے پاس مدینہ میں رکھ لیا اور بقیہ نسخے مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ بھجوا دیے تاکہ تمام دنیائے اسلام کے قرآن ایک ہی نسخہ کی نقل اور اس کی قرأت کے مطابق ہو جائیں۔[2]

متذکرہ بالا یہ سات عثمانی نسخے وہ ہیں جو "امام" کہلاتے ہیں، جن کی نقلیں موجودہ دنیا کے تمام قرآن ہیں۔ خود اسی عہد میں ان نسخوں سے بکثرت نقلیں ہو چکی تھیں، یہاں تک کہ ۳۷ھ میں قرآن کے نسخے اس قدر کثیر تعداد میں ہو گئے تھے کہ جنگ صفین میں رفع مصاحف کے وقت معاویہ کے لشکر میں پانچ سو کی تعداد میں قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے تھے جس کو تمام مورخین نے لکھا ہے۔ اب اگر اس عہد میں لکھنے کے لیے قرطاس (کاغذ) نہ ہوتا تو پھر حیات رسولؐ سے لے کر زمانہ معاویہ تک اس کثرت سے مصاحف کا لکھا جانا کیونکر ممکن تھا، اس لیے یہ شبہ وارد کرنا کہ عہد نامہ مالک اشتر طویل ہے اس کے لکھنے کے لیے اتنا قرطاس و کاغذ کہاں سے آیا، یہ شبہ بے اصل ہے کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام کے عہد میں قرطاس و کاغذ کا فقدان نہ تھا، بیشک عہد رسالت اور خلفائے ماسبق کے دور میں اس کی کمی تھی لیکن اسلامی فتوحات کے وسیع ہو جانے کے بعد یہ نایاب نہ تھا۔ حضرتؑ کے زمانے میں تو کوفہ تجارت کی ایک بہت بڑی منڈی تھی جہاں مختلف ممالک سے سامان آتا اور بکتا تھا۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

لِاَنَّهَا كَانَتْ مُلْتَقَى الشُّعُوْبِ مِنْ جَمِيْعِ الْاَجْنَاسِ وَكَانَتْ مَثَابَةَ التِّجَارَةِ بَيْنَ الْهِنْدِ

---

[1] کنز العمال، ج ۱، ص ۲۵۸۔

[2] وہ نسخہ جو خلیفہ عثمان کے پاس تھا ان کے قتل ہو جانے کے بعد بنی امیہ کے پاس دمشق میں رہا۔ اموی خلافت کا خاتمہ جب دمشق میں ہوا تو بنی امیہ اس کو لے کر اندلس پہنچے، اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد مراقش کے دارالحکومت شہر فاس میں منتقل ہو گیا۔ ابن بطوطہ کی روایت کے مطابق یہ نسخہ آٹھویں صدی ہجری تک جامع بصرہ میں موجود تھا اور اس پر خلیفہ کے خون کے دھبے نمایاں تھے، یہی نسخہ ۱۹۰۴ء میں بخارا سے روس کے قدیم پایہ تخت ماسکو پہنچا، وہاں سے پھر بخارا لایا گیا اور جب ۱۹۲۳ء میں بالشویکوں نے ترکستان پر دوسری مرتبہ قبضہ کیا تو اس نسخہ کو پھر ماسکو لے گئے۔ کہتے ہیں کہ یہ مصحف امیر تیمور کے زمانہ میں ابوبکر الشاشی کی طرف سے شیخ عبداللہ نامی مشہور بزرگ کے مرقد پر رکھ دیا گیا تھا جہاں سے بالشویکوں کو ہاتھ آیا۔ وہ مصحف جو دمشق بھیجا گیا تھا اس نسخہ کو ابوالقاسم سبتی نے ۶۵۷ھ میں جامع دمشق کے مقصورہ میں دیکھا، عبدالملک کا بیان ہے کہ میں نے ۵۳۷ھ میں دیکھا، یہ نسخہ زمانہ حال تک موجود تھا، جب خلیفہ ترکی سلطان عبدالحمید خاں کے زمانہ میں جامع مسجد کو آگ لگ گئی تو یہ مصحف بھی جل گیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ والے مصاحف کا پتہ ۵۳۷ھ تک چلتا ہے۔ بصرہ یا کوفہ کا نسخہ نہ معلوم کس زمانہ میں قرطبہ پہنچا پھر عبدالملک اس کو قرطبہ سے اپنے دارالسلطنت میں بڑی شان سے لایا۔ ۵۴۲ھ میں وہ معتضد کے قبضہ میں آیا اس کے مرنے پر پرتگیز پہنچا وہاں سے کسی طرح ایک تاجر نے اس کو حاصل کیا اور ۷۴۵ھ میں شہر فاس میں لایا جہاں مدت تک خزانہ شاہی میں محفوظ رہا۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں جہاں قاضی فاضل سلطان صلاح الدین وزیر تھا اس کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ اس کتب خانہ میں مصحف عثمانی کا نسخہ موجود تھا جس کو قاضی فاضل نے تیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔

وَفَارِسَ وَالْيَمَنِ وَالْعِرَاقِ وَالشَّامِ۔

کوفہ اس زمانہ میں مختلف قوموں کا سنگم تھا اور یہاں ہندوستان وایران، یمن وعراق وشام کے سامان تجارت کی بڑی منڈی تھی۔ [1]

ابن ابی الحدید نے بھی یہی لکھا ہے:

كَانَتِ الْكُوْفَةُ يَوْمَئِذٍ تُجْبٰى لَهَا ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ تَأْتِيْ اِلَيْهَا هَدَايَا الْمُلُوْكِ مِنَ الْاٰفَاقِ۔

علی علیہ السلام کے زمانہ میں شہر کوفہ میں ہر ملک وزمین کی پیداوار اور چیزیں آتی تھیں اور حضرتؑ کی خدمت میں دنیا کے بادشاہوں کی طرف سے ہدایا آتے رہتے تھے۔ [2]

جیسا کہ میں بتلا چکا ہوں کہ کوفہ کے قرب وجوار میں بکثرت "کنائس وادیار" تھے جہاں مسیحی علماء ورہبان رہا کرتے تھے جن کا مشغلہ لکھنا پڑھنا رہتا تھا۔ ان لوگوں کے پاس متمدن ممالک سے کاغذ کا آنا امکانات سے ہے۔ مورخ مسعودی نے اس کی تشریح کی ہے کہ حیرہ (کوفہ کے قریب پشت پر واقع تھا) کے بندرگاہ پر چین وہندوستان سے جہاز آیا کرتے تھے۔ [3] کیا ان حالات میں چین سے کوفہ کاغذ نہیں پہنچ سکتا تھا؟

ذرا غور تو کیجئے کہ جس زمانہ میں عہد نامہ مالک اشتر کو حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے انہی ایام میں جیسا کہ ابھی بتلا چکا ہوں، جنگ صفین میں "رفع مصاحف" کا واقعہ دنیا کے سامنے آیا جس میں معاویہ کے لشکر میں پانچ سو کی تعداد میں قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے تھے، صرف معاویہ کے لشکر میں جن کو دین سے اتنا لگاؤ نہ تھا قرآن کی یہ تعداد ہے۔ اب اسی سے اندازہ لگایا جائے کہ خود امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر میں قرآن کس زیادہ تعداد میں رہے ہوں گے؟ علاوہ ازیں جب جنگ کی حالت میں بحالت سفر ایک لشکر میں اتنے قرآن تھے تو عالم اسلام میں مسلمانوں کے پاس کتنے کثیر قرآن رہے ہوں گے؟ آخر قرآن ایسی ضخیم کتاب کے لکھنے کے لیے کس "پیپر مل" نے کاغذ کی "سپلائی" کی تھی، اس تاریخی شہادت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں قرطاس وکاغذ کا قحط نہ تھا بلکہ عام طور سے دستیاب ہوتا تھا، عام لشکر والوں کو تو ایک ضخیم کتاب لکھنے کے لیے کاغذ دستیاب ہوجائے لیکن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام جو تمام عالم اسلام کے سلطان ہیں وہ اپنے گورنر کو دستور حکومت لکھنے کے لیے کاغذ نہ پاسکیں، اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ!

---

[1] عبقریۃ الامام، الامام، ص ۱۶۰، طبع مصر۔

[2] ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۳۸۴، طبع مصر۔

[3] مروج الذہب، ج ۱، ص ۴۹، طبع مصر۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ خلیفہ دوم کے عہد سے ایرانی طرز پر "دیوان ودفتر" کی تاسیس ہوئی، اس کے لیے بھی تو کاغذ و قرطاس کی حاجت تھی اس ضرورت کو کیونکر پورا کیا جاتا تھا؟ ظاہر ہے کہ اندرون ملک یا بیرون ملک جہاں سے بھی ممکن الحصول ہوگا اس کو برآمد کیا جاتا ہوگا، یہ ضرور ہے کہ اس خرچ کا بار بیت المال پر کافی پڑتا ہوگا، امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے زمانہ حکومت میں یہ ضرور کیا کہ کاغذ کے زیادہ صرف ہونے سے جو بار اسلامی بیت المال پر پڑتا تھا اس کو کم کیا، چنانچہ حضرتؑ نے اپنے عمال حکومت و اہل دفتر کو فرمان بھیجا:

اِنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهٖ: اَدِقُّوْا اَقْلَامَكُمْ وَ قَارِبُوْا بَيْنَ سُطُوْرِكُمْ وَ احْذِفُوْا عَنِّيْ فُضُوْلَكُمْ وَ اقْصِدُوْا قَصْدَ الْمَعَانِيْ وَ اِيَّاكُمْ وَ الْاِكْثَارَ فَاِنَّ اَمْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ لَا تَحْتَمِلُ الْاِضْرَارَ۔

قلم باریک رکھو، سطروں کو ملا کر لکھو۔ فضول باتوں کو مت لکھو صرف اپنے مطلب و مراد کا لحاظ رکھو، بیکار عبارت آرائی سے پرہیز کرو، اس لیے کہ اموال مسلمین کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ اصل مقصد و مراد کے تحریر کرنے سے تقلیل ہوگی جو اقتصاد ہے فضول عبارت تحریر کرنے سے اور موٹے حروف وفاصلہ دے کر لکھنے سے روشنائی و کاغذ بیکار ضائع جائے گا جس سے اسلامی بیت المال کا نقصان ہے، اقتصادی مسائل کے حل کرنے والے دیکھیں کہ آج اقتصادی مشکلات میں پڑنے کے بعد موجودہ حکومتیں جن امور پر عمل کر رہی ہیں وہ دراصل امیر المومنین علیہ السلام کے نافذ کردہ احکامات ہیں۔

ہاں جس شے کو لکھا جائے اس کی اہمیت وعظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو اختصار کے لیے باریک لکھنا مناسب نہیں ہے بلکہ اس کو روشن وجلی خط میں لکھنا چاہیے، چاہے کاغذ زیادہ کیوں نہ صرف ہو جائے جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مصحف کو باریک قلم سے لکھ کر چھوٹا نہ کرو۔[2]

اسی طرح جو عہد نامہ آپؑ نے مالک اشتر کے نام تحریر فرمایا چونکہ دستور حکومت ہونے کی وجہ سے اس کی افادیت واہمیت بہت زیادہ تھی اس لیے حضرتؑ نے اس کو تفصیل کے ساتھ بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا اور یہاں پر کاغذ کے زیادہ خرچ ہونے کا لحاظ رکھنا غیر ضروری سمجھا۔

---

[1] کتاب الخصال، ابن بابویہ القمی، ج ۱، ص ۱۴۹، طبع ایران۔

[2] کنز العمال، ج ۱، ص ۱۳۲۔

پانچواں شبہ

نہج البلاغہ میں تصوف کی جھلک ہے، جو حضرتؑ کے عہد کا مذاق نہیں ہے بلکہ آپؑ کے بعد یہ مذاق پیدا ہوا۔ اسی طرح اس میں غیب کی خبریں بھی پائی جاتی ہیں، علی علیہ السلام کو غیب کی خبروں سے کیا واسطہ؟

جواب

یہ اعتراض بھی عجیب ہے جو جہل مرکب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ معترض نے دراصل حقیقت تصوف کو نہیں سمجھا ہے، یہ لوگ اسلامی تصوف کو یونان کا فلسفہ سمجھے ہیں، جس سے بہت دنوں کے بعد عرب روشناس ہوئے۔ غالباً اسی وجہ سے استاذ عمر فروخ دکتور فی الفلسفہ (پروفیسر ادبیات عربی وفلسفۂ اسلام، بیروت یونیورسٹی) نے اپنی کتاب "التصوف فی الاسلام" کے شروع میں جو پہلا جملہ لکھا ہے وہ یہی ہے کہ "لَیْسَ التَّصَوُّفُ فَلْسَفَةً" تصوف فلسفہ نہیں ہے۔ بہرحال اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ تصوف کیا ہے تو معترض کو محل شک نہ رہے گا، سنیے حقیقت تصوف یہ ہے:

> وَاَصْلُ التَّصَوُّفِ: اَلْعُکُوْفُ عَلَی الْعِبَادَةِ وَالْاِنْقِطَاعُ اِلَی اللهِ تَعَالٰی وَالْاِعْرَاضُ عَنْ زُخْرُفِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتِهَا، وَالزُّهْدُ فِیْ مَا یَقْبَلُ عَلَیْهِ الْجَمْهُوْرُ مِنْ لَذَّةٍ وَمَالٍ وَجَاهٍ وَالْاِنْفِرَادُ عَنِ الْخَلْقِ فِی الْخَلْوَةِ لِلْعِبَادَةِ۔
>
> اصل تصوف، عکوف علی العبادۃ، وانقطاع الی اللہ اور زخارف وزینتِ دنیا سے اعراض، لذت ومال وجاہ میں زہد اور عبادت خدا کے لیے خلوت نشینی ہے۔[1]

یہی تعریف علامہ ابن خلدون مغربی نے بھی کی ہے۔[2] جنید بغدادی سے جب تصوف کے لیے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

> تَصْفِیَةُ الْقَلْبِ عَنْ مُوَافَقَةِ الْبَرِیَّةِ، وَمُفَارَقَةِ الْاَخْلَاقِ الطَّبِیْعَةِ، وَاِخْمَادُ الصِّفَاتِ الْبَشَرِیَّةِ، وَمُجَانَبَةُ الدَّوَاعِی النَّفْسَانِیَّةِ، وَمُنَازَلَةُ الصِّفَاتِ الرُّوْحَانِیَّةِ، وَالتَّعَلُّقُ بِالْعُلُوْمِ الْحَقِیْقَةِ وَ اسْتِعْمَالُ مَا هُوَ اَوْلٰی عَلَی الْاَبَدِیَّةِ، وَالنُّصْحُ لِجَمِیْعِ الْاُمَّةِ، وَالْوَفَاءُ لِلّٰهِ عَلَی الْحَقِیْقَةِ، وَاتِّبَاعُ الرَّسُوْلِ فِی الشَّرِیْعَةِ۔

---

[1] التصوف فی الاسلام، ص ۱۷، طبع اول، طبع بیروت۔

[2] المقدمہ ابن خلدون، ص ۴۶۷۔

تصفیۂ قلب، اخلاق نفسانیہ سے علیحدگی، بشریت کے صفات کو مٹانا، خواہشات نفسانی سے پرہیز، روحانی صفات کو حاصل کرنا، علوم حقیقیہ سے تعلق رکھنا اور ایسے امور کو بجالانا جو دوام کے سزاوار ہوں، جمیع امت کو نصیحت کرنا، پوری طرح خدا سے وعدوں کو پورا کرنا اور امور شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا۔[1]

ایک دوسرے سائل کے جواب میں حقیقت تصوف پر جنید نے یوں روشنی ڈالی ہے:

اِسْمٌ جَامِعٌ لِعَشَرَةِ مَعَانٍ: اَلتَّقَلُّلُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مِنَ الدُّنْیَا عَنِ التَّكَاثُرِ فِیْهَا. وَالثَّانِیْ: اِعْتِمَادُ الْقَلْبِ عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ السُّكُوْنِ اِلَى الْاَسْبَابِ. وَالثَّالِثُ: اَلرَّغْبَةُ فِی الطَّاعَاتِ مِنَ التَّطَوُّعِ فِیْ وُجُوْدِ الْعَوَافِیْ. وَالرَّابِعُ: اَلصَّبْرُ عَنْ فَقْدِ الدُّنْیَا عَنِ الْخُرُوْجِ اِلَى الْمَسْاَلَةِ وَالشَّكْوٰی. وَالْخَامِسُ: اَلتَّمْیِیْزُ فِی الْاَخْذِ عِنْدَ وُجُوْدِ الشَّیْءِ. وَالسَّادِسُ: الشُّغْلُ بِاللهِ عَزَّوَجَلَّ عَنْ سَائِرِ الْاَشْغَالِ. وَالسَّابِعُ: اَلذِّكْرُ الْخَفِیُّ مِنْ جَمِیْعِ الْاَذْكَارِ. وَالثَّامِنُ: تَحْقِیْقُ الْاِخْلَاصِ فِیْ دُخُوْلِ الْوَسْوَسَةِ. وَالتَّاسِعُ: اَلْیَقِیْنُ فِیْ دُخُوْلِ الشَّكِّ. وَالْعَاشِرُ: اَلسُّكُوْنُ اِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْاِضْطِرَابِ وَالْوَحْشَةِ. فَاِذَا اسْتَجْمَعَ هٰذِهِ الْخِصَالَ اسْتَحَقَّ بِهَا الْاِسْمَ. وَاِلَّا فَهُوَ كَاذِبٌ۔

تصوف ایک ایسا اسم جامع ہے جو دس معنوں پر مشتمل ہے:

(۱)۔ دنیا کی ہر چیز میں کمی کرنا اور زیادتی سے بچنا۔ (۲) خدا کے سوا قلب کو کسی چیز پر اعتماد نہ حاصل ہو۔ (۳) اس کے عفو کو مانتے ہوئے اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ طاعات خدا کی طرف متوجہ رہنا۔ (۴) دنیا کے فقدان پر اس طرح صبر کرنا کہ لب پر حرف سوال و شکوہ نہ آنے پائے۔ (۵) اشیاء کے موجود ہونے پر اس تمیز کو باقی رکھنا کہ کیا لے اور کیا نہ لے۔ (۶) دنیا کے اشغال ترک کر کے خدا کے شغل میں مصروف رہنا۔ (۷) تمام ذکروں کو ترک کر کے خدا کا ذکر خفی کرنا۔ (۸) دل میں وسوسہ پیدا ہونے پر تحقیق اخلاص کرنا۔ (۹) شک آنے پر یقین حاصل کرنا۔ (۱۰) اضطراب و وحشت کے موقع پر خدا کی طرف سکون حاصل کرنا۔

جس میں یہ سب کمال جمع ہو جائیں تو وہ صوفی کہلانے کا مستحق ہے ورنہ جھوٹا ہے۔[2]

---

[1] التعرف لمذہب اہل التصوف، علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق البخاری الکلاباذی، المتوفی ۳۸۰ھ مصححہ پروفیسر اے۔ جے آربری (A.J.Arberry) ص ۹ طبع مصر۔

[2] حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۱، ص ۲۲ طبع مصر۔

ابوبکر الشبلی سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے؟ جواب دیا:

تَعْظِیْمُ اَمْرِ اللهِ وَشَفَقَةُ عَلٰی عِبَادِ اللهِ.

امر خدا کی تعظیم اور بندگان خدا پر شفقت کرنا ہے۔

اس نے پوچھا کہ صوفی کون ہے؟ جواب دیا:

قَالَ مَنْ صَفَا مِنَ الْکَدَرِ، وَخَلُصَ مِنَ الْعَکَرِ، وَامْتَلَاَ مِنَ الْفِکَرِ، وَتَسَاوٰی عِنْدَهُ الذَّهَبُ وَالْمَدَرُ مَنْ صَفَا قَلْبُهُ فَصَفٰی وَسَلَكَ طَرِیْقَ الْمُصْطَفٰی ﷺ، وَرَمَی الدُّنْیَا خَلْفَ الْقَفَا وَاَذَاقَ الْهَوٰی طَعْمَ الْجَفَا۔

جو ہر برائی سے پاک وصاف ہو اور ہمہ وقت تفکر کرتا ہو اور اس کی نگاہ میں سونا اور خاک برابر ہو۔ جس کا قلب پاک وصاف ہو اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کے راستے پر چلے، دنیا کو پس پشت پھینک دے اور خواہش نفس کو طعم جفا سمجھے۔[1]

ذالنون مصری صوفی کی تعریف یہ کرتے ہیں:

مَنْ اِذَا نَطَقَ اَبَانَ نُطْقُهُ عَنِ الْحَقَائِقِ، وَاِنْ سَکَتَ نَطَقَتْ عَنْهُ الْجَوَارِحُ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ.

وہ ہے کہ جب کلام کرے تو حقائق روشن کردے اور جب خاموش رہے تو اس کے اعضاء وجوارح قطع علائق پر گواہی دیں۔[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام صوفی کی تعریف فرماتے ہیں:

مَنْ عَاشَ فِیْ بَاطِنِ الرَّسُوْلِ فَهُوَ صُوْفِیٌّ۔

جو باطن رسولؐ پر زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے۔

حافظ ابونعیم اس کی شرح کرتے ہیں:

وَاَرَادَ جَعْفَرٌ بِبَاطِنِ الرَّسُوْلِ ﷺ اَخْلَاقَهُ الطَّاهِرَةَ، وَاخْتِیَارَهُ لِلْاٰخِرَةِ. فَمَنْ تَخَلَّقَ بِاَخْلَاقِ الرَّسُوْلِ ﷺ، وَتَخَیَّرَ مَا اخْتَارَهُ، وَرَغِبَ فِیْمَا فِیْهِ رَغِبَ، وَتَنَکَّبَ عَمَّا عَنْهُ نَکَبَ، وَاَخَذَ بِمَا اِلَیْهِ نَدَبَ، فَقَدْ صَفَا مِنَ الْکَدَرِ، وَنَجٰی مِنَ الْعَکَرِ.

امام جعفر صادق علیہ السلام نے باطن رسولؐ سے حضرتؐ کے اخلاق طاہرہ اور آخرت کے اختیار کرنے

---

[1] حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۱، ص ۲۳۔

[2] حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۱، ص ۲۲۔

کو لیا ہے، پس جو شخص اخلاق رسولؐ سے آراستہ ہو جائے اور اس امر کو اختیار کرے جو رسولؐ نے اختیار فرمایا اور رغبت کرے اس طرف جدھر رسولؐ نے رغبت فرمائی اور پرہیز کرے اس سے جسے رسولؐ نے چھوڑا تو گویا اس نے صفائے قلب حاصل کر لیا۔[1]

اساطین صوفیاء اکرام کے نزدیک یہ ہے حقیقت تصوف۔ ان تعریفوں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ عناصر کیا ہیں جن پر تصوف کی تخلیق ہوئی ہے۔ کیا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ان صفات کے مظہر اتم نہ تھے اور کیا آپؑ نے ان حقائق پر روشنی نہیں ڈالی؟ اسی بنا پر تمام صوفیائے کرام حضرتؑ کو اپنا مرشد اول سمجھتے ہیں۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

وَ مِنَ الْعُلُوْمِ عِلْمُ الطَّرِيْقَةِ وَ الْحَقِيْقَةِ وَ اَحْوَالِ التَّصَوُّفِ وَ قَدْ عَرَفْتَ اَنَّ اَرْبَابَ هٰذَا الْفَنِّ فِيْ جَمِيْعِ بِلَادِ الْاِسْلَامِ اِلَيْهِ يَنْتَهُوْنَ وَ عِنْدَهٗ يَقِفُوْنَ وَ قَدْ صَرَّحَ بِذٰلِكَ الشِّبْلِيُّ وَ الْجُنَيْدُ وَ السَّرِيُّ وَ اَبُوْ يَزِيْدَ الْبِسْطَامِيُّ وَ اَبُوْ مَحْفُوْظٍ مَعْرُوْفُ الْكَرْخِيُّ وَغَيْرُهُمْ وَ يَكْفِيْكَ دَلَالَةً عَلٰى ذٰلِكَ الْخِرْقَةُ الَّتِيْ هِيَ شِعَارُهُمْ اِلَى الْيَوْمِ وَ كَوْنُهُمْ يُسْنِدُوْنَهَا بِاِسْنَادٍ مُتَّصِلٍ اِلَيْهِ علیہ السلام۔

اور منجملہ علوم کے علم طریقت وحقیقت واحوال تصوف بھی ہے اور تمہیں یہ معلوم ہے کہ تمام بلاد اسلام میں جو بھی اس فن کا جاننے والا ہے وہ اپنے سلسلۂ تصوف کو حضرتؑ تک منتہی کرتے ہیں اور وہیں پر رک جاتے ہیں۔ اس امر کو صراحت کے ساتھ شبلی، جنید، سری سقطی، ابو یزید بسطامی، ابو محفوظ معروف بہ کرخی وغیرہم نے بیان کیا ہے اور اس کے ثبوت میں وہ خرقہ کافی ہے جو آج تک صوفیوں کے شعار میں داخل ہے جس کو وہ لوگ بہ سند متصل حضرتؑ سے منسوب کرتے ہیں۔[2]

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۲۰، طبع مصر۔
[2] ابن ابی الحدید، ج ۱ ص ۶، طبع مصر۔

مصادر تصوف خالص اسلامی ہیں

ایک ایراد یہ بھی ہے کہ مصادر تصوف غیر اسلامی ہیں۔ مسیحی، یونانی اور ہنود کے تصوف پر اسلامی تصوف کی بنیاد ہے، گویا اس نظریہ سے امیر المومنین علیہ السلام سے اس کی نفی مطلوب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، محققین کو اس کا اعتراف ہے کہ مصادر تصوف خالص اسلامی ہیں، دکتور عمر فروخ لکھتے ہیں:

وَمَصَادِرُ التَّصَوُّفِ الْاِسْلَامِيِّ اِسْلَامِيَّةٌ لَا شَكَّ فِيْ ذٰلِكَ. فَاِنَّ التَّصَوُّفَ الْاِسْلَامِيَّ قَدْ نَشَأَ فِيْ هَيْئَةٍ اِسْلَامِيَّةٍ. فَالتَّصَوُّفُ الْاِسْلَامِيُّ مَبْنِيٌّ فِيْ اَسَاسِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مصادر تصوف اسلامی خالص اسلامی ہیں، اس لیے کہ تصوف اسلامی کی نشو ونما خود اس کے اسلامی گھر میں ہوئی ہے، پس اسلامی تصوف مبنی ہے اسلامی اساس اور بنیاد پر۔[1]

دراصل اسلامی تصوف کا اصل منبع و مصدر امیر المومنین علیہ السلام کی ذات ہے، لیکن اس امر پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کالبد تصوف کی اصل روح "حُبّ" ہے اور یہ چیز اسلامی تصوف میں عیسائیت سے ماخوذ ہے جو مسیحیت کے میل ملاپ کے بعد اسلام میں پیدا ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں اسلامی فکر کب مسیحیت سے متاثر ہوئی جس سے اس میں محبت کا ظہور ہوتا؟ یہ خیال بھی بالکل فاسد ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں "روح محبت" جلوہ نما ہے، قرآن مجید نے محبت کی طرف دعوت دی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾[2] ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[3] ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾[4] ﴿لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾[5]

خود امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات مظہر محبت تھی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر میں حضرتؑ کے متعلق فرمایا ہے:

لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔

---

[1] التصوف فی الاسلام، ص ۲۷، طبع بیروت۔
[2] سورۂ بقرہ، آیہ ۱۶۵۔
[3] سورۂ آل عمران، آیہ ۳۱۔
[4] سورۂ مائدہ، آیہ ۵۴۔
[5] سورۂ شوریٰ، آیہ ۲۳۔

یا حدیث طیر میں علی علیہ السلام کے متعلق پیغمبرؐ ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَیْكَ وَلِیَ یَاْكُلُ مَعِیْ مِنْ هٰذَا الطَّیْرِ. فَجَاءَ عَلِیٌّ فَاَكَلَ مَعَهٗ۔

یہ وہ صحیح و متواتر حدیثیں ہیں جن کو محدثین اسلام نے روایت کیا ہے۔ میں نے اس وقت مناقب اخطب خوارزم سے نقل کیا ہے، یہ علی علیہ السلام کی کمال محبت کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتؑ کے لیے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّهٗ مَمْسُوْسٌ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی. اِنَّهٗ لَاَخْیَشَنَّ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ۔[1]

اس لیے علی علیہ السلام سے اگر حقیقی تصوف کا ظہور ہو تو کیا حیرت ہے؟

علی علیہ السلام کی ذات سے عناوین تصوف کی تطبیق

حافظ ابونعیم نے تصوف کے متعدد عناوین سے تعریف کر کے امیر المومنین علیہ السلام کی ذات سے اس کی تطبیق کی ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ احوالات تصوف حضرتؑ سے شہرت پذیر ہوئے ہیں۔ جن مختلف عناوین سے تطبیق کی ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اِنَّ التَّصَوُّفَ مُرَامَقَةُ الْمَوْدُوْدِ وَمُصَارَمَةُ الْمَحْدُوْدِ۔

(۲) اِنَّ التَّصَوُّفَ اِسْلَامُ الْغُیُوْبِ اِلٰی مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ۔

(۳) اِنَّ التَّصَوُّفَ الرَّغْبَةُ اِلَی الْمَحْبُوْبِ فِیْ دَرْكِ الْمَطْلُوْبِ۔

(۴) اِنَّ التَّصَوُّفَ الْاِرْتِقَاءُ فِی الْاَسْبَابِ اِلَی الْمُقَدَّرَاتِ مِنَ الْاَبْوَابِ۔

(۵) اِنَّ التَّصَوُّفَ الْبُرُوْزُ مِنَ الْحِجَابِ اِلٰی رَفْعِ الْحِجَابِ۔

(۶) اِنَّ التَّصَوُّفَ السُّلُوُّ عَنِ الْاَعْرَاضِ بِالسُّمُوِّ اِلَی الْاَغْرَاضِ۔

اعمال قلب یا اعمال باطن کا تعلق علی علیہ السلام کی ذات سے

اسلامی تصوف میں اعمال قلب پر کافی زور دیا گیا ہے، اعمال قلب یا اعمال باطن سے مراد ایمان، معرفت، توکل، محبت، رضا، تقویٰ، خوف، رجاء و صبر وغیر ذلک ہے۔[2]

امیر المومنین علیہ السلام متذکرہ بالا صفات کے مظہر اتم ہیں جس کا اقرار بغیر کسی اختلاف کے تمام مسلمانوں کو ہے اور آپؑ ہی نے ان اعمال قلب کو عملاً و قولاً ہر طرح سے واضح و روشن فرمایا ہے، حقیقت تصوف کو سمجھنے کے بعد اسی روشنی

---

[1] حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم، ج ۱، ص ۶۸، طبع مصر۔

[2] کتاب اللمع فی التصوف، تالیف ابونصر السراج الطوسی، ص ۲۳، ۲۴، طبع لندن ۱۹۱۴ء۔

میں علامہ عبدالوہاب الشعرانی کی کتاب "لواقح الانوار فی طبقات الاخیار" المشہور بہ کتاب الطبقات الکبریٰ، حضرتؑ کے مختصر حالات صفحہ ۱۷، ۱۸ پر پڑھے جائیں اس سے معلوم ہو جائے گا کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کا تصوف میں کیا حصہ ہے، اس کتاب کا موضوع ہی یہی ہے، جیسا کہ خود علامہ شعرانی لکھتے ہیں:

ہم نے اس میں مختصراً ایسے اولیائے خدا کے طبقات کا تذکرہ کیا ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے، صحابہ و تابعین سے لے کر قرن عاشر تک کے اولیاء کا ذکر کیا ہے اور مقصد اس تالیف کا یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ تصوف و آداب مقامات و احوال میں ان کا کیا طریقہ تھا اور اس سلسلہ میں ان کے عیون و جواہر کلام کا ذکر کیا ہے اور حالات کے سلسلہ میں وہی حالات بیان کیے ہیں جس سے مریدین میں کیفیت نشاط پیدا ہو، جیسے شدت جوع، بیداری، گمنامی کو دوست رکھنا اور شہرت سے بچنا و غیر ذلک۔[1]

علامہ العارف ابوبکر محمد بن اسحٰق الکلاباذی لکھتے ہیں:

مِمَّنْ نَطَقَ بِعُلُوْمِهِمْ وَعَبَّرَ عَنْ مُوَاجِيْدِهِمْ وَنَشَرَ مَقَامَاتِهِمْ وَوَصَفَ اَحْوَالَهُمْ قَوْلًا وَفِعْلًا بَعْدَ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ وَابْنُهٗ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ الْبَاقِرُ وَابْنُهٗ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ الصَّادِقُ علیہم السلام. بَعْدَ عَلِيٍّ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ علیہم السلام۔

جن لوگوں نے اپنے کلام و قول اور اپنے فعل و عمل سے اہل باطن و ارباب طریقت کے علوم کو بیان کیا، ان کی کیفیت حب و حزن کی تعبیر فرمائی، ان کے مقامات کو نشر کیا، ان کے احوال کی توصیف کی، وہ حضرت علی، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام اور دوسرے صحابہ ہیں، ان کے بعد امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق علیہم السلام ہیں۔[2]

اس لیے اگر نہج البلاغہ میں حقائق تصوف و جمال روحانیت جلوہ نما ہو تو کیا حیرت ہے؟

استاد عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

وَتَلْتَقِيْ سِيْرَتُهٗ عَلَيْهِ رِضْوَانُ اللهِ بِالْفِكْرِ كَمَا تَلْتَقِيْ بِالْخَيَالِ وَالْعَاطِفَةِ، لِاَنَّهٗ صَاحِبُ اٰرَاءٍ فِي التَّصَوُّفِ وَالشَّرِيْعَةِ وَالْاَخْلَاقِ سَبَقَتْ جَمِيْعَ الْاٰرَاءِ فِي الثَّقَافَةِ

---

[1] طبقات الکبریٰ، الشعرانی، ص ۳، طبع مصر۔
[2] التعرف لمذہب اہل التصوف، ص ۱۰، ۱۱، مطبوعہ مصر، مصححہ پروفیسر آربری۔

الْاِسْلَامِيَّةِ وَلِاَنَّهٗ اَحْجَى الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ اَنْ يَعِدَ مِنْ اَصْحَابِ الْمَذَاهِبِ الْحِكْمِيَّةِ بَيْنَ حُكَمَاءِ الْعُصُوْرِ وَلِاَنَّهٗ اُوْتِیَ مِنَ الذَّكَاءِ مَا هُوَ اَشْبَهُ بِذَكَاءِ الْبَاحِثِيْنَ الْمُنَقِّبِيْنَ مِنْهُ بِذَكَاءِ السِّيَاسَةِ الْمُتَغَلِّبِيْنَ. فَهُوَ الذَّكَاءُ الَّذِیْ تَحُسُّهٗ فِی الْفِكْرَةِ وَالْخَاطِرَةِ قَبْلَ اَنْ تَحُسَّهٗ فِیْ نَتِيْجَةِ الْعَمَلِ وَمَجْرَی الْاُمُوْرِ۔

امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت میں عقل وفکر کی جلوہ نمائی اسی طرح ہے جس طرح کہ قوت خیال واحساس کا ظہور اس میں پایا جاتا ہے، کیونکہ آپؑ ہی وہ ہیں جو تصوف وشریعت واخلاق کے علوم میں ایسی صائب رائے وصحیح رجحان رکھتے ہیں جو اسلامی علوم وتمدن کے ہر صاحب الرائے کے رجحانات وآراء پر غالب ہے اور اس لیے بھی کہ آپؑ خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ صاحب عقل وفہم ہونے کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ آپؑ کا شمار حکماء وفلاسفہ کے زمرہ میں کیا جائے اور اس لیے بھی کہ آپؑ کو قدرت نے ایسی زکاوت بخشی ہے جو تحقیق وتدقیق کرنے والوں کی زکاوت سے بہت زیادہ مشابہ ہے بمقابلہ ایسے لوگوں کی زکاوت کے جو سیاست مدار (ڈپلومیٹ) ہیں۔ پس وہ زکاوت ایسی ہے جس کی صحت کا اعتراف تمہاری عقل وفکر اس سے قبل کرے گی کہ تم معاملات ونتائج اور امور کے عواقب پر نظر کر کے پہنچو۔[1]

بیشک علی بن ابی طالب علیہ السلام کو اس تصوف سے کوئی لگاؤ نہیں جو صوفیان شوم کے لباس میں دنیا میں ظاہر ہوا اور در اصل جس کی تاسیس بحیثیت ایک ادارہ اہلبیتِ رسولؐ کی مخالفت میں اموی وعباسی حکومتوں کے زیر سایہ ہوئی اور جن کے دجل وفریب کے مرقع ابن جوزی نے "تلبیس ابلیس" میں پیش کئے ہیں۔

نہج البلاغہ اور اخبار غیبیہ

یہ شبہ کہ نہج البلاغہ میں غیب کی خبریں بھی پائی جاتی ہیں، آخر قبل از وقوع ان ہونے والے واقعات کو علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کیسے بتلا دیا؟ یہ شبہ اسی کے دل میں پیدا ہوگا جو حقیقت نبوتِ محمدیہ سے بے خبر ہے، قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾۔

---

[1] عبقریۃ الامام، ص ۴۰،۵، طبع مصر۔

خدا ایسا نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی باتیں بتا دے مگر ہاں اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ پس خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ [۱]

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾۔

وہی خدا غیب داں ہے اور اپنے غیب کی بات ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند فرمائے (اس کو عالم الغیب بنا دیتا ہے)۔ [۲]

تمام مفسرین ومحدثین اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبرؐ کو علم غیب تھا اور قیامت تک ہونے والے واقعات سے آپؐ باخبر تھے، پیغمبرؐ کے مشہور صحابی حذیفۃ الیمانی بتلاتے ہیں:

اَعْلَمُهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

جو کچھ کہ ہو چکا ہے اور جو کچھ کہ ہونے والا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سب کا علم تھا۔ [۳]

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک کے ہونے والے واقعات کو اپنے اصحاب سے بیان فرمایا ہے:

۱۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اپنی کتب صحاح میں حذیفہ سے روایت کرتے ہیں:

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَقَامًا. مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِيْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ. حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ. وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔ وَلَفْظُ الْبُخَارِیِّ .مَاتَرَكَ شَيْئًا اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا ذَكَرَهٗ۔

ہم لوگوں کے مجمع میں ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر قیامت تک کے ہونے والے واقعات کو بیان فرمایا اور کسی چیز کو حضرتؐ نے نہیں چھوڑا۔ پس یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھول گیا وہ جو اس کو بھول گیا۔ [۴]

۲۔ صحیح بخاری میں عمر فاروق سے روایت ہے:

يَقُوْلُ. قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَقَامًا بِهٖ فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ

---

[۱] سورۂ آل عمران، آیہ ۱۷۹۔

[۲] سورۂ جن، آیہ ۲۷۔

[۳] صحیح مسلم کتاب الفتن۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۸۶، طبع مصر۔ البیہقی۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۴، ص ۹۴۔ تیسیر الوصول، ج ۴، ص ۲۴۱، خلاصۃ التہذیب، ص ۶۳۔ اصابہ، ابن حجر، ج ۱، ص ۲۱۸۔ التقریب، ص ۸۲۔

[۴] اس حدیث کو بخاری نے "بدء الخلق" میں اخراج کیا ہے اور صحیح مسلم وصحیح ابوداؤد میں کتاب الفتن میں ہے۔

نَسِیَهُ۔

ہم لوگوں کے مجمع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور خبر دی ہم کو ابتدائے پیدائش سے روز قیامت تک کے حالات کی یہاں تک کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوئے اور یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھول گیا اس کو جو بھول گیا۔[1]

۳۔ صحیح مسلم میں عمرو بن اخطب انصاری سے روایت ہے:

قَالَ: صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَوْمَ الْفَجْرِ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا، حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰی، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا، حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا، حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔

نماز پڑھائی ہم کو ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی اور اس کے بعد منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا اور منبر سے اتر کر نماز ظہر پڑھ کر پھر منبر پر گئے اور خطبہ میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا اور پھر منبر سے اتر کر نماز عصر ادا فرمانے کے بعد منبر پر جا کر خطبہ کے سلسلہ کو جاری فرما دیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا پس دوران خطبہ میں خبر دی ہم کو ان چیزوں کی جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ عمرو بن اخطب کہتے ہیں پس زیادہ جاننے والا ہم میں وہ ہے جس نے اس کو یاد رکھا۔[2]

۴۔ صحیح ترمذی میں ابو سعید الخدری سے روایت ہے:

قَالَ: صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَوْمًا صَلَاةَ الْعَصْرِ بِنَهَارٍ، ثُمَّ قَامَ خَطِيْبًا فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰی قِيَامِ السَّاعَةِ۔

ایک روز ہم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھانے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا جس میں قیامت تک ہونے والی باتوں کی خبر دی۔

غرضیکہ صحاح اہل سنت میں بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں جن سے رسولؐ کا عالم غیب ہونا اور قیامت تک کے ہونے والے واقعات کا بیان کرنا ثابت ہوتا ہے۔ علامہ الشیخ منصور علی ناصف الحنفی من علماء الازھر نے ان تمام

---

[1] بخاری بدء الخلق۔
[2] صحیح مسلم کتاب الفتن۔

احادیث واخبار مغیبات کو جو صحاح ستہ میں وارد ہوئی ہیں اپنی کتاب التاج الاصول فی احادیث الرسول الجزء الخامس کے کتاب الفتن والملاحم وعلامات الساعۃ میں شرح وبسط کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ ان تمام احادیث کی تعداد ۱۷۰ (یک صد وہفتاد) ہے۔[1] ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب رسولؐ نے قیامت تک ہونے والے واقعات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، لیکن کچھ تو بھول گئے اور کسی کو زیادہ یاد رہا اور کسی کو کم۔

حذیفۃ الیمان کہتے ہیں:

وَاللّٰہِ اِنِّیۡ لَاَعۡلَمُ النَّاسِ بِکُلِّ فِتۡنَۃٍ ھِیَ کَائِنَۃٌ فِیۡمَا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ الۡقِیَامَۃِ۔

بخدا میں ان ہونے والے تمام فتنوں کو سب سے زیادہ جانتا ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔[2]

جب حذیفۃ الیمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے امور غیب پر مطلع ہیں تو امیر المومنین علی علیہ السلام باب مدینۃ العلم کے عالم غیب ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ علی علیہ السلام ہی وہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے علوم کا حامل ومحافظ بنایا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی قرآن واہلبیت علیہم السلام کے متعلق لکھتے ہیں:

سَمّٰی رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الۡقُرۡاٰنَ وَعِتۡرَتَہٗ ثَقَلَیۡنِ لِاَنَّ الثَّقَلَ کُلُّ نَفِیۡسٍ خَطِیۡرٍ مَصُوۡنٍ وَھٰذَانِ کَذٰلِکَ اِذۡ کُلٌّ مِّنۡھُمَا مَعۡدِنٌ لِلۡعُلُوۡمِ الدِّیۡنِیَّۃِ وَالۡاَسۡرَارِ وَالۡحِکَمِ الۡعِلۡمِیَّۃِ وَالۡاَحۡکَامِ الشَّرۡعِیَّۃِ وَلِذَا حَثَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَی الۡاِقۡتِدَاءِ وَالتَّمَسُّکِ بِھِمۡ وَالتَّعَلُّمِ مِنۡھُمۡ ثُمَّ اَحَقُّ مَنۡ یَّتَمَسَّکُ بِہٖ مِنۡھُمۡ اِمَامُھُمۡ وَعَالِمُھُمۡ عَلِیُّ بۡنُ اَبِیۡ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجۡھَہٗ لِمَا قَدَّمۡنَاہُ مِنۡ مَّزِیۡدِ عِلۡمِہٖ وَدَقَائِقِ مُسۡتَنۡبَاطِہٖ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن واہلبیت علیہم السلام کا نام ثقلین رکھا ہے کیونکہ ثقل کہتے ہیں ہر نفیس گراں بہا محفوظ چیز کو اور یہ دونوں ایسے ہی ہیں، ان میں سے ہر ایک علوم لدنی کا معدن ہے اور ہر ایک اسرار وحکم عالیہ واحکام شرعیہ کا مخزن ہے۔ اسی لیے پیغمبرؐ نے ان کی اقتداء وتمسک کے لیے امت

---

[1] التاج الاصول، ج ۵، ص ۳۱۹، ۳۸۱، طبع مصر۔

[2] مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۸۸۔ التاج الجامع للاصول، الشیخ منصور علی ناصف، ج ۵، ص ۳۲۴، طبع مصر۔

کو ابھارا اور ان سے علم حاصل کرنے کے لیے برانگیختہ کیا اور اہلبیت علیہم السلام میں سب سے زیادہ اس کے احق ہیں کہ ان سے تمسک اور پیروی کی جائے، وہ امام آل محمد و عالم اہلبیت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں اس لیے کہ آپؑ علم کی کثرت وزیادتی اور اس کے دقائق کے استنباط کرنے میں سب سے مقدم ہیں۔[1]

علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن عبدالقادر الحفظی العجیلی الشافعی اپنی کتاب "ذخیرۃ المال فی شرح عقد جواھر اللآل" میں لکھتے ہیں:

اِنَّ الْقُطْبَ الَّذِیْ یَدُوْرُ عَلَیْهِ اَهْلُ عَالِمِ الْغَیْبِ وَ عُلُوْمُ الْبَاطِنِ وَ هُوَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ بَعْدَ وَفَاةِ الْمُؤْتَمَنِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام قطب کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے گرد اہل عالم غیب وعلوم باطن گردش کرتے ہیں۔[2]

اسی کا نتیجہ تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق خود اصحاب پیغمبرؐ یہ بیان کرتے ہیں:

لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ یَقُوْلُ سَلُوْنِیْ اِلَّا عَلِیٌّ.

اصحاب پیغمبرؐ میں سوائے علی علیہ السلام کسی نے یہ ادعا نہیں کیا کہ پوچھ لو مجھ سے جو کچھ دریافت کرنا ہو۔[3]

حضرت علی علیہ السلام نے اگر عالم لدنی ہونے کے بعد آئندہ ہونے والے واقعات کو بتلایا تو اس سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔

علمائے اہلسنت کا اقرار کہ علی علیہ السلام نے غیب کی خبر دی

علماء نے ایسے امور کا تذکرہ اپنے مصنفات میں کیا ہے جن سے امیر المومنین علیہ السلام کا غیب کا بیان کرنا ثابت ہوتا ہے، علامہ ابن حجر الہیتمی المکی لکھتے ہیں:

وَاَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ حُجْرِ الْمُرَادِیِّ قَالَ: قَالَ لِیْ کَیْفَ بِكَ اِذَا اُمِرْتَ اَنْ تَلْعَنَنِیْ؟ قُلْتُ اَوَ کَائِنٌ ذٰلِكَ؟ قَالَ نَعَمْ. قُلْتُ فَکَیْفَ اَصْنَعُ؟ قَالَ: اِلْعَنِّیْ وَلَا تَبْرَأْ مِنِّیْ. قَالَ: فَاَمَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ اَخُو الْحُجَّاجِ وَکَانَ اَمِیْرًا مِنْ قِبَلِ عَبْدِ الْمَلِكِ

---

[1] صواعق محرقہ، ابن حجر مکی، ص ۹۰، طبع مصر۔
[2] ذخیرۃ المآل فی شرح عقد جواھر اللآل۔
[3] صواعق محرقہ، ص ۷۶، طبع مصر۔

بْنِ مَرْوَانَ عَلَى الْيَمَنِ اَنْ اَلْعَنَ عَلِيًّا فَقُلْتُ اِنَّ الْاَمِيْرَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَلْعَنَ عَلِيًّا فَالْعَنُوْهُ لَعَنَهُ اللهُ. فَمَا فَطِنَ بِهَا اِلَّا رَجُلٌ اَيْ لِاَنَّهٗ اِنَّمَا لَعَنَ الْاَمِيْرَ وَلَمْ يَلْعَنْ عَلِيًّا فَهٰذَا مِنْ كَرَامَاتِ عَلِيٍّ وَاِخْبَارِهٖ بِالْغَيْبِ۔

اخراج کیا عبدالرزاق نے حجر مرادی سے کہ حجر بن عدی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے حجر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کو حکم دیا جائے گا کہ تم مجھ پر لعنت کرو، میں نے عرض کیا امیر المومنین علیہ السلام کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا ضرور، یہ سن کر میں نے عرض کیا پھر اس وقت مجھے کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا زبان سے تو لعنت کر دینا لیکن مجھ سے بیزاری نہ اختیار کرنا۔ حجر کہتے ہیں کہ مدتہائے دراز کے بعد ایسا ہی ہوا کہ حجاج کا بھائی محمد بن یوسف جو عبدالملک بن مروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اس نے مجھ کو حکم دیا کہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام پر لعنت کروں، میں نے تعمیل حکم میں یوں کہا کہ امیر نے مجھ کو علی علیہ السلام پر لعنت کرنے کا حکم دیا ہے پس اس پر لعنت ہو، خدا اس پر لعنت کرے۔ میرے انداز کلام سے کوئی نہ سمجھ سکا سوائے ایک شخص کے جو یہ سمجھ گیا کہ دراصل میں نے امیر پر لعنت کی ہے۔ حجر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ علی علیہ السلام کے کرامات میں سے ہے اور ان خبروں میں سے ہے جن میں علی علیہ السلام نے غیب کی خبر دی۔[1]

غرضیکہ مورخین و محدثین نے حضرتؑ کے اخبار مغیبات کو اپنے مؤلفات میں ذکر کیا ہے، علامہ ابن ابی الحدید نے بھی حضرتؑ کے بعض اخبار مغیبات کو، بحوالہ روات اہلسنت جمع کیا ہے، ملاحظہ ہو "ابن ابی الحدید جلد اول صفحات ۲۰۸۔۲۱۱ طبع مصر" اس لیے نہج البلاغہ کے بعض خطب میں کوفہ و بصرہ کے آئندہ ہونے والے انقلابات، حجاج و ہلاکو کے مظالم و یلغار ایسے امور غیب کا ذکر ہونا، یہ اس امر کا زبردست ثبوت ہے کہ یہ کلام امیر المومنین علیہ السلام ہی کا ہے۔

ابن خلدون مغربی کا اقرار کہ اہلبیت علیہم السلام صاحب کشف وکرامت ہیں

علامہ ابن خلدون المغربی اپنے مقدمہ کے فصل "ابتداء الدول والامم" میں اہلبیت علیہم السلام سے علوم غیب کے ظاہر ہونے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

وَاِذَا كَانَتِ الْكَرَامَةُ تَقَعُ لِغَيْرِهِمْ فَمَا ظَنُّكَ بِهِمْ عِلْمًا وَدِيْنًا وَاٰثَارًا مِّنَ النُّبُوَّةِ وَعِنَايَةً مِّنَ اللهِ بِالْاَصْلِ الْكَرِيْمِ تَشْهَدُ لِفُرُوْعِهِ الطَّيِّبَةِ وَقَدْ يُنْقَلُ بَيْنَ اَهْلِ

[1] صواعق محرقہ، ص ۷۷، طبع مصر۔

الْبَيْتِ كَثِيْرٌ مِنْ هٰذَا الْكَلَامِ غَيْرَ مَنْسُوْبٍ إِلٰى اَحَدٍ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب کرامت کا ظہور ان کے غیر سے ہوتا ہے تو پھر ان بزرگ ہستیوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو کہ علم و تدوین کے اعتبار سے برتر تھے اور آثار نبوت سے تھے اور یہ ایسے اصل کریم کی فرع طیب ہیں جس پر عنایت الٰہی شامل رہتی ہے اور اہلبیتؑ سے اس قسم کے کلام بہت منقول ہیں جو کسی دوسرے کی طرف منسوب نہیں ہیں۔[1]

پھر لکھتے ہیں:

وَوَقَعَ۔ مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ كَثِيْرٌ۔ الْكَشْفُ بِمَا كَانُوْا عَلَيْهِ مِنَ الْوِلَايَةِ وَاِذَا كَانَ بِمِثْلِهٖ لَا يُنْكَرُ مِنْ غَيْرِهِمْ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ فِيْ ذَوِيْهِمْ وَاَعْقَابِهِمْ وَقَدْ قَالَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اِنَّ فِيْكُمْ مُحَدَّثِيْنَ فَهُمْ اَوْلَى النَّاسِ بِهٰذِهِ الرُّتَبِ الشَّرِيْفَةِ وَالْكَرَامَاتِ الْمَوْهُوْبَةِ۔

اور کشف و کرامات کا ظہور اہلبیت علیہم السلام سے بہت ہوا ہے کیونکہ یہ حضرات درجہ ولایت پر فائز تھے اور جبکہ اس قسم کی چیزیں اور اولیاء کے نسل و اعقاب میں بھی ہیں اور حضرت پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا ہے: "تم میں سے (کچھ لوگ) رجال غیب ہیں جو فرشتوں سے ہمکلام ہوتے ہیں" ظاہر ہے کہ اس رتبہ شریفہ و کرامات موہوبہ کے لیے اور لوگوں کے مقابلہ میں یہ بہت زیادہ بہتر وانسب ہیں۔[2]

امت محمدیہ میں صاحب کشف والہام کا ہونا

علامہ ابن خلدون نے اس محل پر پیغمبرؐ کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اِنَّ فِيْكُمْ مُحَدَّثِيْنَ'' یہ صحیح و مستند احادیث میں سے ہے اور کتب احادیث اہلسنت میں عام طور سے منقول ہے اور علماء نے اس لفظ ''مُحَدَّثْ'' کی تشریح بھی کی ہے۔ علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ تَفْسِيْرُ الْعُلَمَاءِ لِلْمُرَادِ بِمُحَدَّثُوْنَ فَقَالَ بْنُ وَهْبٍ مُلْهَمُوْنَ وَقِيْلَ مُصِيْبُوْنَ وَاِذَا ظَنُّوْا فَكَاَنَّهُمْ حَدَّثُوْا بِشَيْءٍ فَظَنُّوْا وَقِيْلَ تُكَلِّمُهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَجَاءَ فِيْ رِوَايَةٍ مُتَكَلِّمُوْنَ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ يَجْرِيْ الصَّوَابُ عَلٰى اَلْسِنَتِهِمْ وَفِيْهِ اِثْبَاتُ كَرَامَاتِ الْاَوْلِيَاءِ۔

---

[1] المقدمہ ابن خلدون، ص ۳۶۸، طبع مصر۔

[2] المقدمہ ابن خلدون، ص ۳۶۳، طبع مصر۔

محدثون کی تفسیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے، ابن وہب کہتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر الہام ہوتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں کہ جو وہ خیال کریں وہی بات ہوجائے، بعض کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے فرشتے کلام کرتے ہیں، بخاری کا قول ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کی زبان پر صواب جاری ہو، اس سے کرامات اولیاء کا ثبوت ہوتا ہے۔[1]

حافظ محب الدین الطبری، ریاض النضرہ میں لکھتے ہیں:

وَ مَعْنٰی مُحَدَّثُوْنَ: اَیْ مُلْھَمُوْنَ الصَّوَابَ. وَیَجُوْزُ اَنْ یُحْمَلَ عَلٰی ظَاھِرِہٖ وَتُحَدِّثُھُمُ الْمَلَائِکَۃُ لَا بِوَحْیٍ وَاِنَّمَا بِمَا یُطْلَقُ عَلَیْہِ اسْمُ حَدِیْثٍ وَتِلْکَ فَضِیْلَۃٌ عَظِیْمَۃٌ۔

معنی محدثون کے یہ ہیں کہ وہ لوگ جن پر صحیح و درست باتوں کا الہام ہوتا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ ظاہر معنوں پر بھی اس کو محمول کریں کہ ملائکہ ان لوگوں سے بغیر وحی کے باتیں کرتے اس طرح پر کہ جس پر بات کا اطلاق ہو سکے اور یہ ایک بڑی فضیلت ہے۔[2]

علامہ عبد الروف المناوی تیسیر شرح جامع الصغیر میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْقُرْطُبِیُّ: مُحَدَّثُوْنَ بِفَتْحِ الدَّالِ اسْمُ مَفْعُوْلٍ جَمْعُ مُحَدَّثٍ بِالْفَتْحِ اَیْ مُلْھَمٌ اَوْ صَادِقُ الظَّنِ وَھُوَ مَنْ اُلْقِیَ فِیْ نَفْسِہٖ شَیْءٌ عَلٰی وَجْہِ الْاِلْھَامِ وَالْمُکَاشَفَۃِ مِنَ الْمَلَاِ الْاَعْلٰی اَوْ مَنْ یَجْرِی الصَّوَابُ عَلٰی لِسَانِہٖ بِلَا قَصْدٍ اَوْ تُکَلِّمُہُ الْمَلَائِکَۃُ بِلَا نُبُوَّۃٍ فَیُظْھَرُ عَلٰی مَا وَقَعَ لَہٗ وَھٰذِہٖ کَرَامَۃٌ یُکْرِمُ اللّٰہُ بِھَا مَنْ شَاءَ مِنْ صَالِحِ عِبَادِہٖ وَمَنْزِلَۃٌ جَلِیْلَۃٌ مِنْ مَنَازِلِ الْاَوْلِیَاءِ۔

قرطبی کہتے ہیں "محدثون" دال پر زبر اسم مفعول جمع ہے محدث کی، یعنی وہ جس پر الہام ہو یا جو گمان کرے وہ درست صحیح ہو اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر ملاءِ اعلیٰ سے بطریق الہام و مکاشفہ دل میں القاء ہوتا ہے یا وہ شخص جس کی زبان پر صحیح و درست بات جاری ہوجائے بغیر قصد و ارادہ کے یا جس سے فرشتے ہمکلام ہوں بغیر وحی و نبوت کے، پس اس کے اوپر وہ باتیں جو ہونے والی ہوتی ہیں ظاہر ہوجاتی ہیں اور یہ وہ مرتبہ جلیلہ ہے جو اولیاء کے لیے مخصوص ہے اور وہ بزرگی ہے کہ خدا اپنے نیک بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو معزز و مکرم کرتا ہے۔[3]

---

[1] شرح صحیح مسلم، علامہ محی الدین النووی۔
[2] ریاض النضرہ، ج ۱، ص ۱۹۹۔
[3] تیسیر شرح جامع الصغیر، ج ۴، ص ۵۰۷۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وَ قَدْ كَثُرَ هٰؤُلَاءِ الْمُحَدَّثُوْنَ بَعْدَ الْعَصْرِ الْاَوَّلِ وَحِكْمَتُهٗ زِيَادَةُ شَرَفِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِوُجُوْدِ اَمْثَالِهِمْ فِيْهَا وَمُضَاهَاةُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فِيْ كَثْرَةِ الْاَنْبِيَاءِ فَلَمَّا فَاتَ هٰذِهِ الْاُمَّةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ كَثْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ لِكَوْنِ نَبِيِّهِمْ خَاتَمَ الْاَنْبِيَاءِ عُوِّضُوْا تَكْثِيْرَ الْمُلْهَمِيْنَ۔

عصر اول کے بعد خداوند عالم نے ان محدثین کی تعداد کو بڑھادیا اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس امت کی بزرگی وشرف کو دوبالا کرے، اس امت میں محدثین کی کثرت بنی اسرائیل میں انبیاء کی کثرت کا جواب ہے کیونکہ پیغمبر خداؐ پر نبوت کا خاتمہ ہوگیا ہے اس لیے امت محمدیہ میں خداوند عالم نے کثرت انبیاء کے عوض میں ان لوگوں کی تعداد کو بڑھا دیا جن پر الہام ہوتا ہے تاکہ بنی اسرائیل سے شرف کم نہ ہو۔

کیا خلوصی صاحب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کو ان لوگوں میں بھی شمار نہ کریں گے جن پر الہام ہوتا ہے اور حالات غیب کا انکشاف ہوتا رہتا ہے، علمائے اہلسنت کے نزدیک تو اس درجہ پر رجال امت میں بکثرت لوگ فائز ہیں، علی علیہ السلام کی ذات تو ان سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

چھٹا شبہ

نہج البلاغہ کا اسلوب عبارت اور طرز نگارش حضرتؑ کے عہد کا نہیں ہے کیونکہ اس میں محاسن کلام وسجع پایا جاتا ہے اور یہ انداز چوتھی صدی ہجری کا ہے۔

جواب

اس شبہ کی مہملیت بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب اس عہد میں محاسن کلام وسجع کا وجود نہ ہو، حالانکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دور جاہلیت ومخضرمین کے کلام میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ خود قرآن و احادیث رسول بھی محاسن لفظی وسجع سے خالی نہیں ہے۔ کیا ﴿رَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ میں صنعت قلب موجود نہیں اور کیا ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ ، ﴿وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ میں صنعت سجع موجود نہیں ہے، قرآن میں محاسن لفظی ومعنوی دونوں پایا جاتا ہے۔ کیا صرف اس بنا پر کہ علم معانی وبیان وبدیع کی تدوین بہت عرصہ کے بعد ہوئی ہے اس لیے یہ فیصلہ کرنا درست ہوگا کہ قرآن بھی عہد تدوین علوم وفنون کا کلام ہے۔ اس بنا پر سجع ومحاسن کلام کی وجہ سے نہج البلاغہ کے متعلق شبہ کرنا کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام نہیں ہے بالکل غلط ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان علوم وفنون کے اصول وضوابط صدر اول یا اس کے قبل کے زمانہ ہی سے ماخوذ ہیں، ان تمام محاسن کلام کا وجود قبل زمانۂ تدوین تھا، زمانہ مابعد میں ان کو صرف منضبط ومدون کیا گیا۔ کیا زمانۂ جاہلیت وصدر اول کے اشعار میں بحور ووزن کی پابندی نہیں ہے؟ بحروں کی ایجاد تو بہت بعد میں ہوئی ہے۔ کیا زمانۂ جاہلیت وابتدائے اسلام کی مایہ ناز شاعری کو رد کر دیا جائے گا، کیونکہ اس میں کسی نہ کسی بحر کی پابندی ضرور ہے جس کو کہ بعد میں عروضیوں نے ایجاد کیا ہے؟ جاہلیت کے کلام میں آپ کو قواعد صرف ونحو کی پابندیاں بھی نظر آئیں گی حالانکہ اس عہد میں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس لیے اس سرمایہ ادب سے بھی انکار کر دیجئے کہ وہ اس عہد کا نہیں ہے۔

جاہلیت وصدر اوّل کے کلام میں محاسن کلام وسجع کا وجود

ذوق سلیم اور فطری سلیقہ رکھنے والوں کے لیے اصول وقواعد اور فن کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، اس لیے جاہلیت اور صدر اول اسلام کے شاعر وخطیب اور ذوق سلیم رکھنے والوں کے کلام میں محاسن کلام وسجع پایا جاتا ہے۔

دکتور زکی مبارک اپنی کتاب "النثر الفنی فی القرن الرابع" میں لکھتے ہیں:

اِنَّ السَّجْعَ مِنْ مُمَيِّزَاتِ الْبَلَاغَةِ الْفِطْرِيَّةِ. فَهُوَ فِيْ اَكْثَرِ اللُّغَاتِ يَجْرِيْ بِاَطِّرَادِ الْحِكَمِ وَالْاَمْثَالِ وَيُمْكِنُ الْحِكَمُ بِاَنَّ اَمْثَالَ الْعَامَّةِ تَقَعُ غَالِبًا مَسْجُوْعَةً وَقَدْ يَجِيْئُ السَّجْعُ عَلَى الْمَعْنٰى اَحْيَانًا فِيْ تَعَابِيْرِ الْفِطْرِيِّيْنَ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ وَالرِّيْفِ وَفِيْ ذٰلِكَ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ الْمُحَسِّنَاتِ اللَّفْظِيَّةَ مِمَّا يَقْصُدُهُ الْعَوَامُّ وَلَيْسَتْ مِمَّا يَنْفَرِدُ بِهِ الْخَوَّاصُ۔

سجع کا ہونا فطری بلاغت کے خصوصیات وممیزات میں سے ہے اور اکثر زبانوں میں یکساں طور پر نسلی وموروثی حکم وامثال کی صورت میں یہ پایا جاتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ امثال عامہ عموماً مسجوع ہوا کرتے ہیں اور ایسے دہقانی وصحرائی جو فطرت سے قریب تر ہیں اپنے روزمرہ میں سجع بول جاتے ہیں۔ محسنات لفظی کا عوام کے کلام میں پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے استعمال کرنے میں صرف خواص ہی متفرد نہیں ہیں۔

وَمَا جَمَعَهُ الرُّوَاةُ مِنْ خُطَبِ الْجَاهِلِيِّيْنَ اَكْثَرُهٗ مَسْجُوْعٌ، كَخُطْبَةِ قُسِّ بْنِ سَاعِدَةِ الْاِيَادِيِّ وَخُطْبَةِ النَّابِغَةِ الذِّبْيَانِيِّ. وَمَعَ اَنَّنَا نَرْتَابُ فِيْ صِحَّةِ تِلْكَ الْخُطَبِ فَاِنَّنَا نَرٰى فِيْ وَضْعِهَا مَسْجُوْعَةً ،عَلٰى فَرْضِ صِحَّةِ الْوَضْعِ دَلِيْلًا عَلٰى اَنَّ الرُّوَاةَ كَانُوْا يَفْهَمُوْنَ اَنَّ السَّجْعَ مِنْ طَبِيْعَةِ الْبَلَاغَةِ الْجَاهِلِيَّةِ. وَفَهْمُ الرُّوَاةِ لَهٗ قِيْمَةٌ، لِاَنَّهُمْ اَقْرَبُ مِنَّا بِمَرَاحِلِ طَوِيْلَةٍ اِلٰى ذٰلِكَ الْعَهْدِ وَلِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَمْلِكُوْنَ مِنْ اُصُوْلِ الْاَدَبِ الْجَاهِلِيِّ الصَّحِيْحِ مَا يُمَكِّنُهُمْ مِنَ الْحُكْمِ عَلٰى طَرَائِقِ اَهْلِهٖ فِي التَّعْبِيْرِ۔

اور راویان کلام نے جو زمانۂ جاہلیت کے خطبوں کو جمع کیا ہے اس میں اکثر وبیشتر خطبے ایسے ہیں جو مسجوع ہیں مثلاً قس بن ساعدہ ایادی ونابغۂ ذبیانی کے خطبے جن میں سجع پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ان خطبوں کی صحتِ نسبت میں ہم کو شک ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی وضع سجع کی پابندی کے ساتھ ہوئی ہے، اس لیے اس کو مان لینے پر بھی کہ یہ خطبے موضوع ہیں یہ امر ثابت ہوجاتا ہے کہ راویان ادب یہ سمجھتے تھے کہ بلاغت جاہلیت کی طبیعت میں سجع داخل ہے اور راویان ادب کا یہ سمجھنا اپنی جگہ پر بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ وہ لوگ بہ نسبت ہم لوگوں کے عہد جاہلیت سے قریب تر تھے اور صحیح ادب جاہلیت کے اصول کو پرکھنے میں ان کو زیادہ اہلیت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کن عبارتوں میں اپنے مطالب کو بیان کرتے تھے

اوران کا انداز تعبیر کیا ہے۔

وَلَوْ تَرَكْنَا الْمَشْكُوْكَ فِيْهِ مِنَ الْاٰثَارِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَ عُدْنَا اِلٰى نَصٍّ جَاهِلِيٍّ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ لَرَاَيْنَا السَّجْعَ اِحْدٰى سِمَاتِهِ الْاَسَاسِيَّةِ وَالْقُرْاٰنُ نَثْرٌ جَاهِلِيٌّ كَمَا اَوْضَحْنَا ذٰلِكَ مِنْ قَبْلِ اَلسَّجْعُ فِيْهِ يَجْرِىْ عَلٰى طَرِيْقَةٍ جَاهِلِيَّةٍ حِيْنَ يُخَاطِبُ الْقَلْبَ وَالْوِجْدَانَ. وَلَا يُنْكِرُ مُتَعَنِّتٌ اَنَّ الْقُرْاٰنَ وَضَعَ لِلصَّلٰوتِ وَالدَّعَوَاتِ وَمَوَاقِفِ الثَّنَاءِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ سُوَرًا مَسْجُوْعَةً تَمَاثَلَ مَا كَانَ يُرَتِّلُهُ الْمُتَدَيِّنُوْنَ مِنَ النَّصَارٰى وَالْيَهُوْدَ وَالْوَثَنِيِّيْنَ۔۔۔

آثار جاہلی میں سے اس مشکوک کلام سے اگر ہم قطع نظر کر کے عہد جاہلیت کے صحیح نص کی طرف اگر متوجہ ہوں تو ہم بھی فیصلہ کریں گے کہ جاہلیت کے دور میں سجع کا وجود تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نص صحیح جو عہد جاہلیت کا ہے وہ قرآن ہے، ہم اس قرآن میں بھی دیکھتے ہیں کہ سجع اس کے بنیادی اسلوب میں سے ہے۔ اس امر کو میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ قرآن نثر جاہلی ہے، عہد جاہلیت کے اسلوب کے مطابق قرآن میں سجع پایا جاتا ہے جبکہ وہ قلب و وجدان کو خطاب کرتا ہے اور اس سے کوئی مخالف انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن نے نماز، دعا، حمد و ثنا، خوف و رجا کے محل اور موقع کے لیے مسجوع سوروں کو وضع کیا ہے، اسی آہنگ و زمزمہ کی طرح جس کو یہود ونصاریٰ اور بت پرست پڑھتے ہیں۔

وَمَعْنٰى هٰذَا اَنَّ الْقُرْاٰنَ يَسْجَعُ لِاَنَّ السَّجْعَ كَانَ فَنًّا مِنْ فُنُوْنِ الْقَوْلِ وَالدُّعَاءِ عِنْدَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَالصَّلَوَاتُ بِطَبِيْعَتِهَا اِلٰى لَوْنٍ مِنَ الْفَنِّ يَتَمَثَّلُ فِى السَّجْعِ. لِاَنَّ فِيْهِ اسْتِجَابَةً لِلْمُوْسِيْقِيَّةِ الْوِجْدَانِيَّةِ فِىْ قُلُوْبِ الْمُتَبَتِّلِيْنَ. وَاِلَيْكَ اَمْثِلَةً مِنْ سَجْعِ الْقُرْاٰنِ: ﴿ا[وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِى الْاَوَّلِيْنَ ــــ اِلٰى ــــ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾.[1] ﴿ا[وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ. اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ــــ اِلٰى ــــ وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ﴾.[2] وَعِنْدَ مُلَاحَظَةِ سَجْعِ الْقُرْاٰنِ تَرَاهُ يَخْتَلِفُ فُجَاةً فِىْ بَعْضِ الْاَحَايِيْنَ؛ كَاَنْ تَكُوْنَ الْقَافِيَةُ نُوْنِيَّةً فَتَجِيْءُ فِىْ وَسْطِ السِّيَاقِ فَاصِلَةً مِيْمِيَّةً. وَفِىْ هٰذَا بُرْهَانٌ عَلٰى اَنَّ الْمَعْنٰى هُوَ الْاَصْلُ. وَاَنَّ السَّجْعَ لَا يُرَادُ بِهٖ مُطْلَقُ التَّوَافُقِ فِىْ

---

[1] سورۂ زخرف، آیہ ۶۔ ۱۴۔

[2] سورۂ واقعہ، آیہ ۱۰۔ ۳۴۔

الْحَرْفِ. وَاِنَّمَا يُقْصَدُ بِهِ التَّلْحِيْنُ وَالتَّنْغِيْمُ؛ لِاَنَّ تَغْيِيْرَ الْحَرْفِ مَعَ بَقَاءِ الْوَزْنِ لَا يُغَيِّرُ مِنَ الرَّنَّةِ الْمُوْسِيْقِيَّةِ۔

حاصل مطلب یہ کہ قرآن میں سجع ہے کیونکہ عہد جاہلیت میں کلام ودعا کے لیے سجع افائین کلام سے تھا، نماز اپنی طبعی خصوصیات کی بنا پر ایک قسم کا فن (آرٹ) ہے جو سجع کی شکل میں صورت پذیر ہوتی ہے، کیونکہ عبادت گزار کے دلوں میں گداز کی کیفیت پیدا ہونے کی وجہ سے فطری موسیقی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور سجع قرآن کی یہ چند مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ سورۂ زخرف کی آیات ﴿وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ﴾ سے ﴿وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ تک، سورۂ واقعہ کی آیات ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ. اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ سے ﴿وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ﴾ تک قرآن کے سجع کو دیکھنے میں تم محسوس کرو گے کہ گاہ گاہ وہ اپنا انداز دفعۃً بدل دیتا ہے جیسے کبھی قافیہ نونیہ ہے اور یک بیک اسی سلسلہ کلام کے درمیان میمیہ فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اسلوب اس امر کی دلیل ہے کہ کلام میں اصل معانی ومفاہیم کا تحفظ ہے اور سجع سے مقصود صرف یہ نہیں ہے کہ حروف میں اتفاق ہو بلکہ سجع قرآن کا اصل مقصود لحن ونغمہ باقی رکھنا ہے، کیونکہ وزن کو باقی رکھنے کے بعد حرف میں تبدیلی پیدا کر دینے سے زمزمہ وموسیقی میں تغیر نہیں پیدا ہوتا۔

وَفِي الْاَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ سَجْعٌ مَقْصُوْدٌ. خِلَافًا لِمَا ظَنَّ الْمَسْيُوْ مَاسِيْنِيُوْنَ. وَمِنْ اَمْثِلَتِهٖ: اَفْشُوا السَّلَامَ. وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ. وَصِلُوا الْاَرْحَامَ. وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ وَنَقَلَ الْغَزَالِيُّ فِيْ بَابِ الْاِسْتِعَاذَاتِ الْمَاْثُوْرَةِ عَنِ الرَّسُوْلِ: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِيْ اِلٰى طَبْعٍ. وَمِنْ طَمَعٍ فِيْ غَيْرِ مَطْمَعٍ. وَمِنْ طَمَعٍ حَيْثُ لَا مَطْمَعَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ. وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ. وَدُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ. وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ۔ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ. وَمِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ. وَمِنَ الْكَسَلِ. وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ. اَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ"۔

احادیث پیغمبرؐ میں بھی سجع مقصود پایا جاتا ہے۔ برخلاف المسیو ماسینیون کے جو غلطی سے اس کے خلاف سمجھے ہوئے ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

اَفْشُوا السَّلَامَ. وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ. وَصِلُوا الْاَرْحَامَ. وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ

نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔

امام غزالی نے استعاذات ماثورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِیْ اِلٰی طَبْعٍ، وَمِنْ طَمَعٍ فِیْ غَيْرِ مَطْمَعٍ، وَمِنْ طَمَعٍ حَيْثُ لَا مَطْمَعَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَدُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ، وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ۔ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ، وَمِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ، وَمِنَ الْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَالْهَرَمِ، اِنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔[1]

وَلْنُقَيِّدْ اَنَّ السَّجْعَ لَا يَطَّرِدُ فِی الْحَدِيْثِ كَمَا لَا يَطَّرِدُ فِی الْقُرْاٰنِ، فَهُوَ حِلْيَةٌ تُقْصَدُ، وَلٰكِنَّهَا لَا تَلْتَزِمُ؛ لَمَّا فِیْ اِلْتِزَامِهَا فِیْ قَهْرِ الْمَعَانِیْ عَلٰی مُتَابَعَةِ الْاَلْفَاظِ۔ وَقَدْ نَجِدُ فِی الْاَحَادِيْثِ عِبَارَاتٍ تَجْرِیْ مَجْرَی السَّجْعِ مِنْ حَيْثُ مُرَاعَاةِ الْوَزْنِ وَ اِنْ لَمْ تُرَاعَ فِيْهَا الْقَافِيَةُ؛ كَقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِیْ بِهَا قَلْبِیْ وَتَجْمَعُ بِهَا شَمْلِیْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعْثِیْ وَتَرُدُّ بِهَا اُلْفَتِیْ وَتُصْلِحُ بِهَا دِيْنِیْ وَتَحْفَظُ بِهَا غَائِبِیْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِیْ وَتُزَكِّیْ بِهَا عَمَلِیْ وَتُبَيِّضُ بِهَا وَجْهِیْ وَتُلْهِمُنِیْ بِهَا رُشْدِیْ وَتَعْصِمُنِیْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ۔ وَهٰذَا النَّوْعُ مِنَ الْوَزْنِ قَرِيْبٌ مِّنَ السَّجْعِ مِنْ حَيْثُ بِنَاءِ الْجُمْلَةِ وَسَنَعُوْدُ اِلَيْهِ بَعْدَ قَلِيْلٍ۔

بے شک حدیث میں ہر جگہ سجع نہیں ہوسکتا جس طرح سے کہ قرآن میں ہر جگہ نہیں برتا گیا۔ اگرچہ وہ آرائش کلام کا ایک پسندیدہ عنوان ہے لیکن اس کا التزام اس لیے نہیں جاری رکھا جاسکتا کہ ایسا کرنے میں معانی کو الفاظ کا تابع بنانا پڑے گا۔ احادیث میں ہم کو بہت سی عبارتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کا انداز وزن کی رعایت کے لحاظ سے سجع کا سا ہے، اگرچہ اس میں قافیہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِیْ بِهَا قَلْبِیْ وَتَجْمَعُ بِهَا شَمْلِیْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعْثِیْ وَتَرُدُّ بِهَا اُلْفَتِیْ وَتُصْلِحُ بِهَا دِيْنِیْ، وَتَحْفَظُ بِهَا غَائِبِیْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِیْ وَتُزَكِّیْ بِهَا عَمَلِیْ وَتُبَيِّضُ بِهَا وَجْهِیْ وَتُلْهِمُنِیْ بِهَا رُشْدِیْ وَتَعْصِمُنِیْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ۔[2] اور جملہ

---

[1] احیاء العلوم، غزالی، ج ۱، ص ۳۳۰۔

[2] احیاء العلوم، غزالی، ج ۱، ص ۳۲۲۔

کی بناوٹ کے لحاظ سے وزن کی یہ قسم سجع سے لگ بھگ ہے۔

وَلَوْ مَضَيْنَا نَسْتَقْرِئُ خُطَبَ الصَّحَابَةِ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ لَرَاَيْنَا السَّجْعَ يُلْتَزَمُ فِيْ كَثِيْرٍ مِنَ الْاَحْيَانِ۔ وَقَدْ رَاَيْنَا التَّوْحِيْدِيَّ يَخْتَرِعُ حَدِيْثَ السَّقِيْفَةِ وَيَرٰى مِنَ الْفَنِّ اَنْ يَنْطِقَ الصَّحَابَةُ بِكَلَامٍ مَسْجُوْعٍ لِاَنَّهٗ كَانَ يَعْرِفُ لُغَتَهُمْ كَذٰلِكَ۔ وَ دِقَّةِ الْمُحَاكَاةِ مَا رَاَيْنَا التَّوْحِيْدِيَّ يَحْرُصُ عَلَيْهِ فِيْ حَدِيْثِ السَّقِيْفَةِ مِنَ التَّسَامُحِ فِيْ اِلْتِزَامِ السَّجْعِ فِيْ بَعْضِ الْفِقَرَاتِ لِيُوَافِقَ الْمَنْهَجَ الَّذِيْ عُرِفَ فِيْ نَظْمِ الْقُرْاٰنِ وَ الْحَدِيْثِ وَخُطَبِ الصَّحَابَةِ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ۔

علاوہ ازیں اگر ہم صحابہ رسولؐ وخلفائے راشدین کے خطبوں کو پڑھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر وبیشتر ان میں سجع کا التزام کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابوحیان توحیدی نے حدیث سقیفہ کو وضع کیا اور اس نے فنی حیثیت سے یہ لازم جانا کہ صحابہ کی گفتگو کو مسجوع کلام کی حیثیت سے وارد کرے، کیونکہ توحیدی ان کے انداز کلام اور ان کے گفتگو کے طور طریقہ سے خوب واقف تھا۔ خلفاء کے نقل قول میں اپنے کلام کو بالکل ان کا کلام بنا دینے میں توحیدی اس حد تک حریص ہے کہ اس نے اکثر مقامات پر سجع کو ترک کر دیا ہے تاکہ بالکل اس اسلوب کے مطابق ہو جائے جو قرآن وحدیث اور صحابہ وخلفائے راشدین کے خطبوں میں پایا جاتا ہے۔

علامہ شیخ ضیاء الدین ابوالفتح نصر اللہ محمد بن عبدالکریم بن اثیر الجزری الموصلی الشافعی المتوفی ۶۳۷ھ اپنی کتاب "المثل السائر فی الادب الکاتب والشاعر" میں لکھتے ہیں:

اِنَّ اَكْثَرَ الْقُرْاٰنِ مَسْجُوْعٌ. حَتّٰى اِنَّ السُّوْرَةَ لَتَاْتِيْ جَمِيْعُهَا مَسْجُوْعَةً. وَمَا مَنَعَ اَنْ يَاْتِيَ الْقُرْاٰنُ كُلُّهٗ مَسْجُوْعًا اِلَّا اَنَّهٗ سَلَكَ مَسْلَكَ الْاِيْجَازِ وَالْاِخْتِصَارِ. وَالسَّجْعُ لَا يُؤَاتِيْ فِيْ كُلِّ مَوْضِعٍ مِنَ الْكَلَامِ. هُوَ اَقْوٰى مِنَ الْاَوَّلِ. وَلِذٰلِكَ ثَبَتَ اَنَّ الْمَسْجُوْعَ مِنَ الْكَلَامِ اَفْضَلُ مِنْ غَيْرِ الْمَسْجُوْعِ وَاِنَّمَا تُضَمِّنُ الْقُرْاٰنَ غَيْرَ الْمَسْجُوْعِ؛ لِاَنَّ وُرُوْدَ غَيْرِ الْمَسْجُوْعِ مُعْجِزًا اَبْلَغُ فِيْ بَابِ الْاِعْجَازِ مِنْ وُرُوْدِ الْمَسْجُوْعِ. وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ تُضَمَّنُ الْقُرْاٰنُ الْقِسْمَيْنِ جَمِيْعًا۔

قرآن کا اکثر وبیشتر حصہ سجع پر مشتمل ہے یہاں تک کہ بعض سورے تو ایسے ہیں جو از اول تا آخر صنعت سجع کے حامل ہیں، جن بعض مقامات پر سجع کا استعمال نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

قرآن کلام موجز ومختصر ہے اور سجع کی وجہ سے جن بعض مقامات پر ایجاز سے ہٹنا ناگزیر ہوگیا تھا وہاں سے ایک ادبی مصلحت سے نظر انداز کیا گیا اور جو صنعت ایجاز اس سے بھی زیادہ قوی ہے اسے اختیار کیا گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کلام جو مسجوع ہے وہ غیر مسجوع کلام سے افضل ہے۔ قرآن مجید میں غیر مسجوع کلام معجزے کے عنوان سے وارد کیا گیا ہے کیونکہ مسجوع کلام کے مقابلہ میں غیر مسجوع کلام باعتبار اعجاز زیادہ بلیغ ہے، اسی سبب سے قرآن میں دونوں قسم کے کلام موجود ہیں۔[۱]

علامہ موصوف "سجع" کی بحث میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَمَّهُ بَعْضُ اَصْحَابِنَا مِنْ اَرْبَابِ هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ وَلَا اَرٰى لِذٰلِكَ وَجْهًا سِوٰى عَجْزِهِمْ اَنْ يَّأْتُوْا بِهٖ. وَاِلَّا فَلَوْ كَانَ مَذْمُوْمًا لِمَا وَرَدَ فِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ. فَاِنَّهٗ قَدْ اَتٰى مِنْهُ بِالْكَثِيْرِ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيُؤْتٰى بِالسُّوْرَةِ جَمِيْعِهَا مَسْجُوْعَةً. كَسُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ. وَسُوْرَةِ الْقَمَرِ. وَغَيْرِهِمَا. وَبِالْجُمْلَةِ فَلَمْ تَخْلُ مِنْهُ سُوْرَةٌ مِّنَ السُّوَرِ۔ فَمِنْ ذٰلِكَ ..... وَاَمْثَالُ ذٰلِكَ كَثِيْرَةٌ۔

بعض اہل ادب نے سجع کو مذموم سمجھا ہے، میرے نزدیک اس کو برا سمجھنے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ برا سمجھنے والے خود اس صنعت پر قادر نہ تھے کہ اس صنعت کو استعمال کر سکتے اس لیے ان لوگوں نے اپنی کمزوری کو پوشیدہ کرنے کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ اس کو برا کہیں، اگر دراصل یہ کوئی مذموم صنعت ہوتی تو قرآن کریم میں اس کا استعمال کیوں ہوتا، قرآن میں بکثرت سجع موجود ہے، یہاں تک کہ بعض سورے تو شروع سے آخر تک مسجوع ہیں جیسے سورۂ رحمن، سورۂ القمر وغیرہما۔ مختصر یہ کہ قرآن میں کوئی سورہ ایسا نہیں ہے جس میں سجع کی مثال نہ مل جاتی ہو، چند مثالیں ملاحظہ ہوں (اس کے بعد وہ آیات قرآنی جس میں سجع ہے بطور مثال کے نقل کی ہیں جن کو بلحاظ طوالت ترک کیا گیا) قرآن میں سجع کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

وَقَدْ وَرَدَ عَلٰى هٰذَا الْاُسْلُوْبِ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ ﷺ شَيْءٌ كَثِيْرٌ اَيْضًا۔ فَمِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ " اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ". قُلْنَا: اِنَّا لَنَسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: " لَيْسَ ذٰلِكَ

---

[۱] مثل السائر، ص ۶۷، طبع مصر۔

وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ اَنْ تَحْفُظَ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَتَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا"۔

قرآن کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں بھی یہ اسلوب (سجع) بکثرت پایا جاتا ہے، منجملہ اس کے یہ ہے جس کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: خدا سے حیا کرو جو حق ہے حیا کرنے کا، اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا: حیا یہ نہیں ہے بلکہ خدا سے حیا کرنا یوں ہے کہ اَنْ تَحْفُظَ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَتَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔

وَمِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ. فَقَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِاَنْظُرَ اِلَيْهِ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَلِمْتُ اَنَّهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ اَنْ قَالَ: " اَيُّهَا النَّاسُ، اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ"۔

از آں جملہ عبداللہ بن سلام کی روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میں حضرتؐ کی زیارت کے لیے مجمع میں نکلا۔ جب حضرتؐ کے روئے مبارک پر نظر پڑی تو مجھے اس کا یقین ہو گیا کہ معاذ اللہ یہ کسی کاذب کا چہرہ نہیں ہے بلکہ حضرتؐ اپنے دعوی رسالت میں صادق ہیں۔ اس وقت حضرتؐ نے سب سے پہلے جو کلام ارشاد فرمایا وہ یہ تھا: " اَيُّهَا النَّاسُ، اَفْشُوا السَّلَامَ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ. وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ"۔

فَاِنْ قِيْلَ اِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ لِبَعْضِهِمْ مُنْكِرًا عَلَيْهِ وَقَدْ كَلَّمَهُ بِكَلَامٍ مَسْجُوْعٍ" اَسَجْعًا كَسَجْعِ الْكُهَّانِ" وَلَوْلَا اَنَّ السَّجْعَ مَكْرُوْهٌ لَمَا اَنْكَرَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فَالْجَوَابُ عَنْ ذٰلِكَ اَنَّا نَقُوْلُ: لَوْ كَرِهَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم السَّجْعَ مُطْلَقًا لَقَالَ: اَسَجْعًا؟ ثُمَّ سَكَتَ. وَكَانَ الْمَعْنٰى يَدُلُّ عَلٰى اِنْكَارِ هٰذَا الْفِعْلِ لِمَ كَانَ. فَلَمَّا قَالَ: اَسَجْعًا كَسَجْعِ الْكُهَّانِ. صَارَ الْمَعْنٰى مُعَلَّقًا عَلٰى اَمْرٍ. وَهُوَ اِنْكَارُ الْفِعْلِ لِمَ كَانَ عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ. فَعُلِمَ اَنَّمَا ذَمَّ مِنَ السَّجْعِ مَا كَانَ مِثْلَ سَجْعِ الْكُهَّانِ لَا غَيْرَ. وَاَنَّهُ لَمْ يَذُمَّ السَّجْعَ عَلَى الْاِطْلَاقِ.

اب اگر کوئی معترض یہ کہے کہ حضرتؑ نے ایک ایسے شخص سے جس نے حضرتؑ سے مسجوع کلام کیا تھا تو حضرتؑ نے اس کو ناپسند فرما کر یہ ارشاد کیا تھا "یہ سجع تو مثل کاہنوں کی سجع کے ہے"۔ اگر سجع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناپسند نہ فرماتے تو یہ نہ ارشاد کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطلق سجع کو ناپسند فرماتے تو یہ ارشاد کر کے ساکت ہو جاتے کہ "یہ تو سجع ہے" کیونکہ اس سے سجع کی ہر قسم سے اظہار ناگواری ہو جاتی لیکن حضرتؑ نے جب یہ فرمایا کہ "یہ سجع تو مثل کاہنوں کی سجع کے ہے" تو اس سے مطلق سجع کے انکار کا مفہوم نہیں پیدا ہوتا بلکہ ایک مخصوص انداز سجع سے ناگواری ظاہر ہو رہی ہے اور وہ مخصوص انداز کاہنوں کی سجع کا ہے نہ کہ سجع کی دوسری قسمیں۔ اس لیے کہ حضرتؑ نے سجع کی مطلقاً مذمت نہیں فرمائی ہے۔

وَقَدْ وَرَدَ فِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ، وَهُوَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَدْ نَطَقَ بِهٖ فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ كَلَامِهٖ، حَتّٰى اِنَّهٗ غَيَّرَ الْكَلِمَةَ عَنْ وَجْهِهَا اتِّبَاعًا لَهَا بِاَخَوَاتِهَا مِنْ اَجْلِ السَّجْعِ. فَقَالَ لِابْنِ ابْنَتِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اُعِيْذُهٗ مِنَ الْهَامَّةِ وَالسَّامَّةِ وَكُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ، وَاِنَّمَا اَرَادَ "مُلِمَّةٌ"، لِاَنَّ الْاَصْلَ فِيْهَا مِنْ "اَلَمَّ" فَهُوَ "مُلِمٌّ". وَكَذٰلِكَ قَوْلُهٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اِرْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ. وَاِنَّمَا اَرَادَ "مَوْزُوْرَاتٍ" مِنَ الْوِزْرِ. فَقَالَ: "مَأْزُوْرَاتٍ" لِمَكَانِ "مَأْجُوْرَاتٍ"، طَلَبًا لِلتَّوَازُنِ وَالسَّجْعِ، وَهٰذَا مِمَّا يَدُلُّكَ عَلٰى فَضِيْلَةِ السَّجْعِ۔

اور ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا جبکہ قرآن مجید میں سجع موجود ہے اور خود حضرتؑ نے بھی کلام مسجوع ارشاد فرمایا ہے یہاں تک کہ محض سجع کو برقرار رکھنے کے لئے حضرتؑ نے اپنے کلام میں ایک کلمہ کو اس کی صورت سے بدل دیا تاکہ لفظوں میں جو سجع کی مناسبت ہے وہ باقی رہے۔ جیسا کہ آپؑ نے اپنے فرزند دختر کے لیے یہ ارشاد فرمایا تھا: "اُعِيْذُهٗ مِنَ الْهَامَّةِ وَالسَّامَّةِ وَكُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ"، "لَامَّةٍ" کے بجائے یہاں پر حضرتؑ نے "مُلِمَّةٌ" مراد لیا ہے کیونکہ اصل لفظ "اَلَمَّ" سے یہ "مُلِمٌّ" ہوگا۔ اسی طرح حضرتؑ کا یہ ارشاد "اِرْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ" یہاں پر بھی حضرتؑ کی مراد "مَوْزُوْرَاتٍ" ہے جو "وِزْر" سے ہے لیکن حضرتؑ "مَأْجُوْرَاتٍ" کی مناسبت سے "مَأْزُوْرَاتٍ" ارشاد فرماتے ہیں تاکہ وزن و سجع دونوں قائم

رہے اور یہ امر تم پر سجع کی فضیلت کو ثابت کر دیتی ہے۔

عَلٰی اَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ النَّبَوِيَّ الَّذِيْ يَتَضَمَّنُ اِنْكَارَ سَجْعِ الْكُهَّانِ عِنْدِيْ فِيْهِ نَظَرٌ. فَاِنَّ الْوَهْمَ يَسْبِقُ اِلٰى اِنْكَارِهٖ. يُقَالُ: فَمَا سَجْعُ الْكُهَّانِ الَّذِيْ يَتَعَلَّقُ الْاِنْكَارُ بِهٖ. وَنُهِيَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ وَالْجَوَابُ عَنْ ذٰلِكَ: اَنَّ النَّهْيَ لَمْ يَكُنْ عَنِ السَّجْعِ نَفْسِهٖ. وَاِنَّمَا النَّهْيُ عَنْ حُكْمِ الْكَاهِنِ الْوَارِدِ بِاللَّفْظِ الْمَسْجُوْعِ. اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ـ ـ ـ اَسَجْعًا كَسَجْعِ الْكُهَّانِ اَيْ: اَتَتَّبِعُ سَجْعًا كَسَجْعِ الْكُهَّانِ؟

علاوہ اس کے یہ حدیث نبوی جو کاہنوں کے سجع کے انکار پر مشتمل ہے یہ میرے نزدیک قابل غور ہے۔سوال یہ ہے کہ کاہنوں کا سجع کیسا ہوتا ہے جو قابل ذم ہے اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت نفس سجع سے ہے بلکہ اس نہی کا تعلق اس حکم سے ہے جو کاہن اپنی مسجع عبارت کے ذریعہ لگایا کرتے ہیں۔۔۔

وَكَذٰلِكَ كَانَ الْكَهَنَةُ كُلُّهُمْ. فَاِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سُئِلُوْا عَنْ اَمْرٍ جَاءُوْا بِالْكَلَامِ مَسْجُوْعًا كَمَا فَعَلَ الْكَاهِنُ فِيْ قِصَّةِ هِنْدِ بِنْتِ عُتْبَةَ. فَاِنَّهٗ قَالَ لَمَّا امْتُحِنَ قَبْلَ السُّؤَالِ عَنْ قِصَّتِهَا "ثَمَرَةٌ فِيْ كَمَرَةٍ" فَقِيْلَ لَهٗ: نُرِيْدُ اَبْيَنَ مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: حَبَّةُ بُرٍّ فِيْ اِحْلِيْلِ مُهْرٍ. فَاِنَّهٗ قَالَ: عَبْدُ الْمَسِيْحِ. جَاءَ اِلٰى سُطَيْحٍ. وَهُوَ مُوْفٍ عَلَى الضَّرِيْحِ. لِرُؤْيَا الْمُوْبَذَانِ وَارْتِجَاسِ الْاِيْوَانِ. وَاَتَمَّ الْكَلَامَ اِلٰى اٰخِرِهٖ مَسْجُوْعًا. وَالْحِكَايَةُ مَشْهُوْرَةٌ اَيْضًا. فَلِهٰذَا اخْتَصَرْنَاهَا۔

تمام کاہنوں کا دستور تھا کہ جب ان سے کسی امر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ مسجع عبارت میں حکم لگاتے اور جواب دیا کرتے تھے جیسا کہ ہند بن عتبہ کے قصہ میں کاہن نے مسجوع عبارت میں حکم لگایا تھا۔۔۔

فَالسَّجْعُ اِذًا لَيْسَ بِمَنْهِيٍّ عَنْهُ. وَاِنَّمَا الْمَنْهِيُّ عَنْهُ هُوَ الْحُكْمُ الْمَتْبُوْعُ فِيْ قَوْلِ الْكَاهِنِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَسَجْعًا كَسَجْعِ الْكُهَّانِ؟ اَيْ: اَحُكْمًا كَحُكْمِ الْكُهَّانِ. وَاِلَّا فَالسَّجْعُ الَّذِيْ اَتٰى بِهٖ ذٰلِكَ الرَّجُلُ لَا بَاْسَ بِهٖ. لِاَنَّهٗ قَالَ: اَاَدِيْ مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا اَكَلَ. وَلَا نَطَقَ. وَلَا اسْتَهَلَّ. وَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ؟ وَهٰذَا كَلَامٌ حَسَنٌ مِنْ حَيْثُ السَّجْعِ. وَلَيْسَ بِمُنْكَرٍ لِنَفْسِهٖ. وَاِنَّمَا الْمُنْكَرُ هُوَ الْحُكْمُ الَّذِيْ تَضَمَّنَهٗ فِيْ

اِمۡتِنَاعِ الۡكَاهِنِ اَنۡ يَدِیَ الۡجَنِيۡنَ بِغُرَّةٍ عَبۡدٍ اَوۡ اَمَةٍ۔

دراصل سجع سے نہیں منع کیا گیا بلکہ کاہن کی اس حکم کی پیروی سے روکا گیا ہے جو مسجع عبارت میں دیا کرتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جملہ کہ "یہ سجع تو مثل کاہنوں کی سجع کے ہے" یہ مطلب رکھتا ہے کہ یہ حکم لگانا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ کاہن اپنی مسجع عبارت میں حکم لگایا کرتے ہیں، دراصل اگر کوئی سجع کا استعمال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ خود یہی عبارت ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے: "اَ اَدِیۡ مَنۡ لَا شَرِبَ وَلَا اَكَلَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسۡتَهَلَّ وَمِثۡلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ؟" اس میں کیا شک ہے کہ یہ کلام بحیثیت مسجع ہونے کے بہت خوب ہے کسی طرح مذموم نہیں، دراصل اس کی برائی اور مذمت کاہن کے انداز پر اس حکم لگانے سے ہے کہ "اَنۡ يَدِیَ الۡجَنِيۡنَ بِغُرَّةٍ عَبۡدٍ اَوۡ اَمَةٍ"۔[1]

اسی طرح علامہ ابو ہلال حسن بن عبداللہ بن سہل العسکری المتوفی ۳۹۵ھ نے بھی قرآن اور حدیث پیغمبرؐ میں سجع کا ہونا ثابت کیا ہے اور کلام مسجوع کے مستحسن ہونے پر بحث کی ہے، ملاحظہ ہو کتاب "الصناعتین الباب الثامن"۔[2]

علامہ ابن ابی الحدید استحسان کلام مسجوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ اعۡلَمۡ اَنَّ السَّجۡعَ لَوۡ كَانَ عَيۡبًا لَكَانَ كَلَامُ اللّٰهِ سُبۡحَانَهٗ مَعِيۡبًا لِاَنَّهٗ مَسۡجُوۡعٌ كُلُّهٗ ذُوۡ فَوَاصِلَ وَ قَرَائِنَ وَ يَكۡفِيۡ هٰذَا الۡقَدۡرُ وَحۡدَهٗ مُبۡطِلًا لِمَذۡهَبِ هٰؤُلَاۗءِ فَاَمَّا خُطۡبَةُ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هٰذِهٖ فَاِنَّهَا وَ اِنۡ لَمۡ تَكُنۡ ذَاتَ سَجۡعٍ فَاِنَّ اَكۡثَرَ خُطَبِهٖ مَسۡجُوۡعٌ كَقَوۡلِهٖ اِنَّ مَعَ الۡعِزِّ ذُلًّا وَ اِنَّ مَعَ الۡحَيَاةِ مَوۡتًا وَ اِنَّ مَعَ الدُّنۡيَا اٰخِرَةً وَ اِنَّ لِكُلِّ شَیۡءٍ حِسَابًا وَ لِكُلِّ حَسَنَةٍ ثَوَابًا وَ لِكُلِّ سَيِّئَةٍ عِقَابًا وَ اِنَّ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ رَقِيۡبًا وَ اِنَّهٗ لَا بُدَّ لَكَ مِنۡ قَرِيۡنٍ يُدۡفَنُ مَعَكَ هُوَ حَیٌّ وَ اَنۡتَ مَيِّتٌ فَاِنۡ كَانَ كَرِيۡمًا اَكۡرَمَكَ وَ اِنۡ كَانَ لَئِيۡمًا اَسۡلَمَكَ ثُمَّ لَا يُحۡشَرُ اِلَّا مَعَكَ وَ لَا تُبۡعَثُ اِلَّا مَعَهٗ وَ لَا تُسۡاَلُ اِلَّا عَنۡهُ فَلَا تَجۡعَلۡهُ اِلَّا صَالِحًا فَاِنَّهٗ اِنۡ صَلَحَ اٰنَسۡتَ بِهٖ وَ اِنۡ فَسَدَ لَمۡ تَسۡتَوۡحِشۡ اِلَّا مِنۡهُ وَ هُوَ عَمَلُكَ۔ فَاَكۡثَرُ هٰذَا الۡكَلَامِ مَسۡجُوۡعٌ كَمَا تَرَاهُ وَ كَذٰلِكَ خُطَبُهُ الطِّوَالُ كُلُّهَا وَ اَمَّا كَلَامُهُ الۡقَصِيۡرُ فَاِنَّهٗ غَيۡرُ مَسۡجُوۡعٍ لِاَنَّهٗ لَا يَحۡتَمِلُ السَّجۡعَ وَ كَذٰلِكَ الۡقَصِيۡرُ مِنۡ كَلَامِ اَمِيۡرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ علیہ السلام۔

---

[1] مثل السائر، ص ۷۴، ۷۵، طبع مصر۔

[2] الصناعتین، الباب الثامن فی ذکر السجع والازدواج، ص ۱۹۹، ۲۰۰، طبع اول، مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ھ۔

جاننا چاہیے کہ اگر سجع کا استعمال عیب ہے تو پھر قرآن کریم ایسا منزہ اور پاک کلام میں بھی عیب پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی سجع موجود ہے اور یہ امر ان لوگوں کے بطلان کے لیے کافی ہے جو سجع کو معیوب سمجھتے ہیں، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے اگرچہ سب کے سب کلام مسجوع نہیں ہیں لیکن اکثر و بیشتر خطبے حضرتؑ کے ایسے ہیں جس میں سجع موجود ہے مثلاً اِنَّ مَعَ الْعِزِّ ذُلًّا وَ اِنَّ مَعَ الْحَيَاةِ مَوْتًا۔۔۔۔۔۔۔۔۔وَ هُوَ عَمَلُكَ۔

اس کلام کا اکثر و بیشتر حصہ مسجوع ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو حضرتؑ کے جس قدر طولانی خطبے ہیں وہ سب مسجع ہیں۔ ہاں آپ کا کلام قصیر البتہ ایسا ہے جس میں سجع نہیں پایا جاتا کیونکہ ایسا کلام سجع کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام کے کلام قصیر میں بھی سجع نہیں ہے۔

فَاَمَّا قَوْلُهُمْ اِنَّ السَّجْعَ يَدُلُّ عَلَى التَّكَلُّفِ فَاِنَّ الْمَذْمُوْمَ هُوَ التَّكَلُّفُ الَّذِیْ تَظْهَرُ سَمَاجَتُهُ وَ ثِقْلُهُ لِلسَّامِعِيْنَ فَاَمَّا التَّكَلُّفُ الْمُسْتَحْسَنُ فَاَیُّ عَيْبٍ فِيْهِ اَلَا تَرٰی اَنَّ الشِّعْرَ نَفْسَهُ لَا بُدَّ فِيْهِ مِنْ تَكَلُّفِ اِقَامَةِ الْوَزْنِ وَ لَيْسَ لِطَاعِنٍ اَنْ يَطْعَنَ فِيْهِ بِذٰلِكَ۔

رہا معترض کا یہ خیال کہ سجع تکلف و تصنع پر دلالت کرتا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں اس لیے کہ مذموم دراصل وہ تکلف ہے جس کی قباحت ظاہر ہو اور سننے والوں پر گراں گزرے لیکن تکلف مستحسن تو اس میں کون سا عیب ہے۔ آخر دیکھیے تو خود شعر میں وزن کی پابندی کب تکلف سے خالی ہے لیکن اس پر کوئی معترض اعتراض نہیں کرتا۔

وَ احْتَجَّ عَائِبُو السَّجْعِ بِقَوْلِهٖ عليه السلام لِبَعْضِهِمْ مُنْكِرًا عَلَيْهِ "اَ سَجْعًا كَسَجْعِ الْكُهَّانِ"۔ وَ لَوْ لَا اَنَّ السَّجْعَ مُنْكَرٌ لَمَا اَنْكَرَ عليه السلام سَجْعَ الْكُهَّانِ وَ اَمْثَالِهٖ۔ فَيُقَالُ لَهُمْ اِنَّمَا اَنْكَرَ عليه السلام السَّجْعَ الَّذِیْ يَسْجَعُ الْكُهَّانُ اَمْثَالَهُ لَا السَّجْعَ عَلَى الْاِطْلَاقِ وَ صُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ اَنَّهُ عليه السلام اَمَرَ فِی الْجَنِيْنِ بِغُرَّةٍ فَقَالَ قَائِلٌ اَ اَدِیْ مَنْ لَا شَرِبَ وَ لَا اَكَلَ وَ لَا نَطَقَ وَ لَا اسْتَهَلَّ وَ مِثْلُ هٰذَا يُطَلُّ! فَاَنْكَرَ عليه السلام ذٰلِكَ لِاَنَّ الْكُهَّانَ كَانُوْا يَحْكُمُوْنَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ بِاَلْفَاظٍ مَسْجُوْعَةٍ كَقَوْلِهِمْ حَبَّةُ بُرٍّ فِیْ اِحْلِيْلِ مُهْرٍ۔ وَ قَوْلُهُمْ عَبْدُ الْمَسِيْحِ عَلٰی جَمَلٍ مُشِيْحٍ لِرُؤْيَا الْمُوْبَذَانِ وَ ارْتِجَاسِ الْاِيْوَانِ وَ نَحْوُ ذٰلِكَ مِنْ كَلَامِهِمْ۔ وَ كَانَ عليه السلام قَدْ اَبْطَلَ الْكِهَانَةَ وَ التَّنْجِيْمَ وَ السِّحْرَ وَ نَهٰی عَنْهَا فَلَمَّا سَمِعَ كَلَامَ ذٰلِكَ الْقَائِلِ اَعَادَ الْاِنْكَارَ وَ مُرَادُهُ بِهٖ تَاْكِيْدُ تَحْرِيْمِ الْعَمَلِ عَلٰی اَقْوَالِ

اَلْکَھَنَۃِ ۔وَ لَوْ کَانَ علیہ السلام قَدْ اَنْکَرَ السَّجْعَ لَمَا قَالَهٗ وَ قَدْ بَیَّنَّا اَنَّ کَثِیْرًا مِنْ کَلَامِهٖ مَسْجُوْعٌ وَ ذَکَرْنَا خُطْبَتَهٗ۔

سجع کو برا سمجھنے والوں نے آنحضرتؐ کے اس قول سے بھی احتجاج کیا ہے جو آنحضرتؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ سجع مثل کاہنوں کی سجع کے ہے۔ معترض کا گمان یہ ہے کہ اگر سجع مذموم نہ ہوتا تو آنحضرتؐ ایسا کیوں ارشاد کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے کاہنوں کی سجع کو مکروہ و مذموم قرار دیا ہے نہ کہ مطلق سجع کو۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جنین کے متعلق جو ارشاد فرمایا تھا تو اس کو سن کر ایک شخص نے یہ کہا تھا: "اَ اَدِیْ مَنْ لَا شَرِبَ وَ لَا اَکَلَ وَ لَا نَطَقَ وَ لَا اسْتَهَلَّ وَ مِثْلُ هٰذَا یُطَلُّ"، پس حضرتؐ نے اس انداز کلام کو ناپسند فرمایا، اس لیے کہ کاہن زمانہ جاہلیت میں مسجوع الفاظ کے ساتھ حکم لگایا کرتے تھے جیسے کاہنوں کا قول ہے۔ "حَبَّۃُ بُرٍّ فِیْ اِحْلِیْلِ مُهْرٍ" یا ان لوگوں کا یہ قول "عَبْدُ الْمَسِیْحِ عَلٰی جَمَلٍ مُشِیْحٍ لِرُؤْیَا الْمُوْبَذَانِ وَ ارْتِجَاسِ الْاِیْوَانِ" وغیرہ وغیرہ۔ آنحضرتؐ نے کہانت، سحر، علم نجوم (جوتش) وغیرہ کو باطل قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب آنحضرتؐ نے قائل کے مندرجہ بالا کلام کو سنا تو آپؐ نے اس کو ناپسند فرمایا گویا حضرتؐ نے اس طرح کاہنوں کے اقوال پر عمل کرنے کی حرمت پر تاکید فرمائی، اگر آنحضرتؐ سجع کو برا سمجھتے ہوتے تو خود کیوں استعمال فرماتے جیسا کہ آپؐ کے اکثر کلام میں موجود ہے اور ایک خطبہ کو مثالاً پیش کر چکا ہوں۔

وَ مِنْ کَلَامِهٖ علیہ السلام الْمَسْجُوْعِ خَبَرُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ" فَقُلْنَا اِنَّا لَنَسْتَحْیِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی. فَقَالَ "لَیْسَ ذٰلِكَ مَا اَمَرْتُکُمْ بِهٖ وَ اِنَّمَا الْاِسْتِحْیَاءُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاْسَ وَ مَا وَعٰی وَ الْبَطْنَ وَ مَا حَوٰی وَ تَذْکُرَ الْمَوْتَ وَ الْبِلٰی وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ تَرَكَ زِیْنَۃَ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا". وَ مِنْ ذٰلِكَ کَلَامُهُ الْمَشْهُوْرُ لَمَّا قَدِمَ علیہ السلام قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ اَوَّلَ قُدُوْمِهٖ اِلَیْهَا" اَیُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ صِلُوا الْاَرْحَامَ وَ صَلُّوْا بِاللَّیْلِ، وَ النَّاسُ نِیَامٌ. تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ وَ عَوَّذَ الْحَسَنَ علیہ السلام فَقَالَ اُعِیْذُكَ مِنَ الْهَامَّۃِ وَ السَّامَّۃِ وَ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ. وَ اِنَّمَا اَرَادَ مُلِمَّۃٌ فَقَالَ لَامَّۃٌ لِاَجْلِ السَّجْعِ۔ وَ کَذٰلِكَ قَوْلُهٗ "اِرْجِعْنَ مَاْزُوْرَاتٍ غَیْرَ مَاْجُوْرَاتٍ" وَ اِنَّمَا هُوَ مَوْزُوْرَاتٍ بِالْوَاوِ۔

خبر ابن مسعود بھی مسجوع کلام آپؑ سے منقول ہے: اَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَ مَا وَعٰى وَ الْبَطْنَ وَ مَا حَوٰى وَ تَذْكُرَ الْمَوْتَ وَ الْبِلٰى وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا"

اور حضرتؑ کا یہ کلام مشہور جو مدینہ میں آنے کے بعد ارشاد فرمایا: "اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ. وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ. وَ صِلُوا الْاَرْحَامَ. وَ صَلُّوا بِاللَّيْلِ. وَ النَّاسُ نِيَامٌ. تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ"۔ یا امام حسن علیہ السلام کے لیے آپؑ کی جو دعا ہے: "اُعِيْذُكَ مِنَ الْهَامَّةِ وَ السَّامَّةِ وَ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ"۔ یہاں پر لامۃ سے مراد حضرتؑ کی ملمۃ ہے لیکن حضرتؑ نے سجع کو برقرار رکھنے کے لیے لامۃ ارشاد کیا۔ اسی طرح حضرتؑ کا قول "اِرْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَأْجُوْرَاتٍ"۔ حالانکہ دراصل مازورات نہیں ہے بلکہ موزورات واؤ کے ساتھ ہے، لیکن سجع کے لیے مازورات ارشاد ہوا۔[1]

بہر حال عہد جاہلیت و صدر اول اسلام کے خصوصیات میں سے ہے کہ اس عہد کا کلام مسجوع ہوا کرتا تھا، یہاں تک کہ خلیفہ سوم عثمان بن عفان جو قادر الکلام خطیب نہ تھے جن کی زبان تقریر کرنے میں بند ہو جاتی تھی لیکن خلافت کی ذمہ داری کی بنا پر کسی نہ کسی طرح خطبہ دینے پر مجبور تھے، ان کے بھی مسجوع خطبے پائے جاتے ہیں جس میں سجع کی پابندی موجود ہے۔[2]

---

[1] ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۳۲، ۳۳، طبع مصر۔

[2] تاریخ الطبری، ج ۳، ص ۴۷۷، طبع قاہرہ۔ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۸۲، طبع مصر۔

ساتواں شبہ

نہج البلاغہ میں بعض الفاظ ایسے معنوں میں وارد ہوئے ہیں جن معنوں میں صدر اول میں یہ الفاظ نہیں دلالت کرتے تھے بلکہ یہ الفاظ مولد ہیں جو دورِ تراجم وتدوین علوم میں اصطلاحاً ان معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں جیسے أَزَلِيَّةٌ، كَيْفِيَّةٌ، مَعْلُوْلٌ۔ دخیل الفاظ کا پایا جانا اس کا ثبوت ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔

جواب

یہ ایراد کئی وجہوں سے صحیح نہیں ہے۔

اصطلاحات کے واضع خود امیر المومنین علیہ السلام ہیں

اول یہ کہ جدید اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے یہی کیوں نہ تسلیم کیا جائے کہ ان اصطلاحات کے اصل واضع وموجد خود امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی ہیں۔ جس طرح حضرتؑ نے علم نحو کو ایجاد فرمایا، نقوط[1] اعراب کی تشکیل کی، علم توحید وکلام اور فقہ اسلامی کی تاسیس فرمائی۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

لَهُ الْهِدَايَةُ الْأُوْلٰى فِي التَّوْحِيْدِ الْإِسْلَامِيِّ، وَالْقَضَاءِ الْإِسْلَامِيِّ، وَالْفِقْهِ الْإِسْلَامِيِّ، وَعِلْمِ النَّحْوِ الْعَرَبِيِّ، وَفَنِّ الْكِتَابَةِ الْعَرَبِيَّةِ مِمَّا يَجُوْزُ لَنَا اَنْ نُسَمِّيَهُ اَسَاسًا صَالِحًا

---

[1] یہاں پر نقوط اعراب سے مراد علامت اعراب ہے، جو شروع میں قرآن مجید میں بطور علامت (زیر، زبر، پیش) کے نقطہ کی شکل میں دیے گئے تھے۔ اس امر کی تعلیم ابوالاسود نے امیر المومنین علیہ السلام سے حاصل کی تھی، ورنہ اصل نقطہ کا وجود بہت پہلے سے ہے، نقطہ سامی زبانوں میں برابر استعمال ہوا ہے۔ استاد دکتور ابراہیم جمعہ مصری لکھتے ہیں:

وَاِذَا كَانَ مِنَ الْمَقْطُوْعِ بِهٖ اَنَّ الشَّكْلَ اَوِ الْعَلَامَاتِ الْاِعْرَابِيَّةَ اَمْرٌ حَادِثٌ عَنِ الْكِتَابَةِ الْعَرَبِيَّةِ فِي الْاِسْلَامِ، فَاِنَّ النُّقَطَ بِمَعْنٰى اِضَافَةِ النُّقَطِ اِلَى الْحُرُوْفِ الْمُتَشَابِهَةِ فِي الرَّسْمِ كَالْبَاءِ وَالتَّاءِ وَالثَّاءِ وَالْيَاءِ قَدْ يَكُوْنُ اَقْدَمَ عَهْدًا، اِذْ يَبْعُدُ اَنْ تَكُوْنَ الْحُرُوْفُ الَّتِيْ مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ قَدْ وُضِعَتْ اَوَّلَ اَمْرِهَا عَلٰى هٰذَا اللَّبْسِ، وَتَدُلُّ بَعْضُ الْكِتَابَاتِ الْعَرَبِيَّةِ الَّتِيْ تُنْتَسَبُ اِلٰى اَوَائِلِ الْعَقْدِ الثَّالِثِ الْهِجْرِيِّ (۲۲ ھ) عَلٰى اَنَّ الْعَرَبَ كَانُوْا يَسْتَعْمِلُوْنَ النُّقَطَ قَبْلَ اِنْشَاءِ الْكُوْفَةِ وَاسْتِقْرَارِهِمْ فِي الْعِرَاقِ؛ اَيْ قَبْلَ زِيَادٍ وَاَبِي الْاَسْوَدِ بِزَمَنٍ۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ شکل وعلامات اعراب عربی کتابت ورسم الخط میں زمانہ اسلام کی ایک جدید چیز ہے کیونکہ وہ نقطہ جو حروف متشابہ میں امتیاز پیدا کرنے کا ایک نشان ہے مثل با، تا، ثا، یا کے اس کا وجود بہت قدیمی زمانہ سے ہے، کیونکہ یہ بالکل بعید امر ہے کہ اس قسم کے حروف اول امر میں اس طرح وضع ہوئے ہوں، اس کے علاوہ عربی کی وہ تحریر جس کی کتابت ۲۲ھ کی بتلائی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نقطے کا استعمال عرب اس زمانہ سے کرتے ہیں جب کوفہ کی بنیاد نہیں پڑی تھی اور زیاد وابوالاسود عراق میں قیام پذیر بھی نہیں ہوئے تھے۔ (قصۃ الکتابۃ العربیۃ، ص ۵۰، دار المعارف مصر)

لِمَوْسُوْعَةِ الْمَعَارِفِ الْاِسْلَامِيَّةِ فِيْ جَمِيْعِ الْعُصُوْرِ. اَوْ يَجُوْزُ لَنَا اَنْ نُسَمِّيَهٗ مَوْسُوْعَةَ الْمَعَارِفِ الْاِسْلَامِيَّةِ كُلِّهَا فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ مِنَ الْاِسْلَامِ۔۔۔

امیر المومنین علی علیہ السلام ہی نے علمی وفنی حیثیت سے سب سے پہلے توحید اسلامی، فقہ اسلامی، علم نحو عربی، فن کتابت عربی کی طرف رہبری فرمائی، جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں اسلام کے ہر دور میں آپؑ کے ارشادات علوم ومعارف اسلامی کے لئے درست اور مستحکم اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہوگا کہ صدر اول اسلام میں آپؑ کی ذات بمنزلہ "دائرۃ المعارف الاسلامیہ" ہے۔[1]

علی علیہ السلام وضع اصطلاحات سے واقف تھے، آپؑ ہی کے سامنے بہت سے لغات عرب کو شارع مقدس نے مروجہ معنوں سے ہٹ کر مخصوص معنوں میں استعمال کیا تھا، اس لیے اگر آپؑ نے ہی سب سے پہلے اس قسم کے الفاظ کو ان معنوں میں استعمال فرمایا ہو تو کیا حیرت ہے جس کو بعد کے علماء فن نے ان مخصوص معنوں میں استعمال کرنا حضرتؑ ہی سے سیکھا، کیا وضع اصطلاحات کی اہمیت علم نحو کے ایجاد سے زیادہ ہے جس کو امیر المومنین علیہ السلام نے وضع فرمایا۔

استاذ اللغۃ العربیہ احمد زکی صفوت لکھتے ہیں:

وَهُوَ الَّذِيْ ابْتَدَعَ عِلْمَ النَّحْوِ وَ اَنْشَاَهٗ وَ اَمْلٰى عَلٰى اَبِي الْاَسْوَدِ الدُّؤَلِيِّ جَوَامِعَهٗ وَ اُصُوْلَهٗ۔

امیر المومنین علیہ السلام ہی کی ذات ہے جس نے علم نحو کو وضع وایجاد فرمایا اور اس علم کے قواعد واصول کو ابو الاسود کو لکھوا بھی دیا۔[2]

حضرتؑ کی دقت نظر کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپؑ نے اپنے شاگرد ابو الاسود کو قواعد زبان کی زبانی تعلیم دینے کے علاوہ اصل اصول کو تحریر کر کے ان کے سپرد فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ اب تم خود تلاش وفکر سے اس میں اضافہ کرو، ابو الاسود نے کچھ دنوں کے بعد اس میں کچھ اضافہ کر کے حضرتؑ کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا، اس میں اِنَّ. اَنَّ. لَيْتَ. لَعَلَّ. كَاَنَّ کا تذکرہ حروف ناصبہ کی حیثیت سے موجود تھا اور "لٰكِنَّ" کو چھوڑ دیا تھا، یہ ملاحظہ کر کے حضرتؑ نے فرمایا کہ حرف "لٰكِنَّ" کو کیوں ترک کر دیا؟ ابو الاسود نے جواب دیا "میں اس کو حروف ناصبہ سے نہیں سمجھتا"۔ حضرتؑ نے فرمایا، نہیں! یہ بھی نصب کرتا ہے۔ یہ معلوم کر کے ابو الاسود نے اس کو بھی لکھ لیا۔[3] یہ معلوم

---

[1] عبقریۃ الامام، ص ۱۸۱، طبع مصر۔

[2] ترجمہ علی ابن ابی طالب، احمد زکی صفوت، ص ۸۰، طبع مصر۔

[3] تاریخ الخلفاء، جلال الدین السیوطی، ص ۷۰، طبع مصر۔ معجم الادباء، یاقوت الحموی، ج ۱۴، ص ۴۸، ۴۹، طبع مصر۔

رہے کہ ابوالاسود وہ ہیں جن کے متعلق علامہ سیوطی نے لکھا ہے: "وَكَانَ اَعْلَمَ النَّاسِ بِكَلَامِ الْعَرَبِ، وَزَعَمُوْا اَنَّهٗ كَانَ يُجِيْبُ فِيْ كُلِّ اللُّغَةِ" یہ کلام عرب کے سب سے بڑے عالم تھے یہاں تک کہ ان کے متعلق لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ہر لغت کو سمجھتے اور اس میں جواب دیتے تھے۔[1] لیکن اتنا بڑا عالم لغات و ماہر لسانیات یہ نہیں جانتا تھا کہ حرف "لٰكِنَّ" نصب کرتا ہے، جب تک کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اس کو نہیں بتلایا۔ امیر المومنین علیہ السلام کا عربی نحو کا ایجاد کرنا بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

بقول الاستاذ العقاد:

فَحِصَّةُ الْاِمَامِ مِنْ عِلْمِ النَّحْوِ۔ مَثَلًا۔ عَظِيْمَةٌ لِاَنَّ الْاِبْتِدَاءَ بِهَا اَصْعَبُ مِنْ تَحْصِيْلِ الْمُجَلَّدَاتِ الضِّخَامِ الَّتِيْ دَوَّنَهَا النُّحَاةُ بَعْدَ تُقَدُّمِ الْعِلْمِ وَتُكَاثُرِ النَّاظِرِيْنَ فِيْهِ۔

امام علیہ السلام کا حصہ عربی علم نحو کے ایجاد و اختراع کرنے میں ایک "مثل عظیم" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی ابتدا کرنا بہت دشوار ہے بہ نسبت تدوین علم و کثرت بحث و دراست کے بعد ضخیم مجلدات لکھ ڈالنے کے جیسا کہ ائمہ علم نحو نے بعد میں کیا۔[2]

امیر المومنین علیہ السلام کا زبان عرب کو علمی و ادبی زبان بنانے میں بہت بڑا حصہ ہے، عربی ادبیات میں علمی و فنی اسلوب کو پیدا کرنے والے آپؑ ہی ہیں۔

العقاد لکھتے ہیں:

فَاسْتَقَامَ لَهٗ اَسْلُوْبٌ مَطْبُوْعٌ مَصْنُوْعٌ. هُوَ فِيْمَا نَرٰى اَوَّلُ اَسَالِيْبِ الْاِنْشَاءِ الْفَنِّيِّ فِي اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ. وَاَوَّلُ اَسْلُوْبٍ ظَهَرَتْ فِيْهِ اٰثَارُ دِرَاسَةِ الْقُرْاٰنِ. وَالْاِسْتِفَادَةُ مِنْ قُدْوَتِهٖ وَسِيَاقِهٖ. وَتَاَتّٰى لَهٗ بِسَلِيْقَتِهِ الْاَدَبِيَّةِ اَنْ يَاْخُذَ مِنْ فَحُوْلَةِ الْبَدَاوَةِ. وَمِنْ تَهْذِيْبِ الْحَضَارَةِ. وَ اَنْمَاطِ التَّفْكِيْرِ الْجَدِيْدِ الَّذِيْ ابْتَدَعَتْهُ الْمَعْرِفَةُ الدِّيْنِيَّةُ وَ الثَّقَافَةُ الْاِسْلَامِيَّةُ۔

حضرتؑ کا ایک فطری اور خود پیدا کیا ہوا اسلوب وسبک قائم ہو گیا جو عربی ادب وانشاء کا سب سے پہلا علمی وفنی اسلوب ہے۔ دراصل سب سے پہلا ایسا اسلوب جس میں مطالعہ قرآن کے آثار ظاہر ہوئے اور قرآن کے طرز و انداز سے فائدہ حاصل کیا گیا، وہ حضرتؑ ہی کا اسلوب

---

[1] المزھر، جلد دوم، صفحہ ۴۰۰، طبع مصر۔
[2] عبقریۃ الامام، ص ۱۸۸، طبع مصر۔

ہے۔ آپؑ نے اپنے ادبی سلیقہ کی وجہ سے آسانی کے ساتھ اس عمدہ اسلوب کو جو عہد تہذیب سے پہلے اور زمانۂ تہذیب وتمدن کا ہے اور اس جدید انداز فکر کو جس کو دینی معرفت اور اسلامی ثقافت نے پیدا کیا ان سب کو اپنا لیا۔[1]

حضرتؑ نے انہیں روزمرہ کے لغات والفاظ کے ذریعہ خاص انداز واسلوب سے نئے نئے معانی ومفہوم کو ادا فرمایا ہے جس سے عرب پہلے واقف نہ تھے۔ یہ ''مَا عَدَا اِمِمَّا بَدَا''[2] کے کلمہ سے کب واقف تھے، سب سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام ہی نے اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے۔[3] لہٰذا الفاظ اَزَلٌ، كَيْفِيَّةٌ، مَعْلُوْلٌ وغیرہ ذلک کا نہج البلاغہ میں علم کلام کے مفہوم میں وارد ہونا یہ دلیل ہے کہ سب سے پہلے علی علیہ السلام نے ان الفاظ کو اس مفہوم میں ادا فرمایا، جس کی پیروی متکلمین نے کی۔ امیر المومنین علیہ السلام کا استعمال خود دلیل ہے کہ مولد نہیں ہے۔

دوم یہ کہ مولد اس لفظ کو کہتے ہیں جس کا اہل لغت نے کہیں تذکرہ نہ کیا ہو اور کسی ایسے شخص کے کلام میں مذکور ہو جس کا قول سند ہونے کے اعتبار سے قابل احتجاج نہ ہو۔ اگر کسی کلمہ کا اہل لغت نے تذکرہ نہ کیا ہو اور وہ کسی ایسے شخص کے کلام میں دستیاب ہو جس کا قول مستند سمجھا جاتا ہو تو اس کو مولد کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے قرآن یا کلام رسولؐ واصحاب رسولؐ میں اگر کوئی لفظ پایا جائے تو پھر اس کے لیے کتب لغت میں سند تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ قرآن یا کلام رسولؐ واصحاب پیغمبرؐ میں اس کا استعمال ہونا خود حجت ہے۔ نہج البلاغہ میں جو کچھ ہے اس کو معتبر وثقہ عربی النسل ائمہ ادبیات عرب بحیثیت خالص وفصیح عربی کے اس کو برابر روایت کرتے چلے آرہے ہیں بالکل اسی طریقہ سے جس طرح امرءالقیس اور دوسرے شعرائے عرب کے کلام کو روایت کر کے قبول کیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ باوجود اختلاف مذہب وعقائد کے مختلف فرقِ اسلامی کی ایک کثیر جماعت نے نہج البلاغہ کو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہونا تسلیم کیا ہے اور اس کی صحت نسبت میں شک نہیں کیا ہے، اس صورت میں حضرت علی علیہ السلام ایسے افصح العرب کے کلام میں کیونکر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں مولد الفاظ ہیں، ہرگز نہیں!

علامہ ابن ابی الحدید نے ابن نباتہ اور امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کو تقابل کرنے کے بعد لکھا ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْمُنْصِفُ هٰذَا الْكَلَامَ وَ مَا عَلَيْهِ مِنْ اَثَرِ التَّوْلِيْدِ اَوْلىٰ بِالنِّسْبَةِ اِلىٰ ذٰلِكَ الْكَلَامِ الْعَرَبِيِّ الْمَحْضِ۔

---

[1] عبقریۃ الامام، ص ۱۸۵، طبع مصر۔

[2] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار اسلامی، خطبہ ۱۳۱، ص ۱۹۶۔

[3] شفاء الغلیل، حرف المیم، ص ۱۸۷، طبع مصر۔

انصاف کرنے والا نظر انصاف سے دیکھے کہ ابن نباتہ کے کلام میں تولید کا اثر کس قدر ہے، بھلا اس کو امیر المومنین علیہ السلام کے کلام سے جو عربی محض ہے کیا نسبت ہے۔[1]

آپ نے دیکھا کہ ابن ابی الحدید کا سا مسلم الثبوت ادیب وشاعر وخطیب وحکیم ومتکلم[2] یہ بتلا رہا ہے کہ نہج البلاغہ جو امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے وہ عربی محض (خالص عربی ہے) اس میں تولید کا مطلق اثر نہیں ہے، اس لیے اساس البلاغہ زمخشری، وشفاء الغلیل خفاجی کا یہ جملہ کہ اَنَّ الْاَزَلَ وَ الْاَزَلِيَّةَ كُلَّهُ خَطَأٌ لَا اَصْلَ لَهُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ "اَزَلْ وَاَزَلِيَّةٌ غلط ہیں کیونکہ کلام عرب میں یہ نہیں پائے جاتے"، زمخشری وخفاجی کے عدم علم پر دلیل ہے کہ ان کے معلومات لغوی جمیع لغات عرب پر محیط نہ تھے ورنہ "علی علیہ السلام" ایسے مطلبی وہاشمی وقرشی افصح العرب کے کلام میں پائے جانے کے بعد یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہے کہ کلام عرب میں یہ نہیں پایا جاتا، اگر یہ دونوں اس پر مطلع ہوتے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے تو پھر ایسا کبھی نہ لکھتے۔ ان دونوں کا یہ لغوی اجتہاد اس نصِ صریح کے بعد کیا وقعت رکھتا ہے؟ اہل لغت سے اس قسم کی غلطیاں اکثر ہوئی ہیں مثلاً لفظ عاشوراء جو خالص عربی لفظ ہے جیسا کہ قیاسِ لغت ومادہ عشر اس پر شاہد ہے اور حدیث پیغمبرؐ میں بہ تکرار یہ لفظ وارد بھی ہوا ہے جیسا کہ صحاح ستہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے لیکن جوہری نے غلطی سے اس کو مولد سمجھا ہے، اس لیے ازل، کنہ وغیرہ ذٰلک کے سے الفاظ کا نہ صرف نہج البلاغہ کلام امیر المومنین علیہ السلام بلکہ صحیفۂ کاملہ کلام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام میں وارد ہونے کے بعد کیونکر خالص عربی لفظ نہ سمجھا جائے گا۔ سادات فصحائے عرب کا استعمال کرنا یہ بتلاتا ہے کہ یہ لفظ مولد نہیں ہیں، بلکہ ایسا سمجھنے والوں کے متعلق سمجھا جائے گا کہ عربیت کے متعلق ان کے معلومات ناقص ہیں۔

لغت الفاظ کی جمع وتالیف حضرتؑ کی محتاج ہے

حضرت علی علیہ السلام ایسے مستند شخصیت کے کلام میں ایسے لغات کی موجودگی اگر بفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ لغات کتب معاجم ولغت میں موجود نہیں ہیں، اس امر کا زبردست ثبوت ہے کہ یہ الفاظ مولد نہیں ہیں، کیونکہ ان الفاظ کے استعمال میں حضرتؑ لغت کے محتاج نہیں ہیں بلکہ خود لغت الفاظ کی جمع وتالیف میں حضرتؑ کی محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کی بنا پر ابن ابی الحدید نے حضرتؑ کے قول "اَرْعَدُوْا وَ اَبْرَقُوْا" کو اصمعی پر حجت قرار دیا ہے جس کا یہ خیال تھا کہ "اَرْعَدَ وَ اَبْرَقَ"[3] صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید حضرتؑ کے مندرجہ ذیل ارشاد کے ضمن میں لکھتے ہیں:

---

[1] ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۳۴، طبع مصر۔

[2] وفیات الاعیان، ابن خلکان بہ ترجمہ ابن اثیر الجزری۔ مجمع الادب، کمال الدین عبدالرزاق الشیبانی الفوطی۔

[3] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۹، ص ۱۳۷۔

قَالَ علیہ السلام وَ قَدْ اَرْعَدُوْا وَ اَبْرَقُوْا وَ مَعَ هٰذَيْنِ الْاَمْرَيْنِ الْفَشَلُ اَرْعَدَ الرَّجُلُ وَ اَبْرَقَ اِذَا اَوْعَدَ وَ تَهَدَّدَ وَ كَانَ الْاَصْمَعِيُّ يُنْكِرُهٗ وَ يَزْعَمُ اَنَّهٗ لَا يُقَالُ اِلَّا رَعَدَ وَ بَرَقَ وَ لَمَّا احْتَجَّ عَلَيْهِ بِبَيْتِ الْكُمَيْتِ،

اَرْعِدْ وَ اَبْرِقْ يَا يَزِيْدُ فَمَا وَعِيْدُكَ لِيْ بِضَائِرٍ

قَالَ: الْكُمَيْتُ قَرَوِيٌّ لَا يَحْتَجُّ بِقَوْلِهٖ وَ كَلَامُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ حُجَّةٌ دَالَّةٌ عَلٰى بُطْلَانِ قَوْلِ الْاَصْمَعِيِّ۔

وہ لوگ مثل رعد کے گرجے اور مثال برق کے چمکے لیکن اس گرج اور تڑپ کے نتیجہ میں سستی وناکامیابی ہے "اَرْعَدَ الرَّجُلُ وَ اَبْرَقَ" کے معنی ہیں فلاں شخص نے ڈرایا دھمکایا۔ اصمعی "اَرْعَدَ وَ اَبْرَقَ" کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور جب ان کے سامنے ثبوت صحت میں کمیت شاعر کے اس بیت کو پیش کیا گیا: "اَرْعِدْ وَ اَبْرِقْ يَا يَزِيْدُ۔۔۔ فَمَا وَعِيْدُكَ بِضَائِرٍ" اصمعی نے اس کا یہ جواب دیا کہ کمیت قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ یہ شہری ہے بدوی نہیں۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کے کلام میں "اَرْعَدَ وَ اَبْرَقَ" کا وارد ہونا یہ دلیل قاطع ہے اصمعی کے بطلان قول پر۔[1]

امیرالمومنین علیہ السلام کا کلام خود حجت ہے جبھی تو اصمعی متوفی ۲۱۶ھ کے سے مشہور لغوی کے خیال وگمان کو مردود قرار دیا جارہا ہے۔ اصمعی کی رد صرف ابن ابی الحدید ہی نہیں کررہے ہیں بلکہ الفراء الکوفی المتوفی ۲۰۷ھ، ابوعبیدہ المتوفی ۲۱۰ھ، ابوزید البصری متوفی ۲۱۵ھ، نے بھی اصمعی کے اس قول کو مردود قرار دیا ہے، اور "اَرْعَدَ وَ اَبْرَقَ" کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔[2]

عدم علم کی وجہ سے کوئی لفظ ٹکسال باہر نہیں کیا جاسکتا

اصمعی کی یہ کتنی بڑی غلطی تھی کہ "اَرْعَدَ وَ اَبْرَقَ" کی صحت کا قائل نہ تھا اور کمیت کو اس لیے حجت نہیں سمجھتا تھا کہ وہ بدوی نہیں تھا حالانکہ لغت عرب میں بعض ایسے الفاظ مل جاتے ہیں جن کو اہل بدو شعرائے جاہلیت نے نہیں استعمال کیا ہے لیکن ان کے عدم استعمال سے اس کے صحت میں کلام نہیں کیا گیا اور نہ اس کو ٹکسال باہر کیا گیا۔ مثلاً فاسق کا لفظ ہے

---

[1] ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۷۹، طبع مصر۔
[2] الالفاظ الکتابیۃ، عبدالرحمن بن عیسیٰ الھمدانی، ص ۴۲، طبع بیروت۔

جس کے متعلق ابن فارس لغوی متوفی ۳۹۰ھ نے اپنی کتاب "الجمل" میں، ابن الاعرابی لغوی متوفی ۲۳۲ھ سے نقل کیا ہے کہ وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے لفظ "فاسق" کو جاہلیت کے کلام میں نہیں دیکھا اور نہ ان کے اشعار میں کہیں پایا (گویا یہ لفظ ٹکسال باہر ہے)۔ علامہ سیوطی اس کو نقل کر کے کہتے ہیں: "وَهٰذَا عَجِيْبٌ وَهُوَ كَلَامٌ عَرَبِيٌّ وَلَمْ يَأْتِ فِيْ شِعْرٍ جَاهِلِيٍّ" یہ عجیب بات ہے کیونکہ یہ لفظ عربی ہے اور اشعار جاہلی میں نہیں وارد ہوا۔[1] اسی طرح یہ الفاظ بھی خالص عربی ہیں جن کو امیر المومنین علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے اور زمخشری وخفاجی قلت نظر کی وجہ سے "مولد" سمجھتے ہیں۔

لغویین نے لفظ ازل کو کتب لغت میں ضبط کیا ہے

یہ تقریر تو لفظ "ازلیہ" وغیرہا کے متعلق بر بنائے فرض کر رہا تھا کہ اگر یہ لفظ لغت عرب میں نہ موجود ہو جب بھی حضرتؑ کے کلام میں اس کا پایا جانا اس کے خالص عربی ہونے پر دلیل ہے۔ حالانکہ اس لفظ کو ایسے مستند ومعتبر لغویین نے اپنے کتب لغت میں ذکر کیا ہے جو خفاجی وزمخشری سے زیادہ لغات عرب کے محقق وماہر ہیں، چنانچہ امام اللغویین ابونصر اسمعیل بن حماد الجوہری اپنی کتاب "الصحاح اللغۃ" میں لکھتے ہیں:

> اَلْاَزَلُ بِالتَّحْرِيْكِ: اَلْقِدَمُ. يُقَالُ: لِلْقَدِيْمِ اَزَلِيٌّ. ذَكَرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ: اَنَّ اَصْلَ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ قَوْلُهُمْ لِلْقَدِيْمِ: لَمْ يَزَلْ. ثُمَّ نُسِبَ اِلٰى هٰذَا فَلَمْ يَسْتَقِمْ اِلَّا بِاِخْتِصَارٍ فَقَالُوْا: يَزَلِيٌّ ثُمَّ اُبْدِلَتِ الْيَاءُ اَلِفًا لِاَنَّهَا اَخَفُّ. فَقَالُوْا اَزَلِيٌّ كَمَاقَالُوْا فِي الرُّمْحِ الْمَنْسُوْبِ اِلٰى ذِيْ يَزَنٍ: اَزَنِيٌّ وَنَصْلٌ اَثْرَبِيٌّ.
>
> الازل "بالتحریک" قدم کے معنوں میں، قدیم کو ازلی کہتے ہیں۔ بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ اصل اس کلمہ کی لوگوں کا یہ قول ہے جو قدیم کے لیے کہتے ہیں "لم یزل" اس کے بعد اس کی طرف نسبت دے کر بطور اختصار "ایزلی" کہا پھر "یا" کو الف سے ثقل کو دور کرنے کے لیے بدل دیا اور ازلی ہو گیا جیسے کہ ذی یزن کی طرف منسوب ہونے والے نیزہ کو اذنی ونصل اثربی کہتے ہیں۔[2]

جوہری اور اس کی لغت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ علامہ جلال الدین السیوطی اپنی کتاب المزہر فی علوم اللغۃ میں لکھتے ہیں:

> وَغَالِبُ هٰذِهِ الْكُتُبِ لَمْ يَلْتَزِمْ فِيْهَا مُؤَلِّفُوْهَا الصَّحِيْحَ بَلْ جَمَعُوْا فِيْهَا مَا صَحَّ وَغَيْرَهٗ وَيُنَبِّهُوْنَ عَلٰى مَا لَمْ يَثْبُتْ غَالِبًا. وَاَوَّلُ مَنِ الْتَزَمَ الصَّحِيْحَ مُقْتَصِرًا عَلَيْهِ

---

[1] المزہر، سیوطی، ج ۱، ص ۳۴۴، طبع مصر۔
[2] الصحاح الجوہری، ج ۲، باب اللام، فصل الالف، ص ۱۵۰، طبع مصر۔

اَلْاِمَامُ اَبُوْ نَصْرٍ اِسْمَاعِیْلُ بْنُ حَمَّادِ الْجَوْهَرِیُّ وَلِهٰذَا سُمِّیَ كِتَابُهٗ بِالصِّحَاحِ۔

جتنے کتب لغات ہیں اس میں جامعین نے صحت کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ صحیح وغیر صحیح سب کو جمع کر دیا ہے اور کہیں کہیں پر بعض الفاظ جو ثابت نہیں ہیں ان پر متنبہ کر دیا ہے لیکن سب سے پہلے جس لغوی نے الفاظ صحیح کو جمع کرنے کا التزام کیا ہے وہ امام ابونصر بن اسمٰعیل بن حماد الجوہری ہے اسی لیے اس نے اپنی کتاب کا نام "الصحاح" رکھا ہے۔[1]

سیوطی دوسرے کتب لغات کا تذکرہ کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں:

وَلَمْ یَصِلْ وَاحِدٌ مِنْ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ فِیْ كَثْرَةِ التَّدَاوُلِ اِلٰی مَا وَصَلَ اِلَیْهِ الصِّحَاحُ وَلَا نَقُصَتْ رُتْبَةُ الصِّحَاحِ وَلَا شُهْرَتُهٗ بِوُجُوْدِ هٰذِهٖ وَذٰلِكَ لِالْتِزَامِهٖ مَا صَحَّ فَهُوَ فِیْ كُتُبِ اللُّغَةِ نَظِیْرُ صَحِیْحِ الْبُخَارِیِّ فِیْ كُتُبِ الْحَدِیْثِ وَلَیْسَ الْمَدَارُ فِی الْاِعْتِمَادِ عَلٰی كَثْرَةِ الْجَمْعِ بَلْ عَلٰی شَرْطِ الصِّحَّةِ۔

لغت کی یہ تین کتابیں (یعنی کتاب المحکم، کتاب العباب، کتاب القاموس) زیادہ متداول ہونے کے لحاظ سے اس مرتبہ کو نہیں پہنچیں جس مرتبہ پر جوہری کی صحاح ہے اور نہ اُن کتابوں کے شائع ہونے سے صحاح کی شہرت ومنزلت پر کوئی اثر پڑا اور یہ صرف اس بنا پر ہے کہ اس میں صحت لغت کا التزام کیا گیا ہے اور لغت میں یہ کتاب ویسے ہی ہے جیسے حدیث میں صحیح بخاری۔ الفاظ کی کثرت کی وجہ سے اس لغت کی منزلت نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ اس میں شرط صحت کے ساتھ لغات جمع کیے گئے ہیں اور یہ بات صرف صحاح جوہری ہی کو حاصل ہے۔[2]

یاقوت الحموی معجم الادباء میں لکھتا ہے:

كِتَابُ الصِّحَاحِ هُوَ الَّذِیْ بِاَیْدِی النَّاسِ الْیَوْمَ وَعَلَیْهِ اعْتِمَادُهُمْ اَحْسَنَ الْجَوْهَرِیُّ تَصْنِیْفَهٗ وَجَوَّدَ تَاْلِیْفَهٗ۔

کتاب الصحاح وہ جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور جو اہل ادب کا محلِ اعتماد ہے۔ جوہری نے اس کی تصنیف وتالیف بہت خوبصورتی اور خوبی کے ساتھ کی ہے۔

صحاح جوہری کے بعد کسی دوسرے لغت کے حوالے کی ضرورت نہ تھی لیکن مزید اطمینان کے لیے ملاحظہ ہو،

---

[1] المزھر، سیوطی، ج ۱، ص ۴۹، طبع مصر۔
[2] المزھر، سیوطی، ص ۵۱، ج ۱، طبع مصر۔

علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر الرازی اللغوی لکھتے ہیں:

اَلْاَزَلُ الْقِدَمُ. يُقَالُ لَهُ اَزَلِيٌّ. ذَكَرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ اَصْلَ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ قَوْلُهُمْ لِلْقَدِيْمِ لَمْ يَزَلْ. ثُمَّ نُسِبَ هٰذَا فَلَمْ يَسْتَقِمْ اِلَّا بِاخْتِصَارٍ فَقَالُوْا: يَزَلِيٌّ ثُمَّ اُبْدِلَتِ الْيَاءُ اَلِفًا لِاَنَّهَا اَخَفُّ. فَقَالُوْا اَزَلِيٌّ كَمَا قَالُوْافِي الرُّمْحِ الْمَنْسُوْبِ اِلٰى ذِيْ يَزَنٍ: اَذَنِيٌّ وَنَصْلٌ اَثْرَبِيٌّ۔

ازل قدیم کے معنوں میں ہے اسی سے ازلی ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اصل اس کلمہ کی عربوں کا یہ قول ہے جو قدیم کے لیے کہتے ہیں "لم یزل" اس کے بعد اس کی طرف نسبت دے کر بطور اختصار "ایزل" کہا، پھر ثقالت کو دور کرنے کے لیے یا کو الف سے بدل دیا تو ازلی ہو گیا جیسے "ذی یزن" کی طرف منسوب ہونے والے نیزہ کو اذنی و نصل اثربی کہتے ہیں۔[1]

مشہور محدث ولغوی محمد بن یعقوب فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں:

اَلْاَزَلُ بِالتَّحْرِيْكِ الْقِدَمُ. وَهُوَ اَزَلِيٌّ. وَ اَصْلُهُ يَزَلِيٌّ. مَنْسُوْبٌ اِلٰى لَمْ يَزَلْ. ثُمَّ اُبْدِلَتِ الْيَاءُ اَلِفًا لِلْخِفَّةِ. كَمَا قَالُوْا فِي الرُّمْحِ الْمَنْسُوْبِ اِلٰى ذِيْ يَزَنٍ: اَذَنِيٌّ۔

ازل بالتحریک قدم کے معنوں میں اسی سے اس کو ازلی کہتے ہیں، ازلی کی اصلی یزلی تھی، لم یزل کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے، آسانی کے خیال سے یا کو الف سے بدل دیا جیسے کہ ذی یزن کی طرف منسوب ہونے والے نیزہ کو اذنی کہتے ہیں۔[2]

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم المعروف بابن منظور الافریقی المصری "لسان العرب" میں لکھتے ہیں:

وَالْاَزَلُ بِالتَّحْرِيْكِ: الْقِدَمُ. قَالَ اَبُوْ مَنْصُوْرٍ: وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ هٰذَا شَيْءٌ اَزَلِيٌّ اَيْ قَدِيْمٌ. وَذَكَرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ اَصْلَ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ قَوْلُهُمْ لِلْقَدِيْمِ لَمْ يَزَلْ. ثُمَّ نُسِبَ اِلٰى هٰذَا فَلَمْ يَسْتَقِمْ اِلَّا بِالْاِخْتِصَارِ فَقَالُوْا يَزَلِيٌّ ثُمَّ اُبْدِلَتِ الْيَاءُ اَلِفًا لِاَنَّهَا اَخَفُّ فَقَالُوْا اَزَلِيٌّ. كَمَا قَالُوْا فِي الرُّمْحِ الْمَنْسُوْبِ اِلٰى ذِيْ يَزَنٍ: اَذَنِيٌّ. وَنَصْلٌ اَثْرَبِيٌّ۔

ازل بالتحریک قدم کے معنوں میں ابومنصور کہتے ہیں کہ اسی سے عربوں کا یہ قول ہے "هٰذَا شَيْءٌ اَزَلِيٌّ" یہ شے قدیم ہے، بعض اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ اس لفظ کی اصل عربوں کا قدیم کے لیے لم

---

[1] مختار الصحاح، ص ۲۲۷، طبع مصر۔

[2] قاموس، ج ۳، باب اللام فصل الہمزہ، ص ۳۲۸، طبع مصر۔

یزل کہنا ہے جو منسوب ہو کر مختصراً یزلی ہوا پھر یا کو الف سے آسانی کے لیے بدل دیا اور ازلی کہا جیسا کہ ذی یزن کی طرف منسوب ہونے والے نیزے کو اذنی و تصل اثربی کہتے ہیں۔[1]

ابوالبقاء الکفوی اپنی کلیات میں لکھتے ہیں:

فَالْاَزَلُ بِالتَّحْرِيْكِ: هُوَ مَا لَا بِدَايَةَ لَهٗ فِيْ اَوَّلِهٖ كَالْقِدَمِ وَالْاَبَدِ: مَا لَا نِهَايَةَ لَهٗ فِيْ اٰخِرِهٖ كَالْبَقَاءِ يَجْمَعُهُمَا وَاجِبُ الْوُجُوْدِ ـــــ وَالْاَزَلِيُّ: اَعَمُّ مِنَ الْقَدِيْمِ. قَالَ ابْنُ فَارِسٍ: وَاَرٰى كَلِمَةً يَعْنِي الْاَزَلِيَّ لَيْسَتْ بِمَشْهُوْرَةٍ وَاُجِيْبَ اَنَّهُمْ قَالُوْا لِلْقَدِيْمِ: لَمْ يَزَلْ ثُمَّ نُسِبَ اِلٰى هٰذَا فَلَمْ يَسْتَقِلَّ اِلَّا بِالْاِخْتِصَارِ فَقَالُوْا: يَزَلِيٌّ. ثُمَّ اُبْدِلَتِ الْيَاءُ اَلِفًا لِاَنَّهَا اَخَفُّ فَقَالُوْا اَزَلِيٌّ: كَقَوْلِهِمْ فِي الرُّمْحِ الْمَنْسُوْبِ اِلٰى ذِيْ يَزَنٍ: اَزَنِيٌّ۔

ازل بالتحریک جس کی ابتدا نہ ہو مثل قدم کے اور ابد جس کی انتہا نہ ہو مثل بقا کے یہ واجب الوجود کی صفت ہے۔۔۔ ازلی لفظ قدیم سے عام ہے، ابن فارس کہتے ہیں کہ ازلی کا لفظ مشہور نہیں ہے خیال یہ ہے کہ قدیم کو "لم یزل" کہتے تھے، پھر اس کی نسبت اس کی طرف دی اور اختصار کر کے ایزل کر دیا، زبان پر آسانی سے جاری ہونے کے لیے یا کو الف سے بدل کے ازلی کر دیا، جیسے کہ عرب ذی یزن کی طرف منسوب کر کے نیزہ کو اذنی کہتے ہیں۔[2]

یہ ہے لفظ ازل و ازلی کے متعلق ائمہ لغویین کی تحقیق، کوئی اس کو مولد و دخیل نہیں بتلا رہا ہے بلکہ خالص عربی لفظ ہے۔ ہاں مشہور لغوی ابن فارس متوفی ۳۹۰ھ کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لفظ زیادہ مشہور نہ تھا، عدم شہرت سے اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ اس لفظ سے ناواقف ہوں جیسے صاحب اساس زمخشری اور صاحب شفاء الغلیل خفاجی (یہ گیارہویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں)۔

کیفیّة و کمیّة بھی کتب لغات میں موجود ہے

اسی طرح "کیفیّة" کا لفظ ہے، یہ بھی لغت عرب میں اسی معنوں میں موجود ہے جس معنی میں نہج البلاغہ میں وارد ہوا ہے، مولد ہرگز نہیں ہے۔ مشہور لغوی احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی اپنی لغت مصباح المنیر میں لکھتے ہیں، ''كَيْفِيَّةُ الشَّيْءِ حَالُهٗ وَصِفَتُهٗ''۔[3] "کیفیہ" کی طرح "کمیۃ" کا لفظ بھی اہل لغت کے نزدیک صحیح ہے۔

---

[1] لسان العرب، ج ۱۳، ص ۱۴، طبع اول، مصر۔

[2] کلیات ابوالبقاء الکفوی، فصل الف و الزاء، ص ۲۸۔

[3] مصباح المنیر، ج ۲، ص ۷۵۰، طبع مصر۔

فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں:

كَمْ: اسْمٌ نَاقِصٌ مَبْنِيٌّ عَلَى السُّكُوْنِ، اَوْ سُؤَالٌ عَنِ الْعَدَدِ. ـــــ وَقَدْ تُجْعَلُ اِسْمًا تَامًّا فَتُصْرَفُ وَتُشَدَّدُ. وَتَقُوْلُ: اَكْثَرُ مِنَ الْكَمِّ وَالْكَمِّيَةِ۔

جوہری نے بھی صحاح لغت میں یہی لکھا ہے:

كَمْ: اِسْمٌ نَاقِصٌ مُبْهَمٌ. مَبْنِيٌّ عَلَى السُّكُوْنِ. وَلَهُ مَوْضِعَانِ: الْاِسْتِفْهَامُ وَالْخَبَرُ.ـــ وَاِنْ جَعَلْتَهُ اسْمًا تَامًّا شَدَّدْتَ اٰخِرَهُ وَصَرَفْتَه. فَقُلْتَ: اَكْثَرْتُ مِنَ الْكَمِّ، وَهِيَ الْكَمِّيَةُ۔[1]

یہی عبارت لسان العرب میں بھی ہے:

وَاِنْ جَعَلْتَهُ اسْمًا تَامًّا شَدَّدْتَ اٰخِرَهُ وَصَرَفْتَه. فَقُلْتَ: اَكْثَرْتُ مِنَ الْكَمِّ، وَهِيَ الْكَمِّيَةُ۔[2]

میں پھر عرض کروں گا کہ اگر کسی عرب نے ان الفاظ کو اپنے کلام میں استعمال کیا ہوتا اور اہل لغت ان کلمات کے متعلق خاموش ہوتے تو اُس وقت بھی یہ الفاظ مولد نہیں کہے جاسکتے تھے نہ کہ "سَيِّدُ الْعَرَبِ وَاَفْصَحُ الْعَرَبِ" نے ان الفاظ کو استعمال کیا ہے، حضرتؑ کے استعمال کے بعد اہل لغت کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے، اگر اہل لغت ان کو نقل نہ کرتے تو یہ اُن کے جہل کا ثبوت تھا۔

استاذ محمد عبدہ مصری الفاظ نہج البلاغہ کو کتب لغت کے مقابلہ میں حجت قرار دیتے ہیں

الاستاذ الاکبر والمصلح الاعظم والامام الادب الشیخ محمد عبدہ المصری الفاظ نہج البلاغہ کو کتب لغت کے مقابلہ میں سند قرار دیتے ہیں۔

"ممکن ہے تم اس مسئلہ میں استاذ امام محمد عبدہ کی رائے دریافت کرو جنہوں نے نہج البلاغہ کو خواب گمنامی سے بیدار کیا اور وسعت اطلاع اور باریک نگاہی میں جن کا کوئی دوسرا مقابل نہ تھا" اس سوال کا جواب یہ ہے کہ:

بَلْ هُوَ يَتَجَاوَزُ هٰذَا الْمِقْدَارُ اِلَى الْاِعْتِرَافِ بِاَنَّ جَمِيْعَ الْاَلْفَاظِ صَادِرَةٌ عَنِ الْاِمَامِ عَلِيٍّ. حَتّٰى اِنَّهُ لِيَجْعَلَ مَا فِي الْكِتَابِ حُجَّةٌ عَلٰى مَعَاجِمِ اللُّغَةِ. اَسْمَعُ اِلَيْهِ وَهُوَ يَقُوْلُ

[1] صحاح، ج ۲، ص ۳۳۱، طبع مصر۔
[2] لسان العرب، ج ۵، ص ۳۴، طبع مصر۔

ج ص ۔ مِنْ هٰذِهِ الْمَطْبُوْعَةِ) : »اَلْمُوَاسَاةُ بِالشَّيْءِ : اَلْاِشْرَاكُ فِيْهِ ۔۔۔ قَالُوْا : وَالْفَصِيْحُ فِي الْفِعْلِ اٰسَيْتُهٗ . وَلٰكِنْ نُطْقُ الْاِمَامِ حُجَّةٌ . وَاَعَادَ هٰذِهِ الْكَلِمَةَ بِنَفْسِهَا ج ص الحاشية مِنْ هٰذِهِ الْمَطْبُوْعَةِ)۔

ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو تمام وکمال امیرالمومنین علیہ السلام ہی کا کلام سمجھتے تھے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ خصوصیات الفاظ کو بھی حضرت علی علیہ السلام کی زبان سے نکلا ہوا سمجھتے تھے، یہاں تک کہ وہ نہج البلاغہ کے مندرجہ الفاظ کو لغت کی کتابوں کے مقابلہ میں سند قرار دیتے ہیں (وملاحظہ ہو جلد ۲ ص ۱۹۷ اس ایڈیشن کا) وہ فرماتے ہیں "مواساۃ" کسی چیز میں دوسرے کو شریک کرنا، اہل لغت کہتے ہیں کہ اس کے فعل میں فصیح "اسیتہ" کی لفظ ہے (ہمزہ کے ساتھ) مگر امام علیہ السلام کا تلفظ حجت ہے، اس طرح کا استناد امام محمد عبدہ نے جلد ۳ صفحہ ۲۷ حاشیہ نمبر ۴) میں بھی کیا ہے۔[1]

علامہ محمد عبدہ نے اپنی شرح میں مندرجہ ذیل دو مقامات پر یہ لکھا ہے:

(اول) امیرالمومنین علیہ السلام کے اس کلام کی شرح میں "لَقَدْ وَاسَيْتُهٗ بِنَفْسِيْ فِي الْمَوَاطِنِ الَّتِيْ تَنْكُصُ فِيْهَا الْاَبْطَالُ"[2] حاشیہ محمد عبدہ لکھتے ہیں:

اَلْمُوَاسَاةُ بِالشَّيْءِ : اَلْاِشْتِرَاكُ فِيْهِ. فَقَدْ اَشْرَكَ النَّبِيَّ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَا تَكُوْنُ بِالْمَالِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ كِفَافًا فَاِنْ اُعْطِيْتَ عَنْ فَضْلٍ فَلَيْسَ بِمُوَاسَاةٍ قَالُوْا وَالْفَصِيْحُ فِي الْفِعْلِ اٰسَيْتُهٗ وَلٰكِنْ نُطْقُ الْاِمَامِ حُجَّةٌ۔[3]

(دوم) امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے عامل کو جو یہ تحریر فرمایا ہے: "لَمْ يَكُنْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِيْ اَوْثَقُ مِنْكَ فِيْ نَفْسِيْ لِمُوَاسَاتِيْ وَمُوَازَرَتِيْ"[4] اس کے حاشیہ پر بھی محمد عبدہ لکھتے ہیں:

اَلْمُوَاسَاةُ، مَنْ "اٰسَاهُ" اِذَا اَنَالَهٗ مِنْ مَالِهٖ عَنْ كِفَافٍ لَا عَنْ فَضْلٍ. اَوْ مُطْلَقًا وَقَالُوْا: لَيْسَتْ مَصْدَرًا لِوَاسَاةٍ فَاِنَّهٗ غَيْرُ فَصِيْحٍ . وَتَقَدَّمَ لِلْاِمَامِ اِسْتِعْمَالُهٗ . وَهُوَ حُجَّةٌ۔[5]

---

[1] نہج البلاغہ مع الشرحین محمد عبدہ واستاذ محی الدین عبدالحمید، مطبوعہ مطبع استقامۃ مصر۔

[2] نہج البلاغہ مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۵، ص ۵۷۷۔

[3] شرح شیخ ابن عبدہ المصری، الجزء الاول، ص ۴۳۲، طبع مصر۔

[4] نہج البلاغہ مطبوعہ افکار، مکتوب ۴۱، ص ۷۴۰۔

[5] شرح محمد بن عبدہ، الجزء الثانی، ص ۶۷ طبع مصر۔

نہج البلاغہ میں لفظ معلول کا استعمال لغوی اعتبار سے صحیح ہوا ہے

لفظ معلول بھی لغوی اعتبار سے صحیح استعمال ہوا ہے جس کو حضرتؑ نے خطبہ توحید میں ارشاد فرمایا ہے: ''وَكُلُّ قَائِمٍ مَا سِوَاهُ مَعْلُوْلٌ'' اس کے متعلق علامہ الہادی النجفی آل کاشف الغطاء مدارک نہج البلاغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وَاَمَّا كَلِمَةُ مَعْلُوْلٍ فَالْكَلَامُ فِيْهَا طَوِيْلُ الذَّيْلِ وَالْقَوْلُ الَّذِىْ لَا يَتَطَرَّقُهٗ رَيْبٌ اَنْ يُقَالَ اِنَّ هٰذِهِ اللَّفْظَةَ بِمَادَتِهَا وَهَيْئَتِهَا مَوْجُوْدَةٌ فِىْ كَلَامِ الْعَرَبِ بِمَعْنًى يُمْكِنُ التَّجَوُّزُ فِيْهِ لِاَنَّ بَابَ الْمَجَازِ وَاسِعٌ فَاِذَا انْتَفٰى كَوْنُ الْعِلَّةِ لُغَةً بِمَعْنَى السَّبَبِ اَمْكَنُ. يُقَالُ اِنَّ اِطْلَاقَهَا عَلَيْهِ مِنْ بَابِ الْمَجَازِ لِاَنَّ السَّبَبَ يُؤَثِّرُ فِى الْمُسَبَّبِ كَتَاْثِيْرِ الْعِلَّةِ وَالْمَرَضِ فِى الْبَدَنِ فَاسْتُعِيْرَ لَهٗ هٰذَا اللَّفْظُ وَقَالَ فِىْ شَرْحِ الْقَامُوْسِ، اَلْعِلَّةُ بِالْكَسْرِ مَعْنًى يَحُلُّ بِالْمَحَلِّ فَيَتَغَيَّرُ بِهٖ حَالُ الْمَحَلِّ وَسُمِّىَ الْمَرَضُ عِلَّةً لِاَنَّ بِحُلُوْلِهٖ يَتَغَيَّرُ الْحَالُ مِنَ الْقُوَّةِ اِلَى الضَّعْفِ اَلْخ وَعَلٰى هٰذَا تَكُوْنُ الْعِلَّةُ بِمَعْنَى الْمُؤَثِّرِ وَالْمُغَيِّرِ فَيَكُوْنُ اِطْلَاقُهَا عَلَى السَّبَبِ حَقِيْقَةً.

لفظ معلول کے متعلق بہت طولانی بحث ہے خلاصہ کلام جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے وہ یہ ہے کہ یہ لفظ اپنے مادہ وہیئت کے لحاظ سے کلام عرب میں ایسے معنوں میں موجود ہے جس سے معنی مجاز لیا جاسکتا ہے کیونکہ مجازی معنوں کے مراد لینے میں بہت وسعت ہے اس لیے اگر علت بمعنی سبب نہ بھی لیے جائیں تو اس معنی میں مجاز کے طور سے اس لفظ کا اطلاق تو ہو ہی سکتا ہے، اس لیے کہ سبب اثر انداز ہوتا ہے اپنے مسبب پر، جس طرح مرض وعلت بدن میں اپنا اثر کرتی ہے لہٰذا استعارہ کے طور پر علت کو سبب کے معنوں میں بولا گیا۔ شرح قاموس میں ہے علت بالکسر بمعنی کسی شے یا جگہ میں حلول کر کے اس کی حالت کو متغیر کر دینا، مرض کا نام "علت" اسی وجہ سے پڑا کہ مرض کے حلول کرنے کے باعث قوت سے ضعف کی طرف حالت بدل جاتی ہے، اس اعتبار سے "علت" کے معنی موثر ومغیر کے ہو جائیں گے اور اس کا اطلاق بمعنی سبب، بجائے مجازی کے حقیقی ہو جائے گا۔[1]

صرف بطور استعارہ وہ مجاز ہی نہیں بلکہ لغوی اعتبار سے "علت" سبب کے معنوں میں ہے۔ فیروز آبادی "قاموس"

---

[1] مدارک نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۴۵۔

میں لکھتے ہیں: ''هٰذَا عِلَّتُهٗ سَبَبُهٗ''۔ یہ اس کی علت یعنی سبب ہے۔ اس کے حاشیہ پر علامہ قرافی صاحب "القول المانوس" وضاحت کرتے ہیں:

قَوْلُهٗ وَهٰذِهٖ عِلَّتُهٗ سَبَبُهٗ هٰذَا بَنَاءٌ مِنْهُ عَلٰى تَرَادُفِ الْعِلَّةِ وَ السَّبَبِ۔

صاحب قاموس کا یہ قول کہ یہ اس کی علت یعنی اس کا سبب ہے یہ اس امر پر مبنی ہے کہ فیروز آبادی کے نزدیک علت وسبب دونوں لفظ مرادف ہیں۔[1]

مشہور لغوی علامہ جمال الدین محمد بن مکرم المعروف با بن منظور، لسان العرب میں لکھتے ہیں:

وَهٰذَا عِلَّةٌ لِهٰذَا اَیْ سَبَبٌ. وَفِیْ حَدِیْثِ عَائِشَةَ: فَكَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ یَضْرِبُ رِجْلِیْ بِعِلَّةِ الرَّاحِلَةِ اَیْ بِسَبَبِهَا. یُظْهِرُ اَنَّهٗ یَضْرِبُ جَنْبَ الْبَعِیْرِ بِرِجْلِهٖ.

یہ علت ہے اس کی یعنی سبب کی اور حدیث عائشہ میں ہے: فَكَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ یَضْرِبُ رِجْلِیْ بِعِلَّةِ الرَّاحِلَةِ اَیْ بِسَبَبِهَا۔[2]

---

[1] قاموس المحیط، ج ۴، محشی شیخ نصر الہورینی وعلامہ القرافی شرح سید مرتضیٰ، ص ۲۱، طبع مطبعہ حسینیہ مصر، طبع اول ۱۳۳۰ھ۔

[2] لسان العرب، الجزء الثالث عشر، ص ۴۹۸، طبع اول مصر۔

فرضی اغلاط

مندرجہ بالا ایراد کے علاوہ بمصداق "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" ڈکتور خلوصی نے اپنی ادبیت کو ظاہر کرنے کے لیے نہج البلاغہ میں چند ادبی اغلاط کا ہونا بھی ظاہر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

The following are some of the mistakes occurring in The Nahj.

اب ان فرضی اغلاط کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:

(۱)

اعتراض اول اور اس کا جواب

Kada an to be on the point of (Nahj vol 1, P.P.270.480) the verb Kada is normally used without an. It is used in the Quran as such (See 'Ilmi Zada; s Fath al.Rahman fi Talib Ayat al .Qur'an, P.423)

فعل "کَادَ" کا استعمال بغیر "اَنْ" کے ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں مستعمل ہے، مگر نہج البلاغہ میں "اَنْ" کے ساتھ استعمال ہوا ہے جیسے

{وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَ يَكَادُ صَاحِبُهٗ اَنْ يَشْبَعَ مِنْهُ وَ يَمَلَّهٗ اِلَّا الْحَيَاةَ فَاِنَّهٗ لَا يَجِدُ لَهٗ فِي الْمَوْتِ رَاحَةً}۔[1]

{وَ كَادَ اَنْ يَحْتَرِقَ مِنْ مِيْسَمِهَا}۔[2]

جواب:

قبل اس کے کہ "اَنْ" کے ساتھ "کَادَ" کے استعمال کا صحیح ہونا ثابت کروں، خلوصی کی سب سے پہلی غلطی کی طرف متوجہ کردوں کہ اس نے بغیر اس کی تحقیق کیے ہوئے کہ واقعاً اور درحقیقت حضرت علی علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ

---

[1] نہج البلاغہ، محمد عبدہ، خطبہ ۱۳۱، ج ۱، ص ۲۷۰۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۱، ج ۱، ص ۴۸۰۔

کلمات کن الفاظ اور کن حروف کے ساتھ نکلے تھے، محض اپنی تنگ نظری سے صرف بعض مروجہ نسخوں کی تحریر پر اس نے اعتماد کرلیا اور کمزور اعتراضات کا جال اس نے پھیلا دیا ورنہ اسے یہ خبر نہیں ہے کہ نہج البلاغہ کے تمام موجودہ نسخوں میں اس مقام پر "یَکَادُ" کے ساتھ اس حرف "اَنْ" کے استعمال اور وجود پر اتفاق نہیں ہے اگر بعض نسخوں میں "یَکَادُ صَاحِبُہٗ اَنْ یَشْبَعَ مِنْہُ" چھپا ہے تو بعض نسخے ایسے بھی موجود ہیں کہ جن میں بغیر استعمال "اَنْ" کے محض "یَکَادُ صَاحِبُہٗ یَشْبَعُ مِنْہُ" چھپا ہوا موجود ہے چنانچہ مندرجہ ذیل نسخوں میں ملاحظہ ہو۔

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جو حامل المتن ہے اور مطبع دار الکتب العربیہ مصر سے متعدد بار طبع ہو چکی ہے، اس میں بغیر "اَنْ" کے حضرتؑ کا یہ جملہ مذکور ہے، ملاحظہ ہو۔ اَلْاَصْلُ: مِنْهَا وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَ يَكَادُ صَاحِبُهٗ يَشْبَعُ مِنْهُ وَ يَمَلُّهٗ اِلَّا الْحَيَاةَ۔[۱]

(۲) اسی طرح علامہ ابن میثم بحرانی کی شرح بھی حامل المتن طبع ہوئی ہے، اس میں بھی بغیر "اَنْ" کے {وَيَكَادُ صَاحِبُهٗ يَشْبَعُ مِنْهُ} صاف طور سے موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔[۲]

(۳) شرح نہج البلاغہ ملا محمد صالح قزوینی ۱۳۰۲ھ میں حامل المتن تبریز میں چھپی ہے اس میں بھی بغیر "اَنْ" کے ہے۔[۳]

(۴) صرف مطبوعہ نسخوں ہی میں ایسا نہیں ہے بلکہ مخطوطات میں بھی ایسا پایا جاتا ہے کہ اس مقام پر "اَنْ" کا استعمال نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔[۴]

خلوصی صاحب کو حوالہ دینے سے پہلے اس کی تحقیق کر لینی چاہیے تھی کس محل پر حضرتؑ نے "اَنْ" کا استعمال فرمایا ہے اور کس جگہ پر نہیں فرمایا۔ بہرحال خلوصی صاحب کا یہ دعویٰ کہ "کَادَ" کا استعمال بغیر "اَنْ" کے ہوا کرتا ہے "اَنْ" کے ساتھ اس کا استعمال درست نہیں ہے، یہ موصوف کے جہل کا ثبوت ہے کیونکہ نحویین کے نزدیک "کَادَ" کی خبر پر "اَنْ" کا استعمال بھی جائز ہے، ملاحظہ فرمایئے:

---

[۱] شرح ابن الحدید، ج ۲، مطبوعہ مطبع دار الکتب العربیہ بمصر ۱۳۲۹ھ جزو ہشتم، ص ۳۸۶، سطر ۲۱۔

[۲] شرح ابن میثم بحرانی، ص ۲۹۴، یہ نسخہ ۱۲۷۶ھ میں ایران میں چھپا ہے۔

[۳] شرح نہج البلاغہ، ملا محمد صالح قزوینی، ج ۱، ص ۲۱۰۔

[۴] نہج البلاغہ حامل المتن مع شرح وترجمہ فارسی علی بن الحسین الزواری مکتوبہ ۱۰۹۸ھ منقول از اصل نسخہ مکتوبہ علی بن الحسین الزواری در ۹۳۰ھ (یہ نسخہ خطی مکتبہ الحسینیہ راجہ محمود آباد میں موجود ہے)۔

(۱) علامہ عبدالقاہر جرجانی کی "شرح مائۃ عامل":

وَ الثَّانِیْ کَادَ وَ هُوَ یَرْفَعُ الْاِسْمَ وَ یَنْصِبُ الْخَبَرَ وَ خَبَرُهٗ فِعْلٌ مُضَارِعٌ بِغَیْرِ اَنْ وَ قَدْ یَکُوْنُ مَعَ اَنْ تَشْبِیْهًا لَهٗ بِعَسٰی۔

دوسرے "کَادَ" رفع کرتا ہے اسم کو اور خبر کو نصب کرتا ہے اور اس کی خبر فعل مضارع بغیر "اَنْ" کے ہوتا ہے اور کبھی "اَنْ" کے ساتھ بھی اس کی خبر ہوتی ہے، مشابہت میں لفظ عسٰی کے۔[۱]

(۲) ملا عبدالرحمن جامی شرح کافیہ موسوم بہ فوائد ضیائیہ (شرح جامی) میں لکھتے ہیں:

وَ قَدْ تَدْخُلُ اَنْ عَلٰی خَبَرِ کَادَ تَشْبِیْهًا لَهٗ بِعَسٰی کَمَا اَنَّهٗ یُحْذَفُ اَنْ عَنْ خَبَرِ عَسٰی تَشْبِیْهًا لَهٗ بِکَادَ کَقَوْلِهِمْ قَدْ کَادَ مِنْ طُوْلِ الْبِلٰی اَنْ یَمْصَحَ فَلَمَّا کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُشَابِهًا لِلْاٰخَرِ اُعْطِیَ لِکُلٍّ مِنْهُمَا حُکْمُ اْلاٰخَرِ مِنْ وَجْهٍ۔

اور "اَنْ" "کَادَ" کی خبر میں داخل ہوجاتا ہے جس طرح لفظ عسٰی ہے، جیسے یہ قول ہے: قَدْ کَادَ مِنْ طُوْلِ الْبِلٰی اَنْ یَمْصَحَا۔[۲]

(۳) دوسرے علمائے نحو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں:

وَ قَدْ تَدْخُلُ اَنْ عَلٰی خَبَرِهٖ تَشْبِیْهًا لَهٗ بِعَسٰی کَقَوْلِهٖ:

رَسْمٌ عَفٰی مِنْ بَعْدِ مَا قَدِ انْمَحٰی   قَدْ کَادَ مِنْ طُوْلِ الْبِلٰی اَنْ یَمْصَحَا

اور کَادَ کی خبر پر اَنْ داخل ہوتا ہے مشابہت میں لفظ عسی کے جیسے شاعر عرب کا یہ شعر ہے:

رَسْمٌ عَفٰی مِنْ بَعْدِ مَا قَدِ انْمَحٰی   قَدْ کَادَ مِنْ طُوْلِ الْبِلٰی اَنْ یَمْصَحَا۔[۳]

(۴) علامہ صدرالدین المدنی، حدائق الندیہ شرح الفوائد الصمدیہ میں لکھتے ہیں:

وَ یَقِلُّ اِقْتِرَانُهٗ بِهَا نَظْرًا اِلَی الْاَصْلِ کَقَوْلِهٖ

اَبَیْتُمْ قُبُوْلَ السِّلْمِ مِنَّا فَکِدْتُمْ   لَدَی الْحَرْبِ اَنْ تُغْنُوا السُّیُوْفَ عَنِ السَّلِّ

اصل کی طرف نظر کرتے ہوئے ایسا استعمال کم ہوتا ہے اگرچہ استعمال جائز ہے جیسا کہ شاعر عرب کہتا ہے:[۴]

---

[۱] شرح مائۃ عامل، بحث افعال مقارب، ص ۳۴۔

[۲] شرح جامی، مطبوعہ نظامی کانپور، بحث افعال مقارب، ص ۲۶۷۔

[۳] وسیط النحو، ص ۱۲۷، طبع کلکتہ۔ بہجۃ المرضیہ فی شرح الالفیہ ابن مالک، العلامہ جلال الدین السیوطی، ص ۳۵، طبع خیریہ مصر۔ ضوء المصباح، الامام محمد بن احمد الاصفرای صاحب اللباب، ص ۲۱۸۔ اوضح المسالک الی الفیۃ بن مالک، ص ۹۵، طبع کلکتہ۔

[۴] حدائق الندیہ شرح الفوائد الصمدیہ، علامہ صدرالدین المدنی۔

اَبَیْتُمْ قُبُوْلَ السِّلْمِ مِنَّا فَکِدْتُمْ لَدَی الْحَرْبِ اَنْ تُغْنُوا السُّیُوْفَ عَنِ السَّلِّ

(۵) علامہ ابن عقیل شرح الفیہ میں لکھتے ہیں:

وَمِنِ اقْتِرَانِهٖ بِاَنَّ قَوْلَهٗ ﷺ: مَا کِدْتُ اَنْ اُصَلِّیَ الْعَصْرَ حَتّٰی کَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَغْرُبَ" وَقَوْلُهٗ:

کَادَتِ النَّفْسُ اَنْ تَفِیْضَ عَلَیْهِ اِذْ غَدَا حَشْوَ رَیْطَةٍ وَبُرُوْدٍ۔

کَادَ کا استعمال "اَنْ" کے ساتھ بھی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "مَا کِدْتُ اَنْ اُصَلِّیَ الْعَصْرَ حَتّٰی کَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَغْرُبَ" شاعر عرب کہتا ہے:

کَادَتِ النَّفْسُ اَنْ تَفِیْضَ عَلَیْهِ اِذْ غَدَا حَشْوَ رَیْطَةٍ وَبُرُوْدٍ۔ [1]

اگر خلوصی صاحب کی نظر اشعار عرب اور علم نحو کی مبسوط کتابوں پر نہ تھی تو کم از کم نحو کی ان کتابوں کو ضرور ملاحظہ فرما لیتے جو بچوں کے درس میں رہا کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"کافیہ" ابن حاجب جس میں یہ موجود ہے: "وَقَدْ تَدْخُلُ اَنْ" اور "اَنْ" کاد کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ یا اس سے بھی چھوٹی اور ابتدائی کتاب "نحو میر" جس میں ہے: "بدان کہ افعال مقاربہ چار است: عسی وکاد وکرب واوشک، وایں افعال در جملہ اسمیہ روند چوں کان۔ اسم را برفع کنند وخبر را نصب، الا آن کہ خبر آنہا فعل مضارع باشد با اَن۔ [2]

جس جس طریقہ سے قواعد نحویہ کے ماتحت "کَادَ" کا استعمال صحیح ہے حضرتؑ نے استعمال فرمایا

جب قواعد واصول نحویہ سے یہ بات ثابت ہے کہ "کَادَ" کی خبر پر "اَنْ" کا استعمال اختیاری ہے چاہے استعمال کرے یا نہ کرے، پس اگر متکلم اور خطیب ناقص ہوگا تب تو بیشک اس کا کلام اور بھی صرف ایک ہی ایسے طریقہ پر منحصر رہے گا جس کی اسے عادت ہوگئی ہے لیکن اگر خطیب ومتکلم کامل واکمل ہے بلکہ علم نحو کا واضع اول ہو تو کسی ایک اپنی عادت ہی پر بولنا اس کا کمال نہ ہوگا بلکہ اس کے کمال کی دلیل تو یہ ہوگی کہ جتنے طریقے استعمالات کے صحیح اور اصول وقواعد کے ماتحت ہوں، وہ ہر ہر طریقہ سے علیحدہ علیحدہ کلام کرتا رہے اور کوئی طریقہ اجرائے الفاظ اور استعمال صحیح کا اس سے نہ چھوٹے گا تا کہ اس کا عبور واقتدار ہر صحیح طرز ادا پر واضح ہوتا جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعد والوں کو خود واضع علم نحو کی طرف سے ایک صنعت اور حجت بھی حاصل ہوجائے، چنانچہ بعض

---

[1] شرح العلامہ ابن عقیل علی الفیہ الامام ابن مالک، ص ۶۷، طبع بیروت۔

[2] نحو میر بحث افعال مقاربہ، ص ۲۰۔

دوسرے مقامات ایسے ہیں جہاں پر حضرت نے اسی "کَادَ" کو بغیر "اَنْ" کے بھی استعمال فرمایا ہے۔ چند مقامات ملاحظہ ہوں،

حضرتؑ کے مشہور خطبہ طاووسیہ میں یہ الفاظ ہیں:

{فَاِذَا رَمٰی بِبَصَرِہٖ اِلٰی قَوَائِمِہٖ زَقَا مُعْوِلًا بِصَوْتٍ یَکَادُ یُبِیْنُ عَنِ اسْتِغَاثَتِہٖ}۔[1]

باب حکم اور مواعظ میں فرمایا:

{. یَکَادُ اَفْضَلُھُمْ رَاْیًا یَرُدُّہٗ عَنْ فَضْلِ رَاْیِہِ الرِّضٰی وَ السُّخْطُ. }۔[2]

{. وَیَکَادُ اَصْلَبُھُمْ عُوْدًا تَنْکَؤُہُ اللَّحْظَۃُ، وَتَسْتَحِیْلُہُ الْکَلِمَۃُ الْوَاحِدَۃُ. }۔[3]

ان مقامات پر "کَادَ" کے استعمال سے یہ ظاہر ہوجائے گا کہ جس جس طریقہ سے قواعد نحویہ کے ماتحت "کَادَ" کا استعمال صحیح اور درست تھا حضرتؑ نے اپنی قدرت کلامیہ سے ہر ہر طریقہ کو موقع موقع پر استعمال اور اختیار فرمایا جو حضرتؑ کے کمال اور رسوخ فی العلم کی دلیل ہے۔

کلامِ رسولؐ وکتب احادیث اہل سنت میں استعمال

نہج البلاغہ میں "کَادَ" کی خبر پر "اَنْ" کا استعمال دیکھ کر خلوصی صاحب سے رہا نہ گیا بلکہ اس کو غلط قرار دے کر اپنی جہالت کا ثبوت دے دیا، لیکن کیا خلوصی صاحب نے اپنے مذہب اہل سنت کی کتب احادیث وصحاح کو نہیں ملاحظہ فرمایا جس میں بکثرت "کَادَ" کے ساتھ "اَنْ" کا استعمال موجود ہے۔ میں موصوف کے سامنے چند مثالیں پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال فرمایا، اصحاب رسولؐ وخلفاء نے استعمال کیا، رواتِ حدیث ومحدثین نے استعمال کیا،

(۱) چنانچہ علامہ عبدالروف المناوی کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق میں مندرجہ ذیل احادیث پیغمبرؐ لکھتے ہیں جس میں "کَادَ" کے ساتھ "اَنْ" کا استعمال ہے:

(۱) کَادَ الْحَلِیْمُ اَنْ یَکُوْنَ نَبِیًّا۔ رَوَاہُ الْخَطِیْبُ۔ (۲) کَادَ الْحَسَدُ اَنْ یَغْلِبَ الْقَدَرَ۔ رَوَاہُ ابْنُ مَنِیْعٍ (۳) کَادَتِ الْحَاجَۃُ اَنْ تَکُوْنَ کُفْرًا۔ رَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ۔ (۴) کَادَ اَنْ یُصِیْبَنَا فِیْ خِلَافِکَ شَرٌّ یَا عُمَرُ۔ رَوَاہُ الدَّیْلَمِیُّ۔ (۵) کَادَ الْفَقْرُ اَنْ

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار اسلامی، خطبہ ۱۶۳، ص ۴۶۳۔

[2] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار اسلامی، حکمت ۳۴۳، ص ۹۳۵۔

[3] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار اسلامی، حکمت ۳۴۳، ص ۹۳۵۔

يَكُوْنَ كُفْرًا۔ رَوَاهُ ابْنُ مَنِيْعٍ (٢) كَادَتِ النَّمِيْمَةُ اَنْ تَكُوْنَ سِحْرًا۔ رَوَاهُ ابْنُ لَالٍ۔ [1]

(٢) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الاذان،

حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيٰى قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ يَقُوْلُ: اَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جَاءَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَاللهِ مَا كِدْتُ اَنْ اُصَلِّيَ، حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ الخ“

اس روایت میں فقط ”مَا كِدْتُ“ کے بعد ”اَنْ اُصَلِّيَ“ ہے مگر ”كَادَتِ الشَّمْسُ“ کے بعد ”اَنْ تَغْرِبَ“ نہیں ہے۔ [2]

(٣) لیکن اسی روایت کو بخاری نے ”کتاب المغازی“ کے باب غزوۃ الخندق کے تحت میں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَمَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، جَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، وَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا كِدْتُ اَنْ اُصَلِّيَ، حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَغْرُبَ۔ [3]

(٤) یہی روایت بخاری کتاب الصلوۃ باب حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى طبع مذکور صفحہ ١٨٨ پر یوں ہے:

كَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَغِيْبَ۔

(٥) صحیح بخاری، طبع مذکور کے صفحہ ٣١٠ پر ہے:

فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ اَنْ يَرْتَابَ۔

(٦) صحیح بخاری، کتاب التفسیر بذیل تفسیر سورہ حجرات ”بَابُ قَوْلُهُ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“۔ (طبع مذکور ص ٧٤٧)

حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَمِيْلٍ اللَّخْمِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ

---

[1] کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق، الامام المناوی، حرف الکاف، ص ٩٣، طبع بمبئی۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، قَوْلُ الرَّجُلِ مَا صَلَّيْنَا، ص ٦٠، مطبع مطبوعہ استاذ المطبعین دھلی۔

[3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، ص ٤٣٦، ٤٣٧، مطبوعہ مطبع استاذ المطبعین دہلی۔

ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ: کَادَ الْخَیِّرَانِ یَهْلِکَا اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. رَفَعَا اَصْوَاتَهُمَا عِنْدَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

لیکن صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں "اَنْ یُهْلِکَا" یقیناً موجود ہے، مگر بعض میں بغیر اَنْ کے بھی صرف "یَهْلِکَا" مذکور ہے جیسا کہ حاشیہ کے نسخوں (ن) سے واضح ہوتا ہے، چنانچہ علامہ محمد طاہر فتنی حنفی نے مجمع بحارالانوار میں لغت خیر کے تحت میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں بھی اولاً اَنْ کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کے بعد اختلاف نسخ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

فِیْهِ: کَادَ الْخَیِّرُ اَنْ یَهْلِکَا. بِتَشْدِیْدِ تَحْتِیَّةٍ اَیْ اَلْفَاعِلَانِ لِلْخَیْرِ الْکَثِیْرِ وَیَهْلِکَا فِیْ بَعْضِهَا(ای بعض النسخ) بِحَذْفِ نُوْنٍ بِلَا نَاصِبٍ وَجَازِمٍ[1] لُغَةٌ وَهُمَا اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ[2]۔

اختلاف نسخ کی یہ مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسی نہج البلاغہ کے مختلف نسخوں میں امیر المومنین علیہ السلام کے اس قول میں ہے کہ بعض میں {یَکَادُ صَاحِبُهٗ اَنْ یَشْبَعَ مِنْهُ} ہے اور بعض میں {یَکَادُ صَاحِبُهٗ یَشْبَعُ مِنْهُ} بغیر اَنْ کے ہے۔

(۷) صحیح بخاری۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ. اَخْبَرَنَا وَکِیْعٌ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ: کَادَ الْخَیِّرَانِ اَنْ یَهْلِکَا: اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ......الخ"[3]

اس مقام پر "اَنْ" کا استعمال سب نسخوں میں ہے صرف اختلاف یہ ہے کہ بعض نسخ میں "اَنْ یَهْلِکَانِ" ہے جیسا کہ حاشیہ پر اختلاف نسخ کے سلسلہ میں یہ تحریر کیا گیا ہے، لیکن واضح رہے کہ قواعد صرفیہ کے ماتحت یہ بھی غلط ہے کہ ناصب بھی موجود ہو اور تثنیہ کا نون بھی بغیر حذف کے موجود رکھا جائے۔

(۸) صحیح مسلم مع شرح النووی۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَدِمَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا کَانَ قُرْبَ الْمَدِیْنَةِ هَاجَتْ رِیْحٌ تَکَادُ اَنْ تَدْفِنَ الرَّاکِبَ۔

یہاں پر کسی قسم کا اختلاف نسخ نہیں ہوا بلکہ ہر نسخہ میں "تَکَادُ اَنْ تَدْفِنَ الرَّاکِبَ" ہی ہے۔

---

[1] حیرت ہے کہ بغیر کسی ناصب وجازم کے نونِ اعرابی کا حذف کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے اور ملا طاہر فتنی سا ماہر فن اس کی تغلیط بھی نہیں کرتا بلکہ بعنوان صحیح اسے نقل کرتا ہے۔

[2] مجمع بحارالانوار، ج۱، ص ۳۸۸، لغت خیر۔

[3] صحیح بخاری، "کِتَابُ الْاِعْتِصَامِ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ، بَابُ مَا یُکْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ وَالتَّنَازُعِ وَالْغُلُوِّ فِی الدِّیْنِ وَالْبِدَعِ" طبع دہلی، ص ۱۰۸۳ و طبع میمنیہ مصر الجزء الرابع، ص ۱۲۰۔

شارح علامہ نووی لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ :هَاجَتْ رِيْحٌ تَكَادُ اَنْ تَدْفِنَ الرَّاكِبَ هٰكَذَا هُوَ فِيْ جَمِيْعِ النُّسَخِ ۔[1]

(۹) صحیح مسلم مع شرح النووی۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ جَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ وَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَاللهِ مَا كِدْتُ اَنْ اُصَلِّيَ الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتْ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ۔[2]

(۱۰) صحیح مسلم مع شرح النووی۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حُنَيْنًا. فَقَالَ الرَّجُلُ مِمَّنْ يُدْعٰى بِالْاِسْلَامِ: هٰذَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ. فَلَمَّا حَضَرْنَا الْقِتَالَ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيْدًا. فَاَصَابَهُ جِرَاحَةٌ. فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، اَلرَّجُلُ الَّذِيْ قُلْتَ لَهُ اٰنِفًا اِنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ. فَاِنَّهُ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالًا شَدِيْدًا وَقَدْ مَاتَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِلَى النَّارِ. فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَرْتَابَ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ قِيْلَ: اِنَّهُ لَمْ يَمُتْ. وَلٰكِنَّ بِهٖ جِرَاحًا شَدِيْدًا. فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ. فَقَتَلَ نَفْسَهُ. فَاُخْبِرَ النَّبِيُّ ﷺ بِذٰلِكَ. فَقَالَ: اَللهُ اَكْبَرُ. اَشْهَدُ اَنِّيْ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهُ. ثُمَّ اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى فِي النَّاسِ اَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ. فَاَنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔

شارح النووی لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ:فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَرْتَابَ كَذَا هُوَ فِي الْاُصُوْلِ اَنْ يَرْتَابَ فَاَثْبَتَ اَنْ مَعَ كَادَ وَهُوَ جَائِزٌ لٰكِنَّهُ قَلِيْلٌ وَكَادَ لِمُقَارَبَةِ الْفِعْلِ وَلَمْ يَفْعَلْ اِذْ لَمْ يَتَقَدَّمْهَا نَفْيٌ فَاِنْ تَقَدَّمَهَا كَقَوْلِكَ مَا كَادَ يَقُوْمُ كَانَتْ دَالَّةً عَلَى الْقِيَامِ لٰكِنْ بَعْدَ بُطْءٍ كَذَا نَقَلَهُ الْوَاحِدِيُّ وَغَيْرُهُ عَنِ الْعَرَبِ وَاللُّغَةِ۔

كَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَرْتَابَ جیسا کہ اصل متن حدیث میں ہے اس سے ثابت ہوا کہ کاد کے ساتھ اَن کا استعمال جائز ہے لیکن ایسا استعمال کم ہے۔[3]

---

[1] صحیح مسلم مع شرح النووی، ج ۲، کتاب صفات المنافقین، طبع مطبع انصاری دہلی، ص ۳۷۰۔

[2] صحیح مسلم مع شرح النووی، ج ۱، "كِتَابُ الصَّلَاةِ بَابُ الدَّلِيْلِ لِمَنْ قَالَ: الصَّلَاةُ الْوُسْطٰى هِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ "، ص ۲۲۷، طبع مطبع انصاری دہلی۔

[3] صحیح مسلم مع شرح النووی، ج ۱، "كِتَابُ الْاِيْمَانِ. بَابُ بَيَانِ غِلَظِ تَحْرِيْمِ قَتْلِ الْاِنْسَانِ نَفْسَهُ "، ص ۷۲، طبع مطبع انصاری دہلی

(۱۱) الشیخ منصور علی ناصف من علمائے الازہر اپنی کتاب ''اَلتَّاجُ الْجَامِعُ لِلْاُصُوْلِ فِیْ اَحَادِیْثِ الرَّسُوْلِ'' میں صحیح ترمذی و بخاری سے روایت کرتے ہیں:

''عَنْ اَبِیْ مُلَیْکَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: کَادَ الْخَیِّرَانِ اَنْ یَهْلِکَا اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ''[1]

(۱۲) مشکوٰۃ المصابیح، صحیح مسلم سے روایت ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَدِمَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا کَانَ قُرْبَةَ الْمَدِیْنَةِ هَاجَتْ رِیْحٌ تَکَادُ اَنْ تَدْفِنَ الرَّاکِبَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّیْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ. فَقَدِمَ الْمَدِیْنَةَ فَاِذَا عَظِیْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ قَدْ مَاتَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔[2]

(۱۳) مشکوٰۃ المصابیح، صحیح بخاری سے روایت ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا خَطَبَ اسْتَنَدَ اِلٰی جِذْعِ نَخْلَةٍ مِنْ سَوَارِیِ الْمَسْجِدِ فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَاسْتَوٰی عَلَیْهِ صَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِیْ کَانَ یَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰی کَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰی اَخَذَهَا فَضَمَّهَا اِلَیْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِیْنَ الصَّبِیِّ الَّذِیْ یُسَکَّتُ حَتّٰی اسْتَقَرَّتْ قَالَ بَکَتْ عَلٰی مَا کَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّکْرِ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ ''کَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ'' بخاری میں بھی موجود ہے۔[3]

(۱۴) مجمع بحار الانوار۔

لُغَتُ ذَمَرَ: وَمِنْهُ حَدِیْثُ ابْنِ صَیَّادٍ: فَاَخَذَنِیْ مِنْهُ ''ذَمَامَةٌ'' حَتّٰی کَادَ اَنْ یَاْخُذَ فِیَّ. بِتَشْدِیْدِ یَاءٍ، اَوْ عَلٰی حَاشِیَةٍ لَعَلَّهٗ قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ حِیْنَ تَکَلَّمَ مَعَهُ ابْنُ صَیَّادٍ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّةَ۔[4]

(۱۵) مجمع بحار الانوار۔

وَمِنْهُ: کَادَ اُمَیَّةُ بْنُ الصَّلْتِ اَنْ یُّسْلِمَ''۔ ''وَمِنْهُ'' سے اشارہ کرمانی کی طرف ہے،

---

[1] التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول، ج ۴۔ کتاب التفسیر سورۃ الحجرات، ص ۲۳۶، طبع مصر۔

[2] مشکوٰۃ المصابیح، علامہ الشیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری، باب فی المعجزات، الفصل الاول ص ۵۴۷، مطبوعہ مطبع نظامی دہلی۔

[3] مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعجزات۔ الفصل الاول ص ۵۳۸۔

[4] مجمع بحار الانوار، علامہ محمد طاہر فتنی حنفی، ج ۱ ص ۴۳۵۔

اور اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''لِمَا فِیْ شِعْرِہٖ مِنَ الْاِقْرَارِ بِالْوَحْدَانِیَّةِ وَالْبَعْثِ''۔[1]

(۱۶) مجمع بحار الانوار۔

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔[2]

(۱۷) مجمع بحار الانوار۔

مِنَ النِّهَايَةِ قَوْلُ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ: وَكِدْتُ اَنْ اَكُوْنَ السَّوَادَ الْمُخْتَرَمَ. شَبَّهَ كَادَ بِعَسٰى. فَاَدْخَلَ اَنْ فِيْ خَبَرِهَا۔[3]

(۱۸) کتاب النہایہ۔

وَمِنْهُ حَدِيْثُ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ: كَانَ اِذَا مَاتَ بَعْضُ وُلْدِهٖ قَالَ: اَوْلٰى لِيْ. كِدْتُ اَنْ اَكُوْنَ السَّوَادَ الْمُخْتَرَمَ. شَبَّهَ كَادَ بِعَسٰى. فَاَدْخَلَ فِيْ خَبَرِهَا اَنْ۔[4]

کتب احادیث اہلسنت میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں، کہاں تک حوالہ دیا جائے اس لیے مندرجہ بالا شواہد پر اکتفا کرتا ہوں۔

کتب ادب و تاریخ میں ''كَادَ'' کے ساتھ ''اَنْ'' کا استعمال

صرف احادیث اہلسنت ہی نہیں بلکہ عربی ادب و علوم کی کتابوں میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں اس محل پر صرف چند حوالے دینا کافی ہیں ملاحظہ ہو۔

(۱۹) علامۃ الادیب محمد ابن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ اپنی کتاب شرح الابیات الشواہد و اقوال العرب (نسخۂ خطی ورق ۱۰۴ و ۱۰۵، پر اور اپنی دوسری تالیف فرائد القلائد فی مختصر شواہد الشواہد (نسخۂ خطی) ورق ۵۰، ۵۱، ۵۲ پر بضمن شواہد افعال مقاربہ کاد کے ساتھ ان کے شواہد کو پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

(الف) شعر

كَادَتِ النَّفْسُ اَنْ تَفِيْضَ عَلَيْهِ ... مُذْ ثَوٰى حَشْوَ رَيْطَةٍ وَبُرُوْدِ

وَيُرْوٰى اَنْ تَفِيْظَ. وَالشَّاهِدُ فِيْهِ دَخَلَ اَنْ فِيْ خَبَرِ كَادَ تَشْبِيْهًا بِعَسٰى

---

[1] مجمع بحار الانوار، علامہ محمد طاہر فتنی حنفی، ج ۲، ص ۱۳۵ ۔ لغت سلم۔

[2] مجمع بحار الانوار، علامہ محمد طاہر فتنی حنفی، ج ۳، ص ۸۸، لغت فقر۔

[3] مجمع بحار الانوار، علامہ محمد طاہر فتنی حنفی، ج ۳، ص ۴۶۶، لغت ولی۔

[4] کتاب النہایہ، ابن اثیر الجزری، ج ۴، طبع قاہرہ ص ۲۳۶، لغت ولی۔

(ب) شعر: روبہ بن العجاج

رَسْمٌ عَفٰی مِنْ بَعْدِ مَا قَدِ امَّحٰی   قَدْ كَادَ مِنْ طُوْلِ الْبِلٰى اَنْ يَمْصَحَا

وَالشَّاهِدُ فِيْ وُقُوْعِ خَبَرِ كَادَ فِعْلًا مُضَارِعًا مَقْرُوْنًا بِاَنْ كَمَا فِيْ عَسٰى

(ج) شعر: ابو یزید الاسلمی

سَقَاهَا ذُوالْاَحْلَامِ سَجْلًا عَلَى الظَّمَا   وَقَدْ كَرِبَتْ اَعْنَاقُهَا اَنْ تُقَطَّعَا

وَقَدْ كَرِبَتْ بِكَسْرِ الرَّاءِ وَبِهِ اسْتُشْهِدَ وَهُوَ بِمَعْنٰى كَادَ وَفِيْهِ الشَّاهِدُ حَيْثُ جَاءَ بِاَنْ

(د):

اَحْبَبْتُمْ قُبُوْلَ السِّلْمِ مِنَّا فَكِدْتُمْ   لَدَى الْحَرْبِ اَنْ تُغْنُوا السُّيُوْفَ عَنِ السَّلِّ

وَقَوْلُهُ اَنْ تُغْنُوْا خَبَرَ كِدْتُمْ۔ فِيْهِ الشَّاهِدُ حَيْثُ جَاءَ مَقْرُوْنًا بِاَنْ حَمَلُوْا عَلٰى عَسٰى

(ہ):

وَقَدْ جَاءَ فِي النَّثْرِ. قَالَ قَالَ جُبَيْرُ بْنُ مَطْعَمٍ كَادَ قَلْبِيْ اَنْ يَطِّرِدَ۔

اسی طرح اور شواہد بھی علامہ عینی نے دیے ہیں یہ دونوں مخطوطے مسلم یونیورسٹی لائبریری کے سلیمان کلکشن میں موجود ہیں۔

(۲۰) علامہ علاء الدین محمد النجفی شرح تصریف المعزی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ قَدْ طَلَعَ مِنْ مَشْرِقِ سَلْطَنَتِهٖ كَوْكَبٌ ظَاهِرُالْاَشْرَاقِ وَكَادَ اَنْ يَسْتَنِيْرَ بِاَنْوَارِ مَعْدِلَتِهِ الْاٰفَاقِ۔[1]

(۲۱) علامہ شہاب الدین فضل اللہ العمری جو فاضل بلیغ، حجۃ الکتّاب، امام اہل الادب اور جوادب وانشا اور نثر نگاری میں آیات الٰہی میں سے سمجھے جاتے ہیں[2] وہ اپنی کتاب "مسالک الابصار فی ممالک الامصار" میں بضمن ذکر بقیع الغرقد دفن امام حسن علیہ السلام لکھتے ہیں:

وَكَادَتِ الْفِتْنَةُ اَنْ تَقَعَ[3]

(۲۲) علامہ مسعودی، مروج الذہب میں بضمن ذکر الحکمین وبدء التحکیم لکھتے ہیں:

---

[1] نسخہ قلمی مسلم یونیورسٹی

[2] وفات الوفیات، صلاح الکتبی، ج ۱، ص ۹، طبع مصر

[3] مسالک الابصار، مطبوعہ بتحقیق استاد احمد زکی پاشا، ج ۱، ص ۱۳۱، طبع مصر، ۱۹۲۴ء۔

كَادَتِ الْعَصَبِيَّةُ اَنْ تَقَعَ بَيْنَ النَّزَارِيَةِ وَالْيَمَانِيَةِ۔[1]

(۲۳) علامہ محمد بن جریر الطبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

(ا) فَكَادَ الْمُسْلِمُوْنَ اَن يَفْتَتِنُوْا فِيْ صَلَاتِهِمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[2]

(ب) فَخَالَفَ عَلَيْهِ اَحَدٌ قَالَ الْاِرْتِدَادُ وَمَنْ قَدْ كَادَ اَنْ يَرْتَدَّ[3]

(۲۴) علامہ ذہبی بضمن ذکر خلافت واثق باللہ اپنی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا اَرَدْتُ اَنْ اَصْنَعَ اَصْبَعِيْ عَلٰى اَنْفِهٖ فَتَحَ عَيْنَيْهِ وَكِدْتُ اَنْ اَمُوْتَ فَزَعًا فَتَاَخَرْتُ اِلٰى خَلْفِيْ فَتَعَلَّقَتْ قَبِيْعَةَ سَيْفِيْ بِالْعَتَبَةِ فَعَثَرْتُ فَانْدَقَ السَّيْفُ وَكَادَ اَنْ يَدْخُلَ فِيْ لَحْمِيْ[4]

(۲۵) مورخ ادیب ابوالفضل محمد خلیل المراوی "سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" میں لکھتے ہیں:

فَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَادَ اَنْ يَبْطِشَ بِيْ۔[5]

(۲۶) قاضی القضات شہاب الدین احمد الخفاجی شرح درۃ الغواص میں لکھتے ہیں:

رَسْمٌ عَفٰى مِنْ بَعْدِ مَا قَدِ انْمَحٰى   قَدْ كَادَ مِنْ طُوْلِ الْبِلٰى اَنْ يَمْصَحَا

رُوِيَ: رَبْعٌ عَفَاهُ الدَّهْرُ طُوْلًا فَانْمَحٰى وَهُوَ مِنْ اَرْجُوْزَةٍ "لِرُؤْبَةِ بْنِ الْعَجَّاجِ وَفِيْهِ شَاهِدٌ اَيْضًا عَلٰى تَشْبِيْهِ كَادَ بِعَسٰى بِدُخُوْلِ اَنْ فِيْ خَبَرِهَا"۔

رَسْمٌ عَفٰى مِنْ بَعْدِ مَا قَدِ انْمَحٰى   قَدْ كَادَ مِنْ طُوْلِ الْبِلٰى اَنْ يَمْصَحَا

پہلا مصرعہ یوں بھی روایت کیا گیا ہے، " رَبْعٌ عَفَاهُ الدَّهْرُ طُوْلًا فَانْمَحٰى " یہ شعر روبہ بن عجاج کے ارجوزہ میں سے ہے اور ثبوت ہے کہ "کَادَ" "عَسٰی" کے مشابہ ہے اس امر میں کہ اس کی خبر میں "اَنْ" داخل ہوتا ہے۔[6]

اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۳ پر خفاجی لکھتے ہیں:

---

[1] مروج الذہب برحاشیہ نفح الطیب، ج ۲، ص ۳۲۷، طبع مصر۔

[2] تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۹۶، طبع مصر۔

[3] تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۰۱، طبع مصر۔

[4] دول الاسلام، ذہبی، مخطوطہ ورق، ۵ ب، عبدالسلام کلکشن نمبر ۱۱۵ مسلم کلکشن نمبر ۱۱۵ مسلم یونیورسٹی لائبریری۔

[5] سلک الدرر، ج ۴، ص ۱۰۳، طبع مصر۔

[6] شرح درۃ الغواص فی اوہام الخواص، ص ۳۲، طبع قسطنطنیہ۔

وَقَدْ ذَكَرَهُ "الْمَرْزُوقِيُّ" وَغَيْرُهُ فِي الْحَوَاشِيْ. قَالَ: اَفْصَحُ الْفُصَحَاءِ ﷺ: كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا وَكَادَ الْحَسَدُ اَنْ يَغْلِبَ الْقَدَرَ ـ وَهٰذَا مَعْرُوْفٌ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ كَقَوْلِ ذِي الرُّمَّةِ:

وَجَدْتُ فُؤَادِيْ كَادَ اَنْ يَسْتَخِفَّهٗ ... خَلِيْعُ الْهَوٰى مِنْ اَجْلِ مَا يَتَذَكَّرُ

مرزوقی وغیرہ نے حواشی میں ذکر کیا ہے کہ ارشاد فرمایا افصح الفصحاء ﷺ نے " كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا وَكَادَ الْحَسَدُ اَنْ يَغْلِبَ الْقَدَرَ ـ اور "كَادَ" کے ساتھ "اَنْ" کا استعمال کلام عرب میں بہت زیادہ مشہور ومعروف ہے، مشہور شاعر عرب ذوالرمہ کہتا ہے:

وَجَدْتُ فُؤَادِيْ كَادَ اَنْ يَسْتَخِفَّهٗ ... خَلِيْعُ الْهَوٰى مِنْ اَجْلِ مَا يَتَذَكَّرُ[1]

(۲۷) جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب:[2]

فَتَبَسَّمَ الْمُعْتَصِمُ وَقَالَ. كَادَ وَاللّٰهِ يَا تَمِيْمُ اَنْ يَسْبِقَ السَّيْفُ قَدْ وَهَبْتُكَ لِلصَّبِيَّةِ وَغَفَرْتُ لَكَ الصَّبْوَةَ. ثُمَّ اَمَرَ بِفَكِّ قُيُوْدِهٖ وَخَلَعَ عَلَيْهِ۔

(۲۸) عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری المتوفی ۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

وَبَكٰى مُعَاوِيَةُ بْنُ يَزِيْدٍ حَتّٰى كَادَتْ نَفْسُهٗ اَنْ تَخْرُجَ وَطَالَ بُكَاؤُهٗ۔[3]

(۲۹) شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا کتاب الشفاء کے بحث الہیات میں لکھتے ہیں:

اِنَّ رُؤُوْسَ الْفَضَائِلِ عِفَّةٌ وَ حِكْمَةٌ وَ شَجَاعَةٌ وَ مَجْمُوْعُهَا الْعَدَالَةُ. وَ هِيَ خَارِجَةٌ عَنِ الْفَضِيْلَةِ النَّظَرِيَّةِ. وَمَنِ اجْتَمَعَتْ لَهٗ مَعَهَا الْحِكْمَةُ النَّظَرِيَّةُ فَقَدْ سَعِدَ. وَ مَنْ فَازَ مَعَ ذٰلِكَ بِالْخَوَاصِّ النَّبَوِيَّةِ كَادَ اَنْ يَصِيْرَ رَبًّا اِنْسَانِيًّا. وَ كَادَ اَنْ تُحِلَّ عِبَادَتُهٗ بَعْدَ اللّٰهِ . وَهُوَ سُلْطَانُ الْعَالَمِ الْاَرْضِيِّ وَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فِيْهِ۔[4]

---

[1] شرح درۃ الغواص، ص ۱۳۱۔

[2] جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب، الطبعۃ الخامسۃ عشر (پندرھواں ایڈیشن) ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء مطبوعہ مصر، جلد اول فصل رابع بضمن استعطاف تمیم بن جمیل المعتصم ص ۸۸۔

[3] الامامۃ والسیاسۃ، ص ۲۰۳، طبع اول، ازہر مصر ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء۔

[4] الہیات الشفاء مخطوط۔

(۲)

خلوصی کے نزدیک دوسری غلطی یہ ہے:

The preposition Ka is incorrectly used with a pronoun in the following phrase: inni lastu Ka - anta, I am not like you. [Nahj., VoL, I, P, 449]

نہج البلاغہ میں حرف جار (کاف) کا استعمال ضمیر کے ساتھ غلط ہوا ہے، جہاں پر حضرتؑ نے فرمایا ہے: {اِنِّیْ لَسْتُ کَاَنْتَ}[1] یعنی "کَاَنْتَ" میں ضمیر کے ساتھ حرف جر کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

جواب:

یہ اعتراض بھی پہلے ایراد کی طرح جس کا ابھی جواب دیا گیا ہے معترض کی جہالت پر دال ہے اس لیے کہ ائمہ نحو یین نے اس کے استعمال کو جائز بتلایا ہے اور اس کو تسلیم کیا ہے کہ حروف جر کے ساتھ ضمیر کا استعمال ہوا ہے، مثلاً "حَتّٰی" جو حرف جر ہے، اس کے ساتھ ضمیر کا استعمال ہوا، شاعر عرب کہتا ہے:

فَلَا وَاللّٰهِ لَا یَلْقٰی اُنَاسٌ   فَتًی حَتَّاکَ یَا ابْنَ اَبِیْ زِیَادٍ

"رُبَّ" جو حرف جر ہے اس کے ساتھ ضمیر غائب کا استعمال ہوا، شاعر عرب کہتا ہے:

وَاهٍ رَاَیْتُ وَشِیْکًا صَدْعَ اَعْظُمِهٖ   وَرُبَّهٗ عَطِبًا اَنْقَذْتُ مِنْ عَطَبِهٖ

اسی طرح "کاف" جو حرف جر ہے اس کے ساتھ ضمیر کا استعمال ہوا، شاعر کہتا ہے:

خَلَّی الذَّنَابَاتِ شِمَالًا کَثَبًا   وَاُمَّ اَوْعَالٍ کَهَا اَوْ اَقْرَبَا

دوسرا شاعر عرب کہتا ہے:

وَلَا تَرٰی بَعْلًا وَلَا حَلَائِلًا ... کَهٗ وَلَا کَهُنَّ اِلَّا حَاظِلًا - ملاحظہ ہو[2]

اسی طرح حرف جار "کاف" کا استعمال ضمیر مخاطب کے ساتھ بھی ہوا ہے، شیخ جمال الدین بن ہاشم الانصاری النحوی، مغنی اللبیب میں لکھتے ہیں:

---

[1] نہج البلاغہ، محمد عبدہ، خطبہ ۲۰۷، ج ۱ ص ۴۴۹، طبع مصر۔

[2] شرح العلامہ ابن عقیل علی الفیۃ الامام مالک، ص ۱۶۳، مطبوعہ بیروت ۱۸۸۹ء۔

وَاَنْتَ ضَمِیْرٌ مَرْفُوْعٌ أُنِیْبَ عَنِ الْمَجْرُوْرِ كَمَا قَوْلُهُمْ مَا اَنَا كَاَنْتَ۔

اور عرب اہل زبان جو یہ بولتے ہیں "مَا اَنَا كَاَنْتَ" اس میں "اَنْتَ" ضمیر مرفوع ہے جو مجرور واقع ہوا ہے۔[1]

وسیط النحو میں ہے:

قَدْ تَدْخُلُ عَلَى الْمَرْفُوْعِ نَحْوُ: مَا اَنَا كَاَنْتَ۔

اور کبھی مرفوع پر حرف جر کاف داخل ہوتا ہے جیسے "مَا اَنَا كَاَنْتَ"۔[2]

مسالک الھیہ میں ہے:

ونزد اخفش ضمیر مجرور است کہ موقع مرفوع شدہ در مَا اَنَا كَاَنْتَ۔[3]

اوضح المسالک شرح الفیہ میں ہے:

كَذَا جَرَّ الْكَافُ الْمُضْمَرَ الْغَائِبَ۔ نَحْوُ، كَهَا فِي قَوْلِ الْعُجَّاجِ يَصِفُ حِمَارًا وَحْشِيًّا

خَلَّى الذَّنَابَاتِ شِمَالًا كَثَبَا وَأُمَّ اَوْعَالٍ كَهَا اَوْ اَقْرَبَا

وَنَحْوُهُ مِثْلُ كَهُ، كَهُمَا، كَهُمْ وَ كَهُنَّ، اَىْ قَلِيْلًا وَ كَذَا بِمُضْمَرِ الْمُخَاطَبِ نَحْوُ اَنَا كَكَ وَ الْمُتَكَلِّمِ مَا اَنْتَ كِيْ وَ مِنْهُ قَوْلُهُ اِذَا الْحَرْبُ شَمَّرَتْ وَلِمَنْ تَكُنْ كِيْ وَ قَالُوْا مَا اَنْتَ كَاَنَا وَ مَا اَنَا كَاَنْتَ۔

اسی طرح حرف جر کاف ہے جو ضمائر کے ساتھ مستعمل ہوا ہے جیسے ضمیر غائب کے ساتھ "كَهَا" عجاج شاعر عرب اس شعر میں جس میں وہ حمار وحشی کی تعریف کرتا ہے:

خَلَّى الذَّنَابَاتِ شِمَالًا كَثَبَا وَأُمَّ اَوْعَالٍ كَهَا اَوْ اَقْرَبَا

اسی طرح "كَهُ، كَهُمَا، كَهُمْ وَ كَهُنَّ" اگرچہ ان کا استعمال کم ہے، اسی طرح ضمیر مخاطب میں حرف جر کاف مستعمل ہے جیسے "اَنَا كَكَ" اور ضمیر متکلم میں۔ مَا اَنْتَ كِيْ۔ شاعر عرب کہتا ہے:

"اِذَا الْحَرْبُ شَمَّرَتْ لِمَنْ تَكُنْ كِيْ وَ قَالُوْا مَا اَنْتَ كَاَنَا وَ مَا اَنَا كَاَنْتَ" اور اہل عرب کی بول چال ہے، "مَا اَنْتَ كَاَنَا" "وَمَا اَنَا كَاَنْتَ"۔[4]

---

[1] مغنی اللبیب، ج ۱، ص ۱۴۰، طبع مصر۔

[2] وسیط النحو، ص ۲۰۲، طبع مدراس ۱۸۲۰ء۔

[3] مسالک الھیہ فی قواعد النحویہ، ص ۱۴۶، طبع کلکتہ۔

[4] اوضح المسالک شرح الفیہ ابن مالک، ص ۲۰۳، ۲۰۴، طبع کلکتہ ۱۸۳۲ء۔

رضی شرح کافیہ بحث کاف جارہ و تشبیہ میں ہے:

"وَقَدْ يَدْخُلُ فِي السَّعَةِ عَلَى الْمَرْفُوعِ نَحْوُ مَا اَنَا كَاَنْتَ"۔[1]

شرح جامی مذکور بحث حروف جارہ ص ۱۸۱ میں ہے:

(وَيَخْتَصُّ) اَيِ الْكَافُ بِالظَّاهِرِ اَيْ بِالْاِسْمِ الظَّاهِرِ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ فَقَالَ لَهُ اِسْتِغْنَاءً عَنْهُ بِمِثْلِ وَنَحْوِهِ وَقَدْ تَدْخُلُ فِي السَّعَةِ عَلَى الْمَرْفُوْعِ نَحْوُ مَا اَنَا كَاَنْتَ خِلَافًا لِلْمُبَرِّدِ فَاِنَّهُ اَجَازَ[2] ذٰلِكَ مُطْلَقًا نَظَرًا اِلٰى مَا جَاءَ فِيْ اَشْعَارِهِمْ۔[3]

نحویین یہ بتلا رہے ہیں کہ اہل زبان کی بول چال میں "كَاَنْتَ" جاری ہے اور اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا ہے، اس لیے اگر نہج البلاغہ میں وارد ہے تو کیوں غلط ہوگا بلکہ اس کو غلط کہنے والا خود اپنی بے خبری اور جہالت کا ثبوت پیش کرتا ہے، عرب تو عموماً "وَمَا اَنَا كَاَنْتَ" کہتے ہیں لیکن افصح الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اِنِّيْ لَسْتُ كَاَنْتَ" ارشاد فرما کر اس جملہ کو بلاغت کے بلند ترین درجہ پر پہنچا دیا ہے۔

مندرجہ بالا شواہد سے یہ امر بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اس کلمہ علویہ "لَسْتُ كَاَنْتَ" کی شواہد میں اشعار عرب کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نحویین کی یہ تصریح موجود ہے کہ ضمیر مرفوع پر کاف جارہ و تشبیہ غیر اشعار میں داخل ہوا کرتا ہے جس کے لیے لفظ "سِعَةٌ" کا استعمال خاص طور سے کیا گیا ہے لہٰذا امیر المومنین علیہ السلام کے ارشاد "اِنِّيْ لَسْتُ كَاَنْتَ" کی تمثیل یا سند میں محض اقوال نثریہ ہی عربوں کے پیش کیے جائیں گے جس کا وجود خود انہیں علمائے ادب و نحویین کی تحریرات سے یقینی طور پر ثابت ہے، جیسا کہ صاحب مغنی اللبیب کی عبارت "اَنْتَ ضَمِيْرٌ مَرْفُوْعٌ اُنِيْبَ عَنِ الْمَجْرُوْرِ كَمَا قَوْلُهُمْ مَا اَنَا كَاَنْتَ" سے ظاہر ہے لیکن باوجود اس عدم ضرورت کے بھی حسب تحریر شرح جامی "نَظَرًا اِلٰى مَا جَاءَ فِيْ اَشْعَارِهِمْ" نیز حسب تصریح محشی "نَاظِرًا اِلٰى مَا جَاءَ فِيْ بَعْضِ اَشْعَارٍ" اشعار عرب میں بھی ایسا استعمال موجود ہے۔

بہرحال امیر المومنین علیہ السلام کے کلمہ "اِنِّيْ لَسْتُ كَاَنْتَ" کی سند اور مثال میں عربوں کا یہی قول کافی اور وافی ہے کہ "مَا اَنَا كَاَنْتَ" جو کہ مسلمات اور یقینیات کی حیثیت سے تمام کتابوں میں مذکور ہے اور "اِنِّيْ لَسْتُ" اور "مَا اَنَا" میں کوئی فرق حقیقتاً نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے وہ صرف ظاہری ہے۔ معنی و مفہوم کے اعتبار سے دونوں بالکل ایک ہی ہیں اور پھر جملہ معترض علیہا کا یہ پہلا جزو محل اعتراض بھی نہیں ہے کہ جس میں فرق کا ہونا کچھ حارج بھی سمجھا جاسکتا، اعتراض کا مورد و محل جو کچھ

---

[1] شرح کافیہ، رضی۔

[2] قَوْلُهُ اَجَازَ ذٰلِكَ مُطْلَقًا اَيْ فِي السَّعَةِ وَالضَّرُوْرَةِ وَفِي الْمَرْفُوْعِ وَالْمَنْصُوْبِ وَالْمَجْرُوْرِ وَفِي الْاِسْمِ الظَّاهِرِ وَالضَّمِيْرِ۔

[3] قَوْلُهُ نَظَرًا اَيْ لِاَجْلِ النَّظَرِ اَوْ حَالَ كَوْنِهِ نَاظِرًا اِلٰى مَا جَاءَ فِيْ بَعْضِ الْاَشْعَارِ۔

بھی ہے وہ صرف آخر کا جزو ہے یعنی "کَاَنْتَ" کہ جس میں ضمیر پر کاف جارہ داخل ہوا ہے اور یہ جز و حضرتؑ کے کلمہ اور عرب کے قول میں یکساں طور سے بغیر کسی فرق ظاہری و باطنی کے بحمد للہ موجود ہے۔

(۳)

خلوصی صاحب فرماتے ہیں

Iltaqa bi: to meet (Nahj., vol 11,P.62) Iltaqa does not take the preposition bi.

خلوصی کا یہ ایراد امیر المومنینؑ کے اس جملہ پر ہے جو حضرتؑ نے محمد بن ابی بکر کی شہادت کے بعد عبد اللہ بن عباس کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا، اس مکتوب کا یہ آخری جملہ ہے:

"لَاَحْبَبْتُ اَنْ لَّا اَبْقٰی مَعَ هٰٓؤُلَآءِ یَوْمًا وَّاحِدًا، وَلَآ اَلْتَقِیَ بِهِمْ اَبَدًا"۔[1]

اعتراض یہ ہے کہ "اَلْتَقِیَ" "حرف جارہ "ب" کو نہیں قبول کرتا اور یہاں با جارہ کے ساتھ اس کا استعمال ہے لہذا غلط ہے۔

جواب

یہ اعتراض بھی خلوصی کے جہل پر دلیل ہے۔ آخر کس اصول و قاعدہ کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جا رہا ہے کہ حرف جر "با" کا استعمال لفظ التقی کے ساتھ صحیح نہیں ہے؟ جب "اَلْتَقِیَ" کے اصل کلمہ کے ساتھ حرف با کا استعمال برابر ہوتا ہے تو اس کے ساتھ بھی استعمال ہو سکتا ہے، ملاحظہ ہو:

"اَلْقَاهُ بِهٖ". "وَقَدْ تَلَاقَوْا بِهَا". "هُمْ یَتَلَاقَوْنَ بِاُلْقِیَّةٍ لَهُمْ". "اَلْقِ بِهٖ مِنْ یَدِكَ"۔[2]

یہ لحاظ رہے کہ جس طرح متذکرہ بالا موارد استعمال میں اصل کلمہ لازم ہے اسی طرح "اَلْتَقِیَ" بھی لازم ہے اس لیے جواز کے لیے یہ قوی ثبوت ہے کسی خاص مثال کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، مکتوب ۳۵، ص ۷۳۴۔

[2] لسان العرب، علامہ اللغوی ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، ج ۷، صفحات ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، طبع اول بولاق مصر۔

(۴)

خلوصی صاحب فرماتے ہیں

Moutakif: devoted to prayers in a reolusive manner. It is used only in a religious sense. But the Nahj uses it in the sense of applying oneself to anything assiduously, in which case the kindred word 'akif' correct one.

نہج البلاغہ میں {اَهْلُهُ مُعْتَكِفُوْنَ عَلَى الْعِصْيَانِ}۔[۱] کے جملہ میں معتکف کا لفظ مطلق مواظبت وملازمت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے حالانکہ لفظ معتکف میں ایک مذہبی (اصطلاحی شرعی) مفہوم پایا جاتا ہے، یہاں پر صحیح لفظ عاکف تھا جس کو استعمال کرنا چاہیے تھا۔

جواب

یہ ایراد بھی محاورات قرآن وحدیث ولغت عرب سے بے خبری اور صحیح ذوق ادب نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ معتکف کے معنوں میں مذہبی مفہوم کا ہونا ضروری ہے، اس لزوم کی کیا دلیل ہے؟ مجھے تو کہیں بھی ایسا وجوب ولزوم اصطلاحات شرعیہ میں نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ صلوٰۃ کی لفظ مصطلح اور منقول شرعی ہوجانے کے بعد مذہبی اور شرعی مفہوم میں بہ ہیئت مخصوصہ مقررہ نماز کے لیے (جس میں قیام وقیود، رکوع وسجود، تشہد وسلام، نیت وتکبیرۃ الاحرام کا ہونا لازمی وضروری ہے) مخصوص ہوگیا ہے، تو کیا معترض کے قول کے بموجب یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں کہیں بھی لفظ صلوٰۃ بولی جائے نماز کی ہیئت کذائیہ کا مفہوم بھی وہاں پایا جانا ضروری ہے؟ قطعاً غلط ہے، یہ ہرگز لازم نہیں ہے کہ جہاں کہیں بھی لفظ صلوٰۃ بولی جائے تو اس میں نماز کی ہیئت کذائیہ کا مفہوم بھی لازم رہے، اگر کچھ بھی اس کی اصلیت وحقیقت ہوتی تو پھر خداوند عالم اسی لفظ صلوٰۃ کو استعمال فرما کر غیر نماز کے مفہوم میں کیسے مراد لے سکتا تھا۔

کیا اس لفظ کے منقول شرعی اور اصطلاحی ہوجانے کے بعد خود قرآن مجید ہی میں ﴿يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ اور ﴿صَلُّوْا عَلَيْهِ﴾ وارد نہیں ہے اور کیا وہاں پر بھی لفظ صلوٰۃ میں نماز کی ہیئت کذائیہ کا مفہوم ہے؟ یا ایسے مفہوم کے ہوسکنے کا امکان بھی ہے؟ اسی طرح تمام الفاظ اصطلاحیہ اور منقولہ شرعیہ، جو دوسرے معانی لغویہ میں خود قرآن مجید ہی کے اندر

---

[۱] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۳۰، ص ۲۴۶۔

مستعمل ہوئے ہیں، وہ سب کے سب معترض کے خودساختہ اس خیال لزوم کو قطعی طور پر باطل ٹھہرا رہے ہیں، مثلاً ﴿يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾، ﴿ثَمَانِيَ حِجَجٍ﴾، وغیرہ ذلک، اس لیے یہ ادّعا قطعاً صحیح نہیں ہے کہ معتکف کا لفظ اصطلاح شرع کے اعتبار سے مخصوص انداز عبارت کے لیے مختص ہو گیا ہے۔ اور "عَاكِفٌ" کا لفظ اس کے مقابلہ میں عام مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، سب سے پہلے اس لفظ کے لغوی معنوں کی طرف توجہ کرنا چاہیے کہ اہل لغت کیا کہتے ہیں، جوہری صحاح اللغۃ میں لکھتے ہیں:

"عَكَفَ عَكَفَهُ اَيْ حَبَسَهُ وَوَقَفَهُ. يَعْكُفُهُ وَيَعْكِفُهُ عَكْفًا. مِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى: وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا. يُقَالُ: مَا عَكَفَكَ عَنْ كَذَا. وَمِنْهُ الْاِعْتِكَافُ فِي الْمَسْجِدِ. وَهُوَ الْاِحْتِبَاسُ. وَعَكَفَ عَلَى الشَّيْءِ يَعْكُفُ وَيَعْكِفُ عُكُوْفًا. اَيْ اَقْبَلَ عَلَيْهِ مُوَاظِبًا. يُقَالُ فُلَانٌ عَاكِفٌ عَلٰى فَرْجٍ حَرَامٍ وَقَالَ تَعَالٰى ﴿يَعْكُفُوْنَ عَلٰى اَصْنَامٍ لَهُمْ﴾. وَعَكَفُوْا حَوْلَ الشَّيْءِ: اِسْتَدَارُوْا. يُقَالُ: عَكَفَ الْجَوْهَرِيُّ فِي النَّظْمِ"۔

عَكَفَ عَكَفَهُ، یعنی اس کو بند کر دیا اور روک دیا، وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا کے معنی ہیں قربانی کے لیے روکا ہوا اور بندھا ہوا جانور۔ مَا عَكَفَكَ عَنْ كَذَا. کس امر نے تم کو اس سے روکا۔ اَلْاِعْتِكَافُ فِي الْمَسْجِدِ مسجد میں عبادت کے لیے اپنے کو روک لینا۔ عَكَفَ عَلَى الشَّيْءِ کسی چیز پر مقیم رہنا اور اس پر برابر عمل کرنا۔ فُلَانٌ عَاكِفٌ عَلٰى فَرْجٍ حَرَامٍ. فلاں نے حرام کاری پر اپنے کو روک رکھا ہے، قرآن میں ہے "وہ لوگ اپنے بتوں کی عبادت پر ڈٹے اور اڑے ہوئے ہیں"۔ کسی شے کے گرد پھرنا، کہا جاتا ہے "عَكَفَ الْجَوْهَرِيُّ فِي النَّظْمِ" یعنی جوہری نے موتی کو ڈورے میں ڈالا۔[1]

احمد بن محمد المقری الفیومی لکھتے ہیں:

عَكَفَ عَلَى الشَّيْءِ عُكُوْفًا وَعَكْفًا مِنْ بَابَيْ قَعَدَ وَضَرَبَ لَازَمَهُ وَوَاظَبَهُ وَقُرِئَ بِهِمَا فِي السَّبْعَةِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿يَعْكُفُوْنَ عَلٰى اَصْنَامٍ لَهُمْ﴾[2] وَعَكَفْتُ الشَّيْءَ اَعْكُفُهُ وَاَعْكِفُهُ حَبَسْتُهُ وَمِنْهُ الْاِعْتِكَافُ وَهُوَ افْتِعَالٌ لِاَنَّهُ حَبْسُ النَّفْسِ عَنِ التَّصَرُّفَاتِ الْعَادِيَّةِ وَعَكَفْتُهُ عَنْ حَاجَتِهٖ مَنَعْتُهُ۔[3]

---

[1] الصحاح، ج ۲، ص ۹۰۴، طبع مصر۔
[2] سورۂ حج، آیہ ۲۵۔
[3] المصباح المنیر، ج ۲، ص ۵۷۰۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

"يَعْكُفُوْنَ عَلٰى اَصْنَامِهِمْ وَ عَكَفَتِ الطَّيْرُ عَلَى الْقَتِيْلِ وَهُمْ عَلَيْهِ عُكُوْفٌ. وَيُقَالُ اِنَّكَ لَتَعْكِفُنِيْ عَنْ حَاجَتِيْ وَالْهَدْىَ مَعْكُوْفًا وَهُوَ فِيْ مُعْتَكَفِهٖ"۔[1]

مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی لکھتے ہیں:

عَكَفَهٗ يَعْكُفُهٗ وَيَعْكِفُهٗ عَكْفًا: حَبَسَهٗ. وَ عَلَيْهِ عُكُوْفًا: اَقْبَلَ عَلَيْهِ مُوَاظِبًا. وَالْقَوْمُ حَوْلَهٗ: اسْتَدَارُوْا. وَكَذَا الطَّيْرُ حَوْلَ الْقَتِيْلِ. وَالْجَوْهَرُ فِي النَّظْمِ: اسْتَدَارَ. وَ فِي الْمَسْجِدِ: اعْتَكَفَ. وَرَعٰى، وَاَصْلَحَ، وَتَاَخَّرَ. وَقَوْمٌ عُكُوْفٌ. عَاكِفُوْنَ[2]

یہ ہیں عمومی کتب لغات جن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ "عَكَفَ" کے معنی ہیں ایک چیز پر مقیم رہنا، ٹھہرنا اور روک رکھنا، اور "اَلْاِعْتِكَافُ فِي الْمَسْجِدِ" کے معنی ہیں مسجد میں (عبادت کے لیے) خاص پابندیوں کے ساتھ ٹھہرنا اور رکنا اور "عُكُوْفٌ. عَاكِفٌ" کے معنی ہیں کسی چیز پر قائم رہنا اور کنا، اب لغات حدیث کو ملاحظہ کیجیے،

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات میں لکھتے ہیں:

عَكَفَ. اَلْعُكُوْفُ. اَلْاِقْبَالُ عَلَى الشَّيْءِ وَمُلَازَمَتُهٗ عَلٰى سَبِيْلِ التَّعْظِيْمِ لَهٗ. وَالْاِعْتِكَافُ فِي الشَّرْعِ: هُوَ الْاِحْتِبَاسُ فِي الْمَسْجِدِ عَلٰى سَبِيْلِ الْقُرْبَةِ وَيُقَالُ: عَكَفْتُهٗ عَلٰى كَذَا. اَيْ: حَبَسْتُهٗ عَلَيْهِ. لِذٰلِكَ قَالَ:

﴿فَاكِهَةً وَّ اَبًّا﴾ ﴿سَوَاءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ﴾[3] وَالْعَاكِفِيْنَ. فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ. ﴿يَعْكُفُوْنَ عَلٰى اَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾[4]. ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا. وَ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ. ﴿وَالْهَدْىَ مَعْكُوْفًا﴾[5]. اَيْ مَحْبُوْسًا مَمْنُوْعًا۔[6]

عَكَفَ. عُكُوْفٌ کے معنی ہیں کسی چیز پر قائم رہنا اور بر بنائے تعظیم اس کو اپنے لیے لازم کر لینا اور اصطلاح شرع میں اعتکاف کے معنی ہیں بہ قصد تقرب خداوندی مسجد میں قیام کر کے مصروف

---

[1] اساس البلاغہ، ج ۲، ص ۲۲۶، طبع نولکشور لکھنو۔

[2] قاموس، ج ۳، ص ۱۷۷، طبع مصر۔

[3] سورۂ حج، آیہ ۲۵۔

[4] سورۂ اعراف، آیہ ۱۳۸۔

[5] سورۂ فتح، آیہ ۲۸۔

[6] مفردات، امام راغب، برحاشیہ نہایہ، ج ۳، ص ۱۳۶، طبع مصر۔

عبادت ہونا، کہتے ہیں: عَكَفْتُهُ عَلَى كَذَا. یعنی اپنے کو اسی پر روک رکھنا، قرآن میں ہے: ﴿سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ﴾. مکہ میں ٹھہرے ہوئے مقیم لوگ اور باہری دونوں برابر ہیں، ﴿عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾. مسجد میں اپنے کو روک رکھنے والے، ﴿وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا﴾، قربانی کے لیے روکا ہوا جانور۔

علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:

عَكَفَ: قَدْ تَكَرَّرَ فِي الْحَدِيثِ ذِكْرُ الْاِعْتِكَافِ وَالْعُكُوفِ وَهُوَ الْاِقَامَةُ عَلَى الشَّيْءِ، وَبِالْمَكَانِ وَلُزُوْمُهُمَا. يُقَالُ: عَكَفَ يَعْكُفُ وَيَعْكِفُ عُكُوفًا فَهُوَ عَاكِفٌ. وَاعْتَكَفَ يَعْتَكِفُ اعْتِكَافًا فَهُوَ مُعْتَكِفٌ. وَمِنْهُ قِيلَ لِمَنْ لَازَمَ الْمَسْجِدَ وَأَقَامَ عَلَى الْعِبَادَةِ فِيهِ عَاكِفٌ وَمُعْتَكِفٌ۔[1]

عَكَفَ: احادیث میں اِعْتِكَافٌ وعُكُوفٌ کا لفظ بار بار آیا ہے اِعْتِكَافٌ. عُكُوفٌ کہتے ہیں کسی شے وجگہ پر قائم رہنا اور ان دونوں کو اپنے اوپر لازم کر لینا ان دونوں کی گردان یہ ہے عَكَفَ يَعْكُفُ وَيَعْكِفُ عُكُوفًا فَهُوَ عَاكِفٌ. وَاعْتَكَفَ يَعْتَكِفُ اعْتِكَافًا فَهُوَ مُعْتَكِفٌ اس لیے اس شخص کو جو مسجد میں عبادت کرنے کے لیے بیٹھ جاتا ہے اور باہر نہیں نکلتا اس کو عَاكِفٌ یا مُعْتَكِفٌ کہتے ہیں۔

ابن اثیر کی عبارت سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اعتکاف اور عکوف دونوں ایک دوسرے کے مرادف وہم معنی ہیں یعنی دونوں کے معنی کسی چیز یا کسی مقام پر اقامت اور لزوم کے ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسی لغوی ہی معنوں میں (یعنی مذہبی مفہوم سے الگ ہو کر) حدیثوں میں بکرات ومرات اس لفظ کا ذکر اور استعمال ہوا ہے، پھر اس کے بعد شرعی اور اصطلاحی معنی کا ذکر ابن اثیر نے یوں کیا ہے، وَمِنْهُ (یہ لفظ خصوصیت سے غور کے قابل ہے جس سے تقدم معنائے لغوی واضح ہوتا ہے) ''قِيلَ لِمَنْ لَازَمَ الْمَسْجِدَ وَأَقَامَ عَلَى الْعِبَادَةِ فِيهِ عَاكِفٌ وَمُعْتَكِفٌ'' اس عبارت کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصطلاحی وشرعی مفہوم میں کچھ نہ کچھ اثر اور مفہوم لغوی معنی کا موجود ہے، یعنی مطلق لزوم، جو بعد النقل والاصطلاح مسجد کے ساتھ بعنوان اقامہ عبادت مخصوص ومشروط ہو گیا ہے (یعنی وہی لزوم) مگر اس کا عکس ہرگز نہیں ہے، یعنی اصطلاحی اور شرعی معنی کا مفہوم لغوی معنی میں پایا جائے۔ اور یہ ہو کیسے سکتا ہے، اس لیے کہ لغت مقدم

---

[1] النہایہ ابن اثیر، ج ٣، ص ١٢٦، طبع قاہرہ۔

ہے اور نقل واصطلاح مؤخر ہے تو مؤخر کے مفہوم کا مقدم میں لازم ہونا کس صحیح الدماغ کی عقل میں صحیح متصور ہوسکتا ہے۔ اس لیے اگر نہج البلاغہ میں لفظ اعتکاف ومعتکف شرعی مفہوم سے الگ ہو کر محض لغوی معنوں میں وارد ہوا ہے تو اس میں کیا غلطی ہے؟ ایک نہج البلاغہ ہی پر ایسے استعمال کا کیا انحصار ہے، احادیث نبویہ میں بھی اصطلاحی اور مذہبی مفہوم سے الگ ہو کر محض لغوی معنوں میں اس لفظ اعتکاف کا استعمال برابر ہوا ہے، مثلاً دیکھیے[1]

حَدِیْثٌ: اِذَا اعْتَکَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا صَلَّی. اعْتَکَفَ اَیْ جَلَسَ یَنْتَظِرُ الصُّبْحَ لِکَیْ یُؤَذِّنَ اَوْ اِنْتَصَبَ قَائِمًا لِلْاَذَانِ. وَرُوِیَ: اِذَا اعْتَکَفَ وَاَذَّنَ. فَضَمِیْرُ اعْتَکَفَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. وَبَدَا بِلَا هَمْزَةٍ اَیْ ظَهَرَ الصُّبْحُ. وَصَلّٰی جَوَابُ اِذًا“۔

حدیث پیغمبر میں ہے: اِذَا اعْتَکَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا صَلّٰی. یہاں پر اِعْتَکَفَ کے معنی ہیں اذان دینے کے لیے انتظار صبح میں بیٹھا رہنا، یا اذان دینے کے لیے سیدھا کھڑا ہونا۔

اس حدیث کے علاوہ آگے چل کر اسی کتاب میں دوسری مثال یہ ہے:

وَهُوَ یَعْتَکِفُ الذُّنُوْبَ. اَیْ یَحْتَسِبُ عَنِ الذُّنُوْبِ۔

حاصل کلام یہ کہ مذہبی اصطلاح میں ”عَاکِفٌ وَمُعْتَکِفٌ“ دونوں لفظ یکساں ہیں، یہ نہیں کہ ”مُعْتَکِفٌ“ کا لفظ مخصوص ہو مذہبی مفہوم کے لیے اور ”عَاکِفٌ“ عام ہو بلکہ جو مفہوم ”مُعْتَکِفٌ“ کا ہے وہی مفہوم ”عَاکِفٌ“ کا بھی ہے۔

لغت وحدیث کے بعد اب قرآن ملاحظہ کیجیے۔ کلام خدا میں ”مُعْتَکِفٌ“ کا لفظ نہیں وارد ہوا ہے، ”عَاکِفٌ“ ہی کا لفظ دو مقامات پر ”اَلْاِعْتِکَافُ فِی الْمَسْجِدِ“ کے معنوں میں آیا ہے۔

سورۂ بقرہ کی ۱۲۵ آیت میں ہے:

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ﴾

اور ہم نے ابراہیم واسمٰعیل سے یہ عہد لیا کہ وہ میرے اس گھر کو طواف واعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے واسطے پاک و پاکیزہ کردیں۔[2]

دوسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جس کا نمبر ۱۸۷ ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ﴾

---

[1] مجمع بحارالانوار لغت احادیث اہلسنت، ج ۲، ص ۴۱۵۔

[2] سورہ بقرہ آیہ ۱۲۵۔

اور جب تم مسجد میں اعتکاف کرنے بیٹھوتو اپنی بیویوں سے رات کو ہم بستر نہ ہو۔[1]

ہاں احادیث میں البتہ "معتکف" کا لفظ "الاعتکاف فی المساجد" کے معنی میں موجود ہے، اسی بنا پر علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

وَمِنْهُ قِيْلَ لِمَنْ لَازَمَ الْمَسْجِدَ وَاَقَامَ عَلَى الْعِبَادَةِ فِيهِ عَاكِفٌ وَمُعْتَكِفٌ۔

اسی وجہ سے جو شخص مسجد میں عبادت کرنے کے لیے اپنے کو روک لیتا ہے اور باہر نہیں نکلتا وہ عاکف یا معتکف کہلاتا ہے۔[2]

اسی لیے خلوصی عراقی کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مُعْتَكِفُ "اِعْتِكَافُ فِي الْمَسَاجِدِ" کے لیے مخصوص ہے اور عاکف نہیں ہے، دراصل دونوں الفاظ اعتکاف کرنے والے کے معنوں میں اصطلاح شرع میں مستعمل ہوئے ہیں۔ جب مصطلح شرع میں یہ دونوں لفظ یکساں ہیں اور ان میں سے ایک لفظ عاکف "اصطلاح شرع ہونے کے باوجود" معنائے لغوی میں برابر مستعمل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ "فُلَانٌ عَاكِفٌ عَلَى فَرْجٍ حَرَامٍ"[3] تو پھر یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا {اَهْلُهٗ مُعْتَكِفُوْنَ عَلَى الْعِصْيَانِ}۔[4] جبکہ اس کے استشہاد میں حدیث پیغمبرؐ "وَاعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا صَلّٰى"، "وَهُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ" بھی موجود ہے۔ کیا خلوصی کے نزدیک حضرت پیغمبرؐ نے بھی صحیح لفظ نہیں استعمال فرمایا۔

(۵)

خلوصی صاحب فرماتے ہیں

A part from those mistakes the Nahj Contains words which were not known atALI's als time, such as ....

(1) Talashi تَلَاشِيْ (2) Tarheeb تَرْهِيْبٌ

(3) Jabbriyya جَبْرِيَّه

خلوصی کے مجمل اعتراض کی تفصیل یہ ہے: نہج البلاغہ کے اس جملہ {وَمَا تَلَاشَتْ عَنْهُ

[1] سورہ بقرہ آیہ ۱۸۷۔
[2] نہایہ ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۳۶۔
[3] الصحاح، الجوہری۔
[4] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲۳۰، ص ۲۳۶۔

بُرُوْقُ الْغَمَامِ } ۔[1] میں، "تَلَاشَتْ" جس کا مصدر، "تلاشی" بمعنی اضمحلال، افناء واعدام ہے، ان معنوں میں اہل لغت اس لفظ سے واقف نہیں ہیں۔

جواب

یہ اعتراض بھی غلط ہے اس لیے کہ اس لفظ کی اصل زبان عرب میں موجود ہے، ملاحظہ ہو: قاموس جلد دوم طبع مصر ص ۲۲۸ پر یہ عبارت ہے:

لَشَا: خَسَّ بَعْدَ رِفْعَةٍ۔

المعتمد میں ہے:

لَشَا. لَشْوًا. خَسَّ بَعْدَ رِفْعَةٍ لَاشَى الرَّجُلُ اَلشَّى.صَيَّرَهُ اِلَى اضْمِحْلَالٍ وَ الْعَدَمِ.تَلَاشَى الشَّيْءُ. ذَهَبَ وَ اضْمَحَلَّ وَ صَارَ اِلَى الْعَدَمِ وَ هُمَا مَنْحُوْتَانِ مِنْ لَاشَى۔[2]

المنجد کے صفحہ ۷۶۹ پر تفصیلات اشتقاقیہ بھی درج ہیں:

لَشَهُ.لَشًّا: طَرَدَهُ.اَللَّشُّ مَصْدَرٌ.السُّمَاقُ.لَشْلَش: اضْطَرَبَتْ اَحْشَاؤُهُ وَ اَكْثَرَ التَّرَدُّدَ لِفَزَعِهِ. اللَّشْلَاش: الْمُضْطَرِبُ الْاَحْشَاءُ. لَشَا يَلْشُوْ لَشْوًا: خَسَّ بَعْدَ رِفْعَةٍ. لَاشَى مُلَاشَاةً. الشَّيْءَ:صَيَّرَهُ اِلَى الْعَدَمِ وَ هُوَ مَنْحُوْتٌ مِنْ لَاشَى. (تَلَاشَى تَلَاشِيًا) الشَّيْءَ: صَارَ اِلَى الْعَدَمِ وَ اضْمَحَلَّ۔ اَلتَّلَاشِيْ. مَصْدَرٌ. الاِضْمِحْلَالُ۔[3]

استاذ الادباء محمد عبدہ لفظ تلاشت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

تَلَاشَتْ. اِضْمَحَلَّتْ. وَ اَصْلُهُ مِنَ اَلشَّى بِمَعْنٰى خَسَّ بَعْدَ رِفْعَةٍ. وَ مَا يَضْمَحِلُّ الْبَرَقَ هُوَ الْاَشْيَاءُ الَّتِيْ تَرٰى عِنْدَ لَمَعَانِهِ ۔[4]

نیز استاذ نائل المرصفی نے بھی اپنی شرح میں بصفحہ ۴۲۰ جلد اول مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر میں یہ لکھا ہے:

تَلَاشَتْ اَیْ اِضْمَحَلَّتْ۔

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۸۰، ص ۵۰۱۔
[2] المعتمد، ص ۷۷۰، طبع بیروت۔
[3] المنجد، ص ۷۶۹، طبع مصر۔
[4] نہج البلاغہ، محمد عبدہ، خطبہ ۱۸۰، ج ۱، ص ۳۶۱، طبع مصر۔

وَ مَا تَلَاشَتْ عَنْهُ بُرُوْقُ الْغَمَامِ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ اَهْمَلَ بِنَاءَهَا كَثِيْرٌ مِنْ اَئِمَّةِ اللُّغَةِ وَ هِيَ صَحِيْحَةٌ وَ قَدْ جَاءَتْ وَ وَرَدَتْ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِيِّ لَشَا الرَّجُلُ اِذَا اتَّضَعَ وَ خَسَّ بَعْدَ رِفْعَةٍ وَ اِذَا صَحَّ اَصْلُهَا صَحَّ اِسْتِعْمَالُ النَّاسِ تَلَاشَى الشَّيْءُ بِمَعْنٰى اِضْمَحَلَّ. وَ قَالَ الْقُطْبُ الرَّاوَنْدِيُّ تَلَاشٰى مُرَكَّبٌ مِنْ لَا شَيْءٍ وَ لَمْ يَقِفْ عَلٰى اَصْلِ الْكَلِمَةِ وَ قَدْ ظَهَرَ اٰلْاٰنَ اَنَّ مَعْنٰى كَلَامِهِ عليه السلام اَنَّهُ سُبْحَانَهُ يَعْلَمُ مَا يَصُوْتُ بِهِ الرَّعْدُ وَ يَعْلَمُ مَا يَضْمَحِلُّ عَنِ الْبُرُوْقِ۔

{وَ مَا تَلَاشَتْ عَنْهُ بُرُوْقُ الْغَمَامِ} اکثر اہل لغت سے یہ لفظ نظر انداز ہوگئی ہے حالانکہ یہ لفظ صحیح ہے اوراہل زبان کے محاورے وبول چال میں موجود ہے۔ (مشہور ماہر لسانیات) ابن اعرابی کہتا ہے "لَشَا الرَّجُلَ" جب ضائع وبرباد ہوجائے، رفعت کے بعد پستی ہو، (ابن ابی الحدید کہتے ہیں) جب اس لفظ کی اصل صحیح ہے تو لوگوں کا اس کا استعمال کرنا بھی صحیح ہوگا اس لیے "تَلَاشَى الشَّيْءَ بِمَعْنَى اضْمَحَلَّ" ہوں گے۔ قطب راوندی (شارح نہج البلاغہ) کہتے ہیں کہ یہ لفظ "لَا شَيْءٌ" سے مرکب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس لفظ کا علم نہیں ہوا، بہر حال اصل لفظ کی حقیقت معلوم ہوجانے سے معنی بالکل صاف ہیں کہ خدا کو معلوم ہے کہ رعد اپنی گرج میں کیا صدا بلند کرتا ہے اور بادلوں کی چمک میں کتنی بجلیاں مضمحل ہوجاتی ہیں۔[1]

خلوصی صاحب کلام امام کا اعجاز دیکھیں کہ حضرت {فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ.....وَ مَا تَلَاشَتْ عَنْهُ بُرُوْقُ الْغَمَامِ} ارشاد فرما کر علم برق کی جدید تحقیقات برق ساکن (Electric Statice) پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

(۶)

خلوصی صاحب فرماتے ہیں

نہج البلاغہ میں لفظ {تَرْهِيْب} (Trighter) ڈرانے کے معنوں میں ہے حالانکہ اس زمانہ میں یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں تھا۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، بن ابی الحدید، ج ۲، ص ۵۳۲ طبع مصر۔

جواب

غالباً خلوصی صاحب کا اعتراض لفظ ترھیب کے سلسلہ میں حضرت علیہ السلام کے اس جملہ سے متعلق ہے جو آپ نے دنیا کی مذمت کرنے والے کو متنبہ کرتے وقت ارشاد فرمایا تھا۔

{رَاحَتْ بِعَافِيَةٍ، وَابْتَكَرَتْ بِفَجِيْعَةٍ، تَرْغِيْبًا وَتَرْهِيْبًا وَتَخْوِيْفًا وَتَحْذِيْرًا}[1] حضرتؑ نے اس محل پر لفظ ترہیب کو بالکل صحیح معنوں میں استعمال فرمایا ہے کیونکہ لفظ تَرْهِيْبٌ خَوَّفَ وَفَزَّعَ (ڈرانا) کے معنوں میں اہل زبان کے نزدیک مستعمل ہے، جیسا کہ امام اللغۃ والنحو عبدالرحمن بن عیسی الہمدانی لکھتے ہیں:

رَهِبَ فَهُوَ رَاهِبٌ....اَجْنَاسُ الْخَوْفِ: الرُّعْبُ، وَالْفَزَعُ، وَالذُّعْرُ، وَالْخِيْفَةُ، وَالْمَخَافَةُ، وَالرَّهْبَةُ.....وَتَقُوْلُ: خَوَّفْتُ الرَّجُلَ بِغَيْرِيْ تَخْوِيْفًا.وَاَخَفْتُهُ اَنَا اِخَافَةً.وَاَرْهَبْتُهُ اِرْهَابًا.وَرَهَّبْتُهُ تَرْهِيْبًا، وَذَعَرْتُهُ ذُعْرًا.وَ اَغْمَدْتُهُ اِذَا اَرْهَبْتُهُ فَتَوَارٰى، وَاسْتَرْهَبْتُهُ....۔[2]

(۷)

خلوصی صاحب فرماتے ہیں

نہج البلاغہ کے خطبہ قاصعہ میں یہ جملہ {وَ نَازَعَ اللهَ رِدَآءَ الْجَبَرِيَّةِ}۔[3] حضرت علی علیہ السلام کا نہیں ہوسکتا اس لیے کہ فرقہ جبریہ آپؑ کے زمانہ میں نہیں ظاہر ہوا تھا۔

جواب

اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" خلوصی صاحب اس جملہ میں لفظ جبریہ سے فرقہ جبریہ سمجھتے ہیں اس لیے اس کا ترجمہ اس طرح فرما کر اعتراض کر رہے ہیں:

He who contended with god on the garment of Jabriyya.

"اور نزاع کیا اللہ سے جبریہ کے لباس میں"۔

حالانکہ موصوف جو مطلب اس جملہ کا سمجھ رہے ہیں وہ غلط ہے صحیح ترجمہ یہ ہے:

---

[1] نہج البلاغہ محمد عبدہ، ج ۲، ص ۱۷۵، طبع رحمانیہ مصر۔ نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، حکمت ۱۳۱، ص ۸۶۵۔

[2] کتاب الالفاظ الکتابیہ، ص ۱۷، طبع بیروت۔

[3] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۳۱۔

”اور نزاع کیا اللہ سے کبر وغرور کے لباس میں“۔

”جبریہ“ لغت میں کبر کے معنوں میں آیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

يُجَبِّرُ الرَّجُلُ تَكَبَّرَ. وَيُقَالُ فِيهِ جَبْرِيَّةٌ اَيضًا وَ (جَبْرُوَةٌ) وَ (جَبَرُوتٌ) وَ (جَبُّورَةٌ) بِوَزْنِ فَرُّوجَةٍ اَىْ كِبْرٌ۔

يُجَبِّرُ الرَّجُلُ، یعنی اس مرد نے کبر کیا، اس معنی میں لفظ جبریہ بھی بولا جاتا ہے اور جَبْرُوَةٌ وَ جَبَرُوتٌ وَ جَبُّورَةٌ بر وزنِ فَرُّوجَةٌ بھی بمعنی كِبْرٌ ہیں۔[1]

اَلْجَبَرُوتُ وَ الْجَبرِيَّةُ وَ الْجَبَرُوتُ کو ابن اثیر الجزری نے بھی ان معنوں میں لکھا ہے، اسی لیے ”اِمْرَاَةٌ جَبَّارَةٌ“ کے معنی مُسْتَكْبِرَةٌ عَاتِيَةٌ ”گھمنڈی اور سرکش عورت اور قرآن میں ﴿جَبَّارٍ عَنِيدٍ﴾[2] ”اَلْمُتَمَرِّدُ الْعَاتِیْ“ سرکش وگنہگار کے معنوں میں ہے۔[3]

خود خداوند عالم کو ”جَبَّارٌ“ اس کی کبریائی کی وجہ سے کہتے ہیں: ”اَلْجَبَّارُ: اللّٰهُ تَعَالٰى، لِتَكَبُّرِهٖ“۔[4]

علامہ ابن ابی الحدید اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

قَوْلُهٗ عليه السلام رِدَاءَ الْجَبرِيَّةِ اَلْبَاءُ مَفْتُوحَةٌ يُقَالُ فِيهِ جَبْرِيَّةٌ وَ جَبْرُوَةٌ وَ جَبَرُوتٌ وَ جَبُّورَةٌ كَفَرُّوجَةٍ اَىْ كِبْرٌ وَ اَنْشَدُوا:

فَاِنَّكَ اِنْ عَادَيْتَنِىْ غَضِبَ الْحَصَا عَلَيْكَ وَ ذُو الْجَبُّورَةِ الْمُتَغَطْرِفُ۔

امام علیہ السلام کا قول ”رِدَاءَ الْجَبرِيَّةِ“ باء مفتوحہ کے ساتھ، جَبْرِيَّةٌ، جَبْرُوَةٌ وَ جَبَرُوتٌ وَ جَبُّورَةٌ بروزن فَرُّوجَةٌ، كِبْرٌ کے معنوں میں ہے، شاعر عرب کہتا ہے:

فَاِنَّكَ اِنْ عَادَيْتَنِىْ غَضِبَ الْحَصَا عَلَيْكَ وَ ذُو الْجَبُّورَةِ الْمُتَغَطْرِفُ[5]

---

[1] مختار الصحاح، محمد بن ابوبکر بن عبد القادر، ص ۱۲۰، طبع مصر۔

[2] سورۂ ھود، آیہ ۵۹۔

[3] نہایہ، ابن اثیر، ج ۱، ص ۱۲۷، ۱۲۸، طبع مصر۔

[4] قاموس، ج ۱، ص ۳۷۴، طبع مصر۔

[5] ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۳۲۶، طبع مصر۔

(۸)

خلوصی صاحب کواس سے غرض نہیں کہ اعتراضات صحیح ہیں یا غلط وہ تو صرف اس عداوت وعصبیت کے مظاہرہ میں جوان کو امیرالمومنین علیہ السلام سے ہے نہج البلاغہ پر اعتراض کرنا ہی اپنا فریضہ سمجھتے ہیں اسی لیے وہ اعتراض کے لیے نئے نئے عنوان تلاش کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

"تاریخی تحلیل وتجزیہ سے بھی ان خطبوں میں خلل وعیب نظر آتا ہے، مثلاً وہ خطبہ جو صفین سے واپسی کا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں {فِیْ خَیْرِ دَارٍ وَ شَرِّ جِیْرَانٍ}[1]۔ "خَیْرِ دَارٍ" کے الفاظ صفین پر نہیں منطبق ہوتے کیونکہ خیر دار مکہ ہے اور "شَرِّ جِیْرَانٍ" مکہ کے باشندے قریش ہیں"۔

جواب

افسوس کہ خلوصی صاحب نے اصل خطبہ کو نہیں پڑھا اور نہ تاریخی تحلیل وتجزیہ Chtronology کی زحمت نہ پڑتی، اور اگر اس خطبہ کو پڑھا ہے تو جان بوجھ کر لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کررہے ہیں۔ خود امیرالمومنین علیہ السلام نے اس خطبہ میں خیر دار سے مراد مکہ معظمہ کو لیا ہے اور شارحین نے بھی یہی سمجھا ہے، صفین کو "خَیْرِ دَارٍ" نہ امیرالمومنین علیہ السلام بتلا رہے ہیں اور نہ کوئی شارح یہ سمجھ رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ صفین میں جس دھوکے اور فریب سے کام لیا گیا اس کا اثر امیرالمومنین علیہ السلام کے دل پر تھا، اس سے متاثر ہو کر صفین کی واپسی پر یہ خطبہ ارشاد فرمایا، خود خطبہ کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ آپؑ کو عہد رسول یاد آ گیا، جس میں اسی طرح ضلالت ونفاق کی تند وتیز ہوائیں چل رہی تھیں اور جس طرح منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکے دیے اور اسلام کو اپنے ابتداء دعوت ہی میں ختم وفنا کر دینے کی کوششیں کی، بالکل اسی طرح جنگ صفین میں امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا۔ چونکہ رسولؐ کا وہ عہد اور علی علیہ السلام کا یہ زمانہ حالات کے اعتبار سے بالکل یکساں تھے اس لیے آپؑ کو رسولؐ کا زمانہ یاد آ گیا۔ حالات میں اگر مطابقت ہو تو ایک زمانہ دوسرے زمانہ کو یاد دلا ہی دیتا ہے، جو صورتیں صفین میں علی علیہ السلام کو پیش آئیں یہی حالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی گذر چکے تھے۔ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت اور جنگ صفین میں تقرر حکمین اس تطابق کو اور زیادہ واضح کر رہا ہے، چنانچہ آپؑ نے اس خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ فرماتے ہوئے، عہد رسولؐ کا ذکر فرمایا کہ:

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲، ص ۱۰۷۔

{وَ النَّاسُ فِیْ فِتَنٍ انْجَذَمَ فِیْهَا حَبْلُ الدِّیْنِ، وَ تَزَعْزَعَتْ سَوَارِی الْیَقِیْنِ، وَ اخْتَلَفَ النَّجْرُ وَ تَشَتَّتَ الْاَمْرُ، وَ ضَاقَ الْمَخْرَجُ وَ عَمِیَ الْمَصْدَرُ، فَالْهُدٰی خَامِلٌ، وَ الْعَمٰی شَامِلٌ. عُصِیَ الرَّحْمٰنُ، وَ نُصِرَ الشَّیْطٰنُ، وَ خُذِلَ الْاِیْمَانُ، فَانْهَارَتْ دَعَآئِمُهٗ، وَ تَنَكَّرَتْ مَعَالِمُهٗ، وَ دَرَسَتْ سُبُلُهٗ، وَ عَفَتْ شُرُكُهٗ. اَطَاعُوا الشَّیْطٰنَ فَسَلَكُوْا مَسَالِكَهٗ، وَ وَرَدُوْا مَنَاهِلَهٗ، بِهِمْ سَارَتْ اَعْلَامُهٗ وَ قَامَ لِوَآئُهٗ، فِیْ فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ بِاَخْفَافِهَا وَ وَطِئَتْهُمْ بِاَظْلَافِهَا وَ قَامَتْ عَلٰی سَنَابِكِهَا، فَهُمْ فِیْهَا تَآئِهُوْنَ حَآئِرُوْنَ جَاهِلُوْنَ مَفْتُوْنُوْنَ، فِیْ خَیْرِ دَارٍ، وَ شَرِّ جِیْرَانٍ.}

(بعثت رسولؐ کے وقت) لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے کہ جس سے دین کی رسی ٹوٹ گئی تھی اوریقین کے ستون ہل کرا کھڑ گئے تھے، اصلیں مختلف ہوچکی تھیں اورامر پراگندہ ہو چکا تھا، (بچ کے) نکلنے کا راستہ تنگ تھا اور آنے کی راہ سجھائی نہ دیتی تھی، (تو اس وقت کیا ہوا یہ کہ) ہدایت گمنام تھی اور اندھاپن شامل حال تھا، خدا کی نافرمانی کی گئی اور شیطان کی مدد کی گئی، ایمان بے مدد چھوڑ دیا گیا تو اس کے کھمبے (ستون) گر گئے اور اس کے راستے بدل گئے اور اس کی راہیں پرانی ہوگئیں (مٹ گئیں) اور ڈھرے مٹ گئے، لوگوں نے شیطان کی اطاعت کی اور اسی کی راہوں پر چلے اور اس کی پنگھٹ پر اترے۔ یہ لوگ شیطان کے جھنڈوں کو لے کر بڑھے اور اس کا علم ایسے فتنوں میں بلند ہوا جن فتنوں نے ان کو اپنے پاؤں سے روند ڈالا اور اپنے کھروں سے کچل ڈالا، یہ فتنہ اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہوگیا، اب وہ اس میں سراسیمہ وحیران ہیں جاہل تھے اور فتنے کا شکار، اس جگہ میں جو بہترین ہے (مکہ) مگر اس کے ہمسائے بدترین ہیں۔[1]

اس خطبہ میں ''خَیْرِ دَارٍ وَ شَرِّ جِیْرَانٍ'' مخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ ہیں، جب آنحضرتؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو اہل مدینہ سے شروع بعثت کے حالات کا ذکر فرما کر یہ ارشاد کیا تھا: ''كُنْتُ فِیْ خَیْرِ دَارٍ وَ شَرِّ جِیْرَانٍ'' میں بہترین مقام اور بدترین ہمسایہ میں تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے قریش اور عقبہ بن ابی معیط کی ایذارسانیوں کا ذکر فرمایا تھا۔ حضرتؑ کے اس خطبہ میں ''خَیْرِ دَارٍ وَ شَرِّ جِیْرَانٍ'' سے مراد علمائے شیعہ نے

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

اختلاف اقوال کو نقل کرنے کے بعد مکہ اور اہل مکہ ہی کو مراد لیا ہے، ملاحظہ ہو:

علامہ ابن میثم البحرانی کی شرح، موصوف نے خیر دار کے متعلق ہر قول نقل کرنے کے بعد اسی کو "قول حسن" فرمایا ہے کہ اس سے مراد مکہ معظمہ ہے۔[1]

ملا محمد صالح قزوینی اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

در بہترین سرائے یعنی خانہ کعبہ وحوالی آن وبدترین ہمسایگان آن خانہ یعنی گمراہان قریش وعرب در جاہلیت واوّل بعثت۔[2]

فاضل معاصر حاج سید علی نقی فیض الاسلام اصفہانی اپنے "ترجمہ وشرح" میں لکھتے ہیں:

ہمگی درآں سرگرداں وحیراں ونادراں وگرفتار بودند در بہترین محل دنیا مکہ معظّمہ ومیان بدترین ہمسایہ ہا اہل مکہ۔[3]

شارحین اہل سنت بھی یہی مراد لیتے ہیں چنانچہ محمد عبدہ المصری لکھتے ہیں:

خَيْرِ دَارٍ هِيَ مَكَّةُ الْمُكَرَّمَةُ وَ شَرِّ جِيْرَانٍ عَبَدَةُ الْاَوْثَانِ مِنْ قُرَيْشٍ۔[4]

استاذ محمد حسن نائل المرصفی اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

يَعْنِيْ بِخَيْرِ دَارٍ هِيَ مَكَّةُ وَشَرِّ جِيْرَانٍ مَنْ حَوْلَهَا عَبَدَةُ الْاَوْثَانِ الَّذِيْنَ كَانُوْا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ قَبْلَ الْبِعْثَةِ۔[5]

علامہ ابن ابی الحدید نے بھی اپنی شرح میں یہی لکھا ہے:

قَوْلَهُ فِيْ خَيْرِ دَارٍ يَعْنِيْ مَكَّةَ وَ شَرِّ جِيْرَانٍ يَعْنِيْ قُرَيْشًا۔[6]

اس خطبہ میں ظاہر الفاظ اور منطوق کے اعتبار سے حضرتؑ نے عہد رسالت اور اس زمانہ کے معاندین ومحاربین ومنافقین وکافرین کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے اس کی تطبیق حضرتؑ کے حالات سے ہو رہی ہے کہ جو حالت آنحضرتؐ کی خیر دار مکہ میں شر جیران اہل مکہ کی وجہ سے تھی وہی حالت امیر المومنین علیہ السلام کی (سرزمین عراق

---

[1] شرح ابن میثم، ج ا، ص ۵۲، طبع ایران۔
[2] شرح ملا محمد صالح قزوینی، ص ۲۰، طبع تبریز ۱۳۲۰ھ۔
[3] ترجمہ وشرح نہج البلاغہ، آقائے فیض الاسلام، ج ا، ص ۳۳، طبع طہران۔
[4] شرح نہج البلاغہ، محمد عبدہ، ج ا، ص ۳۳۔
[5] شرح المرصفی، ص ۳۲، ج ا، طبع دار الکتب العربیہ مصر۔
[6] ابن ابی الحدید، ج ا، ص ۵۴، طبع مصر۔

کے)خَیرُ دَارٍ کوفہ میں شَرُّ جِیرَانٍ کوفیوں کی بے وفائی وغداری کی وجہ سے تھی ۔(کوفہ کا شمار بھی ارض مقدسہ میں ہے) ملاحظہ ہو۔[1]

یا جس طرح قریش اپنے کفر ومخالفتِ اسلام کی وجہ سے بدترین لوگ تھے اگر چہ وہ لوگ بہترین مقام کے رہنے والے تھے اسی طرح سرزمین شام اگر چہ ارض مقدس ہے لیکن وہاں کے رہنے والے امام حق سے جنگ کرنے اور معاویہ کے لشکری اوراس کے حمایتی ہونے کی وجہ سے بدترین لوگ ہیں، چنانچہ کتب راوندی نے اپنی شرح میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، بہرحال اس کے مراد لینے سے بھی کوئی قباحت نہیں ہوسکتی کیونکہ خیر دار، ارض مکہ، ارض کوفہ، ارض شام تینوں مقامات ہیں اور ہر جگہ کے باشندے حق سے انحراف وباطل کی حمایت کرنے کی وجہ سے شر جیران ہیں۔

(۹)

اسی طرح تاریخی تحلیل وتجزیہ کے بعد جو دوسرا خلل وعیب خلوصی صاحب کو نظر آیا ہے وہ یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں {اَلْآنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَهْلِهٖ }[2] جملہ جنگ صفین کے نتیجہ سے متعلق ہے حالانکہ یہ اس سے متعلق نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اس کو ابتدائی خلافت کے زمانہ کے خطبہ سے متعلق ہونا چاہیے۔

جواب

جنگ صفین سے واپس آنے پر جو خطبہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا تھا اس کو نقل کرنے کے بعد سید رضی نے ''وَ مِنْهَا یَعْنِیْ قَوْمًا اٰخَرِیْنَ'' کے زیر عنوان حضرتؑ کا جو کلام نقل فرمایا ہے اسی میں ''اَلْآنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَهْلِهٖ '' ہے، سید رضی کی یہ انتہائی دیانت ہے کہ راویوں نے جس عنوان سے روایت کیا ہے آپ نے ویسا ہی نقل فرمایا ہے، اپنی طرف سے کچھ تصرف نہیں فرمایا۔ سید رضی نے جس عنوان سے اس کلام کو نقل فرمایا ہے اس سے یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کلام ماسبق خطبہ کا لازمی جزو ہی ہے، اسی لیے سید رضی نے اس خطبہ سے الگ نقل کیا ہے، اس کلام میں حضرتؑ فرماتے ہیں:

{زَرَعُوا الْفُجُوْرَ، وَ سَقَوْهُ الْغُرُوْرَ، وَ حَصَدُوا الثُّبُوْرَ }۔

انہوں نے فسق وفجور کی کھیتی بوئی اوراسے غرور سے سینچا اور کھیتی کو کاٹ کر ہلاکت اپنے لیے

---

[1] معجم البلدان، یاقوت الحموی، جلد ہفتم، ص ۲۹۸، طبع مصر۔

[2] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲، ص ۱۰۸۔

فراہم کی۔[1]

ابن ابی الحدید اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

وَ اِشَارَتُهٗ هٰذِهٖ لَيْسَتْ اِلَى الْمُنَافِقِيْنَ كَمَا ذَكَرَهُ الرَّضِيُّ رَحِمَهُ اللهُ وَ اِنَّمَا اِشَارَةٌ اِلٰى مَنْ تَغَلَّبَ عَلَيْهِ وَ جَحَدَ حَقَّهٗ كَمُعَاوِيَةَ وَ غَيْرِهٖ وَ لَعَلَّ الرَّضِيَّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى عَرَفَ ذٰلِكَ وَ كَنّٰى عَنْهُ۔

یہ اشارہ امام علیہ السلام کا منافقین کی طرف نہیں ہے جیسا کہ سید رضی بتلاتے ہیں بلکہ امامؑ نے اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جنھوں نے امامؑ پر غلبہ حاصل کیا اور آپؑ کے حقوق کا انکار کیا مثل معاویہ وغیرہ کے اور غالباً سید رضی نے سمجھ بوجھ کر منافقین سے انہی لوگوں کا کنایہ کیا ہے۔[2]

بالفاظ سید رضی منافقین اور با الفاظ ابن ابی الحدید وہ لوگ جنھوں نے حضرت کے حقوق کا انکار کیا اور حضرت پر غلبہ حاصل کیا مثل معاویہ وغیرہ کے، ان کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرتؑ آل محمدؐ کے فضائل و مرتبے کو بیان کرتے ہیں:

{لَا يُقَاسُ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَحَدٌ. وَ لَا يُسَوّٰى بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُهُمْ عَلَيْهِ اَبَدًا. هُمْ اَسَاسُ الدِّيْنِ، وَ عِمَادُ الْيَقِيْنِ. اِلَيْهِمْ يَفِيْٓءُ الْغَالِيْ وَ بِهِمْ يَلْحَقُ التَّالِيْ. وَ لَهُمْ خَصَآئِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ. وَ فِيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَ الْوِرَاثَةُ. اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰٓى اَهْلِهٖ. وَ نُقِلَ اِلٰى مُنْتَقَلِهٖ}

اس امت میں کسی ایک کا بھی قیاس و مقابلہ آل محمدؐ سے نہیں کیا جاسکتا اور ان لوگوں کی برابری جن کو برابر نعمتیں دی گئیں ان افراد سے نہیں کی جاسکتی جو نعمت دینے والے تھے اور نعمتیں دیتے رہے۔ آل رسولؐ دین کی بنیاد ہیں اور یقین کے ستون ہیں، انہی کی طرف حد سے تجاوز کرنے والا پلٹتا ہے اور پیچھے رہ جانے والا انہی سے مل کر اور ان کے قدم بقدم چل کر نجات پاتا ہے، ان کے لیے حقوق ولایت کے خصوصیات ہیں اور وصیت و وراثت انہی میں رہی۔ اب حق خلافت جو اس کا اہل تھا اس کی طرف پلٹا دیا گیا ہے اور جو اس کی جگہ تھی اسے وہاں پہنچا دیا گیا۔[3]

جامع نہج البلاغہ نے اس کلام کو جس عنوان سے نقل کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راوئ کلام اس کو اسی خطبہ

---

[1] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲، ص ۱۰۷۔

[2] ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۴۶، طبع مصر۔

[3] نہج البلاغہ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۲، ص ۱۰۷، ۱۰۸۔

کا جزو سمجھتا ہے جو حضرتؑ نے صفین سے واپس آ کر دیا تھا، مگر بعض شارحین کا خیال یہی ہے کہ بیعت عامہ کے موقع پر آپؑ نے یہ کلام ارشاد فرمایا تھا۔

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

وَ اعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ وَ هِيَ قَوْلُهُ عليه السلام اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهَا يَبْعُدُ عِنْدِيْ اَنْ تَكُوْنَ مَقُوْلَةً عَقِيْبَ انْصِرَافِهٖ عليه السلام مِنْ صِفِّيْنَ لِاَنَّهُ انْصَرَفَ عَنْهَا وَقْتَئِذٍ مُضْطَرِبَ الْاَمْرِ مُنْتَشِرَ الْحَبْلِ بِوَاقِعَةِ التَّحْكِيْمِ وَ مَكِيْدَةِ ابْنِ الْعَاصِ وَ مَا تَمَّ لِمُعَاوِيَةَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِسْتِظْهَارِ وَ مَا شَاهَدَ فِيْ عَسْكَرِهٖ مِنَ الْخِذْلَانِ وَ هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ لَا تُقَالُ فِيْ مِثْلِ هٰذِهِ الْحَالِ وَ اَخْلَقُ بِهَا اَنْ تَكُوْنَ قِيْلَتْ فِي ابْتِدَاءِ بَيْعَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلَى الْبَصْرَةِ وَ اَنَّ الرَّضِيَّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نَقَلَ مَا وَجَدَ وَ حَكٰى مَا سَمِعَ وَ الْغَلَطُ مِنْ غَيْرِهٖ وَ الْوَهْمُ سَابِقٌ لَهٗ۔

جاننا چاہیے کہ {اَلْاٰنَ اِذْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰى اَهْلِهٖ} سے آخر خطبہ تک کے کلمات کچھ ایسے ہیں جو میرے نزدیک صفین کی واپسی پر حضرتؑ نے نہیں ارشاد فرمایا ہوگا کیونکہ واقعہ تحکیم کے بعد حضرتؑ کے معاملات خلافت درست نہیں رہ گئے تھے، کوفیوں میں اضطراب و انتشار پیدا ہو چکا تھا اور معاویہ کو استحکام حاصل ہو گیا تھا، ایسے حالات و مواقع میں اس قسم کے کلمات نہیں کہے جاتے بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرتؑ نے اپنی ابتدائے خلافت میں مدینہ سے بصرہ آنے سے قبل یہ کلام ارشاد فرمایا ہو۔ دراصل سید رضی رحمۃ اللہ نے بالکل اسی طرح نقل فرما دیا جیسا کہ موصوف نے پایا تھا اور جس طرح سنا ویسے ہی بیان فرما دیا، یہ غلطی سید رضی کے علاوہ دوسروں کی ہے اور گذشتہ رواۃ کا وہم ہے۔[1]

لیکن اگر اس کلام کو اسی خطبہ کا جزو سمجھا جائے جو آپؑ نے صفین کی واپسی پر ارشاد فرمایا تھا تو مناسبت محل و مقتضائے حال کے اعتبار سے بھی کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی اور نہ اس سے کوئی خلل و عیب ہی ہوتا ہے کیونکہ آپؑ نے جنگ صفین کے ان حالات سے جس میں معاویہ و عمرو عاص نے مکر و فریب سے کام لیا، کوفیوں نے غداری و بیوفائی کی اور خوارج کی جماعت پیدا ہو گئی، جو لوگ آپؑ کے ساتھ باقی رہے ان میں سستی و ضعف کے آثار پیدا ہو گئے، ان حالات کو پیش نظر رکھ کر آپؑ نے صفین کی واپسی پر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپؑ نے عہد رسولؐ کے انہی حالات کا

---

[1] ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۷۴، طبع مصر۔

تذکرہ فرمایا جو آپؑ کے حالات سے مشابہ تھے، مطلب حضرتؑ کا یہ تھا کہ آج پھر حق کو مٹانے کے لیے وہی طاقت ابھر آئی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں دبایا تھا، دراصل یہ اسلام کے مقابلہ میں ایسے مرتجعین کی جماعت ہے جس نے بظاہر لباس اسلام تو پہن لیا ہے لیکن وہ ویسے ہی اسلام کے مخالف ہیں جیسے کہ کفاران قریش تھے اور ہم اہلبیتؑ جو محل اسرار وحی اور صندوق علم و سرچشمہ حکمت ہیں، دین خدا کے محافظ ہیں، اس فتنہ کو ہماری ہی رہبری و ہدایت سے مٹایا جا سکتا ہے۔ اس فتنہ کو برپا کرنے والے جنہوں نے جاہلیت کے بیج کو زمین اسلام میں بویا اور اپنے آپ غرور سے اس کو سینچا وہ معاویہ اور اس کے متبعین ہیں، لہٰذا اس حقیقت کو سمجھ لو کہ آل محمدؐ کا مقابلہ کسی سے نہیں ہو سکتا ہے۔ دراصل یہی دین کے وارث، رسولؐ کے وصی اور ولایت و حکومت کے حقدار ہیں، اب جبکہ حق خلافت پلٹ کر اپنے مرکز پر آ گیا ہے تو اس موقع کو غنیمت جانو اور ہماری رہبری میں مخالفین کا مقابلہ ڈٹ کر کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ پھر اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور اسلام کو تباہی سے دوچار ہونا پڑے۔

(۱۰)

خلوصی صاحب لکھتے ہیں کہ

[ا] علی علیہ السلام کے خطبے خودستائی اور انانیت سے بھرے ہوئے ہیں۔ آپؑ نے اپنے خطبہ میں ۲۱۱ مرتبہ "انا انا" کا لفظ استعمال کیا ہے، چنانچہ آپؑ ایک ایسا ہی خطبہ دے رہے تھے جس میں آپؑ سختی سے حالات پر نکتہ چینی کر کے آئندہ کی خبریں بتلا رہے تھے کہ سوید بن نوفل الہلالی نے درمیان خطبہ میں یہ کہا: "یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْتَ حَاضِرٌ بِمَا ذَکَرْتَ وَ عَالِمٌ بِهٖ "یا امیرالمومنین علیہ السلام جو کچھ آپؑ بیان فرما رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کا دیکھا ہوا سامنے کا واقعہ ہے۔ اس کے دخل دینے سے آپؑ غضبناک ہو گئے اور آپؑ نے اسی غصہ کے عالم میں، میں ایسا ہوں، میں یہ ہوں میں وہ ہوں کہہ کہہ کر اپنی مدح خوانی کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ آدمی اس کو برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو کر مر گیا اور لوگ آپؑ کے قدموں کا بوسہ دینے لگے۔ اب آپؑ نے چاہا کہ تقریر کے سلسلہ کو ختم کر دیں لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ خطبہ ناقص نہ چھوڑا جائے۔

[ب] تب آپؑ نے اس کو پورا کیا جس میں آپؑ نے بنی عباس، تاتاریوں کا حملہ، بغداد کی تباہی اور امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی غیبی خبریں دیں۔ جن لوگوں نے علی علیہ السلام کے خطبوں کو وضع کیا ہے ان کی یہ سعی رہی ہے کہ ان خطب کے ذریعہ علی علیہ السلام کے عالم الغیب ہونے کو ظاہر کریں، یہ "انا" علی علیہ السلام کے خطبوں کی کنجی ہے اور اپنی حمد و ثنا، خودستائی علی علیہ السلام کے خطبوں کا خاص امتیاز ہے۔ دیکھو۔ النثر الفنی، زکی مبارک، ج ا ص ۴۴۔

جواب

[۱] اس اعتراض میں خلوصی صاحب نے انتہائی عیاری کا ثبوت دیا ہے، موصوف نہج البلاغہ کے متعلق بحث کر رہے ہیں کہ اس کے خطبے حضرت علی علیہ السلام کے ہیں یا نہیں، اس لیے ان کو صرف انہیں خطبوں پر نقد و تبصرہ کرنا چاہیے جو نہج البلاغہ میں مندرج ہیں لیکن چونکہ موصوف خطب نہج البلاغہ کے خلاف کچھ مستحکم ایراد و اعتراض نہیں کر سکتے اس لیے خبط عشوا کی طرح ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور اپنے اصل موضوع مندرجات نہج البلاغہ سے ہٹ کر دوسرے خطب جو حضرتؑ کی طرف منسوب ہیں اور نہج البلاغہ میں نہیں ہیں ان پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اس چالاکی سے کہ پڑھنے والا یہ سمجھے کہ یہ نہج البلاغہ ہی کا خطبہ ہے، چنانچہ مندرجہ بالا اعتراض جس خطبہ پر کر رہے ہیں جس میں "انا انا" بکثرت سے موجود ہے اور جس میں سوید بن نوفل الہلالی نے درمیان خطبہ میں سوال کیا تھا اور آپؑ نے اس کو متنبہ کیا تھا اور پھر ضمیر متکلم "انا" کے ساتھ اپنے فضائل و مناقب کو بیان فرمایا ہے اور جس کو سن کر سائل غش کھا کر مر گیا، وغیرہ وغیرہ۔۔۔

اس خطبہ کو سید رضی نے نہج البلاغہ میں نہیں نقل فرمایا بلکہ خلوصی صاحب کے ہم مذہب علمائے اہل سنت نے اس کو نقل کیا ہے، چنانچہ علامہ کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحۃ القریشی النصیبی الشافعی نے اپنی کتاب "الدر المنظم" میں اور شیخ الاسلام قسطنطنیہ علامہ الشیخ سلیمان بن ابراہیم الحنفی البلخی القندوزی نے اپنی کتاب "ینابیع المودت" میں (یہ کتاب قسطنطنیہ سے شائع ہو چکی ہے) مفصلاً اسی شرح و بسط کے ساتھ جس کا تذکرہ خلوصی صاحب کر رہے ہیں ذکر کیا ہے اور اس خطبہ کے اکثر حصہ کو علامہ شہاب الدین احمد نے اپنی کتاب "توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل" میں بھی تحریر کیا ہے۔ اگر اس خطبہ کے متعلق کوئی ایراد و اعتراض ہے تو اپنے ان اجلہ علما سے کیجیے، یہ کیا اندھیر ہے نقل تو کریں آپ کے علمائے اہل سنت اور اعتراض فرمایئے نہج البلاغہ پر جس میں اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ ایں چہ بوالعجبی است!

یہ خطبہ جو "البیان" کے نام سے مشہور ہے، مندرجہ بالا علمائے اہل سنت نے اس کو نقل فرما کر یہ تحریر فرمایا ہے: قَدْ ثَبَتَ عِنْدَ عُلَمَاءِ الطَّرِیْقَةِ وَ مَشَایِخِ الْحَقِیْقَةِ بِالنَّقْلِ الصَّحِیْحِ وَ الْکَشْفِ الصَّرِیْحِ۔ علمائے طریقت و مشائخ حقیقت کے نزدیک نقل صحیح اور کشف صریح سے یہ خطبہ ثابت ہے۔

نقل صحیح اور کشف صریح کو آپ اپنے علماء سے دریافت کیجیے کہ کیا ہے؟

جیسا کہ بتلا چکا ہوں کتب شیعہ میں اس خطبہ کا وجود نہیں ہے، نہ کتب اربعہ شیعہ میں ہے، نہ مصنفات علامہ مجلسی میں ہے اور نہ نہج البلاغہ میں ہے، شیخ رجب علی برسی جو ایک شیعہ صوفی ہیں البتہ انہوں نے کتب اہل سنت سے اس خطبہ

کو اپنی کتاب "مشارق الانوار" میں نقل کیا ہے، لیکن شیخ رجب علی برسی صوفی اور ان کے مصنفات کو اہل شیعہ نے قابل حجت نہیں سمجھا ہے، علامہ مجلسی لکھتے ہیں:

وَلَا اَعْتَمِدُ عَلٰی مَا یَتَفَرَّدُ بِنَقْلِهٖ لِاشْتِمَالِ کِتَابِهٖ عَلٰی مَا یُوْهِمُ الْخَبْطَ وَالْخَلْطَ۔

میں ان کی تنہا نقل کردہ چیزوں پر بھروسہ نہیں کرتا اس لیے کہ ان کے مصنفات میں ایسی باتیں ہیں جو خبط وخلط کی موہم ہیں۔

اسی طرح شیخ حر العاملی وسائل الشیعہ میں فرماتے ہیں:

"حافظ رجب علی برسی کی کتاب میں حد سے متجاوز باتیں درج ہیں اور بسا اوقات ان کی طرف غلو کی نسبت دی جاتی ہے۔[1]

[ب] رہا یہ امر کہ علی علیہ السلام کے بعض خطب میں اخبار غیب پائے جاتے ہیں تو اس کا جواب میں دے چکا ہوں کہ خود صحاح اہل سنت میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر اپنے اصحاب کو دی، بعض اصحاب نے اس کو یاد رکھا اور بعض بھول گئے، اگر علی علیہ السلام نے یاد رکھا اور بیان کیا تو کیوں حیرت ہو، خود علی علیہ السلام ہی نے فرمایا ہے کہ جو کچھ میں بتلا رہا ہوں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی خبریں ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ "اتراک مغول" کی خبر دے رہے تھے کہ قبیلہ کلب کے ایک شخص نے عرض کیا:

{لَقَدْ اُعْطِیْتَ یَآ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عِلْمَ الْغَیْبِ! فَضَحِكَ علیہ السلام وَ قَالَ لِلرَّجُلِ. وَ کَانَ کَلْبِیًّا: یَآ اَخَا کَلْبٍ! لَیْسَ هُوَ بِعِلْمِ غَیْبٍ. وَ اِنَّمَا هُوَ تَعَلُّمٌ مِّنْ ذِیْ عِلْمٍ}۔

اے امیر المومنین علیہ السلام آپ کو علم غیب عطا ہوا ہے؟ حضرتؑ نے مسکرا کر جواب دیا: اے برادر کلبی جو کچھ میں نے خبریں دی ہیں یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ صاحب علم ودانش حضرت پیغمبرؐ کی بتلائی ہوئی باتیں ہیں۔[2]

رہا یہ کہ "انا" علی علیہ السلام کے خطبوں کی کنجی ہے اور خود اپنی آپ تعریف کرنا یہ علی علیہ السلام کا شیوہ ہے، خلوصی صاحب کا یہ ادعا بالکل ویسا ہی ہے جس طرح مخالفین اسلام نے قرآن پر اعتراض کر کے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کا خدا کیسا ہے کہ اس

---

[1] سفینۃ البحار، الشیخ عباس القمی، ج ۱ ص ۵۱۱ طبع ایران۔
[2] نہج البلاغۃ، مطبوعہ افکار، خطبہ ۱۲۶ ص ۳۸۱۔

نے قرآن میں شروع سے آخر تک مختلف عنوان سے خود اپنی ہی حمد وثنا کی ہے۔

خلوصی صاحب نے اس خودستائی کے سلسلہ میں دکتور زکی مبارک کی کتاب "النثر الفنی" کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دکتور زکی مبارک نے بھی وہی اعتراض کیا ہے جو آپ امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کے متعلق کر رہے ہیں، حالانکہ اس کتاب میں آپ کے اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابوالہلال العسکری نے اپنی کتاب "الصناعتین ص ۱۰۴ طبع مصر" میں شعر کی صفات میں بیان کیا ہے کہ برخلاف خطیب وکاتب کے شاعر اپنے اوصاف وثنا کو شعر میں حسن وخوبی سے بیان کرسکتا ہے، اس کا جواب دکتور زکی مبارک یہ دیتے ہیں:

وَهٰذَا كَلَامٌ يَحْتَمِلُ النَّقْضَ. فَإِنَّ مَدْحَ الرَّجُلِ نَفْسَهٗ. اِنْ جَرٰى مَجْرَى الدِّفَاعِ وَالْمُفَاخَرَةِ. صَحَّ وُقُوْعُهٗ فِي النَّثْرِ. وَشَوَاهِدُ ذٰلِكَ كَثِيْرَةٌ مِنْ خُطَبِ الْخُلَفَاءِ وَالْوُلَاةِ وَرَسَائِلِهِمْ. فَلَيْسَتْ خُطَبُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فِيْ جُمْلَتِهَا اِلَّا اِشَارَةً بِشَرَفِهٖ وَتَنْوِيْهًا بِقُرْبِهٖ مِنَ الرَّسُوْلِ. اَمَّا الْفَخْرُ الَّذِيْ يَجْرِيْ مَجْرَى الزَّهْوِ وَالْخُيَلَاءِ فَهُوَ مَرْدُوْدٌ فِي الشِّعْرِ وَالنَّثْرِ۔

اس کلام سے ادبی نثر پر احتمال نقص ہوتا ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کا دفاع ومفاخرت کے موقع پر اپنی مدح وثنا کرنا یہ صحیح ودرست ہے، اس کی مثالیں وشواہد خلفاء کے خطبوں اور حکام کے خطوط ورسائل میں بکثرت ہیں۔ اس بنا پر حضرت علی علیہ السلام کے خطبے اس قسم کے نہیں ہیں کہ جن میں بیجا خطیب نے اپنی خودستائی کی ہو بلکہ اپنے شرف ومنزلت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو قربت حاصل تھی اس کو روشن کرنے کی ضرورت سے بطور مدح وثناء کے بیان کیا گیا ہے لیکن وہ فخر ومباہات جو اترانے کی بنا پر ہو وہ شعر میں ہو یا نثر میں ہو، ہر صورت میں برا ہے[1]

خلوصی صاحب نے اس "مدح وثنا" کے لیے جو خود امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی زبان سے بیان فرمائی ہے، تاریخی تحلیل وتجزیہ سے کام نہیں لیا، کیا تاریخ میں موصوف نے یہ نہیں دیکھا کہ معاویہ نے علی علیہ السلام کے خلاف کیا کیا پروپیگنڈا کیا تھا؟ شام میں اموی پروپیگنڈے کا یہ نتیجہ تھا کہ وہاں یہ مشہور تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس کو سب سے زیادہ قربت حاصل ہے وہ بنی امیہ ہیں۔[2] ان لوگوں نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا تعارف ایک ظالم وجابر کی حیثیت

---

[1] النثر الفنی فی القرن الرابع، نقد شعر الفنی، ص ۴۴، طبع مصر۔

[2] مروج الذہب، مسعودی، ج ۲، ص ۵۳، طبع اول مصر۔ شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۱۴، طبع مصر۔

سے کیا تھا بلکہ یہ شہرت دے رکھی تھی کہ ''اَرَاهُ لُصًّا مِنْ لُصُوْصِ الْفِتَنِ''۔[1]

اسی طرح خوارج واصحاب جمل آپ کی منزلت کو گھٹانے کی کوشش کر رہے تھے، ان حالات میں اگر امیر المومنین علیہ السلام اپنے فضائل ومناقب کو بیان فرماتے ہیں تو خلوصی صاحب کی اموی رگ کیوں حرکت میں آتی ہے؟

(۱۱)

خلوصی صاحب فرماتے ہیں:

خود سید رضی کو ان خطبوں کے متعلق اختلاف روایت کا اقرار ہے، یہاں تک کہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ہفتد ہم (۱۷) ص ۹۱ میں علی علیہ السلام کے ایک خطبہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ''وَهٰذِهِ الْخُطْبَةُ قَدْ نَقَلَهَا الْكَفْعَمِيُّ مَعَ اِخْتِلَافٍ شَدِيْدٍ ''اس خطبہ کو کفعمی نے بڑے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن بعد میں ابن ابی الحدید نے اس پورے خطبہ کو شامل کر دیا۔[2]

جواب

خلوصی صاحب نے اس ایراد میں بھی عیاری سے کام لیا ہے۔ اختلاف روایت کا اقرار کرنا ایک الگ چیز ہے اور مجلسی کا کسی مخصوص خطبہ کے متعلق جو نہج البلاغہ میں نہیں ہے کچھ بیان کرنا یہ ایک دوسری چیز ہے اور ابن ابی الحدید کا اس خطبہ کو اپنی تالیف میں ذکر کرنا یہ امر آخر ہے، لیکن خلوصی نے ان تینوں باتوں کو اس طرح ملایا ہے جس سے پڑھنے والا یہ نتیجہ نکالے کہ ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ میں ایک ایسے خطبے کو بڑھا دیا ہے جس کے بارے میں علامہ مجلسی یہ بتلاتے ہیں کہ اس خطبہ میں شدید اختلاف ہے، اصل یہ ہے کہ جس طرح سے اصل الفاظِ حدیث پیغمبرؐ کے متعلق بین الروات اختلاف پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ احادیث صحاح کی بھی یہی صورت ہے۔ اسی طرح سے امیر المومنین علیہ السلام کے الفاظ احادیث وخطب کے متعلق بھی بعض مقامات پر روات نے اختلاف کیا ہے، لیکن جس طرح ایک ناقد بصیر الفاظ ومتن احادیث کے اختلاف کے باوجود صحیح وسقیم کو پرکھ لیتا ہے اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام کے کلام سے بھی سید رضی نے اختلافات روایات کے باوجود متقن ومستحکم اور صحیح وقابل اعتماد کلام کو جمع فرما دیا اور جس طرح اختلافات روایات احادیث صحاح کے لیے قادح نہیں ہیں اسی طرح ان صحیح ومعتمد کلام امیر المومنین علیہ السلام کے لیے بھی جن کو

---

[1] مروج الذہب، مسعودی، ج ۲، ص ۵۲ طبع اول مصر

[2] ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۷۔

سید رضی نے نہج البلاغہ میں جمع فرمایا ہے، قادح نہیں ہے۔

خلوصی نے علامہ مجلسی کا جو حوالہ دیا ہے وہ موصوف کے مفید مطلب نہیں ہے کیونکہ علامہ مجلسی نے "بحار الانوار" جلد سیزدھم (۱۳) میں اپنے اسناد معتمدہ سے حضرتؑ کے اس خطبہ کو نقل فرمایا ہے جو بغیر الف کے ہے، یہ وہ خطبہ ہے جس کو سید رضی نے نہج البلاغہ میں نہیں وارد کیا ہے۔ خطبہ مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد علامہ مجلسی نے اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ بین الرواۃ اس کے الفاظ میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ خلوصی نے حوالہ کی مکمل عبارت کو نقل نہیں کیا ہے اور نہ حوالہ کا صفحہ ہی صحیح ہے، اصل عبارت یہ ہے:

وَهٰذِهِ الْخُطْبَةُ قَدْ نَقَلَهَا الْكَفْعَمِيُّ فِيْ كِتَابِ الْمِصْبَاحِ وَلٰكِنْ مَعَ اِخْتِلَافٍ شَدِيْدٍ وَلِذٰلِكَ قَدْ تَعَرَّضْنَا الْاِخْتِلَافَ فِي الْهَامِشِ۔

اس خطبہ بے الف کو علامہ کفعمی نے کتاب المصباح میں الفاظ کے شدید اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اس لیے میں اس لفظی اختلاف کو حاشیہ پر پیش کئے دیتا ہوں۔[۱]

خلوصی کا یہ دعوی بھی غلط ہے کہ ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ میں اصل متن کی حیثیت سے اس خطبہ کو شامل کر دیا ہے۔ حوالہ میں موصوف نے ابن ابی الحدید جلد اول لکھا ہے، دعویٰ تو غلط تھا ہی حوالہ بھی غلط ہے، اصل یہ ہے کہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح کے مجلد چہارم میں بصفحہ ۳۵۹ سے لے کر ۳۶۵ تک مشہور لغویین وائمہ فن ابو عبید قاسم بن سلام اور ابن قتیبہ کے ان مصنفات سے جو غریب الحدیث کے موضوع پر ہیں، امیر المومنینؑ کے اس کلام کو نقل کیا ہے جو لغات غریبہ پر مشتمل ہے اور جن کی شرح ابو عبید اور ابن قتیبہ نے کی ہے، حضرتؑ کے ان تمام کلمات غریبہ کو مع حل وشرح کے درج کرنے کے بعد ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

وَاَنَا الْاٰنَ اَذْكُرُ مِنْ كَلَامِهِ الْغَرِيْبِ مَا لَمْ يُوْرِدْهُ اَبُوْ عُبَيْدٍ وَابْنُ قُتَيْبَةَ فِيْ كَلَامِهِمَا وَاَشْرَحُهُ اَيْضًا وَهِيَ خُطْبَةٌ رَوَاهَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ لَهٗ عليه السلام خَالِيَةٌ مِنْ حَرْفِ الْاَلِفِ. قَالُوْا تَذَاكَرَ قَوْمٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَيُّ حُرُوْفِ الْهِجَاءِ اَدْخَلُ فِي الْكَلَامِ فَاَجْمَعُوْا عَلَى الْاَلِفِ فَقَالَ عَلِيٌّ عليه السلام۔

اب میں حضرتؑ کے کلام میں سے اس غریب کلام کو مع شرح کے وارد کرتا ہوں جس کو کہ ابو عبید اور ابن قتیبہ نے نہیں نقل کیا اور یہ حضرتؑ کا وہ مشہور خطبہ ہے جس کو بہت سے لوگوں نے حضرتؑ سے روایت کیا ہے جو حرف الف سے خالی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ کے مجمع میں ایک دن یہ گفتگو ہوئی کہ حروف ہجا میں سے وہ کون حرف ہے

---

[۱] بحار الانوار، جلد ہفتدہم، ص ۱۲۶ طبع تبریز۔

جو سب سے زیادہ زبانِ عرب میں مستعمل ہے، سب نے اتفاق کیا کہ وہ حرف الف ہے جس کے بغیر کلام نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سن کر امیر المومنین علیہ السلام نے فوراً ہی فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حرف الف نہیں تھا اور وہ خطبہ یہ ہے۔[1]

اس کے بعد ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کو ۳۶۶ صفحے سے ۳۶۸ صفحے تک نقل کیا ہے اور آخر میں الفاظ غریبہ کے معنی بتلائے ہیں۔ اسی خطبۂ بلا الف کو علمائے اہلسنت کی ایک کثیر تعداد نے اپنی کتابوں میں وارد کیا ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید کا بیان ہے، منجملہ ان علمائے کثیرہ کے حافظ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی نے باسناد اسانید رجال ثقات اپنی کتاب "کفایۃ الطالب" میں وارد کیا ہے، اسی طرح علامہ کمال الدین محمد بن طلحۃ القرشی الشافعی نے بھی اپنی کتاب "مطالب السؤل، النوع الخامس فی الخطب" میں بصفحہ ۲۰۵ پہ تمام و کمال نقل کیا ہے۔ بہر حال اس خطبہ کو اجلہ علمائے فریقین اسناد معتبرہ سے روایت کر کے اپنے مصنفات میں درج کرتے چلے آ رہے ہیں لیکن سید رضی نے نہج البلاغہ میں نہیں وارد کیا ہے اس لیے اس خطبہ کی صحت و عدم صحت کا اثر نہج البلاغہ پر کیا پڑتا ہے۔

(۱۲)

خلوصی صاحب فرماتے ہیں

On comparing the Nahj as it stands in the commentary of Ibne Abil Hadeed with Mohommad Abdah's edition we found that the letter contained fifty extra pages.

ابن ابی الحدید اور محمد عبدہ کی شرحوں کا جب ہم مقابلہ کرتے ہیں تو ہم کو محمد عبدہ کی شرح میں اصل متن نہج البلاغہ سے پچاس صفحات کا اضافہ ملتا ہے۔

جواب

یہ ہے وہ دروغ بے فروغ جو "اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز لندن یونیورسٹی کے استاد کے لیے زیبا ہے۔ حیرت ہے کہ ایک ایسے اعلیٰ درسگاہ میں خلوصی ایسا نااہل کیونکر استاد مقرر کیا جا سکتا ہے، بغیر تحقیق و تدقیق جو چاہا لکھ دیا۔ بیچارے خلوصی نے کب ان دونوں شرحوں کا مقابلہ کیا، یہ تو سنی سنائی باتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مرحوم محمد عبدہ کے بعد محمد کمال بکداش نے ان کی شرح کو بیروت میں چھپوایا جس کی تصحیح مطبع کی

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۳۶۵ طبع مصر۔

جانب سے "شیخ محی الدین الخیاط نے کی، یہ شخص بھی خلوصی ہی کی ذہنیت کا آدمی تھا، "مصحح الکتاب" ہونے کی حیثیت سے تو صرف کام اتنا تھا کہ طباعت و مطبع کی غلطیوں کی اصلاح و صحت کریں، لیکن انہوں نے اپنے حدود سے تجاوز کر کے کچھ مزید حواشی بھی محمد عبدہ کے تعلیقات و تشریحات کے ساتھ حاشیہ کتاب پر بڑھا دیا، چنانچہ اس ایڈیشن کے صفحہ ۱۳ پر جہاں سے جامع نہج البلاغہ سید رضی کا خطبہ شروع ہوتا ہے، حاشیہ یہ لکھا ہے:

"تَنْبِيهٌ" "كُلُّ كَلَامٍ يَصْدُرُ(م) هُوَمِنْ كَلَامِ مُصَحِّحِ طَبْعَ الْكِتَابِ الشَّيْخُ مُحِيُّ الدِّيْنِ الْخَيَّاطِ" اس کے بعد کل کتاب میں خیاط صاحب کے حواشی ہیں جو زیادہ تر ابن ابی الحدید کی شرح سے ماخوذ ہیں، صفحہ ۳۸۸ سے حضرتؑ کا یہ خطبہ "وَمِنْ خُطْبَةٍ فِيْ تَنْزِيْهِ اللهِ . ثُمَّ فِيْ صِفَةِ خَلْقِ بَعْضِ الْحَيْوَانَاتِ" شروع ہوتا ہے جس کا ابتدائی جملہ یہ ہے: {اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَا تُدْرِكُهُ الشَّوَاهِدُ. وَلَا تَحْوِيْهِ الْمَشَاهِدُ} اسی خطبہ کے عنوان پر ایک ستارہ کا نشان بنا کر حاشیہ پر "مصحح کتاب محی الدین خیاط" یہ پیوند لگاتے ہیں:

(م) "لَمْ يَذْكُرِ ابْنُ اَبِي الْحَدِيْدِ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ (يَعْنِي الْخُطْبَةَ) الَّتِيْ اَوَّلُهَا: رُوِيَ اِنَّ صَاحِبًا لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَلِذٰلِكَ لَا تَرٰى بَعْدَ الْاٰنَ كَلَامًا لِابْنِ اَبِي الْحَدِيْدِ اِلٰى اَنْ تَمُرَّ هٰذِهِ الْخُطَبُ"۔

ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کو اور اس کے مابعد کے خطبوں کا اس خطبہ تک جس کی ابتدا "رُوِيَ اِنَّ صَاحِبًا لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ" ہے، ذکر نہیں کیا ہے، اس لیے جب تک ان خطبوں کا سلسلہ رہے گا ابن ابی الحدید کا کلام حاشیہ پر نہیں درج کیا جائے گا۔

اس سلسلہ کا آخری خطبہ صفحہ ۴۳۸ پر ختم ہوتا ہے، تو اس حساب سے گویا پچاس صفحات ہوئے، یہ تو بکداشی ایڈیشن کے صفحات ہیں، لیکن خود شیخ محمد عبدہ کے زمانہ حیات کا مطبوعہ نسخہ جو ۱۳۰۷ھ میں مطبعۃ الادبیہ بیروت سے شائع ہوا تھا اس کے صفحات ۱۹۶ سے ۲۲۱ ہیں۔ اور الاستاذ شیخ عبدالعزیز حسن من علمائے الازہر کا ایڈیشن جو مطبع رحمانیہ مصر سے شائع ہوا، اس کے از ص ۳۷۲ تا ص ۴۲۴ یعنی ۵۳ صفحات۔

بہرحال بکداشی ایڈیشن کے مصحح الکتاب محی الدین خیاط نے اپنے اس عمل سے مرحوم شیخ محمد عبدہ پر یہ الزام لگایا کہ ۵۰ صفحات کا اضافہ اصل متن نہج البلاغہ میں انہوں نے کر دیا، کیونکہ شرح ابن ابی الحدید میں ان خطبوں کا وجود نہیں ہے، لیکن یہ الزام بالکل صریح بہتان و کذب محض ہے، شرح محمد عبدہ کے تمام یہ خطبات جو صفحہ ۳۸۸ تا ۴۳۸ بکداشی

ایڈیشن میں ہیں یا خود محمد عبدہ کے زمانہ حیات کے ایڈیشن مطبع ادبیہ میں از صفحہ ۱۹۶ تا صفحہ ۲۲۱ یا مطبع رحمانیہ کے ایڈیشن میں از صفحہ ۴۰۷ تا ۴۲۴ میں ہیں وہ سب کے سب مع اصل خطب کے شرح ابن ابی الحدید المتوفی ۶۵۶ھ میں پائے جاتے ہیں اور جس طرح ابن ابی الحدید نے دوسرے خطب کی شرح مبسوط کی ہے ویسی ہی ان خطبوں کی مفصل شرح کی ہے کہیں سے کوئی فرق نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدید جلد سوم از صفحہ ۱۹۴ تا صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ مطبع دار الکتب العربیۃ الکبری مصر اور آخری خطبہ جو بکداشی ایڈیشن کے صفحہ ۴۳۳ سے شروع ہے جس کی ابتدا ''رُوِیَ اَنَّ صَاحِبًا لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' سے ہے، یہ ابن ابی الحدید کی شرح کی تیسری جلد میں نہیں ہے بلکہ جلد دوم میں از صفحہ ۵۴۷ تا ۵۵۶ مع شرح کے ہے، خلوصی صاحب غالباً بکداشی ایڈیشن کے مصحح کتاب کی اس تدلیس وتذویر پر ایمان لے آئے ہیں اور اپنی ذمہ داری کا بغیر لحاظ کئے ہوئے اس طرح دعوی کر دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے دونوں شرحوں کا مقابلہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنین کنند!

الاستاذ الشیخ محمد حسن نائل المرصفی نے بھی نہج البلاغہ پر اپنے تعلیقات لکھے اور محمد عبدہ کی شرح کے ساتھ دار الکتب العربیہ سے شائع کیا ہے۔ اس ایڈیشن میں ۴۳۳ صفحہ سے لے کر ۴۹۴ صفحہ تک یہ خطبات درج ہیں، استاد نائل المرصفی نے کسی جگہ بھی یہ اشارہ نہیں کیا کہ یہ خطبات شرح ابن ابی الحدید میں نہیں ہیں اس کے علاوہ محمد عبدہ کی شرح سے پہلے کی جتنی شرحیں ہیں ان سب میں مثلاً شرح ابن میثم جو ۶۸۱ھ کی شرح ہے اس میں بھی یہ خطب موجود ہیں۔ یہی نہیں بلکہ محمد عبدہ کی شرح سے پہلے کے مخطوطات نہج البلاغہ بکثرت موجود ہیں اور ہندوستان وعراق وایران، شام ومصر، اور اسلامبول اور یورپ کے خزائن کتب میں پائے جاتے ہیں، ان میں سے کسی خطی نسخے میں خلوصی صاحب ملاحظہ فرمالیں، یہ خطبے تمام نسخوں میں بغیر کسی فرق کے موجود پائیں گے۔

(۱۳)

خلوصی صاحب اپنے تمام مزعومات وہفوات کا نتیجہ یہ نکالتے ہیں

Nahj al blagha is the work of many centuries and hundred of unknown authers.

''نہج البلاغہ سینکڑوں غیر معلوم اشخاص کی تصنیف ہے جنہوں نے صدیوں میں اس کو مکمل کیا ہے''۔

چندناموں کوخلوصی نے خصوصیت سے ظاہر کیا ہے کہ کچھ حصہ نہج البلاغہ کا جو شروع میں لکھا گیا وہ دونوں بھائی سید رضی اور سید مرتضی اوران کے دوست ابواسحق الصابی کا ہے، بعد میں اس میں صدیوں تک برابر اضافہ ہوتا رہا۔

جواب

خلوصی صاحب کا یہ ادعا بالکل عامیانہ ہے، نہج البلاغہ کا طرز واسلوب اور سبک وانداز نگارش شروع سے آخر تک بالکل یکساں ہے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے، نہ کہ سینکڑوں مختلف العہد لوگوں کا۔ سید رضی، سید مرتضی، ابواسحق الصابی کا انداز تحریر ایک ناقد بصیر پر پوشیدہ نہیں ہے، ان کے مصنفات آج دنیا میں موجود ہیں، نہج البلاغہ کا طرز وانداز ان سب سے جداگانہ ہے۔ ابواسحاق الصابی کے رسائل، سید رضی اور سید مرتضی کے مصنفات کو سامنے رکھ کر نہج البلاغہ سے تقابل کرو تو زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا، ''اَیۡنَ الثُّرَیَّا مِنَ الثَّرٰی''. نہج البلاغہ میں سید رضی کا مقدمہ اور اس کے علاوہ کہیں پر سید رضی کی تشریحات خود ان کی عبارت میں موجود ہے، دونوں کلام کا فرق ظاہر ہوجاتا ہے اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ ''کَلَامُ الۡاَمِیۡرِ اَمِیۡرُ الۡکَلَامِ''۔

الشیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد المعروف با بن خشاب مشہور عالم اہل سنت کہتے ہیں:

> سید رضی ہوں یا سید رضی کے علاوہ کوئی اور کس کی مجال وطاقت ہے کہ وہ یہ طرز رزیق، اسلوب انیق، یہ مضمون دقیق، یہ کلام فصیح، یہ عبارت بلیغ لکھ سکے، ہم نے طرز وطریقہ کلام سید رضی دیکھا ہے ان کے کلام کو اس کلام سے کیا مناسبت ہے۔[1]

خلوصی اوران کے ہمنوا کم ازکم یہ تو تسلیم ہی کرتے ہیں کہ نہج البلاغہ کا بعض حصہ بیشک امیر المومنین علیہ السلام ہی کا ہے، یہی اقرار کل نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونے کا زبردست ثبوت ہے، کیونکہ دونوں کلام یکساں ہونے کے لحاظ سے ایک ہی ہیں کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید مدائنی لکھتے ہیں:

> لِاَنَّ کَثِیۡرًا مِنۡ اَرۡبَابِ الۡهَوٰی یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِنۡ نَهۡجِ الۡبَلَاغَةِ کَلَامٌ مُحۡدَثٌ صَنَعَهٗ قَوۡمٌ مِنۡ فُصَحَاءِ الشِّیۡعَةِ وَ رُبَّمَا عَزَوۡا بَعۡضَهٗ اِلَی الرَّضِیِّ اَبِی الۡحَسَنِ وَ غَیۡرِهٖ وَ هٰؤُلَاءِ قَوۡمٌ اَعۡمَتِ الۡعَصَبِیَّةُ اَعۡیُنَهُمۡ فَضَلُّوۡا عَنِ النَّهۡجِ الۡوَاضِحِ وَ رَکِبُوۡا بُنَیَّاتِ الطَّرِیۡقِ ضَلَالًا وَ قِلَّةُ مَعۡرِفَةٍ بِاَسَالِیۡبِ الۡکَلَامِ وَ اَنَا اُوۡضِحُ لَکَ بِکَلَامٍ مُخۡتَصَرٍ مَا فِیۡ هٰذَا الۡخَاطِرِ مِنَ الۡغَلَطِ فَاَقُوۡلُ۔

---

[1] ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۶۹ طبع مصر۔

اکثر گرفتاران خواہش نفس یہ کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ کا اکثر کلام مصنوعی ہے جسے ایک قوم نے فصحائے شیعہ سے وضع کیا ہے اور کبھی اس کو منسوب کرتے ہیں ابوالحسن سید رضی وغیرہ کی طرف حالانکہ یہ گمان کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں کو تعصب نے اندھا کر دیا ہے جس سے وہ راہ واضح و روشن سے گمراہ ہوئے اور اپنی گمراہی کی وجہ سے بھٹکانے والی راہوں میں چلے اور یہ امر ان سے ظاہر ہوا بوجہ اس قلت معرفت کے جو ان کو اسلوب کلام سے ہے اور میں ایک مختصر تقریر سے اس وہم کے اغلاط کو دور کیے دیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ

لَا يَخْلُوْ اِمَّا اَنْ يَكُوْنَ كُلُّ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ مَصْنُوْعًا مَنْحُوْلًا اَوْ بَعْضُهٗ۔

وَ الْاَوَّلُ بَاطِلٌ بِالضَّرُوْرَةِ لِاَنَّا نَعْلَمُ بِالتَّوَاتُرِ صِحَّةَ اِسْنَادِ بَعْضِهٖ اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام وَ قَدْ نَقَلَ الْمُحَدِّثُوْنَ كُلُّهُمْ اَوْ جُلُّهُمْ وَ الْمُؤَرِّخُوْنَ كَثِيْرًا مِنْهُ وَ لَيْسُوْا مِنَ الشِّيْعَةِ لِيُنْسَبُوْا اِلٰى غَرَضٍ فِيْ ذٰلِكَ وَ الثَّانِيْ يَدُلُّ عَلٰى مَا قُلْنَاهُ لِاَنَّ مَنْ قَدْ اَنَسَ بِالْكَلَامِ وَ الْخِطَابَةِ وَ شَدَا طَرَفًا مِنْ عِلْمِ الْبَيَانِ وَ صَارَ لَهٗ ذَوْقٌ فِيْ هٰذَا الْبَابِ لَا بُدَّ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ الْكَلَامِ الرَّكِيْكِ وَ الْفَصِيْحِ وَ بَيْنَ الْفَصِيْحِ وَ الْاَفْصَحِ وَ بَيْنَ الْاَصِيْلِ وَ الْمُوَلَّدِ وَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى كُرَّاسٍ وَاحِدٍ يَتَضَمَّنُ كَلَامًا لِجَمَاعَةٍ مِنَ الْخُطَبَاءِ اَوْ لِاثْنَيْنِ مِنْهُمْ فَقَطْ ۔فَلَا بُدَّ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ الْكَلَامَيْنِ وَ يُمَيِّزَ بَيْنَ الطَّرِيْقَتَيْنِ۔ اَلَا تَرٰى اَنَّا مَعَ مَعْرِفَتِنَا بِالشِّعْرِ وَ نَقْدِهٖ. لَوْ تَصَفَّحْنَا دِيْوَانَ اَبِيْ تَمَامٍ فَوَجَدْنَاهُ قَدْ كَتَبَ فِيْ اَثْنَائِهٖ قَصَائِدَ اَوْ قَصِيْدَةً وَاحِدَةً لِغَيْرِهٖ. لَعَرَفْنَا بِالذَّوْقِ مُبَايَنَتَهَا لِشِعْرِ اَبِيْ تَمَامٍ وَ نَفْسِهٖ وَ طَرِيْقَتِهٖ وَ مَذْهَبِهٖ فِي الْقَرِيْضِ اَلَا تَرٰى اَنَّ الْعُلَمَاءَ بِهٰذَا الشَّاْنِ حَذَفُوْا مِنْ شِعْرِهٖ قَصَائِدَ كَثِيْرَةً مَنْحُوْلَةً اِلَيْهِ لِمُبَايَنَتِهَا لِمَذْهَبِهٖ فِي الشِّعْرِ وَ كَذٰلِكَ حَذَفُوْا مِنْ شِعْرِ اَبِيْ نُوَاسٍ شَيْئًا كَثِيْرًا لِمَا ظَهَرَ لَهُمْ اَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَلْفَاظِهٖ وَ لَا مِنْ شِعْرِهٖ وَ كَذٰلِكَ غَيْرُهُمَا مِنَ الشُّعَرَاءِ وَ لَمْ يَعْتَمِدُوْا فِيْ ذٰلِكَ اِلَّا عَلَى الذَّوْقِ خَاصَّةً.

دو حال سے خالی نہیں یا تو کل کلام نہج البلاغہ وضعی و مصنوعی ہے یا اس کا بعض حصہ مصنوعی ہے۔

پہلا دعوی تو بالبداہت باطل ہے کیونکہ بعض خطبوں کے اسناد حضرتؑ کی طرف ہم کو بتواتر معلوم ہیں کیونکہ کل محدثین نے یا اکثر محدثین اور سب مورخین نے بہت سے خطبوں کو حضرتؑ سے روایت کیا ہے۔

وہ محدثین ومورخین یا رواۃ شیعہ تو تھے نہیں جو کسی غرض سے اس کی نسبت حضرت کی طرف دیتے رہے۔ دوسرا دعوی کہ بعض خطبے وضعی ہوں پس خود یہی دعوی ہمارے دعوی صحت کلام نہج البلاغہ کی دلیل ہے کیونکہ جس کو کچھ بھی انس ہے کلام اور فن خطابت سے اور کچھ بھی علم بیان سے اس کو حصہ ملا ہے اور اس کا ذوق رکھتا ہے ضرور وہ فرق کر لے گا درمیان کلام رکیک اور فصیح وافصح کے اور درمیان کلام اصل ومولد کے۔ وہ اگر ایک کراس (جزو) بھی ایسا دیکھے جس میں مختلف بلیغوں کا کلام ہو خواہ وہ دو ہوں یا زیادہ تو دونوں کے کلاموں میں فرق کر لے گا۔ اور دونوں کے طریقوں میں تمیز کر لے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ہم کو شعر کی معرفت حاصل ہے اور ہم اس کو پرکھ سکتے ہیں تو اگر کوئی شخص دیوان ابوتمام میں دو ایک قصیدے غیر کے شامل کر دے تو ہم اپنے ذوق کلام سے پہچان جاتے ہیں کہ یہ کلام اجنبی ہے جو اس کے انداز وطریقہ سے مماثلت نہیں رکھتا۔ کیا تم کو نہیں معلوم ہے کہ اس فن کے علماء نے ابونواس کے دیوان سے بہت سے شعروں کو نکال دیا ہے کیونکہ ان کے الفاظ سے سمجھ گئے تھے کہ نہ یہ کلام ابونواس ہے نہ اس کے اشعار، یہی حال ہے اور شعراء کا اور علمائے شعر نے صرف اپنے ذوق سلیم کی بنا پر یہ کاروائی کی اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔

وَ اَنْتَ اِذَا تَاَمَّلْتَ نَهْجَ الْبَلَاغَةِ وَجَدْتَهٗ كُلَّهٗ مَاءً وَاحِدًا وَ نَفْسًا وَاحِدًا وَ اُسْلُوْبًا وَاحِدًا كَالْجِسْمِ الْبَسِيْطِ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْضٌ مِنْ اَبْعَاضِهٖ مُخَالِفًا لِبَاقِي الْاَبْعَاضِ فِي الْمَاهِيَةِ وَ كَالْقُرْاٰنِ الْعَزِيْزِ اَوَّلُهٗ كَاَوْسَطِهٖ وَ اَوْسَطُهٗ كَاٰخِرِهٖ وَ كُلُّ سُوْرَةٍ مِنْهُ وَ كُلُّ اٰيَةٍ مُمَاثِلَةٌ فِي الْمَاْخَذِ وَ الْمَذْهَبِ وَ الْفَنِّ وَ الطَّرِيْقِ وَ النَّظْمِ لِبَاقِي الْاٰيَاتِ وَ السُّوَرِ۔ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ مَنْحُوْلًا وَ بَعْضُهٗ صَحِيْحًا لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ۔ فَقَدْ ظَهَرَ لَكَ بِهٰذَا الْبُرْهَانِ الْوَاضِحِ ضَلَالُ مَنْ زَعَمَ اَنَّ هٰذَا الْكِتَابَ اَوْ بَعْضَهٗ مَنْحُوْلٌ اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام۔

پس اگر تو تامل کرے نہج البلاغہ میں تو پائے گا اسے ایک طرح کا پانی اور ایک نفس اور ایک اسلوب مشابہ اس جسم بسیط کے جس کے بعض اجزاء مخالف باقی اجزاء کے نہیں ہیں، بلکہ تو نہج البلاغہ کو قرآن مجید کے مشابہ پائے گا کہ اول واوسط وآخر اس کا ایک ہے بلکہ ہر سورہ اور آیہ ماخذ میں، مذہب میں، فن میں، طریق میں اور نظم میں مماثل ہے باقی آیات وسور کے۔ اگر نہج البلاغہ میں کچھ حصہ وضعی ہوتا اور کچھ اصلی تو ہرگز یہ انداز نہ ہوتا۔ پس اس برہان قوی ودلیل محکم سے ظاہر

ہوئی ضلالت ان لوگوں کی جو یہ گمان کرتے ہیں کہ نہج البلاغہ یا بعض اس کا وضعی ہے جو جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا۔

وَ اعلَمْ اَنّ قَائِلَ هٰذَا الْقَوْلِ يَطْرُقُ عَلٰى نَفْسِهٖ مَا لَا قِبَلَ لَهٗ بِهٖ لِاَنَّا مَتٰى فَتَحْنَا هٰذَا الْبَابَ وَ سَلَّطْنَا الشُّكُوْكَ عَلٰى اَنْفُسِنَا فِيْ هٰذَا النَّحْوِ لَمْ نَثِقْ بِصِحَّةِ كَلَامٍ مَنْقُوْلٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَبَدًا وَ سَاغَ لِطَاعِنٍ اَنْ يَطْعَنَ وَ يَقُوْلَ هٰذَا الْخَبَرُ مَنْحُوْلٌ وَ هٰذَا الْكَلَامُ مَصْنُوْعٌ وَ كَذَا مَا نُقِلَ عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ مِنَ الْكَلَامِ وَ الْخُطَبِ وَ الْمَوَاعِظِ وَ الْاَدَبِ وَ غَيْرِ ذٰلِكَ وَ كُلُّ اَمْرٍ جَعَلَهٗ هٰذَا الطَّاعِنُ مُسْتَنَدًا لَهٗ فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ الْاَئِمَّةِ الرَّاشِدِيْنَ وَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِيْنَ وَ الشُّعَرَاءِ وَ الْمُتَرَسِّلِيْنَ وَ الْخُطَبَاءِ فَلِنَاصِرِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ علیہ السلام اَنْ يَسْتَنِدُوْا اِلٰى مِثْلِهٖ فِيْمَا يَرْوُوْنَهٗ عَنْهُ مِنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَ غَيْرِهٖ وَ هٰذَا وَاضِحٌ۔

یہ بھی سمجھ رکھو کہ جو لوگ اس قسم کے شکوک واوہام پیدا کرتے ہیں وہ خود اپنے لیے ایسا اشکال عظیم وارد کرتے ہیں جس کا کسی طرح دفعیہ نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر ایراد واعتراض کا باب اگر یوں ہی مفتوح ہو اور اسی طرح کے شکوک کو ہم اپنے دلوں میں جگہ دیں تو پھر ان کلمات وروایات واحادیث پر بھی وثوق نہیں رہ سکتا جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں، کیونکہ اس پر بھی یہی اعتراض ہو سکتا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام وضعی ہے یا یہ حدیث جعلی ہے اسی طرح جو کچھ ابوبکر وعمر سے منقول ہے کلام یا خطب سے اس کو بھی اسی طرح جعلی ووضعی کہا جائے گا، غرض کہ جس قسم کا اعتراض یہ طاعن نہج البلاغہ پر کرتا ہے اور جن باتوں سے استناد کر سکتا ہے انہی باتوں سے اس کے مخالف جو ناصر امیرالمومنین علیہ السلام ہیں وہ بھی استناد کر سکتے ہیں نہج البلاغہ وغیرہ کے باب میں، وہذا واضح۔[1] (ختم ہوا کلام ابن ابی الحدید)

سید رضی کی ذات اس سے بلند ہے کہ ان کی طرف وضع کی نسبت دی جائے

ایسا کلام جو مختلف اہل قلم کا نتیجہ ہو اس میں کلام کی یکسانیت کیونکر قائم رہ سکتی ہے علاوہ ازیں جامع نہج البلاغہ سید رضی کی شخصیت اس سے بلند وبرتر ہے کہ وہ اپنے یا کسی غیر کے کلام کو امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیں۔ سید رضی کے تدین وعفت نفس کے یہ بالکل منافی ہے کہ وہ حضرتؑ کی طرف کلام غیر کو منسوب کریں، یہ ایک ایسی حقیقت

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۰، ص ۱۲۷۔ ۱۲۹۔

ہے جس کا اعتراف وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو نہج البلاغہ میں کلام غیر کو بھی شامل سمجھتے ہیں۔

احمد زکی صفوت لکھتے ہیں:

اَمَا اَنَّهُ اِنْتَحَلَ بعْضَهُ فَذٰلِكَ مَا لَا نَرَى السَّبِيْلَ عَلٰى اِتِّهَامِهِ بِهِ سَهْلًا۔

لیکن یہ کہ سید رضی نے نہج کے بعض خطب کو وضع کیا تو یہ اتہام سید رضی پر عائد کرنا درست نہیں ہے۔[1]

کتاب "اطوار الثقافۃ والفکر فی ظلال العروبۃ والاسلام" کے مصری مصنفین علام بھی یہی لکھتے ہیں:

بَيْدَ اَنَّا نُخَالِفُهُمْ فِيْ اَنَّ الْمَصْنُوْعَ مِنْهُ مِنْ عَمَلِ الرَّضِيِّ وَ اَنَّهُ نَجْلَةُ الْاِمَامِ فَاِنَّا نُكْبِرُ الرَّضِيَّ اَنْ يُقْدِمَ عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ الشَّنِيْعِ فَيَفْتَرِيْ عَلٰى جَدِّهِ الْاَكَاذِيْبَ مَعَ مَا لَهُ فِيْ نَفْسِهِ مِنْ مَكَانَةِ السَّنِيَّةِ فَيَاْتِيْ بِالْعُقُوْقِ فِيْ صُوْرَةِ الْبِرِّ۔

ہم اس کے مخالف ہیں کہ کلام نہج البلاغہ سید رضی کی جعلی کارستانیاں ہیں، وہ حضرت علی علیہ السلام کی ذریت واولاد ہیں ہم سید رضی کو اس عمل شنیع کے ارتکاب سے برتر ومنزہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی پر عظمت ومرتبت شخصیت کے باوجود غلط اور جھوٹے کلام کی نسبت اپنے دادا حضرت علی علیہ السلام کی طرف دیں اور ایسے کام کو عمل میں لائیں جو بظاہر نیک واچھا معلوم ہو لیکن نتیجہ میں گناہ ونافرمانی کا سبب بن جائے۔[2]

سید رضی اگر نہج البلاغہ کو غلط منسوب کرتے تو حکومت کی طرف سے مستوجب عقاب ٹھہرتے

سید مرتضی وسید رضی یا دوسرے ادباء شیعہ کو متہم کرنے والے تاریخ کے ان حقائق سے چشم پوشی کر لیتے ہیں کہ ایسے زمانہ میں جبکہ شیعیت کا اظہار جرم ہو وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی طرف جعلی ووضعی کلام کو کیونکر منسوب کر سکتے تھے، اس میں تو ان کی جانوں کا خطرہ تھا، تدوین نہج البلاغہ کے بعد یہ کتاب پوشیدہ نہیں رہی بلکہ عالم اسلام میں مشہور ہوگئی، اگر اس میں کلام منحول (جعلی ووضعی) موجود ہوتا تو دار السلام بغداد کے علماء وحفاظ حدیث وائمہ ادب جو سب کے سب سنی المذہب تھے سید رضی کو مطعون ومردود قرار دے دیتے اور ان کو مجرم قرار دے کر بارگاہ خلافت سے مستوجب عقاب ٹھہراتے۔ اسی عہد میں شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی اپنی کتاب المصباح میں عمل عاشور

---

[1] ترجمہ علی ابن ابی طالب، احمد زکی صفوت، ص ۱۶۰، طبع مصر۔

[2] اطوار الثقافۃ، ج ۲، ص ۶۵، طبع مصر

لکھنے پر دربار خلافت میں باز پرس کے لیے طلب ہو جاتے ہیں اور صفائی پیش کرنے کے بعد بری ہوتے ہیں۔[1]

لیکن سید سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جاتی حالانکہ معمولی باتوں پر اگر مشتبہ ہو جاتے ہیں تو حکومت کا عتاب نازل ہو جاتا ہے، چنانچہ سید رضی کی طرف منسوب شدہ اشعار جس میں فاطمیین مصر کی مدح ہے جب خلیفہ وقت قادر باللہ العباسی تک پہنچتے ہیں تو خلیفہ سید رضی پر انتہائی غضب ناک ہو جاتا ہے اگرچہ سید رضی بحلف انکار کرتے رہے کہ یہ ان کے اشعار نہیں ہیں لیکن خلیفہ کے غیظ وغضب میں اس وقت تک کمی نہیں ہوئی جب تک کہ سید رضی کے والد ابو احمد سید طاہر الموسوی النقیب اور ان کے بھائی سید مرتضی علم الہدی اس محضر پر دستخط نہیں کر لیتے جو فاطمیین مصر کی قدح نسب کے متعلق لکھا گیا تھا اور خود سید رضی کو یہ سزا ملی کہ ان کو نقابت سے برطرف کر دیا گیا۔[2]

چند ایسے مشتبہ اشعار پر جو ان کی طرف منسوب کر دیے گئے تھے اس پر تو یہ لے دے ہوئی، اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کہیں "نہج البلاغہ" میں جعلی ووضعی کلام ہوتا جس کو علمائے اہل سنت نہ قبول کرتے ہوتے تو اس کے نتیجے میں سید رضی کو کون سا روز بد دیکھنا پڑتا۔ نہج البلاغہ کی اشاعت کے بعد نہ حکومت نے کوئی باز پرس کی اور نہ علماء نے رد وقدح کیا بلکہ مشہور متکلم اہلسنت قاضی القضات عبد الجبار صاحب المغنی اپنی کتاب "المغنی" میں (جو شیعوں کی رد میں ہے) مشہور خطبہ شقشقیہ کو قبول کر کے اس کے معانی میں تاویل کرتے ہیں جس کا جواب سید مرتضی نے اپنی کتاب "الشافی" میں دیا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ خلفاء وامراء کے خزائن کتب میں نہج البلاغہ کو جگہ ملی بلکہ اجلہ علمائے اہل سنت نے اس کی شرحیں بھی تحریر کیں اور مشہور خطاطین اہل سنت نے اس کی کتابت کی، چنانچہ خلیفہ معتصم باللہ کے مشہور ومعروف کاتب یاقوت بن عبد اللہ المستعصمی النوری نے بھی نہج البلاغہ کو لکھ کر اپنے کمال فن خطاطی کا ثبوت دیا چنانچہ آج تک یاقوت مستعصمی کا لکھا ہوا نسخہ نہج البلاغہ شہر موصل کے مدرسہ الحسینیہ کے مخطوطات میں محفوظ ہے۔ ملاحظہ ہو[3]

ابو اسحق الصابی ونہج البلاغہ

خلوصی صاحب کس سادگی سے فرماتے ہیں کہ ابو اسحق الصابی بھی واضعین نہج البلاغہ میں سے ہے۔ آخر یہ تو فرمائیے کہ ایک شدید العصبیہ غیر مسلم کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنا کلام مسلمانوں کے پیشوا حضرت علی علیہ السلام کی طرف منسوب کرے وہ بھی ایسا کلام جو تالیٔ قرآن ہو (علامہ احمد حسن الزیات تاریخ الادب العربی) میں لکھتے ہیں:

نَهْجُ الْبَلَاغَةِ هُوَفِي الْمَحَلِّ الثَّانِيْ مِنْ كِتَابِ اللهِ بَلَاغَةً وَبَيَانًا۔

---

[1] روضات الجنات باب المیم، ص ۵۸۳، طبع ایران۔ لولوا البحرین۔

[2] ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۱۳، طبع مصر۔ الشریف الرضی بقلم محمد سید الگیلانی، ص ۱۱۸، ۱۱۹، طبع مصر۔

[3] معجم الادباء، ج ۲، حاشیہ ص ۲۱، طبع مصر۔

نہج البلاغہ بلاغت وبیان کے اعتبار سے کتاب خدا کے بعد دوسرے مرتبہ پر ہے۔[1]

ایسے بلند مرتبہ کلام کو وہ اپنا کر کے ظاہر کرتا یا حضرت علی علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیتا؟ ابواسحٰق ابراہیم بن ہلال بن زہرون الحرانی الصابی اپنے مذہب صابی میں بہت سخت تھا۔ مورخ ابن خلکان لکھتا ہے: " کَانَ مُتَشَدِّدًا فِیْ دِیْنِہٖ" وہ اپنے مذہب میں بہت کٹر تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ عزالدولہ نے اس کے سامنے اس شرط پر عہدۂ وزارت کو پیش کیا کہ یہ مسلمان ہو جائے لیکن اس نے انکار کر دیا۔[2]

علامہ صفدی و یاقوت الحموی لکھتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ بادشاہ نے ہزار اشرفیاں اس کو اس شرط پر دیں کہ وہ باقلا کھائے لیکن اس نے اپنے مذہب کے احترام میں کہ اس نے باقلا کھانے کی اجازت نہیں دی ہے، ہزار اشرفیوں کو رد کر دیا اور نہیں کھایا"۔[3]

ایسا کٹر قسم کا مخالف اسلام امیر المومنین علیہ السلام کے مرتبہ کو بلند کرنے کے لیے جعلی خطبے وضع کرے گا جبکہ اس کے تعلقات سنی المذہب خلفاء بغداد سے بھی بہت گہرے تھے؟ علاوہ ازیں ابواسحٰق الصابی کے رسائل مطبوعہ ہمارے سامنے موجود ہیں جس کو امیر شکیب ارسلان نے محشی کیا ہے، کجا نہج البلاغہ کی جلالتِ شان اور کجا صابی کا کلام پست، کیا نسبت ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

وَ اعْلَمْ اَنِّیْ اَضْرِبُ لَكَ مَثَلًا تَتَّخِذُہٗ دَسْتُوْرًا فِیْ كَلَامِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ علیہ السلام وَ كَلَامِ الْكُتَّابِ وَ الْخُطَبَاءِ بَعْدَہٗ كَابْنِ نُبَاتَۃَ وَ الصَّابِیْ وَ غَیْرِھِمَا. اُنْظُرْ نِسْبَۃَ شِعْرِ اَبِیْ تَمَامٍ وَ الْبَحْتَرِیِّ وَ اَبِیْ نُوَّاسٍ وَ مُسْلِمٍ اِلٰی شِعْرِ امْرِئِ الْقَیْسِ وَ النَّابِغَۃِ وَ زُھَیْرٍ وَ الْاَعْشٰی ھَلْ اِذَا تَاَمَّلْتَ اَشْعَارَ ھٰٓؤُلَآءِ وَ اَشْعَارَ ھٰٓؤُلَآءِ تَجِدُ نَفْسَكَ حَاكِمَۃً بِتَسَاوِی الْقَبِیْلَیْنِ اَوْ بِتَفْضِیْلِ اَبِیْ نُوَّاسٍ وَ اَصْحَابِہٖ عَلَیْھِمْ؟ مَا اَظُنُّ اَنَّ ذٰلِكَ مِمَّا تَقُوْلُہٗ اَنْتَ وَ لَا قَالَہٗ غَیْرُكَ وَ لَا یَقُوْلُہٗ اِلَّا مَنْ لَا یَعْرِفُ عِلْمَ الْبَیَانِ وَ مَاھِیَۃَ الْفَصَاحَۃِ وَ كُنْہَ الْبَلَاغَۃِ وَ فَضِیْلَۃَ الْمَطْبُوْعِ عَلَی الْمَصْنُوْعِ وَ مَزِیَّۃَ الْمُتَقَدِّمِ عَلَی الْمُتَاَخِّرِ فَاِذَا اَقْرَرْتَ مِنْ نَفْسِكَ بِالْفَرْقِ وَ الْفَضْلِ وَ عَرَفْتَ فَضْلَ الْفَاضِلِ وَ نَقْصَ النَّاقِصِ فَاعْلَمْ اَنَّ

---

[1] تاریخ ادب العربی، احمد حسن الزیات، ص ۲۲۹، طبع مصر۔

[2] وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۲، طبع مصر۔ معجم الادباء، ج ۲، ص ۲۱، طبع مصر۔ الاعلام، خیر الدین الزرکلی، ج ۱، ص ۲۶، طبع مصر۔

[3] معجم الادباء، ج ۲، حاشیہ ص ۲۱، طبع مصر۔

نِسْبَةَ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام اِلٰى هٰؤُلَاۤءِ هٰذِهِ النِّسْبَةُ. بَلْ اَظْهَرُ. لِاَنَّكَ تَجِدُ فِيْ شِعْرِ اِمْرِئِ الْقَيْسِ وَ اَصْحَابِهٖ مِنَ التَّعَجْرُفِ وَ الْكَلَامِ الْحُوْشِيِّ وَ اللَّفْظِ الْغَرِيْبِ الْمُسْتَكْرَهِ شَيْئًا كَثِيْرًا وَ لَا تَجِدُ مِنْ ذٰلِكَ فِيْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام شَيْئًا وَ اَكْثَرُ فَسَادِ الْكَلَامِ وَ نُزُوْلِهٖ اِنَّمَا هُوَ بِاسْتِعْمَالِ ذٰلِكَ۔

اب میں امیر المومنین علیہ السلام کے کلام پر نظر کرنے والوں کے سامنے ایک ایسا اصول ودستور بیان کرتا ہوں جس سے حضرتؑ کے کلام اور دوسرے انشاء پرداز ادباء وخطباء مثل ابن نباتہ، وصابی وغیرہما کے انداز وطرز نگارش کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ آپ ابو تمام، بحتری، ابونواس وغیرہم شعرائے اسلام کے کلام کا جائزہ لیں اور اس کا مقابلہ شعرائے جاہلیت امرئ القیس، نابغہ، زہیر، اعشٰی کے کلام سے کریں۔ جب آپ ان دونوں گروہ کے کلام کا بغور مطالعہ کریں تو کیا آپ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ ان دونوں کے کلام میں یکسانیت ہے یا یہ فیصلہ کریں گے کہ ابونواس اور ان کے ساتھیوں کو امرئ القیس وغیرہم پر فضیلت ہے؟ مجھے تو اس کا گمان ہی نہیں ہوتا کہ آپ یا آپ کے علاوہ کوئی اور ایسا غلط فیصلہ کرے۔ ایسی ناسمجھی تو وہی کرے گا کہ جس کو علم بیان، ماہیت فصاحت وحقیقت بلاغت سے کوئی لگاؤ نہ ہو۔ جو آمد کو آورد پر، فطری سلیقہ اور طبعیت کی روانی کو بناوٹ اور تکلف پر اور متاخر کو باشرف متقدم پر ترجیح دینے والا ہو، دراصل صحیح ذوق ادب اور بحث ونظر والا ایسا نہیں کرے گا وہ تو اسی کو فضیلت دے گا جس میں شرف ہے جو بلند ہے اس کو بلند سمجھے گا اور جو پست ہے اس کو پست سمجھے گا۔ اس لیے طبقہ اول امرئ القیس وغیرھم کو طبقہ دوم ابوتمام وغیرھم پر ضرور فضیلت دے گا۔ اب اسی معیار پر امیر المومنین علیہ السلام کے کلام پر نظر ڈالو اور اس کا مقابلہ امرئ القیس وغیرھم کے سے طبقہ اول والوں سے کرو، تم دیکھو گے کہ امرئ القیس اور ان کے اصحاب کے کلام میں غریب الفاظ، وحشی کلام، سست بندشیں موجود ہیں اور علی علیہ السلام کا کلام ان عیوب سے پاک وصاف ہے۔

فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَزْدَادَ اسْتِبْصَارًا فَانْظُرِ الْقُرْاٰنَ الْعَزِيْزَ وَ اعْلَمْ اَنَّ النَّاسَ قَدِ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّهٗ فِيْ اَعْلٰى طَبَقَاتِ الْفَصَاحَةِ وَ تَاَمَّلْهُ تَاَمُّلًا شَافِيًا وَ انْظُرْ اِلٰى مَا خُصَّ بِهٖ مِنْ مَزِيَّةِ الْفَصَاحَةِ وَ الْبُعْدِ عَنِ التَّقْعِيْرِ وَ التَّقْعِيْبِ وَ الْكَلَامِ الْوَحْشِيِّ الْغَرِيْبِ وَ انْظُرْ كَلَامَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام فَاِنَّكَ تَجِدُهٗ مُشْتَقًّا مِنْ اَلْفَاظِهٖ وَ مُقْتَضَبًا مِنْ مَعَانِيْهِ وَ

مَذَاهِبِهِ وَ مَحْذُوًّا بِهِ حَذْوَهُ وَ مَسْلُوْكًا بِهِ فِيْ مِنْهَاجِهِ فَهُوَ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ نَظِيْرًا وَ لَا نِدًّا يَصْلَحُ اَنْ يُقَالَ اِنَّهُ لَيْسَ بَعْدَهُ كَلَامٌ اَفْصَحُ مِنْهُ وَ لَا اَجْزَلُ وَ لَا اَعْلٰى وَ لَا اَفْخَمُ وَ لَا اَنْبَلُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ كَلَامُ ابْنِ عَمِّهِ عليه السلام وَ هٰذَا اَمْرٌ لَا يَعْلَمُهُ اِلَّا مَنْ ثَبَتَتْ لَهُ قَدَمٌ رَاسِخَةٌ فِيْ عِلْمِ هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ وَ لَيْسَ كُلُّ النَّاسِ يَصْلَحُ لِاِنْتِقَادِ الْجَوْهِرِ بَلْ وَ لَا لِاِنْتِقَادِ الذَّهَبِ وَلِكُلِّ صَنَاعَةٍ اَهْلٌ وَلِكُلِّ عَمَلٍ رِجَالٌ۔

اگرتم چاہتے ہو کہ میرے مطلب کو اور صاف روشن طریقہ سے سمجھو تو قرآن پر نظر ڈالو۔تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ منازل پر ہے اور ہر قسم کے عیوب کلام سے وہ پاک وصاف ہے، اب قرآن کے بعد علی علیہ السلام کے کلام پر نظر ڈالو تم کو صاف معلوم ہوجائے گا کہ حضرتؑ کے الفاظ قرآن کے الفاظ سے مشتق ہیں اور اس کے معانی ومطالب قرآن ہی سے ماخوذ ہیں اور اس کا طرز واسلوب، انداز بیان قرآن ہی کے لگ بھگ ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، دراصل یہ کہنا بالکل درست ہے کہ قرآن کے بعد کوئی کلام اس سے زیادہ فصیح نہیں ہے بلکہ کلام علی علیہ السلام ہی سب سے بلند وارفع ہے سوائے ابن عم رسول حضرت علی علیہ السلام کے کلام کے اور کوئی کلام اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، دراصل اس نتیجہ تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو ادب وفصاحت وبلاغت میں کمال رکھتے ہیں، بھلا ہر آدمی میں یہ سلیقہ کہاں کہ جواہرات اور کنکر میں تمیز کرسکے یا سونے کو پرکھ سکے، ہر امر کے سمجھنے کے لیے سلیقہ مندی کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر کام کے لیے کچھ لوگ ہوتے ہیں۔[1]

---

[1] ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۴۳، طبع مصر۔

استاد العلامہ محمد محی الدین عبدالحمید ازہری اور استاد فواد افرام بیروتی مشککین کے شبہات کو رد کرتے ہیں

چنانچہ وہ لوگ جو ادب عربی اور فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے ہیں عام اس سے کہ وہ کسی مذہب وملت کے کیوں نہ ہوں ان کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، آخر کلام میں دو شواہد کو پیش کر کے اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔

جامع ازہر کے مشہور ادیب علامہ محمد محی الدین عبدالحمید جو ازہر یونیورسٹی مصر میں عربی ادبیات کے استاد ہیں اور جنہوں نے نہج البلاغہ کی مختصر شرح کی ہے وہ اپنی شرح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

نَعَمْ لَيْسَ مِنْ شَكٍّ عِنْدَ اَحَدٍ مِنْ ذٰلِکَ. وَ لَيْسَ مِنْ عِنْدِ اَحَدٍ فِیْ اَنْ تُضَمِّنَهُ الْكِتَابُ جَارٍ عَلَى النَّهْجِ الْمَعْرُوْفِ عَنْ اَمِيْرِالْمُؤْمِنِيْنَ. مُوَافِقٌ لِلْاُسْلُوْبِ الَّذِىْ يَحْفِظُهُ الْاُدَبَاءُ وَالْعُلَمَآءُ مِنْ كَلَامِهِ الْمَوْثُوْقِ بِنِسْبَتِهٖ اِلَيْهِ. وَلٰكِنَّ بَعْضَ الْمَعْرُوْفِيْنَ مِنْ اُدَبَاءِ عَصْرِنَا يَمِيْلُوْنَ اِلٰى اَنَّ بَعْضَ مَافِى الْكِتَابِ مِنْ خُطَبٍ وَرَسَائِلٍ لَمْ يَصْدُرْ عَنْ غَيْرِ الشَّرِيْفِ الرَّضِىِّ جَامِعِ الْكِتَابِ: هُوَ مُنْشِئُهُ وَهُوَ مُدَّعِیْ نِسْبَتِهٖ اِلَى الْاِمَامِ۔

ہاں نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونے میں کسی ایک کو بھی شک نہیں اور نہ کوئی اس میں شک ہے کہ جو کچھ اس میں درج ہے وہ اسی طریقہ پر ہے جو امیر المومنین علیہ السلام کا عام طور سے معلوم ہے اور اس انداز بیان واسلوب نگارش کے مواقف ہے جو ادباء و علماء نے محفوظ کیا ہے حضرتؑ کے اس کلام سے جس کی نسبت آپؑ کی طرف قابل وثوق طریقہ سے ثابت ہے۔ لیکن ہمارے زمانہ کے بعض مشہور ادباء کا میلان اس خیال کی طرف ہے کہ بعض خطبے اور خطوط جو اس کتاب میں درج ہیں وہ جامع نہج البلاغہ سید رضی ہی کی تالیف ہیں اور انہی کے انشاء کیے ہوئے ہیں اور خود انہی نے اس کی نسبت کا دعوی امام کی طرف کیا ہے۔

اس جماعت کے خیالات درج کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:

وَاَهَمُّ مَا يَجِدُهٗ بَاحِثُو الْاٰدَابِ الْعَرَبِيَّةِ فِىْ هٰذَا الْعَصْرِ مِنْ اَسْبَابٍ يَدْعُوْنَ بِهَا

الْقَوْلُ بِأَنَّ الْكِتَابَ مِنْ صُنْعِ جَامِعِهِ وَتَأْلِيفِهِ ذٰلِكَ الَّذِیْ نُوْجِزُهٗ لَكَ فِي الْأَسْبَابِ الْأَرْبَعَةِ الْآتِيَةِ:

سب سے بڑے اور اہم اسباب جو اس کتاب کے کلام امیر المومنین علیہ السلام ہونے کے خلاف موجودہ زمانہ کے عربی ادبیات کے "اسکالر" پیش کرتے ہیں وہ صرف چار ہیں جنہیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(۱)۔ یہ کہ اس کتاب میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ایسے تعریضات ہیں جن کا کسی طرح حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے صادر ہونا نہیں تسلیم کیا جا سکتا، جیسا کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد تم کو معلوم ہوگا کہ اس میں معاویہ، طلحہ، زبیر، عمرو بن عاص اور ان کے متبعین کے بارے میں سب وشتم تک موجود ہے۔

(۲)۔ اس میں سجع اور عبارت میں صنعت آرائی و لفظی آرائش اس حد تک ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں ناپید تھی، جو عصر جاہلی اور صدر اسلام کے بہت بعد عباسی عہد کے خصوصیات ادبا میں سے ہے۔ جن کے رنگ ڈھنگ پر سید رضی نے اس کتاب کو تالیف کیا۔

(۳)۔ اس میں تشبیہات و استعارات اور واقعات و اوصاف کی صورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا صدر اول اسلام میں بالکل پتا نہ تھا جیسا کہ خفاش، طاؤس، نملہ، جرادہ کے اوصاف کے بیان کرنے میں دقت نظر سے کام لیا گیا ہے نیز حکمت اور فلسفہ کے اصطلاحی لفظیں جیسے "این"، و "کیف" وغیر ذلک اور مسائل کے بیان کرنے میں طریقہ عدد و حساب کا برتنا جیسے حضرتؑ کا ارشاد کہ "استغفار چھ معنوں میں ہے" ایمان چار ستون پر قائم ہے صبر، یقین، عدل، جہاد اور صبر کی چار فروع ہیں، یہ تمام باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔

(۴)۔ اس کتاب کی اکثر عبارتوں سے علم غیب کے ادعا کا پتا چلتا ہے جو حضرت علی علیہ السلام ایسے بزرگ سے جس نے نور نبوت کو دیکھا اور عہد رسالت کو برتا ہو اس کی شان سے بعید ہے۔

یہ ہیں وہ شبہات جن کو علامہ محمد محی الدین عبد الحمید نے نقل کر کے ہر ایک کا جواب دیا ہے۔ علامہ موصوف مندرجہ بالا شبہات کو رد فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

وَلَسْنَا عِلْمُ اللّٰهِ ـ مِمَّنْ يُرٰى فِيْ هٰذِهِ الْأَسْبَابِ مُجْتَمِعَةً أَوْ مُنْفَرِدَةً دَلِيْلًا أَوْ شِبْهَ

دَلِيْلٍ عَلٰى مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ اَنْصَارُ هٰذِهِ الْفِكْرَةِ ـ وَقَدْ نُغَالِيْ اِذَا نَحْنُ اعْتَبَرْنَاهَا شُبَهًا تَعَرَّضَ لِلْبَحْثِ وَيَتَكَلَّفُ الْبَاحِثُ رَدَّهَا. وَلٰكِنَّا ـ مَعَ هٰذَا ـ لَا نَبْخَلُ اَنْ نَقُوْلَ كَلِمَةً مُوْجَزَةً فِيْ شَاْنِ كُلِّ سَبَبٍ مِنْ هٰذِهِ الْاَسْبَابِ. حَتّٰى يَتَيَسَّرَ لَنَا الْوَقْتُ الَّذِيْ نُظْهِرُ فِيْهِ بَحْثًا مُتَشَعِّبَ الْمَنَاحِيْ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْاَلَةِ .اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب وشبہات میں مجموعی طور پر یا ایک ایک میں انفرادی حیثیت سے کوئی حقیقی دلیل یا شبہ دلیل بھی اس دعوی کے ثبوت میں نظر نہیں آتی جسے ان لوگوں نے ثابت کرنا چاہا ہے بلکہ یہ بھی زیادتی ہوگی کہ ہم انھیں ایسے شبہات کا درجہ عطا کریں جو بحث وتحقیق میں سدراہ ہوتے ہیں اور جن کے جواب کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ان شبہات کے جواب دینے میں بخل نہ کروں گا اس محل پر ہر شبہ کا مختصر جواب دوں گا اور ان شاء اللہ اگر وقت مل گیا تو مفصل جواب شرح وبسط سے لکھوں گا۔

پہلے شبہ کا جواب

اَمَّا عَنِ السَّبَبِ الْاَوَّلِ فَقَدْ يَعْلَمُ كُلُّ مَنْ شَدَا شَيْئًا مِنَ التَّارِيْخِ وَالْاَدَبِ اَنَّ الْاِمَامَ عَلِيًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اُصِيْبَ بِمَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ. وَهُوَ مُرَبِّيْهِ وَابْنُ عَمِّهٖ وَاَبُوْ زَوْجِهٖ، وَهُوَ فِي الثَّلَاثِيْنَ مِنْ عُمْرِهٖ اَوْ يَزِيْدُ قَلِيْلًا . فَهُوَ شَابٌّ لَهٗ حِدَّةُ الشَّبَابِ وَتَوَثُّبُهٗ وَنَشَاطُهٗ وَطُمُوْحُهٗ. وَقَدْ كَانَ لَهٗ ـــ مَعَ ذٰلِكَ ـــ مِنْ حَصَافَةِ الرَّاْيِ وَسَعَةِ الْعِلْمِ وَنَفَاذِ الْبَصِيْرَةِ وَسَائِرِ وَسَائِلِ الْاِجْتِهَادِ مِثْلُ مَا كَانَ لِشُيُوْخِ الصَّحَابَةِ وَاَكَابِرِهِمْ، وَهُوَ اَيْضًا مُدِلٌّ بِمَوَاقِفِهِ الْكَثِيْرَةِ فِي الذِّيَادِ عَنْ حَوْضِ الدِّيْنِ وَالدِّفَاعِ عَنْ حَوْزَتِهٖ ، مُدِلٌّ بِتَضْحِيَاتِهِ الْعُظْمٰى فِيْ غَيْرِ مَنٍّ وَلَا اسْتِكْثَارٍ لَهَا. فَهُوَ اِذَنْ مَحْزُوْنٌ ، كَسِيْرُ الْقَلْبِ ، رَاغِبٌ فِي التَّرْفِيْهِ عَنْ نَفْسِهٖ ، مُحِبٌّ لِلْاِعْتِرَافِ بِمَوَاقِفِهِ الْمَعْرُوْفَةِ ، وَلَمْ يَكُنْ يَبْلُغُ بِهٖ طُمُوْحُهٗ اِلَى الْاِنْتِقَاضِ عَلٰى جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ بَعْدَ الَّذِيْ بَذَلَ فِيْ تَاْلِيْفِهَا وَلَمِّ شَعْثِهَا. وَلٰكِنَّهٗ قَدْ كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَتَّخِذَهٗ مَشِيْخَةُ الْمُسْلِمِيْنَ مُشِيْرًا: يُشَاوِرُهُمُ الرَّاْيَ ، وَيَمْحَضُهُمُ النُّصْحَ ـ

شبہ اول کے متعلق عرض ہے کہ تاریخ کا ہر طالب علم اس بات سے واقف ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو اپنے مربی وسرپرست چچازاد بھائی اور خسر حضرت رسولؐ کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا تو اس

وقت عمر تیس برس یا اس سے کچھ زائد تھی۔ وہ جوانی کا زمانہ تھا اور جوانی کی امنگیں معلوم ہیں۔ اس کے ساتھ آپؑ میں اصابت رائے، تبحر علمی، باریک نظری اور حسن عمل کے تمام وہ خصوصیات موجود تھے جو دوسرے سن رسیدہ اور بزرگ صحابہ میں سمجھے جاتے تھے اور پھر نصرت دین میں آپؑ کی عظیم الشان، پرخلوص قربانیاں اور روشن کارنامے جن کو آپؑ نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں انجام دیے تھے ان پر آپؑ کو بھروسہ تھا کہ ان کو کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا جائے گا لیکن واقعات خلاف امید ظاہر ہوئے، آپؑ غمگین ومحزون اور شکستہ خاطر تھے۔ کم ازکم یہی ہوتا کہ مشائخ مسلمین آپؑ کو شریک مشورہ ہی کر لیتے۔

وَالظَّاهِرُ اَنَّ فِتْنَةَ الْخَلَافَةِ الَّتِي ابْتَلَى بِهَا الْمُسْلِمُوْنَ وَالرَّسُوْلُ مُسَجًّى عَلٰى سَرِيْرِهٖ كَانَتْ تَسْتَوْجِبُ هٰذِهِ السُّرْعَةَ الَّتِيْ خَاضَ غِمَارَهَا رَجُلَا الْاِسْلَامِ وَشَيْخَاهُ اَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ وَعُمَرُ الْفَارُوْقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا. وَالْاِمَامُ عَلِيٌّ حِيْنَ ذَاكَ مَشْغُوْلٌ بِتَعْزِيَةِ زَوْجِهٖ فَاطِمَةَ عَمَّا اَصَابَهَا. فَحَدَثَ مِنْ سُوْءِ التَّفَاهُمِ مَا لَا بُدَّ عَنْهُ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْقِفِ ... وَصَبَرَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَتّٰى دَارَتِ الْاَيَّامُ دَوْرَتَهَا وَاَفْضَتِ الْخِلَافَةُ اِلَيْهِ. وَحِيْنَئِذٍ لَمْ يَجِدْ اَمَامَهٗ مَنْ يَصِحُّ اَنْ يُؤْثِرَهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ. وَوَقَفَ مُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنَ الْاِمَامِ مَوْقِفَهُ الْمَشْهُوْرَ. فَكَانَتْ بَيْنَهُمَا مُنَاضَلَاتٌ بِالْكَلَامِ مَرَّةً وَبِالْحُسَامِ مَرَّةً اُخْرٰى۔

بظاہر فتنہ خلافت جس میں مسلمان مبتلا ہوئے اس حالت میں رونما ہوا کہ رسولؐ کا جنازہ پڑا ہوا تھا اور علی علیہ السلام دختر رسولؐ کی تعزیت میں مشغول تھے، موقع سے فائدہ اٹھا کر جلدی سے ابوبکر صدیق وعمر فاروق نے اس کو اپنے موافق طے کرلیا۔ ان حالات میں باہمی رنجش کا پیدا ہوجانا قدرتی حیثیت سے ایک ضروری امر ہے، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے ان سب حالات پر صبر فرمایا یہاں تک کہ گردش زمانہ نے خلافت کو آپؑ ہی کے سپرد کر دیا۔ اس وقت آپؑ کے سامنے کوئی ایسا موجود نہ تھا کہ آپؑ اس کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے، لیکن معاویہ سے رہا نہ گیا انہوں نے کھلم کھلا آپؑ سے مقابلہ کیا اور جنگ کی، کبھی تو باہمی کلام سے ایک دوسرے پر حملہ کیا اور کبھی تلوار سے ایک دوسرے کا خون بہایا۔

وَاِنَّ السَّبَبَ الَّذِيْ يَسِيْغُ لِاُدَبَائِنَا اَنْ يَعْتَرِفُوْا بِقِتَالِهِمْ وَصِرَاعِهِمْ وَتَجَالُدِهِمْ فِيْ مَوَاقِفِ الْقِتَالِ هُوَ بِعَيْنِهِ السَّبَبُ الَّذِيْ نَسْتَسِيْغُ مِنْ اَجْلِهٖ اَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ دَاعِيًا اِلَى التَّسْلِيْمِ لَهٗ مُحْتَجًّا بِسَابِقَتِهٖ وَرُسُوْخِ قِدَمِهٖ. وَلَقَدْ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِيْ هٰذَا الْمَوْضُوْعِ

مَرَّةً فَقَالَ اَحَدُ اِخْوَانِنَا: اَنَا لَا اَفْهَمُ مَعْنٰى لِاِنْكَارِ بَعْضِ النَّاسِ اَنْ يَقُوْلَ عَلِيٌّ فِيْ مُعَاوِيَةَ وَعَمْرٍو وَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِاَنَّهُ حَارَبَهُمَا وَدَعَاهُمَا اِلٰى مُبَارَزَتِهٖ!!! وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَانَ تَعْرِيْضُهٗ بِالْمَوْقِفِ الْاَوَّلِ مَمْزُوْجًا بِالرِّفْقِ وَاللِّيْنِ وَالْهَوَادَةِ . وَكَانَ تَعْرِيْضُهٗ بِالْمَوْقِفِ الثَّانِيْ شَدِيْدًا عَنِيْفًا.

ہمارے ادباء جن اسباب کی بنا پر آپس میں لڑائی وخونریزی ہونے کا اعتراف کرتے ہیں بالکل وہی اسباب ہیں جن کی بنا پر احتجاج کے لیے فریق مخالف کو سخت سست کہا گیا۔ اسی موضوع پر کلام کرتے ہوئے ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک دینی بھائی سے یہ کہا تھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حضرت علی علیہ السلام کی شمشیر کشی کو ان لوگوں کے مقابلے میں تسلیم کیا جاتا ہے تو ان کو اس سخت کلامی سے جو ان لوگوں کی نسبت نظر آتی ہے تسلیم کرنے میں کیوں پس وپیش ہوتا ہے۔ اسی بنا پر آپؑ کے کلام میں جو اشارے موقف اول یعنی خلفائے ثلثہ کے متعلق ہیں وہ نسبتاً نرم وملائم ہیں بہ نسبت اس کلام وتعریض کے جو موقف ثانی یعنی معاویہ وعمرو عاص وغیرھم کے متعلق ہیں کیونکہ وہ بہت درشت اور سخت ہیں۔

دوسرے شبہ کا جواب

وَاَمَّا عَنِ السَّبَبِ الثَّانِيْ فَلَيْسَ مَا فِي الْكِتَابِ كُلِّهٖ سَجْعًا. وَمَا فِيْهِ مِنَ السَّجْعِ فَهُوَ مِمَّا لَمْ تَدْعُ اِلَيْهِ الصَّنْعَةُ، وَلَا اقْتِضَاهُ الْكُلَفُ بِالْمُحَسِّنَاتِ. وَاَكْثَرُهٗ مِمَّا يَاْتِيْ عَفْوًا بِلَا كَدِّ خَاطِرٍ وَلَا تَجَشُّمِ هَوْلٍ . وَمِثْلُهٗ فِيْ عِبَارَاتِ عَصْرِهٖ وَاقِعٌ. وَمَنْ عَرَفَ اَنَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ كَانَ حَامِيَ عَرِيْنِ الْفَصَاحَةِ وَابْنَ بُجْدَتِهَا لَمْ يَعْسُرْ عَلَيْهِ التَّسْلِيْمُ۔

شبہ دوم کا جواب یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں سجع کی پابندی اس حد تک نہیں ہے کہ معنوی محاسن کو نظر انداز کر دیا گیا ہو بلکہ اس کے سجع میں آمد کی صورت نظر آتی ہے، آورد کہیں سے نہیں ہے اور اس طرح کی سجع کا وجود اس عہد میں بھی پایا جاتا ہے اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ علی ابن ابی طالبؑ کا فصاحت وبلاغت میں کیا درجہ تھا اسے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔

تیسرے شبہ کا جواب

وَاَمَّا عَنِ السَّبَبِ الثَّالِثِ فَاِنَّا لَا نَقْضِي الْعَجَبَ مَنْ جَعَلَهُ سَبَبًا لِهٰذِهِ الدَّعْوٰى. وَمَتٰى كَانَتْ دِقَّةُ التَّخَيُّلِ وَاِجَادَةُ الْوَصْفِ وَقْفًا عَلٰى قَوْمٍ دُوْنَ قَوْمٍ؟!! اَوَلَيْسَ الشِّعْرُ الْعَرَبِيُّ مَمْلُوْءًا بِدِقَّةِ الْوَصْفِ وَاسْتِكْمَالِهٖ؟ ثُمَّ اَلَيْسَ لِقُرَشِيٍّ شَهِدَ تَنْزِيْلَ الْقُرْاٰنِ، وَصَحِبَ اَفْصَحَ الْعَرَبِ مُنْذُ نُعُوْمَةِ اَظْفَارِهٖ. وَكَتَبَ لَهُ الْوَحْيَ. وَسَمِعَ مَا يُفَجِّرُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى لِسَانِهٖ مِنْ يَنَابِيْعِ الْحِكْمَةِ. اَلَيْسَ لِهٰذَا الْقُرَشِيِّ مَيْزَةٌ عَنْ سَائِرِ النَّاسِ؟؟!!

شبہ سوم کے پیش کرنے پر مجھے حیرت ہے۔ کیا باریک خیالی، خوش بیانی، وصف وتشبیہ کا حسن اور الفاظ کے ذریعہ سے تصویر کشی کرنا یہ کسی قوم کا مخصوص حصہ ہے؟ کیا خود عربی اشعار میں دقت وصف بدرجہ کمال موجود نہیں ہے؟ علاوہ ازیں ایک ایسا قریشی جس کے سامنے قرآن سا فصیح و بلیغ کلام نازل ہوا، جو شیر خوارگی ہی کے زمانے سے افصح العرب کے ساتھ رہا، جس نے رسولؐ کے لیے کتابت وحی کی اور ایسے حقائق کو اس نے سنا جس کو سننے کے بعد حکمت کے چشمے زبان سے پھوٹ نکلیں تو کیا ان خصوصیات کا قریشی تمام دوسرے لوگوں سے ممتاز نہ ہو جائے گا؟

چوتھے شبہ کا جواب

وَاَمَّا عَنِ السَّبَبِ الرَّابِعِ فَاِنَّا لَا نَعْتَبِرُ مَا فِي الْكِتَابِ مِنِ ادِّعَاءِ عِلْمِ الْغَيْبِ. وَاِنَّمَا هُوَ مِنِ اسْتِنْتَاجِ الْقَضَايَا الْاِجْتِمَاعِيَّةِ مِنْ مُقَدِّمَاتِهَا وَاَسْبَابِهَا. وَمِثْلُ الْاِمَامِ عَلِيٍّ فِيْ دِقَّةِ ذِهْنِهٖ وَقُوَّةِ عَارِضَتِهٖ خَلِيْقٌ بِالتَّمَكُّنِ مِنْ هٰذَا الْاِسْتِنْتَاجِ۔

شبہ چہارم کا جواب یہ ہے کہ جسے علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے ہم فراست اور زمانہ کی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ یہ قضایا اجتماعیہ کے مقدمات و اسباب سے نتائج کا اخذ کرنا ہے جو علی علیہ السلام ایسے ہوش مند مفکر اور حکیم اسلام سے بعید نہیں ہے۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ مع شرحین الاستاذ محمد عبدہ والاستاذ محمد محی الدین عبد الحمید، مقدمہ محمد محی الدین عبد الحمید صفحات، ج، د، ھ، و، مطبعۃ الاستقامہ مصر۔

مسیحی ادیب فواد افرام بستانی:

دوسرا مشہور مسیحی ادیب فواد افرام بستانی ہے جو سینٹ جوزف کالج بیروت میں عربی ادبیات کے پروفیسر اور سلسلہ روائع کے مولف ہیں جس سلسلہ کی پہلی کتاب "علی ابن ابی طالبؑ ونہج البلاغہ" ہے جو ۱۹۲۷ء میں کیتھولک پریس بیروت سے شائع ہوئی۔

کتاب مذکور کا مقدمہ اگرچہ ایک عیسائی ادیب کا لکھا ہوا ہے لیکن خاص اہمیت رکھتا ہے، اس مقدمہ کی ابتدائی تمہیدی عبارت یہ ہے:

لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ شَخْصِیَّةٌ جَذَّابَةٌ حَامَتْ حَوْلَهَا اَقْلَامُ الرُّوَاةِ وَالْمُؤَرِّخِیْنَ وَ اجْتَهَدَتْ فِیْ فَهْمِهَا عُقُوْلُ النَّقَّادِ الْمُفَكِّرِیْنَ وَ اهْتَدَتْ بِهَدْیِهَا مُیُوْلُ الزُّهَّادِ وَ السَّالِكِیْنَ وَ سَارَ تَحْتَ لِوَائِهَا الْجَمُّ الْغَفِیْرِ مِنَ الْمُتَأَدِّبِیْنَ وَ لَمْ تَكُنِ الْآرَآءُ الْمُخْتَلِفَةُ وَ النَّظْرِیَاتُ الْمُتَبَایِنَةُ وَ الْمُجَادِلَاتُ الْعَدِیْدَةُ بَیْنَ السُّنِّیِّیْنَ وَ الشِّیْعِیِّیْنَ عَلٰی كُرُوْرِ الْاَیَّامِ اِلَّا لِتَزْیِیْدِ الرَّجُلِ سُمُوًّا وَ عَقْلِیَّتِهٖ بُرُوْزًا مِنْ خِلَالِ غِشَاءِ الْمُنَازَعَاتِ الْمُتَكَاثِفِ حِیْنًا وَالشَّافِ اَحْیَانًا فَمَنْ هُوَ هٰذَا الرَّجُلُ الْعَظِیْمُ وَمَا هِیَ قِیْمَةُ رَجُلِ الْاَدَبِ۔

علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ایک جذاب، خاص کشش والی شخصیت ہے جس کے گرد روات حدیث اور مورخین کے قلم ہمیشہ گردش کرتے رہے ہیں اور ناقدین ومفکرین کے عقول اس شخصیت کے سمجھنے میں کوشاں رہے ہیں اور زہاد وارباب سلوک کے توجہات ان کی سیرت اور طرز زندگی کی طرف متوجہ رہے ہیں اور ان کے علم کے سائے میں ارباب ادب کی بڑی جمعیت چلتی رہی ہے۔ مختلف اقوال اور جداگانہ نظریات اور کثیر التعداد مناظرات جو بامتداد زمانہ سنی اور شیعہ فرقوں میں رہا کیے ہیں وہ اس انسان کی بلندی میں اضافہ ہی کرتے رہے اور اس کے کمالات عقلیہ کی نمائش ان منازعات کے پردوں سے جو کبھی گہرے اور اکثر اوقات ہلکے رہا کیے ہیں، زیادہ ہی ہوتی رہی ہے۔ ہم کو دیکھنا ہے کہ یہ عظیم الشان انسان کون ہے اور علم وادب کا یہ مخصوص انسان کیا قدر وقیمت رکھتا ہے۔

اس کے بعد مختلف عناوین کے تحت امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت، خصوصیات زندگی اور نہج البلاغہ پر نظر ڈالی گئی ہے

اور آخر میں زیر عنوان "صِحَّۃُ نِسْبَتِہٖ" یعنی نہج البلاغہ کی صحت سند میں ان شکوک کو رد کیا ہے جو نہج البلاغہ کے متعلق وارد کیے جاتے ہیں، چنانچہ استاد فواد افرام لکھتے ؛

وَنَحْنُ اِذَا تَدَبَّرْنَا اَسْبَابَ الشَّكِّ نَرَاهَا تَرْجِعُ اِلٰی خَمْسَةِ اُمُوْرٍ:

ہم جب اس شک کے وجوہ واسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہر پھر کے پانچ امر قرار پاتے ہیں:

(۱)۔ اِنَّ فِیْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ مِنَ الْاَفْكَارِ السَّامِيَةِ وَالْحِكَمِ الدَّقِيْقَةِ مَالَا يَصِحُّ نِسْبَتُهٗ اِلٰى عَصْرِ عَلِيٍّ۔

یہ کہ نہج البلاغہ میں ایسے بلند مطالب اور دقیق فلسفیانہ رموز ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ کی طرف نہیں منسوب ہو سکتے۔

(۲)۔ اِنَّ فِيْهِ مِنَ التَّعْرِيْضِ بِالصَّحَابَةِ مَالَا يَصْدُرُ عَنْ رَجُلٍ فَاضِلٍ كَعَلِيٍّ.

اس میں صحابہ کے متعلق ایسے تعریضات ہیں جو حضرت علی علیہ السلام ایسے بلند مرتبہ انسان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔

(۳)۔ اِدِّعَاءُ عِلْمِ الْمُغَيَّبَاتِ وَهُوَ لَا يَكُوْنُ فِعْلُ رَجُلٍ عَاقِلٍ.

غیب کی باتوں کے علم کا دعویٰ اور یہ کسی عقل مند کا کام نہیں۔

(۴)۔ اَلْوَصْفُ الدَّقِيْقُ.

کسی وصف کے بیان کرنے میں موشگافی۔

(۵)۔ صِنَاعَةُ السَّجْعِ وَالتَّنْمِيْقِ الَّتِيْ لَمْ يَتَعَوَّدْهَا اَهْلُ ذٰلِكَ الْعَصْرِ.

سجع وقافیہ اور عبارت آرائی جس کی اس زمانہ والوں کو عادت نہ تھی۔

وَلَيْسَ فِيْ اَكْثَرِ هٰذِهِ الْاَسْبَابِ مَا يَقِفُ عَثْرَةً فِيْ سَبِيْلِ صِحَّةِ نِسْبَةِ الْكِتَابِ.
وَاَمَّا سُمُوُّ الْاَفْكَارِ وَ دِقَّةُ الْحِكَمِ وَ اِصَابَةُ الْمَعْنٰى فَاِنَّهَا فِيْ كُلِّ عَصْرٍ اِذْ هِيَ نَاتِجَةٌ عَنِ الْاِخْتِبَارِ الْبَشَرِيِّ مُوَافِقَةٌ لِهٰذِهِ الْحَيٰوةِ فِيْ تَجَارِيْبِهَا وَ قَدْ رَاَيْنَا فِيْ حَيٰوةِ الْمُؤَلِّفِ وَ اَحْزَانِهِ الْكَثِيْرَةِ وَخَيْبَةِ اٰمَالِهٖ مَوَادَّ وَافِرَةً لِلتَّاَمُّلَاتِ الْعَدِيْدَةِ وَالنَّظْرِيَاتِ الْعَمِيْقَةِ فَضْلًا عَنْ اَنَّ عَلِيًّا اَحْفَظُ الْقُرْاٰنَ بِمَا فِيْهِ مِنَ الْاٰيَاتِ وَكَانَ عَالِمًا كَاَكْثَرِ رِجَالِ عَصْرِهٖ بِكَثِيْرٍ مِنَ الْحِكَمِ الْبَلِيْغَةِ الْمَوْجُوْدَةِ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ فَاَمْكَنَهُ الْاِقْتِبَاسُ مِنْهَا.

لیکن یہ تمام اسباب ایسے ہیں کہ وہ اس کتاب نہج البلاغہ کی صحتِ سند میں سد راہ نہیں ہو سکتے۔

پہلی بات یعنی خیالات کی بلندی اور فلسفی نکتہ پردازی اور مطالب کی صحت اور مضبوطی، یہ ہر زمانہ میں پیدا ہوسکتی ہے اس لیے کہ یہ انسان کے غور وفکر اور زمانہ کے حالات سے تجربہ کے ساتھ سبق آموزی پر مبنی ہے اور حضرت علیؑ مصنف نہج البلاغہ کی زندگی اور حضرتؑ کے مختلف مصائب اور رنج وغم کے واقعات میں ایسے کافی اسباب اور مواد فراہم ہیں کہ جن کی وجہ سے آپؑ کے غور وفکر کی قوت زیادہ ہوجائے اور آپؑ حالات زمانہ میں تامل اور گہری فکر سے کام لیں۔ اس کے علاوہ آپؑ قرآن مجید اور اس کی تمام آیتوں کے حافظ وعالم تھے اور پھر اپنے زمانہ کے بہت سے لوگوں کی طرح آپؑ ان فلسفی اور حکمی باتوں سے بھی مطلع تھے جو توریت وانجیل میں مذکور ہیں اور اس لیے آپؑ کو ان سے اقتباس کا موقع بھی حاصل تھا (اس مقام پر مسیحی ادیب کا مذہبی جذبہ کارفرما ہے)۔

وَ اِنَّمَا التَّعْرِیْضُ بِالصَّحَابَةِ فَاِنَّهٗ لَشَیْءٌ طَبِیْعِیٌّ فِی ابْنِ اٰدَمَ اَنْ یَتَاَفَّفَ وَ یَتَاَلَّمَ اِذْ یَرٰی نَفْسَهٗ مَمْنُوْعًا مِنْ نَیْلِ مُرَادِهٖ مَصْرُوْفًا عَنْ حَقِّهٖ وَ الْاِنْسَانُ مَهْمَا تَقَدَّمَ فِی الصَّلَاحِ یَظِلُّ اِنْسَانًا ضَعِیْفًا عَرْضَةً لِعَوَامِلِ الطَّبِیْعَةِ الْبَشَرِیَّةِ. وَ اَمَّا عِلْمُ الْمُغَیَّبَاتِ فَلَا نَتَعَرَّضُ لَهٗ وَ هُوَ لَیْسَ بِاَحْسَنِ مَا فِیْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ.

دوسری بات یعنی صحابہ کے متعلق تعریض یہ تو انسان کا فطری خاصہ ہے کہ وہ اف کہے اور رنجیدہ ہو جب اپنے تئیں اپنے مقصد سے علیحدہ اور اپنے حق سے محروم ہوتے دیکھے اور انسان جتنا بھی بلند مرتبہ ہو لیکن پھر بھی انسان ہے اور انسانی خصوصیات سے علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ رہ گیا علم غیب اس کے متعلق ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے (بیشک ایک عیسائی کا اس محل پر سکوت ہی اختیار کرنا اس کے عقائد کے لیے مفید ہے کیونکہ اس سے تو حقانیت اسلام پر روشنی پڑتی ہے) اور یہ حصہ یعنی غیب کی چیزوں کا باب نہج البلاغہ میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا ہے کہ اس کی نسبت خاص طور سے بحث کی جائے (اہمیت تو اتنی ہے کہ اس سے عیسائی عقائد کا شیرازہ بکھر جائے)۔

وَاِذَا دَقَّقْنَا فِی الْوَصْفِ وَ کَمَالِهٖ وَ اَجَلَّ مَظْهَرٍ لَهٗ فِیْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ خُطْبَةُ الْخُفَّاشِ وَ الطَّاؤُوْسِ نَحْکُمُ اَنَّهٗ سَبَبٌ فَاسِدٌ لِاَنَّ مِنْ اَخَصِّ صِفَاتِ الشِّعْرِ الْجَاهِلِیِّ وَ الْمُخَضْرَمِ اِتْمَامَ الْوَصْفِ وَ تَتَبُّعَ هَیْئَاتِ الْمَوْصُوْفِ اِلٰی اٰخِرِهَا. نَرٰی ذٰلِکَ فِیْ شِعْرِ الشَّنْفَرٰی وَ امْرَءِ الْقَیْسِ وَ عَنْتَرَةَ وَ بَشِیْرِ بْنِ عَوَانَةَ مِنَ الْجَاهِلِیِّیْنَ وَ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ

رَبِیْعَةِ وَ اَمْثَالِهٖ مِنْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ وَ كُلُّهُمْ يُجَارُوْنَ عَلِيًّا زَمَانًا وَ مَكَانًا. وَ نَكَادُ نَقُوْلُ الْقَوْلَ نَفْسَهٗ عَنِ السَّجْعِ لَوْ لَا الْخُطْبَةُ الْمَعْرُوْفَةُ بِالشِّقْشِقِيَّةِ وَ هِيَ مِنْ اَسْبَابِ الشَّكِّ عِنْدَ الْكَثِيْرِيْنَ عَلٰى اَنَّهٗ يَرْوِي ابْنُ اَبِي الْحَدِيْدِ اَشْهَرُ شَارِحِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ عَنْ بَعْضِ مَشَايِخِهٖ اَنَّ الشِّقْشِقِيَّةَ كَانَتْ مَعْرُوْفَةً قَبْلَ مَوْلِدِ الرَّضِيِّ۔

اس کے بعد آخری وجہ یعنی وصف میں موشگافی اور اس کا نمایاں نمونہ خطبہ خفاشیہ اور طاؤسیہ ہے اس کے لیے بھی ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ سبب شک کا بالکل غلط ہے، اس لیے کہ زمانہ جاہلیت اور پھر درمیانی دور کے اشعار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا وصف حد کمال پر ہوتا ہے اور موصوف کی ہئیت اور اس کی شکل کے تمام خصوصیات کو پورے طور پر پیش کیا جاتا ہے، یہ بات ہم کو شنفری اور امرئ القیس اور انترہ اور بشیر بن عوانہ کے اشعار میں نظر آتی ہے جو زمانہ جاہلیت کے شعراء ہیں اور عمر بن ربیعہ کے اشعار میں بھی کہ جو صدر اسلام کا شاعر ہے اور یہ سب زمان و مکان کے اعتبار سے حضرت علی علیہ السلام سے قرب رکھتے ہیں اور یہی ہمارا فیصلہ ہے۔ آخری وجہ یعنی سجع و قافیہ، عبارت آرائی کے متعلق۔ بیشک سب سے بڑا سبب بہت سے لوگوں کے شک کا خطبۂ شقشقیہ ہے حالانکہ ابن ابی الحدید جو نہج البلاغہ کا سب سے مشہور شارح ہے اس کا بیان ہے اپنے بعض اساتذہ کے زبانی کہ خطبۂ شقشقیہ سید رضی کی ولادت کے قبل سے مشہور و معروف تھا۔

اختتام کتاب:

وَهُنَا نَخْتِمُ الْكَلَامَ بِحَمْدِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْمُنْعَامِ لِاَنَّنَا قَدْ وَصَلْنَا اِلٰى مَا قَصَدْنَاهُ مِنْ جَمْعِ اَهَمِّ مَايَتَعَلَّقُ بِالْمَوْضُوْعِ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِيْجَازِ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ وَقَدْ سَمَّيْنَاهُ بِمِنْهَاجِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ الَّذِیْ هُوَ اَسَیَدُ الْكَلَامِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَرْجَعًا لِلْخَوَّاصِ وَالْعَوَّامِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْبَرَرَةِ الْكِرَامِ وَقَدْ فَرَغَ مِنْ تَاْلِيْفِهِ مُؤَلِّفُهُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ الْمُحْتَاجُ الْمُسْتَعْطِفُ الشَّجَنُ الرَّاجِيُّ رَحْمَةَ بَارِئِ الزَّمَنِ السَّيِّدُ سِبْطُ الْحَسَنِ الْهَنْسَوِيُّ ابْنُ السَّيِّدِ الْجَلِيْلِ فَيْضِ الْحَسَنِ الرَّضَوِيِّ صَانَهُ اللّٰهُ الْقَوِيُّ فِيْ يَوْمِ مِيْلَادِ سَيِّدِنَا الْاِمَامِ الْحَادِیْ عَشَرِ اَبِیْ مُحَمَّدِ الْحَسَنِ الْعَسْكَرِيِّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَهُوَ عَاشِرُ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاٰخَرِ اِحْدٰى وَسَبْعِيْنَ وَثَلٰثُ مِائَةَ وَاَلْفَ هِجْرِيَّةِ عَلٰى مُهَاجِرِهَا اٰلَافُ الثَّنَاءِ وَالتَّحِيَّةِ۔

فہرست کتب جن کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے

نام کتاب	نام مؤلف	مقام طبع	نام کتاب	نام مؤلف	مقام طبع
ابجد الشیعہ (اصل)	سلیم بن قیس ہلالی	نجف	ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خان	ہند
ابن الرومی	دکتور عمر فروخ	بیروت	اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر	قاضی محمد علی شوکانی	ہند
اتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی	مصر	آثار الشیعہ	عبد العزیز جواہری	ایران
اثبات الوصیۃ	علی بن حسین مسعودی	عراق	اخبار الحکماء	علی بن یوسف قفطی	مصر
اخبار الطوال	احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری	مصر	ادب الجاحظ	حسن سندوبی	مصر
ادب الصغیر	ابن مقفع	مصر	ادب الکاتب	ابن قتیبہ دینوری	مصر
ارشاد القاصد	محمد بن ابراہیم بن ساعد سنجاری	بیروت	اریج الزہر	شیخ مصطفی غلائینی	مصر
ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ دہلوی	ہند	اساس البلاغہ	جار اللہ زمخشری	ہند
اسپرٹ آف اسلام	سر امیر علی ہندی	لندن	استعاب فی معرفۃ الاصحاب	یوسف بن عبد البر قرطبی	مصر
استغاثہ	علی بن احمد علوی کوفی	عراق	اسد الغابہ	علی بن محمد بن اثیر جزری	مصر
اسلامک ریویو نمبر ۱۰ جلد ۳۸		لندن	اسنی المطالب فی نجات ابی طالب	احمد زینی دحلان	مصر
اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	ہند	اصابہ فی معرفۃ الصحابہ	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	مصر
اطوار الثقافۃ والفکر	علی جندی وغیرہ	مصر	الاعجاز والایجاز	عبد الملک ثعالبی	مخطوط
الاعلام	خیر الدین زرکلی	مصر	اعیان البیان	حسن سندوبی	مصر
اعیان الشیعہ	محسن الامین عاملی	دمشق	اقرب الموارد	سعید الخوری الشرتونی	مصر
الف کلمہ مجموعہ کلمات امیر المومنین	عبد الحمید بن ابی الحدید	مصر	اللہ	عباس محمود العقاد	مصر
امل الآمل	شیخ حر عاملی	ایران	امہات المومنین واخوات شہداء	داؤد سکاکینی	مصر
انوار النعمانیہ	نعمت اللہ جزائری	ایران	اوضح المسالک الی الفیہ ابن مالک	جلال الدین سیوطی	ہند
بحار الانوار	محمد باقر مجلسی	ایران	بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب	محمود شکری آلوسی حنفی بغدادی	مصر

بہجۃ المرضیہ شرح الفیہ	جلال الدین سیوطی	مصر	بیان والتبیین	ابوعثمان عمرو جاحظ	مصر
تاج الاصول فی احادیث الرسول	منصور علی ناصف	مصر	تاریخ ابن خلدون	عبدالرحمن بن محمد حضرمی مغربی	مصر
تاریخ ابن الساعی	علی بن انجب بن ساعی بغدادی	مصر	تاریخ التمدن اسلامی	جرجی زیدان مصری	مصر
تاریخ جوہر الصقلی	علی ابراہیم حسن	مصر	تاریخ الحسین نقد و تحلیل	شیخ عبداللہ علائلی	بیروت
تاریخ الآداب اللغۃ العربیہ	جرجی زیدان مصری	مصر	تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی	مصر
تاریخ الادب العربی	احمد حسن زیات	مصر	تاریخ ادبیات ایران (لٹریری ہسٹری آف پرشیا)	پروفیسر براؤن انگلیسی	لندن
تاریخ دمشق	علی بن حسن ابن عساکر دمشقی	مصر	تاریخ الرسل والملوک	محمد بن جریر طبری	مصر
تاریخ الفخری	محمد بن علی طباطبا ابن طقطقی	مصر	تاریخ الکامل	علی بن محمد بن اثیر جزری	مصر
تاریخ یعقوبی	ابن واضح یعقوبی	مصر	تجارت الامم	احمد بن محمد ابن مسکویہ	انگلستان
تجلیات روح ایرانی	کاظم زادہ ایران	برلن	تحف العقول عن آل الرسول	حسن بن علی ابن شعبہ حلبی	ایران
تدریب الراوی	جلال الدین سیوطی	مصر	تذکرۃ الحفاظ	محمد بن احمد ذہبی	ہند
تذکرۂ خواص الامہ	یوسف بن قزغلی سبط ابن جوزی	ایران	ترجمہ علی بن ابی طالب	احمد زکی صفوت	مصر
ترجمہ وشرح نہج البلاغہ	علی نقی فیض الاسلام اصفہانی	ایران	التصوف فی الاسلام	دکتور عمر فروخ	بیروت
تفسیر ابی سعود	ابی سعود بن محمد عبادی	مصر	تفسیر ابن کثیر	عماد الدین اسمعیل بن عمر ابن کثیر	مصر
تفسیر خازن	علاء الدین علی بن محمد خازن	مصر	تفسیر کبیر	فخر الدین رازی	مصر
تفسیر کشاف	محمود بن عمر جاراللہ زمخشری	مصر	تقریب التہذیب	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	ہند
تنبیہ والاشراف	علی بن حسین مسعودی	مصر	توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل	شہاب الدین احمد	مخطوط
تیسیر الوصول شرح جامع الصغیر	عبدالرؤف مناوی	مصر	جامع بیان العلم	یوسف بن عبدالبر قرطبی	مصر
جامع الصحیح	محمد بن اسمعیل بخاری	مصر	جامع الصحیح	محمد بن عیسی حکیم ترمذی	ہند
جامع الصحیح	ابوداؤد سجستانی	ہند	جامع الصحیح	مسلم بن حجاج قشیری	ہند
جمع الجوامع	جلال الدین سیوطی	مصر	جواہر الادب	احمد ہاشمی بک	مصر
جواہر العقدین	علی بن احمد سمہودی	مخطوط	حاشیہ شرح العزیزی	شیخ محمد حفنی	مخطوط

حاشیہ قاموش	علامہ قرانی	مصر	حدائق الحقائق	قطب الدین کیدری	مخطوط
حدائق الندیہ شرح فوائد صمدیہ	صدر الدین مدنی	ہند	حدیث السقیفہ	ابوحیان توحیدی	مصر
حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم اصفہانی	مصر	حماۃ الاسلام	مصطفی بک نجیب	مصر
حیات امیر المومنین	محمد صادق صدر	عراق	حیات علی ابن ابی طالب	عمر ابوالنصر	بیروت
حیاۃ الحیوان	کمال الدین محمد دمیری	مصر	خدا (ترجمہ اللہ)	عباس محمود عقاد	ایران
خزانۃ الادب	تقی الدین ابن حجۃ حموی	مصر	خطب النبی	علی بن محمد مدائنی	
خطب النبی	عبدالعزیز جلودی		خطب النبی	جعفر بن محمد مستغفری	
خطب النبی	ابوالعباس اخضر اربلی شافعی		دائرۃ المعارف الاسلامیہ	ترجمہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	مصر
دائرۃ المعارف لقرن الرابع عشر	فرید وجدی	مصر	دُر منثور (تفسیر)	جلال الدین سیوطی	مصر
در المنظم	محمد بن طلحہ قرشی شافعی	مصر	درۃ الیتیمہ	عبداللہ بن المقفع	مصر
دستور معالم الحکم (مجموعہ کلام علی)	محمد بن سلامہ قضاعی شافعی	مصر	دول الاسلام	علامہ ذہبی	مخطوط
ذخائر العقبی	احمد بن عبداللہ محب طبری	مصر	ذخیرۃ المآل فی شرح عقد جواہر اللآل	شہاب الدین احمد حفظی عجیلی	مخطوط
ذیل المذیل من تاریخ الصحابۃ والتابعین	محمد بن جریر طبری	مصر	الراعی والرعیہ	توفیق الفکیکی	عراق
رسائل شبلی	شبلی نعمانی	ہند	رسالۃ العقلیہ	محمد غزالی	مخطوط
رسالۃ الغفران	ابوالعلاء المعری	مصر	رضی شرح کافیہ	محمد بن حسن استرآبادی	ایران
روضات الجنات	محمد باقر خوانساری	ایران	ریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ	احمد بن عبداللہ محب طبری	مصر
زبدۃ الحقائق	مولی میر قاری جیلانی	مخطوط	زندگانی علی بن ابی طالب (ترجمہ)	ابونصر	ایران
زین الفتی شرح سورۂ ھل اتی	احمد بن محمد عاصمی	مخطوط	سفینۃ البحار	شیخ عباس قمی	ایران
سلک الدرر	محمد خلیل بن علی المرادی	مصر	سنن الکبیر	ابوبکر احمد بیہقی	مصر
سیرت ابن ہشام	عبدالملک ابن ہشام	مصر	سیرت عمر بن الخطاب	ابوالفرج عبدالرحمن ابن جوزی	مصر
شرح ابن عقیل علی الالفیہ ابن مالک	ابن عقیل	بیروت	شرح ابیات الشواہد	محمد عینی	مخطوط
شرح تجرید	علاء الدین علی قوشجی	ایران	شرح تہذیب الکلام	علامہ یعقوب لاہوری	مخطوط
شرح جامع الصغیر	شیخ محمد حفنی	مصر	شرح درۃ الغواص فی اوہام الخواص	شہاب الدین احمد خفاجی	مصر

شرح دیوان امیر المؤمنینؑ	ملا حسین میبذی	ہند	شرح دیوان حسان بن ثابت انصاری	محمد عنانی	مصر
شرح صحیح مسلم	محی الدین یحیی نووی	ہند	شرح قصائد عشر	ابوزکریا یحیی خطیب تبریزی	مصر
شرح مائۃ عامل	عبدالقاہر جرجانی	ہند	شرح مقاصد	مسعود بن عمر تفتازانی	اسلامبول
شرح نہج البلاغہ	عبدالحمید ابن ابی الحدید معتزلی	مصر	شرح نہج البلاغہ	محمد بن حسین کیدری بیہقی	مخطوط
شرح نہج البلاغہ	کمال الدین ابن میثم بحرانی	ایران	شرح نہج البلاغہ	محمد صالح قزوینی	ایران
شرح نہج البلاغہ	علی بن حسین زواری	مخطوط	شرح وحواشی نہج البلاغہ	محمد بن حسین برہان نظامی	مخطوط
شرح وحواشی نہج البلاغہ	محمد عبدہ مصری	مصر	شرح وحواشی نہج البلاغہ	محمد حسن نائل مرصفی	مصر
شرح وحواشی نہج البلاغہ	محمد محی الدین عبدالحمید ازہری	مصر	شریف الرضی	محمد سید گیلانی	مصر
شفاء الغلیل	شہاب الدین خفاجی	مصر	شقائق النعمانیہ	احمد بن مصطفی طاشکری زادہ	مصر
شہسوار اسلام ترجمہ شیولرآف اسلام	گابریل انکیری فرانسوی	ایران	شہیرات النساء فی العالم الاسلامی	قدریہ حسین عبدالعزیز بن خانجی	مصر
صبح الاعشی	ابوالعباس احمد قلقشندی	مصر	صرف العزی	محمد نجفی	مخطوط
صحیفہ علوی	عبداللہ بن صالح سماہیجی	ایران	صناجۃ الطرف	نوفل مسیحی	بیروت
صواعق محرقہ	احمد بن محمد ابن حجر مکی	مصر	ضحی الاسلام	احمد امین مصری	مصر
ضوء المصباح	محمد بن احمد اسفرائی	ہند	طبقات الشعراء	محمد بن سلام جمحی بصری	مصر
طبقات الکبیر	ابن سعد	مصر	عبقریۃ الامام	عباس محمود عقاد	مصر
عبقریۃ عمر	عباس محمود عقاد	مصر	عبقریۃ العرب فی العلم والفلسفہ	دکتور عمر فروخ	دمشق
عبقریۃ محمد	عباس محمود عقاد	مصر	عروۃ الوثقی	علاء الدولہ احمد بن محمد سمنانی	مخطوط
عقد الفرید	احمد بن عبدربہ اندلسی	مصر	علل الشرایع	ابن بابویہ قمی	ایران
علی بن ابی طالب ونہج البلاغہ	فواد افرام بستانی	بیروت	عمدۃ القاری	بدرالدین عینی	ہند
عید الغدیر	بولس سلامہ مسیحی	بیروت	عیون الحکم والمواعظ	علی بن محمد لیثی واسطی	مخطوط
عیون الاخبار	عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری	مخطوط	عیون الانباء فی طبقات الاطباء	ابن ابی اصیبعہ	مصر
غرر الحکم ودرر الکلم مجموعہ کلمات علیؑ	جامع عبدالواحد بن محمد آمدی	ہند	غریب الحدیث	عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری	مخطوط
فتح الباری شرح صحیح بخاری	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	مصر	فرائد السمطین	ابراہیم بن محمد حموینی	مخطوط

فرائد والقلائد	یعقوب بن سلیمان اسفرائنی	مخطوط	فرائد القلائد شرح ابیات الشواہد	محمد عینی	مخطوط
فردوس الاخبار	شیرویہ بن شہریار دیلمی	ایران	الفرق بین الفرق	ابو منصور بغدادی	مخطوط
فوائد ضیائیہ (شرح جامی)	عبدالرحمن جامی	ہند	فہرست مخطوطات عربی و فارسی پبلک لائبریری بانکی پور	معین الدین ندوی	ہند
فہرست کتاب خانہ مدرسہ عالی سپہ سالار		ایران	فیض القدیر	عبدالرؤف مناوی	ہند
قاموس اللغۃ	محمد بن یعقوب فیروز آبادی	مصر	قرآن مجید	کلام اللہ	مصر
قصۃ الکتابۃ العربیۃ	دکتور ابراہیم جمعہ	مصر	قصص العلماء	محمد سلیمان تنکابنی	ایران
قصیدۃ العلویہ او تاریخ الشعری لصدر الاسلام	عبدالمسیح انطاکی	مصر	قول الجلی فی فضائل علیؑ	جلال الدین سیوطی	مخطوط
کافیہ	عثمان بن حاجب	ہند	کتاب الاحداث والفتن	علی بن محمد مدائنی	ہند
کتاب الاحتجاج	ابو منصور طبرسی	ایران	کتاب الاعجاز والایجاز	ابو منصور عبدالملک ثعالبی	مصر
کتاب الاوائل	ابو ہلال العسکری	مصر	کتاب الارشاد	شیخ مفید	ایران
کتاب المسند الکبیر	احمد بن حنبل	مصر	کتاب المواعظ والاعتبار فی الخطط والآثار	تقی الدین احمد بن علی مقریزی	مصر
کتاب الصفین	نصر بن مزاحم منقری	ایران	کتاب المحبر فی تاریخ الخلفاء	محمد بن حبیب بغدادی	مخطوط
کتاب من احتکم من الخلفاء الی القضاء	ابو ہلال العسکری	مخطوط	کتاب السنن	الدارمی	مصر
کتاب السنن	ابن ماجہ قزوینی	مصر	کتاب المعتصر	جمال الدین حنفی	مصر
کتاب البستان	ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی	مخطوط	کتاب الصناعتین	ابو ہلال العسکری	مصر
کتاب الموفقیات	زبیر بن بکار زبیری	مخطوط	کتاب الغارات	ابراہیم بن محمد ثقفی	مخطوط
کتاب الطرائف	سید ابن طاؤس	ایران	کتاب مواعظ وزواجر	ابو ہلال العسکری	مخطوط
کتاب المغنی	قاضی عبدالجبار		کتاب الشافی	سید مرتضی	ایران
کتاب الجمل	شیخ مفید	عراق	کتاب الکافی فی الاصول	محمد بن یعقوب کلینی	ایران
کتاب الکافی فی الفروع	محمد بن یعقوب کلینی	ایران	کتاب الروضہ من الکافی	محمد بن یعقوب کلینی	ایران
کتاب الالفاظ الکتابیہ	عبدالرحمن بن عیسی ہمدانی	بیروت	کتاب المجمل	ابن فارس لغوی	مخطوط

کتاب الصحاح اللغۃ	ابونصر اسمعیل جوہری	مصر	کتاب الامامۃ والسیاسۃ	ابن قتیبہ دینوری	مصر
کتاب الشفاء	حکیم بوعلی سینا	مخطوط	کتاب العرائس	احمد بن محمد ثعلبی نیشاپوری	مصر
کتاب الرجال	ابوعمرو الکشی	ہند	کتاب الخصال	ابن بابویہ قمی	ایران
کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف	ابوبکر محمد بن اسحاق بخاری	مصر	کتاب اللمع فی التصوف	ابونصر سراج طوسی	لندن
کتاب العمدہ	ابن رشیق قیروانی	مصر	کتاب التدوین	عبدالکریم بن محمد رافعی	مخطوط
کتاب الدیارات	علی بن محمد شابشتی	مخطوط	کتاب الدیارات النصرانیہ فی الاسلام	حبیب زیات	بیروت
کتاب التوحید	ابن بابویہ قمی	ایران	کتاب المدخل فی الفلسفہ	افلاطون مترجم ابوالعلاء عفیفی پاشا	مصر
کتاب معرفۃ اخبار الرجال	محمد بن عمر کشی	ہند	کتاب الفہرس	شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی	ہند
کتاب الفہرس	ابن ندیم	مصر	کتاب الرجال	ابوالعباس نجاشی	ایران
کتاب الصفین	نصر بن مزاحم منقری	ایران	کتاب الخلفاء	علی بن محمد مدائنی	
کتاب المبرد	ابوالعباس المبرد	مصر	کتاب المجتبیٰ	محمد بن درید ازدی	ہند
کتاب التہذیب	محمد بن حسن طوسی	ایران	کتاب الامالی	محمد بن حسن طوسی	ایران
کتاب المقتضب	ابوالعباس مبرد		کتاب المغازی	سعید بن یحیی اموی	
کتاب الجمل	محمد بن عمر واقدی		کتاب المقامات فی مناقب امیرالمؤمنین	ابوجعفر اسکافی	مخطوط
کتاب المناقب	علی بن محمد بن المغازلی	مخطوط	کتاب المناقب	موفق بن احمد اخطب خوارزم	ایران
کتاب الوزراء والکتاب	محمد بن عبدوس الجہشیاری	وانیا یورپ	کتاب الخفا	العجلونی	
کشف الظنون	حاجی خلیفہ چلپی	مصر	کفایۃ الطالب	محمد بن یوسف گنجی شافعی	مخطوط
کلیات	ابوالبقاء کفوی	مصر	کنز العمال	علی متقی	ہند
کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف مناوی	ہند	لسان العرب	محمد بن مکرم افریقی	مصر
لمعات صداقت	ابوالکلام آزاد	ہند	لؤلؤ البحرین	یوسف بحرانی	مخطوط
لواقح الانوار فی طبقات الاخیار	عبدالوہاب شعرانی	مصر	لیویز فرام تہری انشینٹ فرانس	ربورنڈ الفانسو میگنن	یورپ
ماللہند من مقولہ	ابوریحان بیرونی	مصر	مثل السائر فی الادب الکاتب والشاعر	ابن اثیر جزری	مصر

مجازات النبویہ	سید رضی	عراق	مجالس المؤمنین	نور اللہ شوستری	ایران
مجمع الامثال	ابوالفضل میدانی	مصر	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر فتنی	ہند
مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابوبکر ہیثمی	مصر	مجمع الاداب فی معجم الالقاب	عبدالرزاق بن احمد شیبانی فوطی	
مجموعۃ الرسائل	ابوعثمان عمرو الجاحظ	مصر	مجموعہ کلمات امیر المومنینؑ	نشر کردہ الاب لویس شیخو	مصر
مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی	دکتور حمید اللہ	مصر	مجموعہ کلمات علیؑ	نشر کردہ احمد رضا عاملی	صیدا
مجمل فی تاریخ الادب العربی	طہ حسین، احمد امین وغیرھم	مصر	مجلۃ العرب (مضمون الفلسفہ التاریخ الاسلامی)	دکتور مصطفی جواد	ہند
مجلۃ العرفان		صیدا	مجلۂ الہلال جلد ۳۵ جز ۵ مضمون استاد کرد علی دمشقی		مصر
مجلۂ معہد المخطوطات العربیہ		مصر	محاضرات الادباء	راغب اصفہانی	مصر
محمد المثل الکامل	محمد احمد جاد مولی بک	مصر	مختار الصحاح	محمد بن ابوبکر رازی	مصر
مخطوطات الموصل	داؤد چلپی	بغداد	مدارک نہج البلاغہ	شیخ ہادی کاشف الغطا	عراق
مراتب النحویین	ابوالطیب لغوی	مخطوط	مراۃ الجنان	عبداللہ یافعی	مصر
مراۃ الحرمین	ابراہیم رفعت	مصر	مراۃ النساء	محمد کمال الدین ادہمی	مصر
مرقات	ملا علی قاری	مصر	مروج الذہب	علی بن حسین مسعودی	مصر
مزہر فی علوم اللغۃ	جلال الدین سیوطی	مصر	مسالک الابصار	ابن فضل اللہ عمری	مخطوط
مسالک البہیہ فی قواعد النحویہ	عبدالرحیم صفی پوری	ہند	مستدرک	ابوعبداللہ محمد بن بیع الحاکم	مصر
مستدرک نہج البلاغہ	شیخ ہادی نجفی	عراق	مستطرف	شہاب الدین احمد الاشبہی	مصر
مشارق الانوار	شیخ رجب برسی	ہند	مشکاۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ عمری	ہند
مصابیح السنۃ	حسین بن مسعود بغوی	مصر	مصباح المنیر	احمد بن محمد مقری	مصر
مطالب السئول	محمد بن طلحہ قرشی	ہند	مطالعہ مذہب اسلام	جے جے پال	ہند
معالم التنزیل	حسین بن مسعود بغوی	ایران	معانی الاخبار	ابن بابویہ قمی	مخطوط
معجم الادباء	یاقوت حموی	مصر	معجم البلدان	یاقوت حموی	مصر

کتاب	مصنف	مقام	کتاب	مصنف	مقام
مغنی اللبیب	جمال الدین بن ہاشم انصاری	مصر	مفتاح العلوم	محمد بن احمد الخوارزمی	مصر
مفتاح الفتوح	احمد بن منصور کازرونی	مخطوط	مفردات	ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی	مصر
مقاتل الطالبین	ابوالفرج اموی	عراق	مقتبس السیاسۃ	محمد عبدہ	مصر
مقتطف ماہ مارچ ۱۹۱۳ء جلد ۴۲		مصر	المقدمہ	دکتور احمد فرید رفاعی	مصر
مقدمۂ ابن خلدون	عبدالرحمن بن محمد حضرمی	مصر	مقدمۃ الادبیہ شرح نہج البلاغہ	مرصفی	مصر
مقدمۃ المقالات التوحیدی	حسن سندوبی	مصر	الملل والنحل	محمد بن عبدالکریم شہرستانی	مصر
منتخب کنزالعمال	علاء الدین علی بن حسام متقی	مصر	منجد	لویس معلوف یسوعی	مصر
منہاج فی ادب العربی وتاریخہ	دکتور عمر فروخ	بیروت	منہاج البلاغہ شرح نہج البلاغہ	قطب الدین راوندی	ایران
منہج المقال	محمد بن علی استر آبادی	ایران	من لایحضرہ الفقیہ	ابن بابویہ قمی	ایران
موافقات	الشاطبی	مصر	مؤطا	امام مالک بن انس	مصر
میزان الاعتدال	محمد بن احمد ذہبی	مصر	نثر الدر	ابوسعید منصور بن حسین آبی	مخطوط
نثر الفنی فی القرن الرابع	دکتور زکی مبارک	مصر	نثر اللئالی مجموعہ کلمات امیر المؤمنینؑ	فضل اللہ راوندی	ایران
نحو میر	سید شریف	ہند	نزہۃ الادب	ابوسعید منصور بن حسین آبی	مخطوط
نزہۃ الالبا	عبدالرحمن بن محمد انباری	مخطوط	نقد الشعر	ابن قدامہ	مصر
نوادر	ابوعلی قالی	مصر	نہایہ فی غریب الحدیث	ابن اثیر	مصر
نہج البلاغہ مجموعہ کلام علی بن ابی طالبؑ	جامع سید رضی	مصر	نہج القویم فی کلام امیر المؤمنین	مولی خلف بن مطلب مشعشی	مخطوط
نیوانٹروڈکٹری لکچرز	سگمنڈ فرائڈ	آکسفورڈ	وسائل الشیعہ	شیخ حر عاملی	ایران
وسیط النحو		ہند	وفیات الاعیان	ابن خلکان	مصر
ہسٹری آف رومن امپائر	گبن	لندن	یتیمۃ الدہر	ابو منصور عبدالملک ثعالبی	مصر
ینابیع المودۃ	شیخ سلیمان قندوزی	قسطنطنیہ	الغدیر	عبدالحسین الامینی	
عبقات الانوار	علامہ سید حامد حسین موسوی	لکھنو			

۳۴۳ کتابوں کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے۔